سراج الوقایہ
شرح اردو
شرح الوقایہ
مولانا مفتی کفیل الرحمان صاحب عثمانی (مفتی دار العلوم دیوبند)
مکتبہ شرکت علمیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان فون: 547676

مترجم وشارح :

مولانا مفتی کفیل الرحمان صاحب عثمانی (مفتی دار العلوم دیوبند)

اس شرح کی چند اہم خصوصیات (۱) پوری عبارت کا عام فہم اور آسان انداز میں ترجمہ کر دیا گیا (۲) ترجمہ کے اندر جو لفظ غیر مشہور آیا، قوسین ( ) کے اندر آسان لفظ میں اس کی تشریح کر دی گئی (۳) متعلقہ باب کے مسائل کی مکمل تشریح کی گئی (۴) ائمہ اربعہ و دیگر مشہور ائمہ کرام کے مسلک کو مع الدلائل واضح انداز میں بیان کیا گیا (۵) بعض مشکل الفاظ کی ادبی طرز پر تحقیق کی گئی جس میں زیر، زبر، پیش کے فرق کو معنوں کے ساتھ واضح کر کے بیان کیا گیا (۶) مستدلات واحادیث کے ماخذ ومرجع کی نشاندہی کی گئی (۷) شرح الوقایہ کے شروع میں جو عمدۃ الرعایۃ ہے اس کا خلاصہ بہترین طریقہ سے اردو میں پیش کیا گیا (۸) علم فقہ پر ایک جدید، جامع اور مفصل مقدمہ بنام مقدمۃ الفقہ کا اضافہ کیا گیا جس سے تمام شروحات خالی ہیں (۹) صاحب وقایہ و صاحب شارح وقایہ کے حالات زندگی کا خلاصہ جامع انداز میں پیش کیا گیا (۱۰) تین جید علماء واساتذۂ تدریس کے ذریعہ اس شرح کی نظر ثانی وتصحیح کرائی گئی۔

مَکتبۂ شِرکتِ عِلمِیہ

بیرون بوہڑ گیٹ - ملتان فون ۵۴۷۳۰۹

1
2

سلامت اقبال پرنٹنگ پریس چوک فوارہ ملتان

فہرست مضامین سراج الوقایہ جلد اول

فہرست مضامین سراج الوقایہ

صاحب وقایہ — وشارح وقایہ

نام ونسب مشارح وقایہ کا نام عبید اللہ ہے اور لقب صدر الشریعۃ الاصغر اور والد کا نام مسعود ہے اور دادا کا نام محمود اور لقب تاج الشریعہ ہے (علامہ دمیاطی نے تعالیق الانوار علی الدر المختار میں بواسطہ شیخ مرتضی حسینی تاریخ بخارا سے اور علامہ کفوی رومی نے کتاب اعلام الاخیار فی طبقات فقہاء مذہب النعمان المختار میں علامہ ازمیق نے مدینۃ العلوم میں یہی ذکر کیا ہے علامہ قہستانی نے جامع الرموز میں اور ملا لطف اللہ نے حواشی شرح میں دادا کا نام عمر بتایا ہے۔

اور پردادا کا نام احمد ہے اور لقب صدر الشریعۃ الاکبر ہے اور پردادا کے باپ کا نام عبید اللہ ہے اور لقب جمال الدین اور کنیت ابو المکارم اور عبید اللہ جمال الدین کے باپ کا نام ابراہیم ہے آخر میں آپ کا نسب حضرت عبادہ بن الصامت رض سے مل جاتا ہے شجرہ نسب یہ ہے :- صدر الشریعۃ الاصغر عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ محمود بن صدر الشریعۃ الاکبر احمد بن جمال الدین ابی المکارم عبید اللہ بن ابراہیم بن احمد بن عبد الملک بن عمیر بن عبد العزیز بن محمد بن جعفر بن خلف بن ہارون بن محمد بن محمد بن محبوب بن الولید بن عبادہ بن الصامت الانصاری المحبوبی۔

رفع اشتباہ ہم نے یہ پوری تفصیل اس لیے ذکر کی کہ ان کے نسب کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے غلطی کی ہے چنانچہ صاحب مدینۃ العلوم نے عبید اللہ کو تاج الشریعہ کا والد قرار دیا ہے اور ان کے درمیان جو صدر الشریعۃ الاکبر احمد کا واسطہ ہے اس کو حذف کر دیا فانہ قال "ومن شرح الہدایۃ الکفایۃ لتاج الشریعۃ وہو محمود بن عبید اللہ بن محمود المحبوبی اھ" نیز عبید اللہ کے باپ کا نام محمود مانا ہے حالانکہ ان کا نام ابراہیم ہے اسی طرح قہستانی نے اپنی عبارت "عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ عمر بن صدر الشریعہ عبید اللہ بن محمود بن محمد المحبوبی اھ" میں پے در پے پانچ جگہ غلطی کی ہے۔ اول یہ کہ تاج الشریعہ کا نام عمر قرار دیا ہے حالانکہ انکا نام محمود ہے دوم یہ کہ تاج الشریعہ کو عبید اللہ کا بیٹا مانا ہے حالانکہ وہ احمد بن عبید اللہ کا بیٹا ہے سوم یہ کہ صدر الشریعہ کو عبید اللہ کا لقب دیا ہے حالانکہ وہ ان کے بیٹے احمد کا لقب ہے جو تاج الشریعہ کے باپ ہیں چہارم یہ کہ عبید اللہ کے والد کو محمود کے ساتھ موسوم کیا ہے حالانکہ وہ مسمیٰ بابراہیم ہے پنجم یہ کہ عبید اللہ کے دادا کو محمد کے ساتھ موسوم کیا ہے حالانکہ ان کا نام احمد بن عبد الملک ہے۔ اسی طرح صاحب کشف الظنون وغیرہ نے بھی سلسلۂ نسب میں کئی جگہ غلطی کی ہے جس کی تفصیل مقدمہ سعایہ مقدمہ عمدۃ الرعایۃ اور الفوائد البہیہ میں موجود ہے۔

تحصیل علوم | شارح وقایہ اپنے وقت کے امام جامع معقول ومنقول، محدث جلیل، بے مثل فقیہ، علم تفسیر، علم خلاف وجدل، نحو ولغت، ادب وکلام اور منطق وغیرہ کے متبحر عالم تھے علم کی تحصیل اپنے دادا تاج الشریعہ وغیرہ اکابر علماء سے کی تھی آپ کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ فضل وکمال منتقل ہوتا رہا آپ کے جد امجد صدر الشریعہ الاکبر سے مشہور ہوئے تو آپ صدر الشریعۃ الاصغر کہلائے حافظ ابو طاہر محمد بن حسن بن علی طاہری اور صاحب فصل خطاب محمد بن محمد بخاری مشہور بخواجہ پارسا وغیرہ آپ کے شاگرد رشید ہیں۔

وفور علم وطرز تدریس | علامہ قطب الدین رازی شارح شمسیہ آپ کے ہمعصر ہیں اور معقولات میں طرفہ روزگار انہوں نے آپ سے بحث ومباحثہ کرنا چاہا تو پہلے آپ نے اپنے پروردہ غلام وتلمیذ خاص مولوی مبارک شاہ کو ان کے درس میں بھیجا اسوقت آپ ہراۃ میں تھے اور قطب الدین رَے میں تھے مبارک شاہ نے وہاں پہونچ کر دیکھا کہ صدر الشریعہ ابن سینا کی کتاب الارشادات اس طرح پڑھا رہے ہیں کہ نہ مصنف کی پیروی کرتے ہیں اور نہ کسی شارح محقق طوسی وغیرہ کی مبارک شاہ نے درس کی یہ کیفیت دیکھ کر قطب الدین رازی کے پاس لکھا کہ یہ شخص تو آگ کا شعلہ ہے آپ اس کے مقابلہ کے لئے ہرگز نہ آئیں ورنہ شرمندگی ہوگی قطب الدین نے مبارک شاہ کی یہ بات مان لی اور مباحثہ کا خیال چھوڑ دیا۔

سنہ وفات وآرامگاہ | آپ نے بزبان حافظ یہ کہتے ہوئے ؎

ایں جانِ عاریت کہ بحافظ سپرد دوست ÷ روزے رخش ببینم وتسلیم وے کنم

سنہ ۷۴۷ھ میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔ تعدیل العلوم کا تعارف کراتے ہوئے صاحب کشف الظنون نے کتاب الطبقات میں علامہ کفوی نے اور خطیب عبد الباقی وغیرہ نے سنہ وفات یہی ذکر کیا ہے ملا علی قاری نے چھ سو پچاس کے قریب بتایا ہے اور صاحب کشف الظنون نے وشاح، وقایہ، نقایہ اور شرح فصول الخمسین کا تعارف کراتے ہوئے ۷۴۵ھ ذکر کیا ہے غالب یہ ہے کہ پہلا قول (۷۴۷ھ) ہی صحیح ہے۔

آپ کا اور آپ کے والدین کا اور والدین کے اجداد سب کے مزارات شارع آبار بخارا میں ہیں اور آپ کے دادا تاج الشریعۃ اور نانا برہان الدین کا مزار کرمان میں ہے۔

تصنیفات وتالیفات | آپ نے مشہور فقہی کتاب وقایہ کی (جو آپ کے دادا تاج الشریعہ کی تصنیف ہے) اعلیٰ شرح لکھی جو نہایت مقبول ومتداول اور داخل درس ہے پھر وقایہ متن کا اختصار کیا جو نقایہ کے نام سے موسوم ہے جس کو عمدہ بھی کہتے ہیں اصول فقہ میں تنقیح پھر اس کی شرح توضیح لکھی جس کی شرح سعد الدین تفتازانی نے تلویح کے نام سے کی ہے یہ بھی داخل درس ہیں ان کے علاوہ دوسری اہم تصانیف ہیں۔

المقدمات الاربعہ۔ تعدیل العلوم (اقسام علوم عقلیہ میں) وشاح (علم معانی میں) شرح فصول الخمسین (نحو میں) کتاب الشروط، کتاب المحاضرہ وغیرہ۔ مشکلات علوم اور مسائل کے حل میں آپ بڑے ماہر تھے اس لئے آپ کی تمام تصانیف سے نفع عظیم ہوا۔

مقدمۃ الفقہ

فقہ کی لغوی تحقیق اور وجہ تسمیہ

لغت میں فقہ بفہم' سمجھداری اور ذہانت کو کہتے ہیں اور فقیہ ذہین اور سمجھدار شخص کو کہا جاتا ہے (کمافی الصحاح للجوہری ج ۶ صفحہ ۲۲۴۳) لفظ فقہ باب سمع یسمع سے آتا ہے بمعنی فہم یفہم جیساکہ قرآن پاک میں ہے یا شعیب مانفقہ کثیرا مما تقول' اس صورت میں فقہ کو فقہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ فقہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام (جو حلال و حرام سے متعلق ہیں) سمجھے جاتے ہیں اور ہر سمجھنے والے کو بصیغہ فاعل فقیہ کہتے ہیں۔ اور باب کرم سے بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی علم یعلم (جاننا) (کمافی المنجد عربی) اور باب فتح یفتح سے شق شق (بمعنی پھاڑنا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ فقہاء مسائل کی چادر کو پھاڑ کر تحقیق کرکے احکام کے استنباط المتنخواج میں دوسروں سے آگے نکل جاتے ہیں اس لئے ان کو فقہاء کہتے ہیں' در مختار کے مطابق بھی فقہ کے لغوی معنی دانستن (جاننا) ہے پھر یہ علم شریعت کے ساتھ خاص ہوگیا۔

فقہ کی قدیم اصطلاحی تعریف

واضح ہو کہ فقہ کی موجودہ اصطلاحی تعریف عہد رسالت سے تابعین کے زمانہ تک کسی کے نزدیک نہیں تھی بلکہ ان کے نزدیک فقہ سے مراد دین کی تمام تعلیمات (خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبہ زندگی سے ہو) کی گہری بصیرت و مہارت اور پورے دین کی گہری سمجھ' ہے اور فقیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو پورے دین کی گہری بصیرت و مہارت رکھتا ہو چنانچہ جب حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں مسئلہ میں فقہاء آپ کے خلاف کہتے ہیں' تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اپنی آنکھ سے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے' فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو آخرت کا طلبگار ہو' اپنے دین کی بصیرت رکھتا ہو' اپنے رب کی عبادت کرتا ہو' متقی ہو' مسلمانوں کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرتا ہو' ان کے مال و دولت سے بے تعلق ہو اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہو (کمافی ردالمحتار ج ۱ صفحہ ۳۵ و مرقات شرح مشکوۃ لملا علی قاری صفحہ ۲۶۷ ج ۱ و الکوکب الدری لعلامہ رشید احمد گنگوہی ج ۲ صفحہ ۱۳۳)

اس لئے امام الائمہ سراج الامہ ابو حنیفہؒ نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے الفقہ معرفۃ النفس مالھا وما علیھا یعنی فقہ کہتے ہیں ان چیزوں کو جاننا جن کے جاننے سے اپنے نفس کے مفید اور مضر (دونوں) پہلو معلوم ہو جائیں (کمافی توضیح و تلویح' البحر الرائق ج ۱ صفحہ ۶) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ فقہ علم و عمل دونوں کے مجموعے کا نام ہے (کمافی احیاء العلوم لحجۃ الاسلام امام غزالیؒ) علامہ زرنوجیؒ (شاگرد

رشید صاحب بدایہ) تعلیم المتعلم میں فرماتے ہیں الفقہ معرفۃ دقائق العلم مع نوع علاج بہرحال اسی تعریف قدیم کی رو سے فقہ میں تینوں قسم کے احکام (ا) وہ احکام جن کا تعلق عقائد سے ہے جیسے اللہ کی ذات وصفات اور توحید پر ایمان لانا جس کو علم الکلام کہا جاتا ہے (۲) وہ احکام جن کا تعلق باطنی اخلاق وعادات سے ہے جیسے اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنا' نیت کو خالص رکھنا وغیرہ جس کو تصوف کہا جاتا ہے (۳ وہ احکام جن کا تعلق بندے کے ظاہری اعضاء سے ہے جیسے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ شامل ہیں۔

قدیم اصطلاحی فقہ کا موضوع

اس تعریف کی پیش نظر اس کا موضوع عقائد اور تمام ظاہری وباطنی اعمال ہیں (یعنی علم الکلام والتصوف بھی موضوع میں شامل ہیں۔)

فقہ کی جدید اصطلاح کی ضرورت

عہد رسالت کے بعد جب اسلام کی فتوحات دنیا میں پھیلیں' بڑے بڑے متمدن ممالک اسلام کے زیر حکومت آئے' دوسری قوموں کے بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے' نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں' اور نت نئے حالات ومسائل سامنے آئے جن کا جواب دلیل وتفصیل کے ساتھ دینا فقہاء پر لازم ہوا اور اس کے نتیجہ میں مذکورہ تینوں قسم کے احکام ومسائل میں دلائل اور متعلقہ مباحث کا بھی اضافہ ہوتا رہا' تو ضرورت اس بات کی ہوئی کہ آسانی اور سہولت کیلئے تینوں قسموں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرکے الگ الگ مرتب کیا جائے چنانچہ اس طرح علم فقہ تین علوم میں تقسیم ہوگیا اور ہر علم کا الگ الگ نام رکھ دیا گیا (ا) علم کلام (۲) علم تصوف (۳) جدید اصطلاح کے مطابق موجودہ علم فقہ (جسکی تفصیل آرہی ہے)

فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف

چونکہ دینی احکام کی دو قسمیں فقہ سے الگ کردی گئیں لہذا فقہ کا موضوع اور دائرہ کار نسبتاً کافی محدود ہوگیا۔ اسی وجہ سے متاخرین کو ایک مستقل علم وفن کی حیثیت سے فقہ کی تعریف از سرنو کرنی پڑی' اب فقہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہوگئی کہ العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ (الفرعیۃ)

المکتسب من ادلتھا التفصیلیۃ (کمانی تسہیل الوصول' البحر الرائق' التوضیح والتلویح) یعنی اصطلاح میں فقہ ظاہری اعمال کے ان احکام شرعیہ کے جاننے کا نام ہے جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کئے گئے ہوں' اور وہ تفصیلی دلائل چار ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنۃ رسول اللہ (۳) اجماع الامۃ (۴) القیاس الشرعی۔

فوائد قیود

العلم' کی قید سے ظن نکل گیا۔ یعنی اگر کسی کو احکام شرعیہ کا علم نہو بلکہ ظن ہو تو اس کو فقیہ نہیں کہا جاسکتا' احکام حکم کی جمع ہے' اس سے پتہ چلا کہ ایک دو حکم جاننے والے کو بھی فقیہ نہیں کہا جاسکتا۔ الشرعیہ کی قید سے غیر شرعی احکام (مثلاً امور عقلیہ و حسیہ) نکل گئے صرف ان کا جاننے والا بھی فقیہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

العملیۃ سے ظاہری اعمال (مثلاً نماز' روزہ' زکوۃ' حج' کھانا پینا' سننا وغیرہ) مراد ہیں جس سے فقہ کو تصوف اور علم کلام سے ممتاز کرنا مقصود ہے کیونکہ علم کلام میں عقائد کا بیان ہوتا ہے اور تصوف میں باطنی اعمال کا' ہاں کبھی' فقہ میں ضمناو تبعا عقائد و باطنی اعمال کا بیان بھی آجاتا ہے۔

المکتسب من ادلتھا التفصیلیۃ اس قید سے تین قسم کے لوگ خارج ہوگئے (۱) وہ حضرات جن کو احکام شرعیہ کا علم دلیل کے بغیر (مثلاً فقہاء سے سنکر یا ان کی کتابوں میں پڑھ کر) حاصل ہوا ہے۔
(۲) وہ حضرات جن کو احکام شرعیہ کا علم دلیل سے تو حاصل ہوا۔ لیکن خود انہوں نے دلائل سے احکام مستنبط نہیں کئے بلکہ یہ حضرات جس مجتہد کی تقلید کرتے ہیں ان کے بتانے سے دلائل معلوم ہوئے (۳) وہ حضرات جن کو احکام شرعیہ کا علم دلیل اجمالی سے (مثلاً نماز قائم کرنا فرض ہے کیونکہ قرآن سے ثابت ہے اب قرآن کی کس آیت سے ثابت ہے یہ معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس حکم کے خلاف کوئی اور آیت یا حدیث مشہور موجود ہے یا نہیں) حاصل ہوا۔ حالانکہ فقیہ بننے کیلئے احکام شرعیہ کا علم دلیل تفصیلی سے ہونا ضروری ہے۔ مثلاً نماز قائم کرنا فرض ہے' کیونکہ آیت باری تعالی اقیموا الصلوۃ الآیۃ سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور فرضیت صلوۃ کے خلاف کوئی اور آیت اور حدیث مشہور بھی موجود نہیں۔ اس تفصیل سے پتہ چلا کہ فقیہ درحقیقت صرف مجتہد کو ہی کہہ سکتے ہیں غیر مجتہد کو خواہ ہزارہا احکام شرعیہ مع ان کے دلائل معلوم ہوں تب بھی وہ فقیہ نہیں ہاں مجازاً" اس پر فقیہ کا اطلاق ہوسکتا ہے (ملاحظہ ہو رد المحتار ج ۱ صفحہ ۳۵' البحر الرائق ج ۱ صفحہ ۸)

(۲) دوسری تعریف یہ ہے' ھو الاصابۃ والوقوف علی المعنی الخفی الذی یتعلق بہ الحکم وھو علم

مستنبط بالرأی والاجتهاد ویحتاج فیہ النظر والتامل اس تعریف کے لحاظ سے اللہ کو فقیہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ کوئی چیز ان سے مخفی نہیں ہے (کمافی کتاب التعریفات صفحہ ۷۲)

فروع علم فقہ

واضح ہو کہ فروع علم فقہ پانچ ہیں (۱) علم الفرائض (۲) علم الشروط والسجلات (۳) علم القضاء (۴) علم حکم التشریع (۵) علم الفتاوی (ملاحظہ ہو مفتاح السعادۃ دوحہ سادسہ)

بعض حضرات نے فروع علم فقہ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ فروع علم فقہ چار ہیں ① العبادات 'اس کی پانچ قسمیں ہیں (۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوۃ (۴) حج (۵) الجہاد ② السناکحات' اس کے فروع یہ ہیں التزواج 'الطلاق 'النفقۃ وغیرہ ③ المعاملات اس کے فروع بیع 'ایجار شرکات 'رباء 'میراث وغیرہ ہیں ④ العقوبات 'اس کی پانچ قسمیں ہیں (۱) قصاص (۲) سرقہ (۳) زنا (۴) ردۃ (۵) قذف

(کمافی المعلومات النافعہ لاحمد جودت پاشا صفحہ ۷۱ طبع استنبول)

فقہ کا موضوع

فقہ کا موضوع مکلف کے افعال ہیں حلال وحرم کی حیثیت سے 'مکلف سے عاقل بالغ مراد ہے۔ لہٰذا نابالغ اور مجنون کے افعال فقہ کا موضوع نہیں ہیں۔

غرض وغایت اور ثمرۂ فقہ

دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی غرض وغایت ہے 'اور تقوی کا حصول ثمرۂ فقہ ہے فقہ کا ماخذ اور مابہ الاستمداد

فقہ کا ماخذ چار ہیں کتاب اللہ 'سنت رسول اللہ 'اجماع الامۃ 'القیاس الشرعی 'مابہ الاستمداد سے مراد وہ چیزیں جن سے فقہ میں مدد لی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہی چار ہیں۔

فقہ کا درجہ اور اس کا حکم

فقہ کا شمار علوم عالیہ نقلیہ میں سے ہوتا ہے (یعنی وہ علوم جو مقصودہ ہونے کے ساتھ ساتھ نقلیہ بھی

ہیں) واضح ہو کہ ضروریات دین کا سیکھنا فرض عین ہے اور ہر اس معاملہ کا سیکھنا ضروری ہے جس میں وہ فی الحال مبتلا ہے اس کی علاوہ بقیہ کا حصول سنت واستحباب کے درجہ میں ہے۔

عہد نبوی میں تعلیم مسئلہ کا طریقہ

حضورؐ کے زمانہ میں تعلیم مسئلہ کا یہ طریقہ نہیں تھا جو آج ہے کہ فقہ کے نام سے مستقل تصانیف اصول فقہ کے نام سے الگ کتابیں ہر نوع اور ہر ہر مسئلہ پر جدا جدا رسائل لکھے جاتے اور پائے جاتے ہیں بلکہ جب کوئی حکم نازل ہوا تو حضورؐ نے اس کو قولاً وفعلاً خود کر کے بتلا دیا وضوء کا حکم آیا تو خود وضوء فرما کر بتلادیا اور نماز نازل ہوئی تو جبرائیل امین نے پڑھ کر حضورؐ کو بتلادی اور امت کو سکھادی اور اس میں یہ تدقیقات نہیں ہوتی تھیں کہ فلاں جزء فرض ہے' فلاں رکن ہے فلاں سنت ہے' فلاں واجب و مستحب ہے صحابہ کرامؓ احتمالات اور عقلیات دریافت نہیں فرماتے تھے اگر کوئی جرح بھی کرتا تھا تو اس کو خلاف ادب شمار کیا جاتا تھا۔

عہد صحابہ میں اجتہاد واستنباط کی ضرورت اور مختلف فرقوں کا وجود

زمانۂ نبوت کے بعد عہد صحابہ میں جب اسلامی فتوحات کو وسعت ہونے لگی اور دائرہ خلافت وسیع ہونے لگا اور صحابہ کرام مختلف بلاد میں منتشر ہوگئے تو اکثر ایسے واقعات پیش آئے جن میں اجتہاد واستنباط کی ضرورت پڑتی تھی مثلاً کسی نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کردیا تو یہ بحث آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اور یہ تو ممکن نہیں تھا کہ نماز کے تمام اعمال فرض قرار دیا جائے یا واجب قرار دیا جائے اس لئے صحابہ کو یہ تفریق کرنی پڑی کہ فلاں عمل فرض ہے' فلاں جزء واجب ہے' فلاں سنت ہے' فلاں مکروہ ہے' فلاں حرام ہے اور اس تفرقہ کیلئے جو اصول قرار دے جاسکتے تھے ان پر تمام اصحاب کا اتفاق ممکن نہ تھا اس لئے مسائل میں اختلاف پیدا ہوگیا اور صحابہ کی آراء مختلف ہوگئیں شروع میں یہ اختلاف ضعیف تھا۔ رفتہ رفتہ اختلاف کی حیثیت قوی سے قوی تر ہوتی گئی اور تدوین فقہ کی سخت ضرورت محسوس ہونے لگی۔

ونیز خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں میں مختلف فرقے وجود میں آنا شروع ہوگئے مثلاً (۱) خارجی (۲) شیعہ (۳) اہل حدیث کی جماعت جو صرف ظاہر حدیث پر عمل ضروری جانتی تھی رائے اور قیاس کی طرف نظر نہیں کرتی تھی۔ اور ایسے مسائل میں جو خارج میں واقع نہیں ہوئے غور وخوض کو

مذموم جانتی تھی (۴) اہل الرائے کی جماعت۔ جو قرآن وحدیث کے ساتھ درایت پر عمل ضروری جانتی تھی اور علل واسباب کے تحت تفریع مسائل متوقعہ کی طرف بھی توجہ دیتی تھی۔ آخری دونوں جماعتیں بنی امیہ کے وسطی دور میں پیدا ہوئیں اہل حجاز اکثر اہل حدیث تھے جن میں امام مالک کا استاد ربیعۃ الرائے مشہور ہے' اور اہل العراق اکثر اہل الرائے تھے جن میں ابراہیم نخعی اور ان کے شاگرد حماد بن ابی سلیمان زیادہ مشہور ہوئے۔

غیر مرتب طور پر فقہ کی ابتداء

عہد نبوی سے خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت (۳۵ھ) تک بلاد اسلامیہ اور علوم وفنون کا مرکز مدینہ منورہ رہا اس کے بعد حضرت علیؓ کے زمانہ میں ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک کوفہ مرکز رہا' اس سے پہلے حضرت عمر فاروق ؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ میں معلم ومفتی بنا کر بھیجا تقریباً دس سال وہ وہاں رہے ان کے فتاوی کا کافی ذخیرہ غیر مرتب طور پر تھا جو منتقل ہو کر علقمہؒ کے پاس آیا' انہوں نے اس کی توضیح وتشریح کی پھر وہ حضرت ابراہیم نخعیؒ (المولود ۵۰ھ المتوفی ۹۴ھ) کے پاس آیا انہوں نے اس کو خوب منقح کیا اور اس سلسلے کے تمام فوائد ونوادر کو جمع کیا پھر وہ ذخیرہ حضرت حمادؒ کے پاس آیا انہوں نے اس کو مزید منقح کیا پھر جب حضرت حمادؒ کا ۱۲۰ھ میں وصال ہو گیا تو لوگوں نے امام الائمہ سراج الامۃ ابوحنیفہؒ کو اس کا جانشین مقرر کر دیا۔ اور فقہ کا مذکورہ ذخیرہ ان کے پاس آیا' اور اس زمانہ تک فقہ کے کافی مسائل غیر مرتب طور پر مدون ہو چکے تھے لیکن ان کو فنی حیثیت حاصل نہ تھی اور نہ استنباط واستدلال کے قواعد مقرر تھے نہ تفریع احکام کے اصول منضبط تھے نہ حدیثوں میں امتیاز مراتب تھا نہ قیاس واستحسان اور الحاق النظیر بالنظیر کے ضوابط متعین تھے۔

موجودہ فقہ کی تدوین کا داعیہ

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے صحابہ کرام کو بلاد اسلامیہ میں منتشر پایا اور متاخرین کے سوء حفظ اور یاد داشت کی کمی کو محسوس کیا اور ۱۳۰ ہجری میں حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں بلاد مختلفہ کے مختلف الخیال علماء وفضلاء سے ملاقات ہوئی' تبادلہ خیال ہوا مختلف بلاد کے حالات وضروریات ومسائل سے بھی واقفیت ہوئی تو ان کے دل میں الہامی طور پر باقاعدہ اصول وضوابط کے تحت فقہ کی تدوین کا داعیہ پیدا ہوا جسکو عملی جامہ پہنانے کیلئے عزم بالجزم کر لیا

موجودہ فقہ کی تدوین کی ابتداء

۱۲۰ھ میں امام حمادؒ کا انتقال ہونے کے بعد امام صاحب کے دل میں باقاعدہ تدوین فقہ کا خیال آیا۔ لیکن وہ اس اہم کام کو اپنی ذاتی معلومات تک منحصر کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ۱۳۲ھ کے بعد بنی امیہ کی حکومت کے اختتام کے ساتھ اپنے ایک ہزار شاگردوں میں سے چالیس کو تدوین فقہ کیلئے منتخب کیا (جس کی کچھ تفصیلی بحث آرہی ہے) جنہوں نے لیل ونہار محنت ومشقت اور بحث ومباحثہ کے بعد موجودہ فقہ کو مدون کیا تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان کام پچیس تیس سال کی طویل مدت میں دور عباسیہ کی ابتداء دوسری صدی ہجری میں اختتام پذیر ہوا۔ امام المحدثین عبداللہؒ بن المبارک فرماتے ہیں۔

لقد زان البلاد ومن علیہا + امام المسلمین ابوحنیفہ
باٰثار وفقہ فی حدیث + کاٰیات الزبور علی الصحیفہ
فما فی المشرقین لہ نظیر + ولا بالمغربین ولا بکوفہ
(کما فی فہرست لابن ندیم صہ ۲۸۴)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اصول فقہ اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور فقہ کی حیثیت فرع کی ہے اور اصل کا مقدم ہونا مسلم ہے تو اس لحاظ سے اصول فقہ کی تدوین پہلے ہونی چاہئے تھی حالانکہ فقہ کی تدوین پہلے ہے جیسا کہ گزشتہ مباحث سے معلوم ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ قوانین وضوابط کے درجہ میں ہے اور کسی علم کے قوانین وضوابط کی تدوین علم کے بعد ہوتی ہے جیسا کہ علم عروض کے قواعد وضوابط کو خلیل بن احمد نے مدون کیا۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی شعراء شعر پڑھتے تھے۔ اور ارسطو نے علم منطق کو مدون کیا حالانکہ اس سے پہلے بھی لوگ فکر ونظر سے کام لیتے تھے' ونیز یہ بھی ممکن ہے کہ تدوین فقہ کے وقت امام ابوحنیفہؒ کے ذہن میں اصول فقہ مستحضر تھے اگرچہ تدوین کا مرحلہ بعد میں پیش آیا۔

فقہ عراقی وحجازی کی ابتداء

جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا ہے کہ خلیفہ رابع حضرت علیؓ نے ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک کوفہ کو اپنا

دارالخلافہ اور علوم وفنون کا مرکز بنائے رکھا۔ اس عہد کے بعد فقہ کے دو اہم مراکز قائم ہوئے (۱) کوفہ میں جس کی نگرانی امام ابو حنیفہؒ کر رہے تھے جو بعد میں عراقی فقہ کے نام سے مشہور ہوا (۲) حجاز مقدس میں جس کی قیادت امام مالکؒ مدینہ منورہ میں کر رہے تھے جو بعد میں فقہ حجازی کے نام سے مشہور ہوا۔ اور اسی زمانہ میں فقہ اسلامی کی باضابطہ ابتداء ہوگئی۔

تدوین فقہ کے ادوار

ہم فقہ اسلامی کو تین ادوار میں تقسیم کرسکتے ہیں (۱) تدوین واجتہاد کا دور، یہ دور دوسری صدی کے ربع دوم سے شروع ہو کر تیسری صدی کے آخر تک رہا جس میں امام ابو حنیفہؒ نے باقاعدہ موجودہ فقہ کی ابتداء کی اور اپنی زندگی میں اس کی تکمیل بھی کردی۔ اس طرح دوسرے ائمہ کرام نے بھی اپنا اپنا فقہ مدون کیا۔ اصول فقہ کی تدوین بھی اسی دور میں ہوئی۔
(۲) دور تکمیل وتقلید، یہ دور چوتھی صدی ہجری سے ساتویں صدی تک رہا اس دور میں تقلید عام ہوئی پہلے دور کے مخصوص ائمہ کے فقہ پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے (۳) دور تقلید محض، اس میں اجتہاد کا سلسلہ تقریباً بند ہوگیا عوام وخواص سب مذاہب اربعہ کے مقلد ہوگئے ہر مسئلہ میں دور اول ودوم کے ائمہ کرام کی رائ تلاش ہونے لگی۔ یہ دور ساتویں صدی سے آج تک قائم ہے۔

فقہ اور فقیہ کے فضائل

واضح ہو کہ احادیث مبارکہ میں فقہ اور فقیہ کے جو فضائل آئے ہیں وہ فقہ اور فقیہ کے اس قدیم معنی سے متعلق ہیں (کمافی الکوکب الدری للشیخ الحجہ رشید احمد گنگوہی مع الحاشیہ شیخ الحدیث ج ۲ صفحہ ۱۳۳) فقہ اور فقیہ کے متعلق چند فضائل پیش خدمت ہیں (۱) قال اللہ تعالیٰ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا سورۃ بقرہ آیت ۲۶۹ یعنی جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی، ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ الحکمۃ میں علم توحید اور علم فقہ بھی شامل ہیں (کمافی ذخیرۃ الفقہ الکبریٰ علامہ طاہر محمد سلیمان صفحہ ۳) (۲) فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین الایہ سورۃ توبہ آیت ۱۲۲ یعنی سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جبکہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ بچتے رہے (۳) قال رسولؐ من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین یعنی جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا فقہ (سمجھ) عطا فرمادیتا ہے۔

(کمافی صحیح البخاری والکوکب الدری مع الحاشیہ ج ۲ صفحہ ۱۳۳)
(۳) قال رسول ﷺ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے سخت تر ہے (کمافی ذخیرۃ الفقہ الکبری صفحہ ۴) خصلتان لا یکونان فی منافق حسن سمت وفقہ فی الدین یعنی دو خصلتیں ہیں کہ منافق میں نہیں ہوتیں اول خوبی دوم دین کی سمجھ (کمافی ترمذی) (۵) قال رسول ﷺ الناس معادن کمعادن الذہب والفضۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا یعنی لوگ کانیں ہیں مثل سونے اور چاندی کی کانوں کے پس جو کفر میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں جبکہ دین میں سمجھ پیدا کریں (کمافی احیاء العلوم) (۶) حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ پیدا کرے اللہ تعالیٰ اس کو رنج سے بچا دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے کہ جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو۔ (کماذکرہ الخطیب بغدادی فی تاریخہ) (۷) حضورؐ نے فرمایا کہ میری امت میں دو قسمیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہوں تو سب لوگ درست ہو جاویں اور اگر وہ بگڑ جاویں تو سب لوگ بگڑ جاویں ایک امراء یعنی حکام ہیں دوسرے فقہاء ہیں (کماذکرہ ابن عبد البرو ابو نعیم) (۸) اللہ تعالیٰ کی عبادت دین کی سمجھ سے جس طرح بہتر ہوتی ہے اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ (کماذکر الطبرانی فی الاوسط) (۹) حضورؐ نے فرمایا کہ تمہارے دین میں سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو اور بہتر عبادت فقہ ہے (کمافی احیاء العلوم)

(۱۰) امام شافعیؒ نے فرمایا۔ العلم علمان علم الفقہ للادیان وعلم الطب للابدان وماوراء ذالک بلغۃ مجلس، یعنی سیکھنے کے لائق علم تو بس دو ہی ہیں ایک علم فقہ جس کے بغیر دین کے احکام سے ناواقفیت ہو جاتی ہے اور دوسرا علم طب جس سے صحت انسانی کی تعمیر ہوتی ہے اور بقیہ علوم تو صرف حظ نفس کا ذریعہ ہیں (کمافی تعلیم المتعلم لعلامہ زرنوجی" تلمیذ صاحب ہدایہ") (۱۱) تفقہ فان الفقہ افضل قائد۔ الی البر والتقوی واعدل قاصد

ھو العلم الھادی الی سنن الھدی۔ ھو الحصن ینجی من جمیع الشدائد

فان فقیھا واحدا متورعا"۔ اشد علی الشیطان من الف عابد

یعنی فقہ ضرور حاصل کر کیونکہ اس سے اعمال صالحہ کی توفیق اور تقوی کی سعادت حاصل ہوتی ہے، اور فقہ سے ہدایت کی راہیں فقیہ پر کھل جاتی ہیں اور یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کی پناہ میں فقیہ تمام حوادثات و آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے بے شک ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے (کمافی تعلیم المتعلم) تفصیل کیلئے احیاء العلوم کا ملاحظہ ہو۔

(۱۲) حضور اکرمؐ نے فرمایا لکل شئی عماد و عماد الدین الفقہ (کمافی المعلومات النافعہ لاحمد جودت پاشا صہ ۱۷) (۱۳) حضور اکرمؐ نے فرمایا افضل العبادۃ الفقہ (حوالہ بالا) (۱۴) ماعند اللہ افضل ممن فقہ فی الدین (حوالہ بالا)

(۱۰)

فقہ حنفی کا مختصر جائزہ

فقہ حنفی کس طرح وجود میں آیا اور اس میں کیا خصوصیات وامتیازات ہیں اس کا اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے' یحییٰ بن ضریس فرماتے ہیں کہ ایک دن میں سفیان کے پاس حاضر تھا ایک شخص آیا اور کہا کہ آپکو امام ابو حنیفہؒ پر کیا اعتراض ہے سفیان کہنے لگے کہ مجھے کیا اعتراض ہوتا میں نے تو خود انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں سب سے پہلے قرآن کو لیتا ہوں اگر کوئی مسئلہ اس میں نہ ملے تو پھر حدیث رسولؐ میں تلاش کرتا ہوں اگر دونوں میں نہ ملے تو پھر آپ کے اصحاب کے اقوال میں تلاش کرتا ہوں ان میں جو زیادہ پسند آئے اس کو لیتا ہوں مگر ان اقوال کے باہر نہیں جاتا جب تابعین کا نمبر آتا ہے تو پھر ان کی اتباع کو لازم نہیں سمجھتا (امام صاحب خود بھی تابعی ہیں) انہوں نے بھی اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرلیتا ہوں ہم رجالؑ ونحن رجالؑ (کمافی خطیب بغدادی ج ۱۳ صفحہ ۳۶۸ ومعارف السنن ج ۲ صفحہ ۱۱۸) اور معارف السنن میں مزید یہ ہے کہ امام اعظمؒ نے فرمایا کہ جو حدیث صحیح ہے وہ میرا مذہب ہے اور میں ہر مسئلہ میں بلا ضرورت قیاس سے کام نہیں لیتا بلکہ جس مسئلہ کی دلیل کتاب اللہ' وسنت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے فیصلوں میں نہیں ملتی اس میں قیاس سے کام لیتا ہوں۔

خطیب بغدادی یحیی بن معینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدیث روایت کرنے کیلئے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے برابر یاد رہے اگر مسلسل یاد نہ رہے تو اس کی روایت درست نہیں سمجھتے۔ علامہ کوثری مصریؒ نے زیلعی کے مقدمہ میں ایک مقالہ لکھا اس میں رقمطراز ہیں کہ فقہ حنفی ایک شخصی رای نہیں ہے۔ بلکہ چالیس علماء کرام کی جماعت شوریٰ کی ترتیب دادہ ہے امام طحاویؒ نے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ چالیس میں یہ ممتاز ہستیاں شامل ہیں۔ ۱۔ قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ ۲۔ امام زفر ابن ہذیلؒ ۳۔ داؤد الطائی ۴۔ اسد بن عمرو ۵۔ یوسف بن خالد السمتی (یہ حضرات امام شافعیؒ کے شیوخ ہیں) ۶۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ' خطیب بغدادی نے کچھ اور ناموں کا اضافہ کیا ہے عافیہ ازدی قاسم بن معین' علی بن مسہر جان' مندل

امام صاحب اپنا مسلک تسلیم کرانے میں کسی پر جبر نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک کو اپنی اپنی رائے دینے میں پوری آزادی تھی اور ہر ہر مسئلہ پر تین تین دن تک بحث ہوتی پھر اتفاق رائے یا کثرت رائے سے لکھا جاتا تھا اور یہ مجلس شوریٰ نقل وعقل ہر دو لحاظ سے بہت کامل مجلس تھی چنانچہ علامہ بنوریؒ معارف السنن میں لکھتے ہیں ابو حنیفہؒ اول من وضع اساسا للمجمع الشوریٰ فی الاحکام الشرعیہ الاجتہادیۃ واول واضع لدستور اساسی علی اسس شرعیۃ تسمح لکل مجتھد باجتہاد وحریۃ مطلقۃ فی اظہار رائیہ واول من قام للعمل بعد الصحابۃ لقولہ تعالیٰ "وامرھم شوریٰ

بینھم" (معارف السنن ج ۳ صفحہ ۲۶۴)

خطیب بغدادیؒ نے امام ابو یوسف" کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کسی شخص نے امام وکیعؒ سے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس مسئلہ میں غلطی کی تو امام وکیعؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کیسے غلطی کر سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ امام ابو یوسفؒ و زفر بن ہذیلؒ جیسے قیاس کے ماہر اور یحیی بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث حبان، مندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معین جیسے لغت و عربیت جاننے والے داؤد الطائی اور فضل بن عیاض جیسے زاہد و متقی شامل ہیں اگر وہ غلطی کر جائیں تو کیا یہ لوگ ان کی اصلاح نہ کریں گے۔

امام صاحبؒ کا ضابطہ یہ تھا کہ آپ پہلے خبر واحد کو اس باب کی دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھتے اور قرآن کریم کے بیان سے بھی ان کو ملاتے اگر وہ قرآن کریم اور ان احادیث کے بیان کے مطابق ہو جائے تو اس پر عمل کر لیتے ورنہ اسے شاذ قرار دیتے اور عمل نہ کرتے (کذا فی الموافقات ج ۳ صفحہ ۴۴)

شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کے ادلّہ پر خوب غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ امام صاحب کے دلائل یا تو قرآن کریم سے ماخوذ ہیں یا احادیث صحیحہ سے یا احادیث حسنہ سے یا ایسی ضعیف احادیث سے جو تعدد طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ میں آگئی ہوں اس سے کم درجہ کی کوئی دلیل نہیں (کمافی المیزان الکبریٰ صفحہ ۲۶) حافظ ابو عمرو کا کہنا ہے کہ تقریباً ہر امام کے نزدیک جب کوئی حدیث صحیح معمول بہ بن جائے تو وہ اس کے مخالف حدیث میں تاویل و توجیہ کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن حنیفہ نے اکثر مواضع میں اصول کو جزئیات پر قربان نہیں کیا جب کسی مسئلہ میں ان کے نزدیک صاحب شریعت سے ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو گیا تو انہوں نے اس کے برخلاف جزئیات کو عملاً" قابل تاویل سمجھا مثلاً انسانی حاجت کیلئے بیٹھنے میں ایک قانون یہ ہے کہ قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت اس ضابطہ کو حنیفہ نے پہلے منقول و معقول کے میزان میں ہر طریق پر جانچا جب ان کے نزدیک ادب و احترام کا یہ آئین ثابت ہو گیا۔ تو حضرت ابن عمرؓ کے ایک جزئی واقعہ سے کہ انہوں نے ایک بار حضورؐ کو قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف پشت کئے ہوئے بیٹھے دیکھا اس ضابطہ کلیہ میں تاویل نہیں کی بلکہ اس واقعہ میں تاویل کی اسی طرح حدیث مصراۃ اور کلام فی الصلاۃ کی بحث ہے (کمافی تذکرہ ائمہ اربعہ و مشہور محدثین)

حضرت شاہ عبد العزیزؒ ماخذ المذاہب الاربعہ میں لکھتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں اگر احادیث میں تعارض ہو اور صحابہ باہم مختلف ہوں تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین نے جو امر اختیار کیا ہے وہ نہایت واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ہم نے شریعت اسلامیہ کے تمام احکام کی تحقیق کی تو شریعت میں دو قسم کے احکام پائے (۱) قواعد کلیہ جو جامع و مانع ہیں مثلاً لاتزر وازرۃ

وزرا خرٰی 'الغنم بالغرم' الخراج بالضمان 'العتاق لایحتمل الفسخ 'البیع یتم بالایجاب والقبول' البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر ونحو ذلک مما لا یحصی (۲) دوسری قسم وہ احکام ہیں جو حوادث جزئیہ اور اسباب مختصہ میں وارد ہوئے گویا اس قسم کے احکام ان کلیات سے جن کا تعلق قسم اول سے ہے استثناء کے منزلہ میں ہیں پس مجتہدین پر واجب ہے کہ وہ ان کلیات کو محفوظ رکھے جو امور ان کے خلاف ہو ان کو ترک کرے کیونکہ شریعت حقیقت میں انہیں کلیات کا نام ہے۔

فقہ حنفی مقبول ہونے کی وجوہات

واضح ہو کہ پوری دنیا میں فقہ حنفی مقبول عام اور رائج ہونے کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔(۱) اس کے مسائل حکم و مصالح پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ روایت و درایت کے عین مطابق ہیں (۲) فقہ حنفی دوسرے تمام فقہوں کی بہ نسبت نہایت آسان اور یسیر العمل ہے (۳) فقہ حنفی میں معاملات کے حصہ میں وسعت' استحکام اور باقاعدگی جو تمدن کی لئے بہت ضروری ہے تمام فقہوں سے زیادہ ہے (۴) فقہ حنفی نے غیر مسلم رعایا کو نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے جس سے نظم مملکت میں بڑی سہولت ہوتی ہے (۵) احکام منصوصہ میں امام اعظمؒ نے جو پہلو اختیار کیا ہے عموماً وہ نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے (کمافی سیرۃ النعمان علامہ شبلیؒ ج ۲)
(۶) خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں امام ابویوسفؒ قاضی بنے اور وہ عراق خراسان 'ماوراء النہر وغیرہ میں مسلک حنفی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے جس کے ذریعہ فقہ حنفی کو شہرت ہوئی (کمافی الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف للمحدث دھلویؒ)

امام صاحب کا قیاس کو خبر واحد پر مقدم کرنا اور اس کی وجوہات

متقدمین میں سفیان ثوریؒ اور متاخرین میں حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ کوفی شیخ بخاریؒ نے امام اعظمؒ پر یہ الزام لگایا کہ امام صاحب قیاس کو خبر واحد پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ امام صاحب کا قیاس کو خبر واحد پر ترجیح دینا یا رد کر دینا بلا وجہ نہیں ہے بلکہ چند وجوہ سے ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔
(۱) حدیث پر مطلع نہ ہوئے (۲) یا حدیث پر مطلع تو ہوئے مگر وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ثابت نہ ہوئی (۳) یا اس حدیث کا راوی غیر فقیہ ہے (اسپر علماء کا اختلاف ہے اور اس میں طویل بحث ہے)
(۴) یا راوی کا عمل حدیث مروی کے خلاف ہو کیونکہ یہ نسخ یا اس کے مثل پر دلالت کرتا ہے (۵) یا ایسی حدیث ہے جس سے واقف ہونے کی تمام لوگوں کو ضرورت ہے پھر بھی ایک راوی کے علاوہ اور کسی سے روایت نہیں آئی (۶) یا وہ حدیث حد یا کفارہ میں وارد ہوئی ہو کیونکہ یہ دونوں شبہ کی وجہ

سے ساقط ہو جاتے ہیں اور راوی منفرد میں خطاء کا احتمال ہے (۷) یا وہ حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو اور اس قیاس جلی کو دوسری حدیث سے قوت ملی ہو (۸) یا اس حدیث میں بعض سلف پر طعن ہو جیسے حدیث قسامہ (۹) یا اس مسئلہ میں خبر واحد وارد ہوئی ہو پھر بھی صحابہ کرام میں وہ مسئلہ مختلف فیہا ہو اور کسی نے اس حدیث سے استدلال نہ کیا تو باوجود شدت اعتناء بالحدیث صحابہ کرام کا اس حدیث کو مطلقاً" چھوڑ دینا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہے یا پایۂ ثبوت تک نہ پہنچی جیسے حدیث الطلاق بالرجال (۱۰) یا وہ خبر واحد ظاہر عموم قرآن کے مخالف ہو اس لئے کہ امام صاحب عموم قرآن کو خبر واحد سے خاص کرنا یا قرآن کریم کو منسوخ ماننا جائز نہیں جانتے۔ کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن کریم یقینی ہے اور اقوی کو مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسے لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب کہ یہ عموم آیت کریمہ فاقرؤا ما تیسر منہ کے مخالف ہے (۱۱) یا وہ خبر واحد سنت مشہورہ کے مخالف ہو۔ کیونکہ سنت مشہورہ خبر واحد سے قوی ہے جیسے حدیث شاہد واحد اور یمین کی کہ یہ عموم خبر مشہور البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر کے مخالف ہے

(۱۲) یا وہ خبر واحد قرآن کریم پر زائد ہو جیسے یہی حدیث کہ قرآن میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا ذکر ہے تو شاہد اور یمین ان دونوں پر زائد ہیں ۱۲ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الخیرات الحسان لعلامہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی المتوفی ۹۷۳ھ)

چونکہ امام صاحب بلاوجہ قیاس کو حدیث پر مقدم نہیں کرتے اس لئے مندرجہ ذیل مسائل میں امام صاحب نے قیاس کے بجائے نص پر عمل کیا (۱) عورت کا حصہ میراث میں مرد کا آدھا ہے حالانکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ مرد کا حصہ آدھا ہو کیونکہ عورت ضعیف ہے مرد قوی ہے (۲) حائضہ عورت روزے قضاء کریگی نہ کہ نماز' حالانکہ نماز روزہ سے افضل ہے اس لئے نماز کی قضاء ہونی چاہئے نہ کہ روزے کی (۳) خروج منی سے غسل واجب ہے نہ کہ پیشاب سے' حالانکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ پیشاب سے غسل واجب ہو نہ کہ منی سے کیونکہ پیشاب بالاتفاق نجس ہے۔ منی امام شافعیؒ کے نزدیک پاک ہے (اس کی مکمل بحث درس ترمذی ج ا میں ملاحظہ ہو)

(۴) قہقہہ سے وضوء واجب ہے' حالانکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ وضوء واجب نہ ہو کیونکہ قہقہہ نجس نہیں ہے (۵) نماز جنازہ و سجدہ تلاوت میں قہقہہ ناقض للوضوء نہیں ہے نص کی وجہ سے (۶) بھول کر کھالینے سے روزہ نہیں جاتا اور قصداً" قے کرنے سے روزہ جاتا رہتا ہے حالانکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ پہلی صورت میں روزہ جاتا رہے کیونکہ روزہ کو پیٹ کے اندر جانے والی چیز توڑتی ہے اور دوسری صورت میں روزہ نہ ٹوٹے کیونکہ پیٹ سے باہر نکلنے والی چیز روزہ کو نہیں توڑتی ہے۔

(۷) مسح پیر کے اوپر ہوگا نہ کہ نیچے حالانکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ مسح پیر کے نیچے ہو کیونکہ گندگی نیچے لگتی ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے مسائل ہیں نمونے کیلئے یہی چند ذکر کئے گئے ہیں اور امام صاحبؒ ہی

نے فرمایا لولا الروایۃ لقلت بالقیاس (کمافی حوالہ بالا)

امام صاحب کے خصوصی اساتذہ و تلامذہ کی تعداد

خطیب بغدادیؒ روایت کرتے ہیں کہ امیرالمومنین ابو جعفر نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ آپ نے کن صحابہ کرام کا علم حاصل کیا۔ امام صاحب نے فرمایا حضرت عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے شاگردوں کا ابو جعفر نے فرمایا کہ آپ نے تو بہت صحیح اور پختہ علم حاصل کیا کیونکہ یہ ہستیاں بہت مبارک اور بڑی مقدس تھیں (کمافی خطیب بغدادی ج ۱۳ صفحہ ۳۶۸)

امام مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام کے علوم کو چھ صحابہ میں پایا (۱) عمرؓ (۲) علیؓ (۳) عبداللہ بن مسعودؓ (۴) ابوالدرداءؓ (۵) زید بن ابی کعبؓ (۶) عبداللہ بن عباسؓ .... اور ان چھ کے علوم کو حضرت علیؓ و عبداللہ بن مسعودؓ میں پایا (کمافی معارف السنن ..... و تدیب الراوی ج ۲ صفحہ ۲۱۸)

امام صاحبؒ نے تین سو تابعین سے علم حاصل کیا اور آپ کے کل اساتذہ جو حدیث کے ہیں چار ہزار تھے (کذافی مناقب الامام الاعظم للشیخ صدر الائمہ موفق بن احمد المکی ج ۱ صفحہ ۹۶) بعض محدثین کرام نے امام صاحب کے خصوصی تلامذہ میں سے آٹھ سو تلامذہ فقہاء و محدثین کا تذکرہ مع نسب و مقام تفصیلا کیا ہے اور جنہوں نے آپ کی مسند کو روایت کیا ان کی تعداد پانچ سو لکھی ہے اور جس وقت امام صاحب اپنے استاد حماد کی جگہ جامع مسجد کوفہ میں مسند درس پر رونق افروز ہوئے تو ایک ہزار شاگرد آپ کے پاس جمع تھے (کمافی قال بعض الناس صفحہ ۹)

امام اعظمؒ سے منقول شدہ مسائل و روایات کی تعداد

جاننا چاہئے کہ امام صاحب سے جو مسائل منقول ہیں ان کی تعداد کم از کم تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) ہے اور ابوالفضل الکرمانی عصری الجوینی امام الحرمین نے ان میں ڈیڑھ ہزار کا اور اضافہ کیا ہے' الشیخ محمود البابرتی صاحب العنایۃ علی الھدایۃ فرماتے ہیں کہ جن مسائل کو امام اعظمؒ نے مدون فرمایا ان کی تعداد بارہ لاکھ ستر ہزار ہے (۱۲۷۰۰۰۰) (کذافی معارف السنن ج ۳ صفحہ ۲۶۲)

امام حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہؒ چار ہزار حدیثیں روایت کیا کرتے تھے جن میں دو

ہزار امام حماد کی تھیں اور دو ہزار دیگر مشائخ کی (کذافی مناقب الامام الاعظم للشیخ صدر الائمہ موفق بن احمد المکی ج ا صفحہ ۹۶) بعض محدثین کا کہنا ہے کہ امام صاحب کی تصانیف میں ستر ہزار حدیثیں ملتی ہیں (کذافی درس ترمذی ج ا صفحہ ۹۸)

تصنیفات امام اعظمؒ

جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ دور عباسیہ کی ابتداء یعنی دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے امام صاحب نے علم فقہ مدون کیا اور اس مدون فقہ کا فقہی مجموعہ تیار ہو کر کتب ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مجموعہ فقہی ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا جن میں ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے ۳۰ ہزار دفعات کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا ترتیب اس کی یہ تھی باب الطہارہ' باب الصلاۃ' معاملات' عقوبات' آخر میں باب المیراث یہ مجموعہ فقہی ۱۴۴ھ کے قبل مکمل ہو چکا تھا مگر بعد میں بھی اضافے ہوتے رہے بعد الاضافہ اس مجموعہ کے مسائل کی تعداد پانچ لاکھ تک ہو چکی تھی (کمافی جامع المسانید الخوارزمیؒ صفحہ ۳۵)
علامہ کوثریؒ نے بلوغ الامانی کے حاشیہ پر امام صاحب کی گیارہ تصنیفات کا ذکر کیا ہے (۱) کتاب الرائی (۲) کتاب اختلاف الصحابہ (۳) کتاب الجامع (۴) کتاب السیر (۵) کتاب الاوسط (۶) الفقہ الاکبر (۷) الفقہ الابسط (۸) کتاب العالم والمتعلم (۹) کتاب الرد علی القدریہ (۱۰) مکاتیب وصایا (۱۱) رسالۃ الامام الی عثمان البتی فی الارجاء مولفات اقدمین میں آپ کی اور بھی بہت سی تصنیفات کا ذکر ہے (۱۲) کتاب الآثار' امام اعظمؒ نے یہ کتاب چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کرکے مرتب کی ہے (کمافی مناقب الامام الاعظم ج ا صفحہ ۹۰) اس کے بہت سے راوی ہیں جن میں چار مشہور ہیں (۱) امام ابو یوسفؒ (۲) امام محمدؒ (۳) امام زفرؒ (۴) امام حسن بن زیادؒ یہ کتاب فقہی ابواب پر سب سے پہلی مرتب کتاب ہے جس کی تالیف کا شرف امام اعظمؒ کو حاصل ہے (کمافی تبیض الصحیفہ لعلامہ جلال الدین السیوطیؒ) یہ کتاب موطا امام مالک کیلئے اصل وماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اس میں ۷۱۸ آثار ۱۰۶ احادیث ہیں کثرت آثار کی وجہ سے کتاب کا نام ہی کتاب الآثار ہو گیا۔ اس کتاب میں امام محمدؒ اپنا اور امام اعظمؒ کا مسلک ذکر کرتے ہیں لیکن امام ابو یوسفؒ کا مسلک ذکر نہیں کرتے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی انہی کے ساتھ ہیں۔

دور تدوین میں فقہ حنفی کی کتابیں

دور تدوین میں فقہ حنفی کی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے چند اہم کتابوں کا اجمال خاکہ پیش خدمت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ نے متعدد کتابیں لکھی ہیں ابن ندیم نے کتب ابی یوسف کی طویل فہرست دی ہے ان میں سے مندرجہ ذیل کتابیں چھپ چکی ہیں (۱) کتاب الخراج (۲) کتاب اختلاف ابی حنیفۃ (۳) ابن ابی لیلیٰ

اس کے بعد امام محمدؒ نے کتابیں لکھی ہیں مشہور ہے کہ امام محمدؒ نے ۹۹۰ کتابیں تصنیف کی ہیں اور وہ سب کی سب علوم دینیہ میں ہیں جن میں سے زیادہ تر تصانیف فقہ حنفی کیلئے اساس کا درجہ رکھتی ہیں (کمافی الفوائد البہیہ لعلامہ مولانا عبدالحیؒ) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ امام محمدؒ کی جمع تصنیفات کی تعداد ۹۹۹ ہے (کمافی مفتاح النجاح) لیکن صاحب تذکرہ ائمہ اربعہ و مشہور محدثین نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے۔

بہرحال امام محمدؒ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دس رومی عورتیں نقل کتب پر مامور تھیں اور امام محمدؒ کتابوں کے ڈھیر کے درمیان تشریف فرما ہوتے ایک انگریز نے جب تصانیف امام محمدؒ کو دیکھا تو بے اختیار بول پڑا کہ جب چھوٹے محمدؒ کا یہ حال ہے تو بڑے محمدؐ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا حال ہو گا۔

امام محمدؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جو مسائل استنباط کئے ہیں ان کی تعداد ۱۰۰۰،۱۰۷ ہے۔ ان کی چند مشہور تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں (۱) المبسوط چونکہ اس کی تصنیف سب سے پہلے ہوئی ہے اور سب سے بڑی بھی ہے اس لئے اس کو الاصل بھی کہا جاتا ہے یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے اس میں آپ نے امام ابو یوسفؒ کے جمع کردہ مسائل کو خوب وضاحت کے ساتھ مرتب کیا ہے اس میں تقریباً گیارہ ہزار کے قریب مسائل فقہیہ مذکور ہیں' مقدمۃ اشرف الھدایہ شرح اردو ہدایہ صفحہ ۷۰ میں ہے کہ اگر مسئلہ اختلافی ہو تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف مذکور ہوتا ہے جہاں اختلاف مذکور نہیں وہ سب کا متفقہ سمجھا جائے اور ہر باب کا آغاز ان آثار سے کرتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوتے تھے پھر سوالات اور ان کے جوابات ذکر کرتے ہیں بعض جگہ ابن ابی لیلیٰ کا اختلاف بھی ذکر کرتے ہیں لیکن اس میں تعلیل فقہی مذکور نہیں۔ اس کتاب کو روایت کرنے والے آپ کے شاگرد احمد بن حفص ہیں۔

تاریخ علم فقہ صفحہ ۳۲ میں ہے کہ اس کتاب میں اکثر ان مسائل پر خاتمہ کرتے ہیں جن میں امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰ کا اختلاف ہو۔ اور اس میں علل واحکام قیاسیہ نہیں ہیں۔ واضح ہو کہ المبسوط کے کئی نسخے ہیں ان میں زیادہ مشہور ابو سلیمان جوزجانی کا نسخہ ہے جس کی شروح شارحین

نے کی ہیں لیکن ان شرحوں کی نسبت شارحین کی طرف ہوتی ہے مثلاً المبسوط لشمس الائمہ الحلوائی المبسوط شیخ الاسلام خواہرزادہ ایک اور مبسوط علامہ سرخسی کی ہے جو کتاب الکافی کی شرح ہے جس کا مصنف حاکم شہید ہے اور یہ مبسوط تیس جلدوں پر مشتمل ہے جب مبسوط علی الاطلاق بولا جائے تو یہی مراد ہوتی ہے۔

(۲) الجامع الصغیر' اس میں آپ نے امام ابو یوسفؒ کی روایت سے امام اعظمؒ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل ۱۵۳۲ مسائل ہیں جن میں سے ۱۷۰ مسائل میں اختلاف رائے بھی کیا ہے یہ فقہ کے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ اس کے مسائل کو احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ سے ثابت کیا گیا ہے مقدمہ اشرف الهدایہ شرح اردو هدایہ صفحہ ۷۰ میں فاضل مصنف لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے تمام مسائل بروایت محمدؒ ابو یوسفؒ سے ماخوذ ہیں اسی لئے ہر باب کا آغاز اس عبارت سے کرتے ہیں محمدؒ عن یعقوب عن ابی حنیفہؒ بعض علماء کا خیال ہے کہ امام محمدؒ کی کتابوں میں سے یہی ایک کتاب ہے جو انہوں نے صرف امام ابو یوسفؒ سے روایت کی ہے اور کسی دوسرے سے استفادہ نہیں کیا' ابن البزازی المناقب میں لکھتے ہیں کہ امام محمدؒ سے دریافت کیا گیا کیا آپ نے الجامع الکبیر امام ابو یوسفؒ سے سنی ہے تو انہوں نے جواب دیا بخدا میں نے آپ سے صرف الجامع الصغیر کا سماع کیا ہے اور یہ کتاب آپ نے نہیں سنی حالانکہ آپ اس کے مضامین سے خوب آگاہ تھے مگر زیادہ قرین صواب یہ ہے کہ امام محمدؒ کی جو کتب صغیر کے نام سے موسوم ہیں وہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہیں۔

ابن نجیم البحر الرائق کے باب التشهد میں یوں رقمطراز ہیں کہ محمدؒ کی وہ تالیفات جو صغیر کے نام سے موسوم ہیں وہ امام محمدؒ و امام ابو یوسفؒ کے متفق علیہ مسائل پر مشتمل ہیں اس کے بر خلاف جو تالیفات کبیر کہلاتی ہیں وہ امام ابو یوسف کے سامنے پیش نہیں کی گئیں محقق ابن امیر حاج حلبیہ منیہ کی شرح باب الصبع میں لکھتے ہیں کہ امام محمدؒ نے اپنی اکثر کتابیں امام ابو یوسفؒ کو سنائیں بجز ان کتابوں کے جن میں کبیر کا نام موجود ہے یہ کتب صرف امام محمدؒ کی تصنیف ہیں اور امام ابو یوسفؒ کو نہیں سنائی گئیں۔ جیسے المضاربۃ الکبیر' المزارعۃ الکبیر' المازون الکبیر' الجامع الکبیر' السیر الکبیر

بہر حال امام محمدؒ سے یہ کتاب عیسی بن ابان اور محمدؒ بن سماعۃ نے روایت کی ہے اس کتاب کی مندرجات اگرچہ امام محمدؒ کی جمع کردہ ہیں مگر ترتیب و تبویب آپ کی نہیں اسی لئے الجامع الصغیر کا جو نسخہ مصر میں کتاب الخراج کے حاشیہ پر چھپا ہے اس کے مقدمہ میں مذکور ہے کہ محمدؒ نے فقہ میں ایک کتاب لکھی اسے الجامع الصغیر کے نام سے موسوم کیا اس نے اس میں فقہ کی چالیس کتابوں کو سمو دیا مگر جس طرح آپ نے المبسوط کی تبویب کی تھی اسی طرح الجامع الصغیر میں شامل کردہ کتب کی تبویب نہیں کی یہ کام قاضی ابو طاہر دباس نے انجام دیا تھا تاکہ طلباء پر اسکا حفظ و مطالعہ آسان ہو جائے پھر ان کے تلمیذ رشید فقیہ ابن عبداللہ ابن محمود نے ان کے گھر میں بیٹھ کر اسے لکھا اور ۳۳۴

ھ میں انہیں پڑھ کر سنایا۔

(۳) الجامع الکبیر۔ اس میں اپنے امام صاحب کے اقوال کے ساتھ امام ابو یوسفؒ وامام زفرؒ کے اقوال بھی ذکر کئے ہیں اور ہر مسئلہ کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کیا گیا یہ جامع صغیر سے زیادہ مشکل ہے یہ بہت اہم کتاب ہے علماء کا متفقہ بیان ہے کہ امام محمدؒ نے یہ کتاب امام ابو یوسفؒ سے روایت نہیں کی اگرچہ امام ابو یوسفؒ اس کے مندرجات سے نا آشنا نہ تھے جیسا کہ امام محمدؒ کا اپنا بیان ہے' اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب میں ذکر کردہ بہت سے مسائل امام ابو یوسفؒ سے ماخوذ ہیں علاوہ ازیں اور مسائل بھی ہیں جو امام محمدؒ کی ذاتی کاوش کا نتیجہ ہیں یا انہوں نے علماء کی ذاتی ڈائریوں سے اخذ کئے آپ نے یہ کتاب دو مرتبہ تصنیف کی پہلی تصنیف کو روایت کرنے والے کبیر ابو سلیمان جوزجانی' ہشام بن عبید اللہ رازی' محمد بن سماعہ اور کچھ تلامذہ تھے پھر اس پر نظر ثانی کی اور بہت سے ابواب و مسائل بڑھا دیئے۔

(۴) زیادات جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آتے رہے وہ اسمیں درج کئے ہیں اس لئے اس کو زیادات کہتے ہیں اس کے راوی احمد بن حفص ہیں اور اس کی زیادۃ الزیادات بھی امام محمدؒ نے ہی لکھی ہیں (۵) السیر الصغیر' یہ سیر پر ہے۔ اس کے راوی احمد بن حفص ہیں اس میں جہاد اور حکومت وسیاست کے مسائل ہیں' امام اوزاعیؒ نے جب اس کو دیکھا تو تعریف کی مگر بطور طنز یہ بھی کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت؟ جب امام محمدؒ نے یہ جملہ سنا تو سیر کبیر لکھنا شروع کی جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے اما سرخسیؒ سے نقل کرتے ہوئے السیر الکبیر کی تالیف و تاریخ کے متعلق لکھا ہے۔

(۶) السیر الکبیر' اس کو ساٹھ ضخیم اجزاء میں مرتب کیا اس میں مغازی سیر جہاد' صلح' احکام امان غنائم' فدیہ' غلامی وغیرہ مسائل ہیں اور تیاری کے بعد ایک خچر پر لدوا کر خلیفہ وقت ہارون رشید کے پاس لیجانیکا ارادہ کیا' خلیفہ نے شہزادوں کو استقبال کیلئے بھیجا۔ اور امام اوزاعیؒ نے اس کو دیکھ کر بہت تعریف کی لیکن امام محمدؒ نے یہ کتاب اس وقت تصنیف کی جب آپ کے مراسم امام ابو یوسفؒ سے ٹھیک نہ تھے یہی وجہ ہے امام محمدؒ اس کتاب میں شدت وحشت ونفرت کی بنا پر امام ابو یوسفؒ کا نام بھی نہیں لیتے اور حدیث روایت کرتے وقت یہ کہہ دیتے ہیں کہ حدثنی الثقۃ حالانکہ اس سے مراد امام ابو یوسفؒ ہوتے ہیں (مزید معلومات کیلئے مقدمہ اشرف الھدایہ صفحہ ۲۷ کا ملاحظہ ہو)

واضح ہو کہ مذکورہ چھ کتابوں کی ترتیب زمانہ اور تصنیف کے لحاظ سے یہی ہے اور ان کتابوں میں وہی مسائل موجود ہیں جو ائمہ ثلثہ (امام ابو حنیفہؒ' وابو یوسفؒ وامام محمدؒ) سے مروی ہیں چونکہ یہ مسائل اصحاب مذہب سے مروی ہیں اور کتب مشہورہ متداولہ میں مندرج ہیں اس لئے ان کو مسائل الاصول' اور ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے' سیر کبیر بالکل آخری تصنیف ہے۔

(۷) کتاب الحج امام اعظم کی وفات کے بعد امام محمدؒ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور امام مالک کی

خدمت میں تین سال رہے ان سے موطا پڑھی بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف رکھتے تھے امام محمدؒ مدینہ سے واپس آکر یہ کتاب لکھی اس میں فقہی ابواب باندھتے ہیں پھر اہل مدینہ کا قول نقل کرتے ہیں' احادیث وآثار سے ثابت کرتے ہیں کہ امام اعظم کا مسلک راجح ہے (۸) کتاب الاثار اس کی تفصیل گزر گئی ہے (۹) رقیات (۱۰) کیسانیات (۱۱) جرجانیات (۱۲) ہارونیات (۱۳) کتاب الحیل (۱۴) کتاب النوادر (۱۵) کتاب الرد علی اہل المدینہ (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون صفحہ ۸۲ والفھرست لابن ندیم)

فقہ مالکی پر ایک نظر

امام مالکؒ اپنے مذہب کی بنیاد ان روایات پر رکھی ہے جو روایات نبیؐ تک مرفوع ہیں اس کے مراسیل ذکر کرتے ہیں اس کے بعد حضرت عمرؓ کے فیصلے ذکر کرتے ہیں پھر عبداللہ بن عمرؓ کے فتاوی پھر فقہاء مدینہ کے اقوال' امام مالک کے فقہ میں اہل مدینہ کے تعامل کو خاص اہمیت حاصل ہے ان کے نزدیک مدینہ مہبط وحی ہونے کی وجہ سے اس کا تعامل حجت ہونا چاہئے اور اہل مدینہ وحی کے معانی ومطالب سے زیادہ واقف ہیں لہٰذا جو حدیث اہل مدینہ کے عمل کے خلاف ہو ضروری ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہو یا ماول ومخصص ہو یا محذوف القصۃ ہو غرض ایسی حدیث پر احکام شرعیہ کا مدار نہیں ہو سکتا۔ اور امام مالکؒ فقہاء مدینہ سبعۃ کی اقتداء میں بسا اوقات حدیث مرفوع کو بھی چھوڑ دیتے ہیں (کمافی معارف السنن ج ۱ صفحہ ۱۰۲ وبیان ماخذ المذاہب الاربعۃ ۹۷ وتذکرہ ائمہ اربعہ ومشہور محدثین)

حافظ ابو عمرو داوردی نقل کرتے ہیں امام مالکؒ جب یہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے شہر کا عمل اسی مسئلہ پر دیکھا تو اس سے ان کی مراد ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن اور ابن ہرمز ہوتے ہیں (کمافی جامع بیان العلم ج ۲ صفحہ ۱۴۹)

فقہ مالکی کا زیادہ چرچا اہل مغرب اور اندلس میں ہوا اس کی وجہ ابن خلدون یہ لکھتے ہیں کہ اہل مغرب اور اندلس کا سفر اکثر حجاز مقدس کی جانب ہوا کرتا تھا اس زمانہ میں مدینہ منورہ علم کا گہوارہ بن رہا تھا۔ یہیں سے علم نکل کر عراق پہنچا ان کے راستہ میں عراق نہیں پڑتا تھا اس لئے ان کے علم کا ماخذ علماء مدینہ تھے اور مدینہ میں امام مالک کا رتبہ معلوم ہے اس لئے مغرب اور اندلس کے اصحاب کا علم امام مالک اور اس کے بعد ان کے تلامذہ میں منحصر ہوگیا تھا لہٰذا یہ لوگ امام مالک کے مقلد بن گئے اور جس کا علم انہیں نہیں پہنچا ان کے وہ مقلد نہیں تھے (کمافی تذکرہ ائمہ اربعہ ومشہور محدثین) امام مالکؒ کے نزدیک استنباط مسائل کے ذرائع یہ ہے (۱) قرآن (۲) احادیث (۳) آثار اہل مدینہ (۴)

تعامل اہل مدینہ (۵) قیاس اور مصالح مرسلہ، اور وہ اہل حجاز میں سے کبار محدثین پر اعتماد کرتے تھے (کمافی تاریخ علم فقہ صفحہ ۳۸ از مولانا سید محمد عمیم الاحسان صاحب)

فقہ شافعی کی تعمیر

فقہ حنفی کے بعد فقہ شافعی کا چرچا زیادہ ہوا اور ان کے متبعین بھی بہت زیادہ ہیں فقہ میں امام شافعی کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح حدیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک کردیتے تھے کسی اور مذہب میں فقہ کی تعمیر اس معیار پر نہیں کی گئی اور عبادات کے مسائل میں آپ احتیاط کا پہلو اختیار فرمایا کرتے ہیں، اور اگر کسی مسئلہ میں احادیث معارض ہوں اور اقوال صحابہ بھی باہم مختلف ہوں تو ایسی صورت میں امام شافعیؒ اہل حجاز کو حکم مانتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں باین وجہ امام شافعیؒ نے اس سلسلے میں درایت وفہم کو دخل دیا ہے اور روایات متعارضہ کو مختلف حالات پر حمل کر کے حتی الامکان روایات میں تطبیق دینے کی راہ اختیار کی۔

جب آپ مصر وعراق تشریف لے گئے اور ان ملکوں کے ثقات سے اور بہت سی روایات سنی اور آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ بعض روایات کو اہل حجاز کے عمل پر ترجیح ہے تو اس کے بعد ہی سے آپ کے مذہب میں دو قول، قدیم وجدید کا ظہور ہوا (کمافی بیان ماخذ المذاہب الاربعہ) تاریخ علم فقہ صفحہ ۳۸ میں مصنف فاضل لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے فقہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مذہب قدیم جسے انہوں نے عراق میں مرتب کیا تھا۔ اس میں عراقی رنگ غالب ہے (۲) مذہب جدید جسے انہوں نے مصر میں مرتب کیا تھا اس میں حجازی رنگ کا غلبہ ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے مذہب کے اساسی اصول خود اپنے رسالہ اصولیہ میں لکھے ہیں وہ ظاہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں یہاں تک کہ کسی دلیل سے ثابت ہو کہ ظاہر قرآن مراد نہیں۔

اس کے بعد وہ حدیث کو لیتے ہیں خواہ جس مقام کے علماء سے حاصل کی ہو بشرطیکہ تسلسل ہو رواۃ ثقہ ہوں امام مالکؒ کی طرح اس کے بعد وہ کسی عمل کی جو حدیث کی موید ہو قید نہیں لگاتے نہ امام ابو حنیفہؒ کی طرح حدیث کی شہرت وغیرہ کی قید لگاتے ہیں اس لئے علماء حدیث میں امام شافعیؒ کو نہایت حسن قبول حاصل ہوا یہاں تک کہ اہل بغداد ان کو ناصر السنۃ کہتے تھے۔ وہ حدیث کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور واجب الاتباع سمجھتے ہیں جس طرح قرآن حکیم کو دیکھتے ہیں اس میں یقین اور ظن کا بھی فرق نہیں کرتے حدیث کے بعد اجماع پر عمل کرتے ہیں اس کے بعد وہ قیاس پر اس شرط کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ اس کیلئے کوئی اصل معین ہو۔ عراقیوں کے استحسان اور حجازیوں کے استصلاح کی انہوں نے شدت سے مخالفت کی البتہ وہ استدلال پر عمل کرتے ہیں جو اس کے قریب ہے۔

(۲۱)

فقہ حنبلی کے پانچ زرّین اصول

کسی مسئلہ میں اگر احادیث متعارض ہوں اور اقوال صحابہ و تابعین بھی باہم مختلف ہوں تو اس صورت میں امام احمدؒ ہر حدیث کو اس کے ظاہر معنی پر حمل کرتے ہیں لیکن علت حکم کے اتحاد کی صورت میں وہ احادیث کو ان کے مواد کے ساتھ خاص کرتے ہیں اس لئے اس کا مذہب خلاف قیاس ہوا اور بلا وجہ فرق کے اس میں حکم کا اختلاف ہوا اسی وجہ سے اس کا مذہب ظاہریہ کی طرف منسوب ہے (کمافی بیان ماخذ المذاہب الاربعہ)

فقہ حنبلی کے پانچ زرین اصول مندرجہ ذیل ہیں (۱) جب کسی مسئلہ کے متعلق صریح نص موجود ہو تو پھر اسی پر عمل کرنا ہے اور کسی کے اختلاف کی پروا نہ کی جائے اسی لئے امام احمدؒ کے نزدیک

مبتوتہ عورت کیلئے نفقہ و سکنیٰ دونوں واجب ہیں کیونکہ اس بارے میں فاطمہ بنت قیس کی صریح حدیث موجود ہے۔ اس طرح ان کا مذہب یہ تھا کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ بنایا جاسکتا ہے کیونکہ اس کے متعلق حدیث ثابت ہو چکی ہے۔

(۲) جب کسی مسئلہ میں صحابی کا فتویٰ معلوم ہو جائے اور اس کے مخالف کسی صحابی کا قول معلوم نہ ہو سکے تو پھر وہی مختار ہونا چاہئے ایسے مقام پر امام احمدؒ بنظر غائر اجماع کا لفظ نہیں فرمایا کرتے بلکہ یہ فرما دیتے ہیں کہ مجھے اس کے خلاف کسی کا قول معلوم نہیں' حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کے نزدیک فتویٰ صحابی کی اہمیت حدیث مرسل سے بھی زیادہ ہے اسحاق بن ابراہیم نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ آپ کو صحیح مرسل حدیث زیادہ محبوب ہے یا صحابی کا صحیح اثر فرمایا صحابی کا صحیح اثر۔

(۳) جس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو اس میں جس کا قول کتاب و سنت کے قریب نظر آئے اسی کو اختیار کرلینا چاہئے اگر یہ ترجیح ثابت نہ ہو سکے تو پھر صحابہ کے مختلف اقوال کو نقل کر دینا چاہئے کسی قول پر جزم نہ کرنا چاہئے (۴) اگر کسی مسئلہ میں ضعیف یا مرسل حدیث موجود ہو اس کو بھی قیاس پر مقدم رکھنا چاہئے بشرطیکہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی اور حدیث یا قول صحابی' یا اجماع مخالف نہ ہو' امام احمدؒ کے نزدیک یہاں ضعیف سے منکر یا باطل حدیث مراد نہیں بلکہ حسن لغیرہٖ مراد ہے ان کے نزدیک حدیث کی دو ہی قسم تھیں' صحیح و ضعیف اور حدیث حسن صحیح میں داخل تھی۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ اصول اجمالی طور پر دوسرے ائمہ کے نزدیک بھی مسلم ہے اسی لئے امام ابو حنیفہ نے نماز میں قہقہہ لگانے کو نواقض وضوء میں شمار کیا ہے حالانکہ یہ قیاس کے مخالف ہے لیکن اس کے متعلق ایک ضعیف حدیث موجود ہے فلہذا قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔

(۵) قیاس اس وقت جائز ہو سکتا ہے جب کسی مسئلہ میں منقول سامان نہ مل سکے اور وہ بھی بقدر

ضرورت (کمانی اعلام الموقعین ج اصفحہ ۲۳) عبداللہ بن امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص رائے پر عمل کرے اس کے دل میں دھوکہ ہے اس لئے میرے نزدیک رائے سے حدیث ضعیف پر عمل کرنا اولیٰ واحریٰ ہے (کمانی مقدمہ فتح الملہم صفحہ ۷۵ و تدریب الراوی صفحہ ۱۶۸ ج ۱)

طبقات سبعۃ للفقہا الکرام

فقہاء کرام کے سات طبقے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) الطبقۃ الاولی المجتہدون فی الشرع) اس کو مجتہد مطلق بھی کہتے ہیں یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں اصول و قواعد کی بنیاد ڈالی اور ان قواعد و ضوابط کے پیش نظر ادلہ اربعہ سے مسائل شرعیہ کا استنباط کرتے ہیں نیز یہ حضرات استخراج احکام و استنباط مسائل میں کسی کی تقلید نہیں کرتے نہ اصول میں نہ فروع میں بلکہ ان حضرات کیلئے تقلید جائز ہی نہیں جیسا کہ ائمہ اربعہ اور ان کے ہم مثل ائمہ کرام ہیں۔

(۲) الطبقۃ الثانیۃ المجتہدون فی المذھب' یہ وہ حضرات ہیں جو ائمہ مذکورین کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کو سامنے رکھ کر ادلہ اربعہ سے نئے نئے مسائل استنباط و استخراج کرتے ہیں یہ حضرات اصول میں اپنے استادوں کی تقلید کرتے ہیں لیکن فروع میں تقلید نہیں کرتے جیسا کہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ و زفرؒ وغیرہ ہیں' لیکن اس پر اعتراض یوں ہوگا کہ بہت سے مسائل میں یہ حضرات اصول و فروع دونوں میں اپنے استاد کے خلاف کئے ہیں چنانچہ امام محمد بن محمد حجۃ الاسلام غزالی المتوفی ۵۰۵ صاحب احیاء العلوم اپنی مشہور کتاب 'المنخول میں رقمطراز ہیں کہ امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے دو ثلث مسائل میں من حیث الاصول والفروع اختلاف کئے ہیں۔

اس کے جواب میں شمس الائمہ محمد بن عبدالستار الکروریؒ اپنی کتاب رد المنخول میں لکھتے ہیں کہ امام اعظمؒ کو معلوم ہے کہ امام ابو یوسفؒ و محمدؒ اجتہاد کے مرتبے میں ہیں اور مجتہد کا عمل اجتہاد کرنا ہے دوسروں کی تقلید اس کیلئے جائز نہیں اس لئے امام صاحب نے ان کو اپنے ان مسائل میں تقلید کرنے سے منع کیا جن میں ان کو امام صاحب کے دلائل ظاہر نہ ہو اور فرمایا کسی کیلئے میرے اس قول کو اختیار کرنا جائز نہیں جس کے بارے میں اس کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کس دلیل کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں اب صاحبین کو امام صاحب کے بعض مسائل میں دلیل واضح نہیں ہوئی بلکہ ان کے خلاف

علامات پائی گئیں اس لئے ان مسائل میں صاحبین امام صاحب ہی کے حکم سے خلاف قول کیا' یا یوں کہئے کہ یہ حضرات واقعتاً" مجتہد فی الدین والشرع تھے لیکن تواضعاً" وادباً" للاستاد اپنے آپ کو اس حیثیت سے ظاہر نہیں کیا بلکہ ان کے مقرر کردہ اصول سامنے رکھ کر جن مسائل میں ان کی رائے کے خلاف دیکھا پس اپنا اختلاف رائے ظاہر کردیا اس وجہ سے علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے المیزان میں اور شاہ ولی اللہ نے انصاف میں ان کو مجتہدین منتسبین لکھا ہے (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حضرات مجتہد مطلق نہیں تھے بلکہ مقلدین تھے وجہ یہ ہے کہ فقہاً احناف فرماتے ہیں قسم خدا کی ہم جس قول پر فتویٰ دیتے ہیں یا جس قول کو ترجیح دیتے ہیں امام صاحب کے خلاف وہ درحقیقت انہی کا ایک قول ہوتا ہے چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ نے شرح عقود رسم المفتی میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

(۳) الطبقۃ الثالثۃ المجتھدون فی المسائل۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے ائمہ اربعہ کی تاسیس کردہ اصول وضوابط کو پیش نظر رکھ کر ان احکام کا استنباط واستخراج کیا ہے جن میں صاحب مذہب سے کوئی نص نہ ہو اور یہ حضرات صاحب مذہب کے کسی اصول وفروع میں کسی سے اختلاف نہیں کرتے جیسا کہ علامہ ابی بکر احمد خصاف' ابوبکر جصاص' ابو جعفر احمد طحاویؒ' ابوالحسن کرخیؒ' شمس الائمہ محمد سرخسی' شمس الائمہ عبدالعزیز حلوائی' فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی' فخر الدین قاضی خان وغیرہ ہیں۔

(۴) الطبقۃ الرابعۃ اصحاب التخریج' یہ وہ حضرات ہیں جو اجتہاد کی طاقت نہیں رکھتے لیکن اصول وضوابط پر ایسی مہارت تامہ حاصل ہے کہ کسی مجمل ذی وجہین قول کی تفصیل بیان کرسکتے ہیں۔ یعنی اگر صاحب مذہب سے کوئی بات بطور مبہم یا مجمل نقل ہوئی ہو تو یہ حضرات اس کے احتمال شرعی یا ابہام دور کرکے صحیح محمل بیان کردیتے ہیں جیسا کہ ابوبکر احمد بن علی الرازی المتوفی ۳۷۰ھ' ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ الجرجانی متوفی ۳۹۸ھ اور ان کے ہم مثل علماء ہیں

(۵) الطبقۃ الخامسۃ اصحاب الترجیح یہ وہ حضرات ہیں جن کی شان یہ ہے کہ بعض روایات کو بعض پر ترجیح دینا' اور وجہ راجح اور الفاظ راجح بیان کرنا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ' ابوالحسین احمد صاحب قدوری' ابن ہمام صاحب فتح القدیر اور ان کے ہم مثل علماء ہیں

(۶) الطبقۃ السادسۃ القادرون علی التمیز' یہ وہ حضرات ہیں جو صحیح اور ضعیف قوی اور ظاہر وغیر ظاہر کے درمیان تمیز دے سکتے ہیں جیسا کہ صاحب الوقایہ صاحب المجمع' صاحب المختار حافظ الدین نسفی وغیرہ ہیں۔

(۷) الطبقۃ السابعۃ المقلدون محضا' یہ وہ حضرات ہیں جو مذکورہ اشیاء میں سے کسی پر بھی طاقت نہیں رکھتے بقول علامہ شامیؒ ان کو دائیں بائیں کی خبر تک بھی نہیں بل یجتمعون مایجدون کا

مصداق ہیں ان کی تقلید جائز نہیں ہے' (تفصیل کیلئے' مقدمہ عمدۃ الرعایہ لمولانا عبد الحئی' الجواہر النفیسہ شرح الدرۃ المنیفہ فی مذاہب ابی حنیفہ لمولانا عمر بن عمر الازہری المصری' ذم الروافض ملا علی قاری صاحب مرقات شرح مشکوٰۃ' النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر وغیرہ ملاحظہ ہو)

ضروری اصطلاحات و فوائد متفرقہ

عام طور پر مصنفین حضرات کتابوں میں کچھ ایسے الفاظ و عبارات لاتے ہیں جن سے خاص بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے چند مندرجہ ذیل ہیں (۱) تأمل' سے قوی جواب کی طرف اشارہ ہوتا ہے یعنی سوال مذکور کا جو جواب دیا گیا اس سے ایک اور قوی جواب موجود ہے (۲) فتأمل' سے ضعیف جواب کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے (۳) فلیتأمل' سے جواب اضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۴) فیہ بحث' سے گزشتہ عبارت میں کسی تحقیق یا فساد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ (۵) فیہ نظر' اس موقع پر استعمال کرتے ہیں جہاں فساد لازم آرہا ہو (۶) یقال' سے اقوی سوال کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس کے جواب میں اقول یا نقول استعمال کرتے ہیں۔

(۷) فان قیل' سے سوال ضعیف کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس کے جواب میں اجیب یا یقال کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں (۸) لا یقال' سے سوال اضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کے جواب میں لانا نقول استعمال کرتے ہیں (۹) فان قلت' سے سوال قوی کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کے جواب میں قلت یا قلنا استعمال کرتے ہیں (۱۰) فی الجملہ' سے قلت اور اجمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۱۱) بالجملہ سے کثرت اور تفصیل کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۱۲) محصول کلام' تفصیلی بحث کے بعد جو نتیجہ وخلاصہ نکلتا ہے اس کو محصول کلام کہا جاتا ہے (۱۳) حاصل کلام' اجمالی بحث کرنے کے بعد تفصیلی بحث اگر کرنی ہے تو اس کو حاصل کلام کہا جائیگا (۱۴) صواب' سے خلاف خطاء کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۱۵) حق و باطل کا استعمال اعتقادیات میں ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون لمولانا محمد حنیف بالتغیر)

(۱۶) فیرد' اور رد' سے ایسے سوال کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کا جواب بزعم المعترض مشکل ہے اسی سے ملتا جلتا لفظ یتوجہ ہے لیکن یہ اعم ہے (۱۷) لا یبعد' و یمکن' یہ دونوں تمریض کے صیغے ہیں ان سے جواب ضعیف کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۱۸) حاصلہ' محصلہ' تحریرہ' تنقیحہ' ان الفاظ سے گزشتہ عبارت کے کسی نقص یا اس میں کسی زائد بات' یا ابہام کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۱۹) بسا اوقات ایک چیز کو حذف کرکے دوسری چیز کو اس کا قائم مقام کردیتے ہیں اس کیلئے بھی نزل منزلتہ' انیب منابہ' اقیم مقامہ' جیسے جملے استعمال کرتے ہیں ان تینوں جملوں میں معمولی سا فرق بھی ہے وہ یہ

ہے کہ اگر شئی ادنیٰ کو حذف کر کے شئی اعلیٰ کو اس کا قائم مقام کردیا گیا تو پہلا جملہ استعمال ہوگا اور اگر شئی اعلیٰ کو حذف کر کے شئی ادنیٰ کو قائم مقام کردیا گیا تو دوسرا جملہ استعمال ہوگا اور اگر شئی ادنیٰ کو حذف کر کے شئی ادنیٰ یا شئی اعلیٰ کو حذف کر کے شئی اعلیٰ کو قائم مقام بنادیا گیا تو تیسرا جملہ استعمال ہوگا (۲۰) تامل' میں لفظ فی داخل ہو یا نہ ہو ہر صورت میں اس سے کبھی دقت مقام کی طرف اشارہ ہوتا ہے کبھی کسی خدشہ واعتراض کی طرف اشارہ ہوتا ہے لیکن علامہ جلال الدین الدوانی کی تصنیفات میں فلیتامل' فتامل سے دقت مقام کی طرف اور بغیرنی کے خدشہ وسوال کی طرف اشارہ ہوتا ہے (کمافی شرح رسالہ آداب مطالعہ لمولانا علیم اللہ بن عبدالرزاق) (۲۱) لفظ قالوا' سے مشائخ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۲۲) عامتہ المشائخ' سے اکثر مشائخ مراد ہیں (۲۳) فقہاء کی عبارت میں لفظ یجوز کبھی یصح اور کبھی یحل کی معنی میں استعمال ہوتا ہے 'لفظ جواز دو معنوں کیلئے استعمال ہوتا ہے (۱) جواز بمعنی نفس الصحۃ جو بطلان کا مقابل ہے اس صورت میں جواز سے اباحت یا کراہت کی نفی مقصود نہیں ہوتی اس لئے بعض مواقع میں شراح ومحشین حضرات جاز وصح کے ساتھ مع الکراھۃ کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں (۲) کبھی لفظ جواز کا استعمال ہوتا ہے لیکن اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو شرعاً "ممنوع نہ ہو اس میں مباح' مکروہ' واجب' مندوب سب شامل ہیں۔

(۲۴) لفظ لاباس' اکثر اوقات مباح اور ترک اولیٰ کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار مندوب کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے (۲۵) لفظ ینبغی متاخرین کے عرف میں اکثر اوقات مندوبات میں مستعمل ہے لیکن متقدین کے عرف میں اس کا استعمال عام معنی کیلئے ہوتا ہے جس میں واجب بھی شامل ہوتا ہے

(۲۶) ھذا قول المشائخ' میں مشائخ سے مراد وہ حضرات ہیں جن کی ملاقات امام ابوحنیفہؒ سے نہیں ہوئی (۲۷) ہمارے فقہاءؒ میں متقدین سے مراد وہ حضرات ہیں جن کی ملاقات ائمہ ثلثہ (امام ابوحنیفہؒ' امام ابویوسفؒ' امام محمدؒ) سے ہوئی ہے اور جن حضرات کی ملاقات ائمہ ثلثہ سے ثابت نہیں وہ متاخرین ہیں یہی صحیح ہے لیکن عبدالنبی الاحمد نگری صاحب الخیالات اللطیفہ سے نقل کرتے ہوئے جامع العلوم میں لکھتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک لفظ سلف کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ سے امام محمدؒ تک کے مشائخ پر ہوتا ہے اور خلف کا اطلاق امام محمدؒ سے شمس الائمہ الحلوائی تک کے مشائخ پر ہوتا ہے اور لفظ متاخرین کا اطلاق شمس الائمہ الحلوائی سے حافظ الدین البخاری تک کے حضرات پر ہوتا ہے اور علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اپنی مشہور کتاب میزان الاعتدال فی نقد اسماء الرجال میں لکھتے ہیں ان حد الفاصل بین المتقدمین والمتاخرین ھو راس ثلث مائۃ ویخدش ماذکرہ عبدالنبی انھم کثیرا مایطلقون المتاخرین علی من قبل الحلوائی' وفی لسان' المیزان ج: صفحہ ۸ وفوائد البھیۃ' وارشاد الشیعۃ صفحہ ۱۹ ان حد الفاصل بینھما عند المحدثین ۳۰۰ھ

اس طرح حکماء کی بھی دو قسمیں ہیں متقدمین ومتاخرین۔ حکماء متقدمین سے مراد افلاطون

(المولود ۴۲۰ قبل المسیح المتوفی ۳۴۸ قبل المسیح) سے اوپر کے حکماء مراد ہیں اور حکماء متأخرین سے مراد ارسطو (مولود ۳۸۴ قبل المسیح متوفی ۳۲۲) کے بعد کے حکماء مراد ہیں (کمافی تفسیر حقانی ج ۱ سورہ بقرہ صفحہ ۱۵۰) (۲۸) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں جب حسن کا لفظ بولا جائے تو اس سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید امام حسن بن زیاد مراد ہوتے ہیں اور کتب تفسیر میں حسن بصریؒ مراد ہوتے ہیں (کذافی غایۃ البیان شرح الہدایہ لامیر کاتب الاتقانی المتوفی ۷۵۸ھ) اور طبقہ صحابہ میں حسن بن علیؓ مراد ہوتے ہیں (کمافی مقدمہ دورہ حدیث لمولانا محمد ابراہیم سجادلی) (۲۹) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں امام اعظم 'الامام' صحاب المذہب' کے الفاظ سے امام ابوحنیفہؒ مراد ہوتے ہیں صاحبین سے امام ابویوسفؒ و محمدؒ مراد ہوتے ہیں اور شیخین سے مراد امام ابوحنیفہ وابو یوسفؒ ہیں۔ اور کتب حدیث میں شیخین سے امام بخاری و مسلم مراد ہیں اور طرفین کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ پر ہوتا ہے اور طبقہ صحابہ میں شیخین کا اطلاق حضرت ابوبکر صدیقؓ و عمرؓ پر ہوتا ہے۔

(۳۰) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں الامام الثانی سے امام ابویوسفؒ اور الامام الربانی سے امام محمدؒ مراد ہیں اور ائمتنا الثلثہ کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ وابویوسفؒ وامام محمدؒ پر ہوتا ہے اور الائمۃ الاربعۃ کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ و شافعیؒ وامام احمد بن حنبلؒ پر ہوتا ہے (۳۱) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں شمس الائمہ کا لفظ اگر مطلقاً مذکور ہو تو اس سے شمس الائمہ السرخسی مراد ہوتے ہیں اور یہ شاگرد ہیں شمس الائمہ الحلوائی کے (کماذکرہ العلامہ شامیؒ فی شرح عقود رسم المفتی) (۳۲) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں ہذا الحکم ذکرہ فی الاصل' میں اصل سے مراد المبسوط لامام محمدؒ ہے (۳۳) اکثر جگہوں میں لفظ قیل کا استعمال ہوتا ہے اس سے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ لفظ قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ ہے حالانکہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ جس کتاب کے مصنف نے یہ التزام کیا ہو اور دیباچہ میں لکھدیا ہو کہ وہ لفظ قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ کریگا تو وہاں قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ ہوگا ورنہ نہیں۔

(۳۴) کتب فقہ میں جب ابن ابی لیلیٰ کا ذکر مطلقاً آئے تو اس کا اطلاق محمد بن عبدالرحمن الکوفی پر ہوگا (۳۵) کتب فقہ وحدیث میں ابن عباس کا اطلاق عبداللہ بن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کا اطلاق عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عمرؓ کا اطلاق عبداللہ بن عمرؓ پر ہوگا بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ ہو (۳۶) الکراھۃ کا لفظ جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوگا (۳۷) السنۃ کا لفظ جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے سنت موکدہ مراد ہوگی۔ اگرچہ سنت کا اطلاق سنت غیر موکدہ اور سنت الصحابہ اور کبھی مستحب پر بھی ہوتا ہے (۳۸) الصدر الاول کا اطلاق صرف سلف الصالحین پر ہوگا اور سلف الصالحین سے بھی القرون الثلثۃ الاول کے حضرات مراد ہیں (۳۹) کبھی لفظ وجود کا ہوتا ہے لیکن ام، ھو، قوم، بھی شامل ہوتا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ لمولانا عبدالحئیؒ)

(۴۰) اہل السنۃ والجماعۃ کا اطلاق خراسان' عراق بلاد شام افریقہ اور بلاد مغرب میں اشعریہ پر ہوتا ہے اور بلاد ماوراء النہر میں ماتریدیہ پر ہوتا ہے اور چین (ارکان برما) ہندوپاک' افغانستان' وترکستان وغیرہ میں دونوں پر ہوتا ہے (کمافی معارف السنن ج ۴ صفحہ ۱۴۴) (۴۱) المتن بفتحتین اسم لما اکتنف من صلب الحیوان سمی بہ لکونہ اساسا واصلا للشروح والحواشی (۴۲) جو کتاب مناسب فروع اور بہت سارے مسائل پر مشتمل ہو اس کو فتاوی کہا جاتا ہے۔

(۴۳) جس کتاب کا مقصود متن کو برقرار رکھ کر نفس کتاب کو حل کرنا ہو اس کو شرح کہا جاتا ہے جیسا کہ شرح الوقایہ' شرح المواقف' شرح المقاصد' شرح الہدایہ وغیرہ ہیں اور اگر وہ کتاب حامل متن نہ ہو تو اس کو تعلیقات وحاشیہ کہا جاتا ہے جیسا کہ فتح القدیر ہدایہ کا حاشیہ ہیں (کمافی شرح الوقایہ صفحہ ۵۱ مع الحاشیہ) (۴۴) علم العقائد' اصول فقہ' اصول حدیث' اور شروح حدیث میں قاضی کا اطلاق قاضی باقلانی پر ہوتا ہے جن کا مختصر تذکرہ الدیباج المذہب لابن فرحون" صفحہ ۲۶۷ میں ہے اور انہی علوم میں استاد سے امام ابو اسحق ابراہیم اسفرائنی مراد ہوتے ہیں (کمافی احسان الباری لفہم البخاری صفحہ ۷۸ لمولانا سرفراز خانصاحب)

(۴۵) عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مفہوم مخالف کلام الناس میں ظاہر المذہب کے مطابق حجت نہیں ہے لیکن امام محمدؒ نے السیر الکبیر میں لکھا ہے کہ مفہوم مخالف حجت ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ نصوص شرعیہ میں مفہوم مخالف حجت نہیں ہے لیکن کتب فقہ کی عبارتوں میں حجت ہے جب تک کہ یہ مفہوم مخالف کسی دوسری صریح عبارت کا مخالف ومعارض نہ ہو کیونکہ نصوص شرعیہ مثلاً قرآن وحدیث کی عبارات حکیمانہ ونصیحانہ ہوتی ہیں اس لئے بسا اوقات بعض لفظ کا ذکر محض تاکید یا توبیخ یا تشنیع یا وعظ وتذکیر کیلئے ہوتا ہے قید نہیں ہوتا مثلاً ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا میں قلیلا کا لفظ محض شناعت وقباحت کیلئے ہے قید نہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ثمن کثیر کے ساتھ جائز ہے اس طرح ولا تاکلوا الربٰو اضعافا مضاعفۃ کا یہ مطلب نہیں ہے اگر ربٰو اضعاف نہ ہو تو جائز ہے' بخلاف کتب فقہ کی عبارتوں کے کہ ان کا مقصود اصلی اصول وضوابط کو پیش نظر رکھ کر احکام شرعیہ کی تدوین کرنی ہے اس میں تاکید وغیرہ مقصود نہیں ہوا کرتی اس لئے مفہوم مخالف معتبر ہے (کمافی اصول الافتاء جسٹس مفتی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب غیر مطبوعۃ) (۴۶) فقہاءؒ کے عرف میں لفظ محدث کا اطلاق اس آدمی پر ہوتا ہے جس کو سند الحدیث مع الرجال جرحا" وتعدیلا" حفظ ہو صرف سماع حدیث کافی نہیں (کمافی تدریب الراوی ج ۱ صفحہ ۴۴)

(۴۸) ابن عربی کے نام سے دو امام گزرے ہیں (۱) قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۶ھ (۲) الشیخ محی الدین ابن العربی صوفی دونوں سرزمین اندلس میں پیدا ہوئے لیکن قاضی ابوبکر نے ترمذی کی

3/2

مشہور شرح عارضۃ الاحوذی تصنیف کی ہے جب علماء کرام کسی کتاب میں ابن العربی کا حوالہ دیں یا ابن العربی کا لفظ علی الاطلاق بولا جائے اور العربی میں الف ولام لکھا جائے تو اس سے قاضی ابوبکر مراد ہوتے ہیں اور اگر العربی میں الف ولام نہ ہو بلکہ ابن عربی بولا جائے تو اس سے محی الدین ابن عربی مرد ہوتے ہیں۔

(المولود ۴۳۰ قبل المسیح المتوفی ۳۴۸ قبل المسیح) سے اوپر کے حکماء مراد ہیں اور حکماء متأخرین سے مراد ارسطو (مولود ۳۸۴ قبل المسیح متوفی ۳۲۲) کے بعد کے حکماء مراد ہیں (کمافی تفسیر حقانی ج ۱ سورہ بقرہ صفحہ ۱۵۰) (۲۸) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں جب حسن کا لفظ بولا جائے تو اس سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید امام حسن بن زیاد مراد ہوتے ہیں اور کتب تفسیر میں حسن بصریؒ مراد ہوتے ہیں (کذافی غایہ البیان شرح الھدایہ لامیر کاتب الاتقانی المتوفی ۷۵۸ھ) اور طبقہ صحابہ میں حسن بن علیؓ مراد ہوتے ہیں (کمافی مقدمہ دورہ حدیث لمولانا محمد ابراہیم سجاولی) (۲۹) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں امام اعظم' الامام' صاحب المذہب' کے الفاظ سے امام ابوحنیفہؒ مراد ہوتے ہیں صاحبین سے امام ابویوسفؒ ومحمدؒ مراد ہوتے ہیں اور شیخین سے مراد امام ابوحنیفہ وابو یوسفؒ ہیں۔ اور کتب حدیث میں شیخین سے امام بخاری ومسلم مراد ہیں اور طرفین کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ پر ہوتا ہے اور طبقہ صحابہ میں شیخین کا اطلاق حضرت ابوبکر صدیقؓ وعمرؓ پر ہوتا ہے۔

(۳۰) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں الامام الثانی سے امام ابویوسفؒ اور الامام الربانی سے امام محمدؒ مراد ہیں اور ائمتنا الثلثہ کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ وابویوسفؒ وامام محمدؒ پر ہوتا ہے اور الائمۃ الاربعۃ کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ وشافعیؒ وامام احمد بن حنبلؒ پر ہوتا ہے (۳۱) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں شمس الائمہ کا لفظ اگر مطلقاً مذکور ہو تو اس سے شمس الائمہ السرخسی مراد ہوتے ہیں اور یہ شاگرد ہیں شمس الائمہ الحلوائی کے (کماذکرہ العلامہ شامیؒ فی شرح عقود رسم المفتی) (۳۲) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں ہذا الحکم ذکرہ فی الاصل' میں اصل سے مراد المبسوط لامام محمدؒ ہے (۳۳) اکثر جگہوں میں لفظ قیل کا استعمال ہوتا ہے اس سے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ لفظ قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ ہے حالانکہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ جس کتاب کے مصنف نے یہ التزام کیا ہو اور دیباچہ میں لکھدیا ہو کہ وہ لفظ قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ کریگا تو وہاں قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ ہوگا ورنہ نہیں۔

(۳۴) کتب فقہ میں جب ابن ابی لیلیٰ کا ذکر مطلقاً آئے تو اس کا اطلاق محمد بن عبدالرحمٰن الکوفی پر ہوگا (۳۵) کتب فقہ وحدیث میں ابن عباس کا اطلاق عبداللہ بن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کا اطلاق عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عمرؓ کا اطلاق عبداللہ بن عمرؓ پر ہوگا بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ ہو (۳۶) الکراھۃ کا لفظ جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوگا (۳۷) السنۃ کا لفظ جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے سنت موکدہ مراد ہوگی۔ اگرچہ سنت کا اطلاق سنت غیر موکدہ اور سنت الصحابہ اور کبھی مستحب پر بھی ہوتا ہے (۳۸) الصدر الاول کا اطلاق صرف سلف الصالحین پر ہوگا اور سلف الصالحین سے بھی القرون الثلثۃ الاول کے حضرات مراد ہیں (۳۹) کبھی لفظ وجوب کا ہوتا ہے لیکن اہم، مہم، فرض، بھی شامل ہوتا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ لمولانا عبدالحیؒ)

(۴۰) اہل السنۃ والجماعۃ کا اطلاق خراسان' عراق بلاد شام افریقہ اور بلاد مغرب میں اشعریہ پر ہوتا ہے اور بلاد ماوراء النہر میں ماتریدیہ پر ہوتا ہے اور چین (ارکان برما) ہندوپاک' افغانستان' وترکستان وغیرہ میں دونوں پر ہوتا ہے (کمافی معارف السنن ج ۴ صفحہ ۱۴۴) (۴۱) المتن بفتحتین اسم لما اکتنف من صلب الحیوان سمی بہ لکونہ اساسا واصلا للشروح والحواشی (۴۲) جو کتاب مناسب فروع اور بہت سارے مسائل پر مشتمل ہو اس کو فتاوی کہا جاتا ہے۔

(۴۳) جس کتاب کا مقصود متن کو برقرار رکھ کر نفس کتاب کو حل کرنا ہو اس کو شرح کہا جاتا ہے جیسا کہ شرح الوقایہ' شرح المواقف' شرح المقاصد' شرح الہدایہ وغیرہ ہیں اور اگر وہ کتاب حامل متن نہ ہو تو اس کو تعلیقات وحاشیہ کہا جاتا ہے جیسا کہ فتح القدیر ہدایہ کا حاشیہ ہیں (کمافی شرح الوقایہ صفحہ ۵۱ مع الحاشیہ) (۴۴) علم العقائد' اصول فقہ' اصول حدیث' اور شروح حدیث میں قاضی کا اطلاق قاضی باقلانی پر ہوتا ہے جن کا مختصر تذکرہ الدیباج المذہب لابن فرحون" صفحہ ۲۶۷ میں ہے اور انہی علوم میں استاد سے امام ابو اسحق ابراہیم اسفرائنی مراد ہوتے ہیں (کمافی احسان الباری لفہم البخاری صفحہ ۷۸ لمولانا سرفراز خانصاحب)

(۴۵) عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مفہوم مخالف کلام الناس میں ظاہر المذہب کے مطابق حجت نہیں ہے لیکن امام محمدؒ نے السیر الکبیر میں لکھا ہے کہ مفہوم مخالف حجت ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ نصوص شرعیہ میں مفہوم مخالف حجت نہیں ہے لیکن کتب فقہ کی عبارتوں میں حجت ہے جب تک کہ یہ مفہوم مخالف کسی دوسری صریح عبارت کا مخالف ومعارض نہ ہو کیونکہ نصوص شرعیہ مثلاً قرآن وحدیث کی عبارات حکیمانہ ونصیحانہ ہوتی ہیں اس لئے بسا اوقات بعض لفظ کا ذکر محض تاکید یا توبیخ یا تشنیع یا وعظ وتذکیر کیلئے ہوتا ہے قید نہیں ہوتا مثلاً ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا میں قلیلا کا لفظ محض شناعت وقباحت کیلئے ہے قید نہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ثمن کثیر کے ساتھ جائز ہے اس طرح ولا تاکلوا الربوٰا اضعافا مضاعفۃ کا یہ مطلب نہیں ہے اگر ربوٰا اضعاف نہ ہو تو جائز ہے' بخلاف کتب فقہ کی عبارتوں کے کہ ان کا مقصود اصلی اصول وضوابط کو پیش نظر رکھ کر احکام شرعیہ کی تدوین کرنی ہے اس میں تاکید وغیرہ مقصود نہیں ہوا کرتی اس لئے مفہوم مخالف معتبر ہے (کمافی اصول الافتاء جسٹس مفتی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب غیر مطبوعۃ) (۴۶) فقہاءؒ کے عرف میں لفظ محدث کا اطلاق اس آدمی پر ہوتا ہے جس کو سند الحدیث مع الرجال جرحا" وتعدیلا" حفظ ہو صرف سماع حدیث کافی نہیں (کمافی تدریب الراوی ج۱ صفحہ ۴۴)

(۴۸) ابن عربی کے نام سے دو امام گزرے ہیں (۱) قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۶ھ (۲) الشیخ محی الدین ابن العربی صوفی دونوں سرزمین اندلس میں پیدا ہوئے لیکن قاضی ابوبکر نے ترمذی کی

مشہور شرح عارضہ الاحوذی تصنیف کی ہے جب علماء کرام کسی کتاب میں ابن العربی کا حوالہ دیں یا ابن العربی کا لفظ علی الاطلاق بولا جائے اور العربی میں الف ولام لکھا جائے تو اس سے قاضی ابوبکر مراد ہوتے ہیں اور اگر العربی میں الف ولام نہ ہو بلکہ ابن عربی بولا جائے تو اس سے محی الدین ابن عربی مرد ہوتے ہیں۔
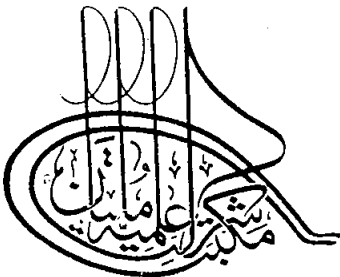
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تلخیص مقدمہ وترجمہ عربی عمدۃ الرعایۃ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے ”من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین“ کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فہم عطا کر دیتا ہے یہ دین کا فہم یا بالفاظ دیگر علم فقہ ہی آدمی کو اپنے ہمعصروں میں ممتاز کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علم فقہ کی طرف خاص اعتنا کیا گیا بہت سی طویل ومختصر بیش قیمت کتابیں لکھی گئیں۔ انہیں برہان الشریعۃ کی کتاب ”وقایہ“ اور اس کی شرح ”شرح وقایہ“ جو ان کے لائق شاگرد صدر الشریعۃ کے قلم کی مرہون منت ہے معتبر مسائل کی معتمد دستاویز ہونے کے لحاظ سے معروف ہیں۔

علماء وفقہاء نے وقایہ اور شرح وقایہ کی جانب خصوصی التفات سے کام لیتے ہوئے ان کی بہت سی شرحیں اور حواشی لکھ ڈالے اور درس وتدریس میں رائج کر کے تشنگان علم کی پیاس بجھانے کا سامان بہم پہونچایا۔

میں نے بھی ”عمدۃ الرعایۃ“ کے نام سے شرح وقایہ کا حاشیہ لکھا اور اس کی سعی کی کہ مختصر طور پر کتاب وسنت وآثار صحابہؓ سے ماخوذ احکام فقہیہ کی روشنی میں متن اور شرح کما حقہ حل ہو جائے۔

کتاب کے آغاز سے پہلے میں نے ایک مقدمہ مرتب کیا یہ طلبہ اور اہل دانش کے لئے سود مند ہوگا۔

مقدمہ متعدد اسباق (یا حاصل مطالعہ مضامین) پر مشتمل ہے پہلے سبق میں دور رسالتؐ سے عہد حاضر تک اشاعت علم کی کیفیت مجتہدین فقہاء اور خاص طور پر احناف کے مسلک کی اشاعت ووسعت واضح کی گئی ہے۔

محمد بن سلیمان الکفویؒ ”اعلام الاخیار من فقہاء مذاہب النعمان المختار“ میں لکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آپ پر نازل ہوا اس کی تبلیغ فرمائی حدود اللہ کو قائم فرمایا اور امر دین کے استحکام وقائم کرنے میں سعی بلیغ کی پھر خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر بعد والوں کے لئے نمونہ قائم کر دیا۔

تابعین کرام نے صحابہؓ سے اکتساب دین کر کے دوسروں تک پہونچایا وقت کے ساتھ ساتھ جب نت نئے ایسے واقعات پیش آنے لگے کہ نصوص کا ظاہر ان واقعات کے بارے میں حکم لگانے سے متعلق غیر واضح تھا تو لازمی طور پر اجتہاد

اور اصول و قواعد مرتب کرنے کی احتیاج ہوئی۔
پس مجتہدین فقہاء کرام نے تعیین مسلک کا عزم کیا۔ ان کے سامنے دورِ رسالت میں بھی ایسے اجتہاد کی نظیریں موجود تھیں۔
مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بحیثیت قاضی یمن روانہ فرماتے وقت معاذ رضی سے دریافت فرمایا۔ اے معاذ رض! تم کس چیز سے فیصلہ کروگے۔ عرض کیا۔ کتاب اللہ (قرآن کریم) سے۔ ارشاد ہوا اگر اسکا حکم کتاب میں (واضح) نہ ملے۔ عرض کیا سنت رسول ؐ سے۔ ارشاد ہوا اگر سنت رسولؐ میں بھی (واضح) نہ ملے۔ عرض کیا۔ اپنی رائے سے اجتہاد (ان دونوں کی روشنی میں) کروں گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ساری تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے رسولؐ کے قاصد کو اس کی توفیق عطا فرمائی جس سے اس کا رسولؐ خوش ہو۔
پھر علمائے دین اور ائمۂ مجتہدین نے شرعی مسائل کی تحقیق اور احکام شرعیہ کے استنباط میں پوری عرق ریزی کا وش سے کام لے کر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور ان تینوں کی روشنی میں قیاس یعنی ان چاروں کی بنیاد پر اصول و قواعد مرتب کئے ہو
ان علماء و فقہاء کا اتفاق دلیل قطعی اور ان کا اختلاف آیۂ رحمت ہے۔ ان مجتہدین فقہاء میں جن کے مسلک زیادہ اشاعت پذیر ہوئے اور پھیلے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، امام مالک بن انس، امام سفیان ثوری، امام ابن ابی لیلیٰ (محمد بن عبد الرحمٰن) امام عبد الرحمٰن اوزاعی، امام محمد بن ادریس الشافعی، امام احمد بن حنبل اور داؤد بن علی رحمہم اللہ ہیں
لیکن ان ائمہ میں امتیاز و شہرت مسلک چار ہی کو دوامی طور پر نصیب ہوئی یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ۔
ائمہ اربعہ میں بھی جو شہرت، ہردلعزیزی اور امتیاز اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک و مذہب کو عطا فرمایا، وہ ان تین کو بھی امام موصوف سے کم ملا۔ امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنھوں نے چالیس ممتاز علمائے مجتہدین کی ایک مجلس بنا کر علم فقہ میں تصنیف و تالیف اور تدوین فقہ کا آغاز کیا۔
ان کے اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ یہ چالیس عالم مختلف علوم و فنون میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ مثلاً امام ابو یوسفؒ اخبار و روایات و زبان میں، امام محمد فقہ، اعراب و بیان میں، امام زفرؒ قیاس میں حسن بن زیادؒ استخراج مسائل و نکات میں، عبد اللہ بن المبارکؒ حدیث اور درستگی رائے میں، وکیع بن الجراح تفسیر میں، حفص بن غیاث مسائل قضاء و ذکاوت میں، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ احادیث و روایات کے حفظ میں۔
امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ اگر ابو حنیفہؒ اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو دلیل سے ثابت کرسکتے ہیں۔
امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فقہ میں سب لوگ امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔
علمائے احناف کو ہی فقہ و اجتہاد اور رائے و حدیث میں اولیت کی فضیلت حاصل ہے۔ فقہاء و علمائے احناف نے مختلف شہروں اور ممالک مثلاً عراق، بغداد، بلخ، خراسان، سمرقند، بخارا، رے، شیراز، طوس، زنجان، ہمدان،

استر آباد، بسطان، مرغینان، فرغان وافغان وغیرہ میں پھیل کر فقہ وحدیث کی اشاعت کی۔ تصنیفات وتالیفات سے خدمت انجام دی۔

حنفی علماء کے اس جلیل القدر طبقہ سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ یہ افادہ واستفادہ کا سلسلہ درجہ بدرجہ خوش اسلوبی سے چلتا رہا۔ فتنۂ تاتار تک یہ حسنِ انتظام برقرار رہا۔

پھر مستعصم باللہ عباسی کے دور ۶۵۶ھ میں ہلاکو بن چنگیز نے سیکڑوں سال کی مسلم سلطنت کو تاراج کیا، بغداد السلطنت دوسرے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور علمی ذخائر کو نذرِ آتش کردیا۔

علماء وفقہاء کا طبقہ منتشر ہوگیا۔ احناف نے روم کے شہروں کا رخ کیا۔ اور سلطنتِ عثمانیہ کی برکت سے ارباب علم وفضل کو اطمینان ودلجمعی سے کار فقہ وتصنیف وتالیف انجام دینے کا موقعہ ملا۔

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ قاضی ابویوسفؒ کے ذریعہ فقہ حنفی کی اشاعت ہوئی۔ ہارون رشید عباسی کے دورِ حکومت میں قاضی ابویوسف قاضی القضاۃ تھے۔ قدرتی طور پر ان کے فیصلے اشاعت پذیر ہوئے۔ عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے شہروں وعلاقوں میں مسلکِ حنفی کی خوب خوب اشاعت ہوئی۔

دراسۂ ثانیہ میں میں نے علمائے احناف کے طبقات اور درجات بیان کئے ہیں ان کا ذکر ناگزیر تھا۔ علامہ الکفویؒ نے "طبقاتِ حنفیہ" میں فقہائے احناف کی پانچ قسمیں کی ہیں۔

پہلے طبقہ میں متقدمین احناف یعنی تلامذۂ ابوحنیفہ شمار کرائے ہیں۔ مثلاً ابویوسفؒ، محمدؒ، زفرؒ وغیرہ؛ ان حضرات نے کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماع اور قیاس کی روشنی میں ان قواعد کے مطابق احکام کا استخراج کیا جو ان کے استاذ حضرت امام ابوحنیفہؒ مرتب کرگئے تھے۔ فروع میں اگرچہ انھوں نے بعض جگہ اپنے استاذ سے اختلاف بھی کیا مگر اصول میں انہیں کے مقلد ہیں۔

دوسرا طبقہ متاخرین احناف کا ہے۔ مثلاً ابوبکر احمد الخصافؒ، امام ابوجعفر احمد الطحاویؒ، ابوالحسن الکرخیؒ، شمس الائمہ عبدالعزیز حلوائیؒ، شمس الائمہ محمد السرخسیؒ، فخر الاسلام علی بن محمد البزدویؒ، امام فخر الدین حسن المعروف بقاضی، صدرُ الاجل برہان الدین محمود صاحب الذخیرۃ البرہانیہ والمحیط البرہانی، شیخ طاہر بن احمد صاحب النصاب والخلاصۃ یہ طبقہ ان مسائل میں اجتہاد کی استطاعت رکھتا تھا جن کے بارے میں صاحبِ مذہب (امام ابوحنیفہؒ) سے کوئی روایت نہ ہو مگر اس کے باوجود اس طبقہ نے نہ اصول میں صاحبِ مذہب سے اختلاف رائے کیا اور نہ فروع میں بلکہ استنباطِ مسائل میں صاحبِ مذہب ہی کے اصول وقواعد کی مکمل تقلید کی۔

تیسرا طبقہ مقلدین اصحاب تخریج کا ہے۔ مثلاً رازی وغیرہ۔ اس طبقہ کا شمار زمرۂ مجتہدین میں نہیں، البتہ یہ اصول وقواعد پر منضبط کرکے اس کی اہلیت رکھتا تھا کہ ایسے اجمال کی تفصیل کردے جس کے دو پہلو نکلتے ہوں اور ایسا مبہم وغیر واضح حکم جس میں دو باتوں کا احتمال نہ ہو اور وہ امام ابوحنیفہؒ یا ان کے تلامذہ میں سے کسی سے منقول ہو اس کی توضیح انھیں کی ذکر کردہ مثالوں اور نظائر کی روشنی میں کردے۔

چوتھا طبقہ اصحاب ترجیح مقلدین کا ہے۔ مثلاً ابوالحسین احمد القدوری، شیخ الاسلام برہان الدین علی المرغینانی صاحب الہدایہ وغیرہ۔ اس طبقہ کی شان یہ ہے کہ بعض روایات کی بعض دوسری روایتوں پر "ھٰذا اولیٰ۔ ھٰذا اصح روایۃً۔ ھٰذا اوضح درایۃً۔ ھٰذا اوفق للقیاس۔ ھٰذا ارفق بالناس" کہہ کر ترجیح ثابت کرتا ہے۔

پانچواں طبقہ طبقۂ مقلدین ہے جو اقوی، قوی اور ضعیف اقوال اور ظاہر مذہب اور ظاہر الروایات اور روایۃ النادرہ کی تمیز و امتیاز پر قادر ہے۔ مثلاً شمس الائمہ محمد الکردری، جمال الدین حصیری، حافظ الدین نسفی، صاحب درمختار، صاحب وقایہ اور صاحب المجمع۔ اس طبقہ کی شان یہ ہے کہ یہ اپنی کتابوں میں قابل رد اور ضعیف روایات نقل کرنے سے احتراز کرتا ہے۔

سود مند توضیحات

احناف کی کتابوں میں جب الحسن مطلقاً (بلا قید) ذکر کیا جائے تو اس سے مراد حسن ابن زیادؒ امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ ہوتے ہیں۔ اور تفسیر کی کتابوں میں مطلقاً الحسن ملے تو اس سے حضرت حسن البصری مراد لئے جاتے ہیں۔ فقہ حنفی میں امام سے مراد امام ابوحنیفہؒ، صاحبینؒ سے امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ شیخین سے امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ، طرفینؒ سے امام محمدؒ و امام ابوحنیفہؒ، امام ثانی سے امام ابویوسفؒ، امام ربانی سے امام محمدؒ، ائمہ ثلاثہ سے امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور ائمہ اربعہ سے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ مراد ہوتے ہیں۔

شمس الائمہ مطلقاً ذکر کیا جائے تو اس سے مراد شمس الائمہ سرخسی ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کے ساتھ کوئی نہ کوئی قید لگی ہوئی ہوتی ہے۔ مثلاً شمس الائمہ حلوائی، شمس الائمہ الزرنجری، شمس الائمہ الکردری، شمس الائمہ اوزجندی۔

ضمائر کا فرق

ضمیر "عندہٗ" سے فقہاء کی اصطلاح میں مطلب ہوتا ہے "ھٰذ الحکم عندہٗ" یعنی یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور "عندھما" سے مراد اکثر و عموماً امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ ہوتے ہیں۔ "ظاہر روایت" اور "ظاہر مذہب" سے مراد یہ ہوتا ہے کہ یہ قول روایتِ اصول کے موافق ہے وہ امام محمدؒ کی مشہور کتابیں "الجامع" "الجامع الکبیر" "السیر الصغیر" "السیر الکبیر" "المبسوط" "الزیادات" ہیں۔

عبادلہ

محدثین کے نزدیک اس سے مراد یہ چار صحابی ہوتے ہیں (۱) عبداللہ بن الزبیر (۲) عبداللہ بن عمر (۳) عبداللہ بن عباس (۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور فقہاء کے نزدیک عبادلہ سے مراد عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن الزبیر، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہوتے ہیں

وقایہ

قابل اعتبار و معتمد متنوں میں سے "وقایہ" ہے۔ اس کے مؤلف کی فقاہت مسلم ہے یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس کی طرف پورا اعتناء کیا۔ اس کے حواشی اور شروحات لکھیں تدریس میں اسی کو اختیار کیا گیا میں نے "مقدمۂ سعایہ" میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے یہاں بالاختصار ان حضرات کا ذکر کرتا ہوں جنھوں نے اس متن کی طرف توجہ کرتے ہوئے اس کی شرحیں لکھیں یا حواشی کا اضافہ کیا۔

(۱) علاء الدین الاسود الرومی علی بن عمر معروف بقرہ خواجہ۔ ان کی "حافل" کے نام سے وقایہ کی شرح دو جلدوں

میں ہے۔ سلطان اورخان بن عثمان خاں (متوفی ۷۶۱ھ) کے عہد سلطنت میں جب موصوف مدرسہ "ابیق" میں استاذ تھے اس وقت یہ شرح لکھی۔ ۸۰۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۲) عبد اللطیف بن عبد العزیز بن فرشتہ۔ ابن ملک کے نام سے مشہور رہیں۔ اپنے وقت کے زبردست عالم تھے بہت سی کتابیں "شرح مجمع البحرین"، "شرح مشارق الانوار"، "شرح المنار" وغیرہ بطور علمی یادگار ہیں۔ انھوں نے "وقایہ" کی بھی شرح تحریر فرمائی۔

(۳) سید علی قوسناتی۔ جملہ علوم میں ماہر بزرگ ہیں۔ انھوں نے "عنایہ" کے نام سے وقایہ کی شرح لکھی ۸۰۰ھ کے اواخر میں انتقال ہوا۔

(۴) علی بن مجد الدین محمد بن محمد بن مسعود بن محمود بن محمد بن الامام فخر الدین البسطامی الہروی الرازی ۸۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور حصول علم کے لئے ۸۲۳ھ میں اپنے بھائی کے ہمراہ سفر کیا تحصیل علم جلال الدین یوسف تلمیذ سعد الدین تفتازانی عبد العزیز بن احمد الابہری الشافعی، فصیح الدین محمد بن محمد وغیرہ سے کی اور رتبۂ امتیاز وکمال حاصل کیا۔ کم سنی ہی سے تالیفات کے باعث "مصنفک" (کم سن مصنف) کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی بہت سی کتابیں علمی یادگار ہیں۔ شرح وقایہ، شرح مصباح النحو، شرح المطول، شرح القصیدۃ البردۃ، شرح الہدایہ وغیرہ۔ ۸۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۵) علی بن محمد بن علی ابو الحسن زین الدین الحسینی المشہور بالسید شریف الجرجانی شعبان ۷۴۰ھ میں پیدا ہوئے استفادۂ علمی نور طاؤسی شارح المفتاح اور مخلص الدین ابی الخیر علی بن قطب الدین الرازی وغیرہ اپنے شہر کے علماء سے کیا پھر مصر پہونچ کر اکمل الدین البابرتی مؤلف عنایہ حاشیۂ ہدایہ اور مبارک شاہ المنطقی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے علم کے مرتبۂ عالیہ تک پہونچے۔ بدھ کے روز ۶ ربیع الاول ۸۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ جن میں سے شرح وقایہ، شرح المواقف، شرح المفتاح، شرح الکافیہ، حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، حاشیہ حکمۃ الاشراف مشہور ہیں۔ ان کی ساری تصانیف ذہانت ومعلومات مفیدہ کی آئینہ دار ہیں۔

(۶) محمد بن حسن بن احمد بن ابی یحییٰ الکواکبی الحلبی۔ اپنے وقت کے ممتاز عالم اور صاحب تصانیف ہیں۔ نظم الوقایہ، شرح الوقایہ، نظم المنار، شرح المنار، شرح المواقف بطور علمی یادگار چھوڑ گئے۔

(۷) احمد بن سلیمان بن کمال الرومی الشہیر بابن کمال۔ اول وقایہ کا مختصر متن "الاصلاح" کے نام سے تالیف کیا پھر وقایہ کی شرح "الایضاح" کے نام سے تحریر کی۔ ان کی سو سے زیادہ اور تصانیف ہیں قسطنطنیہ میں ۹۴۰ھ میں انتقال ہوا۔ اس وقت آپ وہاں منصب افتاء پر فائز تھے۔

(۸) یوسف بن حسین الکرمانی ۹۰۰ھ کے قریب انتقال ہوا۔ انھوں نے "الحمایہ" کے نام سے وقایہ کی شرح لکھی۔

(۹) محمد بن مصلح الدین القوجوی المعروف بشیخ زادہ الرومی۔ قسطنطنیہ میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ انھوں نے "وقایہ" کی شرح، شرح المفتاح، شرح سراجیہ اور حاشیۂ تفسیر بیضاوی بطور علمی یادگار چھوڑے۔ ۹۵۰ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۰) شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب بن محمد الخطیب بن ابراہیم الخطیب التمرتاشی الغزی غزہ شہر کے مفتی اعلم شمس محمد المشرقی الغزی سے استفادہ کیا۔ ۹۹۸ھ میں قاہرہ پہونچ کر صاحب بحر الرائق زین بن نجیم المصری وامین الدین وعلی بن الحنائی سے علم فقہ حاصل کیا نتیجۃً خود ارباب فنون کا مرتبہ بن گئے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً شرح قصیدۃ بدر الامالی، شرح مختصر المنار، شرح المنار۔ وقایہ کے ایک حصہ کی شرح، باب الایمان تک، شرح کنز، حاشیۃ الدر، شرح الغرر باب الحج تک۔ رجب ۱۰۰۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۱) زین الدین جنید بن صندل۔ انھوں نے "توفیق العنایہ" کے نام سے "وقایہ" کی شرح لکھی۔

علاء الدین علی الطرابلسی نے "الاستغنار" کے نام سے، قاسم بن سلیمان النکیندی نے "التعلیق" کے نام سے، حسام الدین الکوبج نے "الاستغنا دفی الاستیغار" کے نام سے وقایہ کی شرحیں لکھیں۔

یہاں تک تو ان لوگوں کا ذکر ہوا جنھوں نے وقایہ کی مستقل شرحات لکھیں۔ اب مختصر تذکرہ ان حضرات کا پیش ہے، جنھوں نے صرف حواشی "وقایہ" پر لکھے۔

محشین شرح وقایہ

(۱) یوسف چلپی۔ انھوں نے "ذخیرۃ العقبیٰ" کے نام سے وقایہ کا حاشیہ لکھا۔ سید احمد القرمی تلمیذ صاحب "فتاوی بزازیہ" سے تحصیل علم کی۔ علی صلاح الدین معلم سلطان بایزید خاں اور علی محمد بن فراموز سے بھی استفادہ کیا۔ مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۹۰۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۲) حسن چلپی بن شمس الدین محمد شاہ ۸۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور تحصیل علم ملا علی طوسی اور ملا خسرو سے کی۔ کلام، عربیت اور معقولات میں امتیاز حاصل کیا۔ بہت سے علمی کارنامے، حاشیہ شرح الوقایہ، حاشیہ تفسیر البیضاوی، حاشیہ تلویح اور حاشیۃ المطول وغیرہ یادگار چھوڑے۔ ۸۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۳) محی الدین محمد الشہیر بخطیب زادہ الرومی۔ اپنے والد تاج الدین، علی الطوسی، خضر بیگ وغیرہ فضلائے عصر سے تحصیل علم کی اور قسطنطنیہ میں تدریسی خدمت انجام دی۔ ۹۰۱ھ میں انتقال ہوا۔ حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ علی الکشاف، حاشیہ علی شرح المختصر، حاشیہ علی شرح المواقف وغیرہ تصنیفی یادگار ہیں۔

(۴) محی الدین محمد بن ابراہیم بن حسین النکساری الرومی۔ علوم شرعیہ اور فنون عقلیہ کے ماہر تھے۔ علی حسام الدین التوقانی، یوسف بالی بن محمد الفناری، محمد بن ادمغان وغیرہ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ سورۂ دخان کی تفسیر، حواشی شرح وقایہ، حواشی علی تفسیر البیضاوی ان کی علمی یادگار ہیں۔ ۹۰۱ھ میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔

(۵) یوسف بن حسین الکرماسی۔ اپنے دور کے ممتاز علماء خواجہ زادہ وغیرہ سے تحصیل علم کی۔ قسطنطنیہ میں مدرس رہے۔ پھر شہر ادرنہ میں منصب قضاء پر مامور ہوئے۔ حواشی شرح وقایہ اور حواشی مطول وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔ ۹۰۰ھ کے اواخر میں انتقال ہوا۔

(۶) محی الدین احمد بن محمد العجمی۔ اول مدرس پھر شہر ادرنہ میں منصب قضاء پر مامور ہوئے اور وہیں انتقال ہوا۔

ان کی علمی یادگاروں میں ان کا رسالہ شرح وقایہ پر باب الشہید تک اور شرح سراجیہ پر حواشی ہیں۔

(۷) مصلح الدین مصطفیٰ بن حسام الدین الشہیر بحسام زادہ۔ علوم ادبیہ و شرعیہ کے ماہر و عارف تھے۔ انکی تصانیف میں حاشیۂ شرح وقایہ وغیرہ ہیں۔

(۸) محی الدین محمد شاہ بن علی بن یوسف بالی بن شمس الدین محمد بن حمزہ الفناری اپنے والد اور خطیب زادہ سے تلمذ حاصل ہے۔ اوّل "بروسہ" میں مدرس ہوئے پھر قسطنطنیہ میں پھر منصب قضا سپرد کیا گیا۔ عہد شباب میں ۹۲۹ھ میں انتقال ہوا۔ ان کے شرح مواقف، سراجیہ اور شرح وقایہ کے اوائل پر مشہور ہیں۔

(۹) سعدی بن ناجی بیگ الشہیر بناجی زادہ۔ شرح وقایہ کے باب الشہید تک اس کا حاشیہ اور حواشی شرح المفتاح ان کی تصنیفی یادگار ہے۔ ۹۲۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۰) کمال الدین اسمٰعیل قرامانی۔ مولیٰ احمد الخیالی اور مولیٰ خسرو سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ حواشی شرح وقایہ، حواشی حاشیۃ الخیالی وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔

(۱۱) یعقوب باشا بن خضر بیگ بن جلال الدین الرومی۔ اپنے والد سے تحصیل علم کی اور فنون میں مہارت تامہ حاصل کی قسطنطنیہ میں منصب قضا پر فائز تھے کہ ۸۹۱ھ میں انتقال ہوگیا۔ حواشی شرح وقایہ (جو ایجاز و اختصار کا عمدہ نمونہ ہیں) شرح مواقف وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔

(۱۲) سنان الدین یوسف الرومی۔ علوم ادبیہ کے ماہر تھے۔ ان کی تصانیف میں شرح مراح الارواح، شرح شافیہ۔ اور حواشی شرح وقایہ وغیرہ ہیں۔

(۱۳) مولیٰ احمد الخیالی۔ صاحب کشف نے ان کے شرح وقایہ پر حاشیہ کا ذکر کیا۔ بروسہ کے مدرسہ سلطانیہ میں مدرس تھے۔ اس کے بعد دوسرے مدارس میں خدمت تدریس انجام دی۔

(۱۴) المولیٰ محمد بن محمد الشہیر بعرب زادہ الرومی۔ اپنے دور کے ممتاز عالم تھے۔ اول مدرسہ بروسا میں مدرس رہے پھر محمود پاشا کے "قسطنطنیہ" کے مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کی تصنیفی یادگاریں حسب ذیل ہیں۔ حاشیہ علی شرح الوقایہ، حاشیہ علی الہدایہ، شرح ہدایہ، حاشیہ علی فتح القدیر۔ ۹۶۹ھ میں دریا کے سفر کے دوران کشتی ٹوٹ جانے کے باعث غرقاب ہوکر شہید ہوگئے۔

ان علماء کے علاوہ جن کا مختصر تذکرہ سطور بالا میں ہوا اور وہ بہت سے مایۂ ناز عالم جنھوں نے دیگر تصانیف کے ساتھ شرح وقایہ پر حواشی بھی لکھے اُن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) المولیٰ تاج الدین ابراہیم بن عبید اللہ الحمیدی۔ (۲) المولیٰ صالح بن جلال۔ (۳) حسام الدین حسین بن عبد اللہ (۴) مصطفیٰ بن خلیل (۵) مولیٰ شمس الدین بن احمد بن المولیٰ بدر الدین المعروف بقاضی زادہ الرومی۔ (۶) شیخ الاسلام احمد بن یحییٰ بن محمد بن سعد الدین تفتازانی (۷) حسام الدین۔ (۸) محی الدین محمد النقرہ (۸) قاضی شمس الدین احمد بن حمزہ المعروف بعرب چلبی (۱۰) المفتی زکریا بن بہرام۔ (۱۱) المولیٰ محی الدین محمد بن الخطیب قاسم (۱۲) محمد بن علی البرکی۔ (۱۳)

سلیمان بن علی القرمانی (۱۴) محمد بن ابراہیم الحلبی (۱۵) المولیٰ علم شاہ بن عبد الرحمٰن۔ (۱۶) عبد اللہ بن صدیقہ بن عمر البرزی (۱۷) شاہ لطف اللہ المعروف بملانان (۱۸) ابو المعارف محمد عنایت اللہ القادری القصوری (۱۹) مولانا مفتی یوسف بن مفتی محمد اصغر (۲۰) مولانا عبد الحکیم بن مولانا عبد الرب بن بحر العلوم (۲۱) مولانا محمد عبد الرزاق بن مولانا جمال الدین احمد۔ (۲۲) مولوی محمد حسن بن ظہور حسن۔

کچھ صاحب مقدمہ کے بارے میں

میں نے اپنے متعلق کچھ "النافع الکبیر" میں بیان کیا ہے تاکہ میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد میرا ذکر باقی رہے۔ بقدرِ ضرورت اس جگہ بھی عرض کرتا ہوں۔

۲۶ ر ذی قعدہ ۱۲۶۵ھ میں بروز منگل باندہ میں پیدا ہوا۔ میرے والد باندہ میں خدمت تدریس انجام دیتے تھے۔ ابھی پانچ ہی سال کی عمر تھی کہ حفظ قرآن شروع کر دیا اور دس سال کی عمر میں تکمیلِ حفظ کرلی۔ اس دوران فارسی کی کچھ کتابیں بھی پڑھ لی تھیں۔ حفظ سے فارغ ہوکر اپنے والد سے علوم عربیہ کی تحصیل شروع کی۔ میزان سے لے کر تفسیر بیضاوی تک تفسیر، حدیث فقہ، اصولِ فقہ، منقولات اور معقولات کی ساری کتابیں پڑھ لی تھیں۔

ابھی عمر سترہ ہی سال کی تھی کہ تحصیلِ علوم سے سندِ فراغت حاصل کرلی۔

زندگی میں دو سفر پیش آئے (۱) اپنے وطن سے حیدر آباد کا سفر (۲) حیدر آباد سے حرمین شریفین کا سفر۔ میں نے سب کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ البتہ بعض علم ریاضی کی کتابیں مثلاً برجندی اور خضری کی شرح طوسی کا رسالہ "الاسطرلاب" اور علم نجوم میں ایک رسالہ والد کے انتقال کے بعد اپنے ماموں مولانا محمد نعمت اللہؒ سے پڑھیں۔ مولانا علومِ ریاضیہ کے ماہر تھے اور میں ان کے تلامذہ میں آخری شاگرد تھا۔

محقق طوسی خواب میں

انھیں دنوں میں نے خواب میں محقق نصیر الدین طوسی مؤلف "التذکرۃ والتجرید" اور "تحریر اقلیدس" وغیرہ کو دیکھا۔ میں نے ان سے کچھ باتیں دریافت کیں۔ انھوں نے میری اس فن میں مشغولیت پر فرحت وانبساط کا اظہار کرتے ہوئے اس فن میں باکمال ہونے کی بشارت دی۔

اجازت

میرے والد کو سارے علوم میں شیخ جمال الدین الحنفی المکی تلمیذ مفتی عبد اللہ السراج، شیخ محمد بن محمد الغرب الشافعی مسجد نبوی کے استاذ، شیخ عبد الغنی الدہلوی تلمیذ الشیخ عابد السندی مؤلف حصر الشارد، السید احمد دحلان الشافعی اور دوسرے شیوخ وعلماء سے اجازت (درس وتدریس) حاصل تھی۔

مجھے والد کے علاوہ محرم ۱۲۸۰ھ کے اوائل میں شیخ الدلائل علی الحریری المدنی، مفتی حنابلہ مکہ، نانا السید محمد بن عبد اللہ بن حمید المتوفی ۱۲۹۵ھ اور شیخ عبد الغنی نے بھی اجازت عطا فرمائی۔

مشغلہ تصنیف وتالیف

جوانی بلکہ عہد طفلی ہی سے تدریس اور تصنیف وتالیف کا شغل اللہ تعالیٰ کی توفیق سے رہا۔ میں نے علم صرف میں "التبیان شرح المیزان"، "تکملۃ المیزان" اور اس کی شرح "امتحان الطلبۃ فی الصیغ المشکلۃ" اور ایک رسالہ "چار گل" لکھا۔

علم نحو میں ذخیر الکلام، ازالۃ الجمد اور مناظرہ میں الہدیۃ المختاریۃ شرح الرسالۃ العضدیہ، علم منطق وحکمت میں غلام یحییٰ بہاری کے حواشی پر تعلیق۔ دوسری تعلیق مصباح الدجیٰ کے نام سے اور تیسری تعلیق نور الہدیٰ کے نام سے اور التعلیق العجیب تہذیب پر حاشیۂ جلالی کے حل کے لیے اور حل المغلق فی بحث المجہول المطلق، الکلام المتین فی تحریر البراہین، میسر العسیر فی بحث المثناۃ بالتکریر، الافادۃ الخطیرۃ، تکملۃ حاشیۃ الوالد علی النفیسی، المعارف، حاشیۃ بدیع المیزان۔

علم تراجم وتاریخ میں "حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم، الفوائد البہیۃ، التعلیقات السنیۃ، مقدمۃ الہدایۃ، مذیلۃ الدرایہ، مقدمۃ الجامع الصغیر، مقدمۃ السعایۃ، مقدمۃ التعلیق الممجد، مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ، خیر العمل النافع، رسالۃ اخریٰ فی تراجم السابقین من علماء الہند، ابراز الغی"

اور علم فقہ وسیرت وحدیث میں "الحاشیۃ القدیمہ، اس کی شرح سعایۃ، التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد، جمع الغرر، القول الاشرف، القول المنثور، القول المنشور، ترویح الجنان، الانصاف، الافصاح، تحفۃ الطلبۃ، تحفۃ الکملۃ، سامعۃ الفکر، احکام القنطرۃ، غایۃ المقال، ظفر الانفال، السہسۃ بنقض الوضوء بالقہقہۃ، خیر الخبر باذان خیر البشر، رفع الستر، قوۃ المغتذین، افادۃ الخیر، التحقیق العجیب فی التثویب، الکلام الجلیل، تحفۃ الاخیار، نخبۃ الانظار، اقامۃ الحجۃ، تحفۃ النبلاء، زجر الناس، الفلک الدوار، الفلک المشحون، الاجوبۃ الکاملۃ، ظفر الامانی، الکلام فیما یتعلق بالقراءۃ خلف الامام، تعلیق الفوائد العظام، تدویر الفلک، نزہۃ الفکر، النعمۃ، القول الجازم، آکام النفائس، تحفۃ الثقات، ادرع الاخون، رسالۃ فی الغیبۃ، رسالۃ فی الاحادیث الموضوعۃ (ناتمام)، تبصرۃ البصائر، جمع الخواعظ الحسنۃ، الآیات البینات، دافع الوسواس، الکلام المبرم، الکلام المبرور اور السعی المشکور وغیرہ لکھیں۔

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ اس نے میری تصانیف کو قبولیت عام عطا فرمائی اور بجز حاسدین کے عالم کے فضلاء وعلماء نے ان کی پذیرائی کی اور میری تصانیف کو سراہا۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ میری ساری تالیفات کو قبول کر کے میرے مرنے کے بعد میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد لوگ ان سے مستفید ہوں۔ اور اللہ میری لغزشوں سے درگذر فرمائے۔

وقایہ اور شرح وقایہ میں ذکر کردہ بزرگوں کے مختصر حالات

ابن ابی لیلیٰ محمد ابن عبد الرحمٰن بن یسار بن ابی لیلیٰ الانصاری الفقیہ المقری سنہ ۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں انتقال ہوا۔ کوفہ کے قاضی اور مجتہدین میں سے تھے۔ ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" اور ذہبی نے "الکاشف" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے شعبیؒ سے اور ان سے وکیع اور ابونعیم وغیرہ نے روایت کی ہے۔

ابن الانباری۔ محمد بن القاسم بن محمد بن بشار ابوبکر النحوی اللغوی۔ بغداد کے قریب ایک بستی ہے۔ اس کی طرف منسوب ہوکر انباری کہلاتے ہیں۔ زبیدیؒ کا بیان ہے کہ نحو وادب میں لوگوں میں ممتاز تھے۔ ۱۱ رجب ۲۷۱ھ میں پیدا ہوئے

اور ۳۰۸ھ یا ۳۱۱ھ میں بغداد میں انتقال ہوا۔

ابن شبرمہ۔ عبد اللہ بن شبرمہ الضبی القاضی حضرت انس رضی اللہ عنہ اور تابعین سے روایت کرتے ہیں۔ کوفہ کے فقیہ اور عاقل وعارف وشاعر تھے۔ ۱۴۴ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ ذہبیؒ نے "عبر" میں اور یافعیؒ نے "مرآۃ الجنان" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

ابن عباسؓ۔ عبد اللہ بن عباس (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبد المطلب بحر المفسرین حبر العالمین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر تیرہ ۱۳ سال تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دین میں سمجھ (فقہ فی الدین) اور تاویل وتفسیر کے علم کی دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کی دعا قبول فرمائی۔

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ گذشتہ علم اور اس علم کی جس کے لوگ محتاج ہوتے ہیں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ میں نے ان سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور ابو بکرؓ وعثمانؓ کے فیصلوں، شعر وعربیت، تفسیر قرآن، حساب وفرائض کا عالم نہیں دیکھا۔ ایک روز آپ کی مجلس صرف فقہ کی اور ایک روز تاویل کی، ایک روز مغازی کی، ایک دن شعر کی ایک دن ایام عرب کی ہوا کرتی تھی۔

میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا کہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر آپ سے متاثر اور معترف علم نہ ہوا ہو اور کسی سوال کرنے والے کو نہیں دیکھا کہ اسے آپ سے سوال کا علمی جواب نہ ملا ہو۔

لیث بن ابی سلیم نے طاؤس سے کہا کہ میں نے اس لڑکے یعنی حضرت ابن عباسؓ کی ہم نشینی اکابر صحابہؓ کی صحبت چھوڑ کر اختیار کی۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر ۷۰ صحابہؓ کو دیکھا کہ جب انھیں کسی امر میں دشواری پیش آتی تو ابن عباسؓ کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے انھیں بصرہ کا امیر بنایا۔ یہ بصرہ کے امیر رہے پھر حضرت علیؓ کی شہادت سے قبل حجاز لوٹ آئے۔

حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت عمر وحضرت علی وحضرت معاذ وحضرت ابوذر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے حضرت ابن عمرؓ وحضرت انسؓ وحضرت ابو الطفیلؓ حضرت ابو امامہؓ حضرت سہل بن حنیف اور ان کے صاحبزادہ علی بن عبد اللہ اور آپ کے موالی عکرمہ، کریب، عطا بن ابی رباح، مجاہد اور سعید بن المسیب، علی بن الحسین، عروہ بن الزبیر، ابو النخعی وغیرہ سیکڑوں افراد نے روایت کی ہے۔

اسد الغابہ میں ہے کہ آپ نے ۶۸ھ یا ۶۹ھ اور ایک قول کے مطابق ۷۰ھ میں وفات پائی۔

ابن عمرؓ۔ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ باعتبار علم وعمل ممتاز صحابی۔ غزوہ خندق (۵ھ) اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ اور بیعت رضوان میں بیعت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس طرح تعریف فرمائی کہ "وہ صالح شخص ہے"۔ ابن الحنفیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اس امت کے بڑے عالم

سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے جنتی ہونے کی گواہی دوں تو حضرت ابن عمرؓ ہیں۔ نافعؒ کا بیان ہے کہ ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کا شدت سے اتباع کرتے تھے۔
حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے بجز ابن عمرؓ کے کوئی ایسا نہیں کہ دنیا اس کی طرف مائل نہ ہوئی ہو اور وہ دنیا کی طرف راغب نہ ہوا ہو۔
سعید بن عمر القرشی کا بیان ہے کہ حجاج خطبہ دے رہا تھا تو ابن عمرؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا یہ اللہ کا دشمن ہے جس نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کیا۔ بیت اللہ کو پامال کیا اور اولیاء اللہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔
حجاج نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا گیا کہ ابن عمرؓ ہیں۔ حجاج بولا اے بوڑھے خاموش!
پھر حجاج نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو پیچھے لگا دیا۔ اس نے حضرت ابن عمرؓ پر زہر آلود آکر لگا دیا حضرت ابن عمرؓ اس کے اثر سے بیمار پڑ گئے اور ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں انتقال فرمایا۔ "تذکرۃ الحفاظ" میں ذہبیؒ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔
ابن المبارکؒ۔ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن المبارک الحنظلیؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں ۱۱۸ھ یا ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ساری عمر جہاد میں بسر کر دی۔
حدیث کی سماعت سلیمان التیمی، عاصم الاحول، حمید الطویل اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے کی۔ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔
ان سے یحییٰ بن معین، عبد الرحمٰن بن مہدی، ابو بکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کثیر جماعت نے روایت کی۔
ابن مہدیؒ کہتے ہیں کہ ائمہ چار ہیں۔ مالک، سفیان، ثوری، حماد بن زید اور ابن مبارک۔
امام احمدؒ فرماتے ہیں ان کے دور میں ان سے بڑا علم کا طلب گار کوئی نہ تھا۔
ابن معینؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ و معتبر تھے۔ ان سے روایت کردہ احادیث جو لکھی گئیں بیس ہزار سے زیادہ ہیں
عباس بن مصعب کا بیان ہے کہ ابن المبارک حدیث و فقہ، ایام الناس، شجاعت و سخاوت کے جامع تھے
ابن معین کہتے ہیں کہ وہ مومنین کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔
نعیم بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر دانشمند اور عبادت گذار نہیں دیکھا۔ خطیب بغدادی کی "تاریخ دمشق" "ابو نعیم کی حلیۃ الاولیاء" وغیرہ میں ان کے فضائل کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ رمضان ۱۸۱ھ میں انتقال ہوا۔
ابن مسعود۔ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب　　الہذلی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین اور عصا اور وسادہ و طہور (وضو کا برتن) سنبھالنے والے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار سے حاصل کرو اور ان چار میں سے ایک ابن مسعود کو بتایا۔ کتاب اللہ کے سب سے بڑے عالم۔

بطور اظہار نعمت خود ابن مسعودؓ فرماتے تھے اصحاب رسول اللہ جانتے تھے کہ میں کتاب اللہ کا سب سے بڑا عالم ہوں۔ اور اگر مجھے اس کا علم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے تو میں اس کے پاس سفر کرکے پہونچتا راوی کا بیان ہے کہ میں نے صحابہؓ میں سے کسی کو ان کے قول کی تردید کرتے ہوئے اور غلط ثابت کرتے ہوئے نہیں سنا ابن مسعودؓ اور ان کی والدہ کی بلا اجازت بکثرت اہل بیت میں آمد و رفت سے لوگ انھیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہی خیال کرتے تھے۔

وہ مفتی تھے۔ اور مشکل مسائل میں علماء حجاز و شام و عراق بالاتفاق ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان کے بارے میں ایک صحابیؓ نے فرمایا کہ مجھ سے مت پوچھو جب تک یہ بڑا عالم تم میں موجود ہے۔

موطا میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا "علم سے لبریز برتن ہے" احادیث میں بکثرت ان کے مناقب ہیں۔ کوفہ میں قیام فرمایا۔ پھر مدینہ تشریف لے آئے اور ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں بزمانہ خلافت عثمان انتقال فرمایا۔

ابو جعفر الفقیہ الہندوانی۔ محمد بن عبداللہ بن محمد البلخی الہندوانی بلخ کا ایک محلہ باب ہندوان سے موسوم ہے اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہندوانی کہلاتے ہیں۔ اپنے وقت کے عارف و فاضل امام تھے۔ ان کی مہارت علوم کے باعث انھیں ابو حنیفۃ الصغیر کہا جاتا ہے۔

ابو حنیفہ۔ نعمان بن ثابت بن زوطی۔ ان کے دادا زوطی اسلام لائے اور نعمان نام رکھا گیا جیسا کہ دوسری روایت سے ثابت ہے کوفہ میں قیام پذیر ہوئے۔ ان کے بیٹے ثابت پیدا ہوئے تو برکت کی غرض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے۔ حضرت علیؓ نے برکت کی دعا فرمائی۔

ابن خلکان "تاریخ" میں اور مزی نے "تہذیب الکلام" وغیرہ میں ان کا سن ولادت ۸۰ھ اور سن وفات ۱۵۰ھ لکھا ہے۔

انتقال ہوا تو ہجوم کی کثرت کے باعث پانچ مرتبہ نماز پڑھی گئی۔ سب سے آخر میں ان کے صاحب زادہ حماد نے نماز پڑھی قاضی القضاۃ حسن بن عمارہ نے غسل دیا۔ غسل دیتے ہوئے کہتے جاتے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور آپ کی مغفرت کرے تیس ۳۰ سال سے افطار نہیں کیا اور چالیس برس رات کو آرام (مکمل آرام) نہیں فرمایا آپ کے مشائخ جن سے آپ نے استفادہ کیا ان کی فہرست طویل ہے "تہذیب الکمال" میں اس کی تفصیل ہے۔ ان میں کچھ چند یہ ہیں۔

نافع مولی ابن عمرؓ موسیٰ بن ابی عائشہ۔ حماد بن ابی سلیمان، ابن شہاب الزہری، عکرمہ مولی ابن عباسؓ، عبداللہ بن دینار، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، ابراہیم بن محمد بن المنتشر، جبلۃ بن سحیم، قاسم مسعودی، عون بن عبداللہ، علقمہ بن مرثد، علی بن الاقمر، عطاء بن ابی سباح، قابوس بن ابی ظبیان، خالد بن علقمہ، سعید بن مسروق الثوری، سلمہ بن کہیل، سماک بن حرب، شداد بن عبدالرحمٰن۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، ابو جعفر محمد الباقر، عطاء بن ابی رباح، اسماعیل بن عبدالملک

حارث بن عبد الرحمٰن، حسن بن عبد اللہ، حکم بن عتبہ، طریف بن سفیان السعدی، عامر السبیعی، عبد الکریم بن ابی امیہ، عطاء بن السائب، محارب بن دثار، محمد بن السائب، معن بن عبد الرحمٰن، منصور بن معتمر، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید، ابوالزبیر کی وغیرہ۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے اس میں سے چند نام یہ ہیں:۔
زفر، حسن بن زیاد، ابو مطیع البلخی، محمد بن الحسن، ابو یوسف، وکیع بن الجراح، عبد اللہ بن المبارک، زکریا بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث النخعی، رئیس الصوفیہ داؤد الطائی، یوسف بن خالد السمتی، اسد بن عمرو، نوح بن ابی مریم۔

امام صاحب تابعی ہیں

بعض نے امام صاحب کو تبع تابعی شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کا میلان بھی اسی طرف ہے مگر یہ خیال صحیح نہیں بلکہ درست یہ ہے کہ امام صاحب تابعی ہیں، کوفہ میں بارہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ خطیب بغدادی، دارقطنی، ابن الجوزی، نوزی اور ذہبی، ابن حجر مکی، سیوطی اور ابن حجر عسقلانی بھی ایک سوال کے جواب میں اس کی صراحت کی ہے

بزرگوں کے اقوال

حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے فقہ میں ابو حنیفہؒ جیسا کوئی نہیں دیکھا سفیان ثوریؒ سے کہا گیا کہ امام ابو حنیفہؒ کو کسی دشمن کی بھی غیبت کرتے نہیں سنا۔ وہ بولے ابو حنیفہؒ اتنے بے وقوف نہیں کہ اپنی نیکیاں اس کی غیبت کے بدلہ گنوا دیں۔

ابراہیم بن عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے پورے دور میں ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر عالم متقی و پرہیزگار نہیں دیکھا۔
امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جسے فقہی مہارت مطلوب ہو وہ ابو حنیفہؒ کا محتاج ہے۔
ابن معینؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک قراءۃ حمزہ کی قراءت ہے اور فقہ ابو حنیفہ کا فقہ ہے۔
علی بن عاصم کہتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہؒ کی عقل اہل علم کی عقل کے ساتھ تولی جائے تو ابو حنیفہؒ کی عقل کا پلڑا بھاری رہے گا۔

امام صاحبؒ کے زہد و تقویٰ، خشیت، سخاوت، ذکاوت و ذہانت، فتوے وغیرہ میں احتیاط مناقب کی کتابوں میں بالتفصیل ذکر کئے گئے ہیں۔ امام صاحبؒ سے متعلق مناقب کی چند کتابیں یہ ہیں (۱) تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ (۲) الخیرات الحسان فی مناقب النعمان (۳) عقود المرجان فی مناقب النعمان (۴) شقائق النعمان فی مناقب النعمان (۵) قلائد عقود الدرر والعقیان فی مناقب النعمان (۶) الروضۃ العالیۃ المنیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ (۷) المواہب الشریفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ (۸) تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان (۹) البستان فی مناقب النعمان۔

معترضین کو منہ توڑ جواب

اگر کوئی طعنہ زن یہ اعتراض کرے کہ پوری رات عبادت میں گذار دینا، ایک رات میں پورا قرآن کریم ختم کرنا اور ہزار رکعات وغیرہ پڑھنا وغیرہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔
ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض وہی کر سکتا ہے جو فہم و دانش سے کورا ہو۔ ابو حنیفہؒ کی سی عبادت کی نظیریں صحابہ رضی

تابعینؒ، ائمہ مجتہدین اور محدثین میں ملتی ہیں۔ کچھ اسمائے گرامی یہ ہیں۔
مثلاً حضرت عثمانؓ وحضرت ابن عمر، حضرت شداد بن اوس وحضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم اور مسروق
عبدالرحمٰن بن اسود، عمر بن میمون، سعید بن جبیر، سعید بن المسیب، خالد بن معدان، ابواسحٰق السبیعی، وہب بن منبہ،
الامام محمد الباقر، الامام زین العابدین علی بن الحسین، الامام سجاد علی بن عبداللہ، اویس القرنی، قتادہ، ثابت
البنانی، وصلۃ بن اشیم، عروہ بن الزبیر، ابن عساکر، الخطیب البغدادی، عبدالغنی المقدسی، عمیر بن ہانی، عامر بن
عبداللہ، الاسود النخعی، مالک بن دینار، منصور بن زاذان، سلیمان التیمی، محمد بن واسع، الامام الشافعی، ابوبکر بن عیاش
مسعر بن کدام، عبداللہ بن ادریس، ابویوسف القاضی، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع بن الجراح، بشر بن مفضل، یزید
بن ہارون، عبدالرحمٰن بن مہدی، ہناد بن السری، الاوزاعی، سلیمان بن طرخان، ایوب السختیانی، صفوان بن
سلیم، حسن بن صالح، اسماعیل بن عیاش وغیرہ۔
امام ابوحنیفہؒ کی تصانیف الفقہ الاکبر، کتاب الوصیۃ، کتاب العالم والمتعلم اور کتاب المقصود وغیرہ ہیں۔
ابوزید۔ عبیداللہ بن عمر بن عیسیٰ مؤلف کتاب الاسرار وتقویم الادلہ احناف کے اساطین میں شمار ہے۔
استخراج مسائل اور دقت وسعت نظر میں ضرب المثل ہیں۔ سمعانی کے "انساب" میں لکھا ہے کہ بخارا میں ۴۳۰ھ
میں انتقال ہوا۔
ابوسہل الغزالی۔ علامہ کرخیؒ کے شاگرد اور ابوبکر الجصاص الرازی کے استاذ ہیں۔ نیشاپور کے فقہاء میں شمار
ہے۔ کتاب الریاض ان کی تصنیفی یادگار ہے۔ نیشاپور میں وفات پائی۔
ابوعلی الدقاق علی احمد بن الحسین۔ کتاب الحیض کے مؤلف اور مشہور محدث ابوسعید بردعی کے استاذ ہیں ۳۱۷ھ
میں انتقال ہوا۔
ابومنصور الماتریدی۔ محمد بن محمد بن محمود الماتریدی۔ سمعانی لکھتے ہیں کہ ماترید سمرقند کی ایک بستی کا نام ہے۔ کتاب
التوحید، کتاب المقالات، کتاب رد اوائل الکعبی، کتاب تاویلات القرآن ان کی تصانیف ہیں ۳۳۳ھ میں انتقال ہوا۔
ابوالليث۔ نصر بن محمد بن احمد السمرقندی فقیہ المعروف بامام الہدیٰ۔ فقیہ ابوجعفر الہندوانی کے شاگرد ہیں۔ تنبیہ
الغافلین، البستان، شرح الجامع الصغیر، النوازل، العیون۔ الفتاوی، خزانۃ الفقہ، فقہ اور تفسیر قرآن سے متعلق
مقدمہ ان کی تصانیف ہیں۔ بلخ میں ۳۷۶ھ میں وفات پائی۔
ابویوسف۔ یعقوب بن ابراہیم الکوفی القاضی مسلمانوں میں یہ پہلے شخص ہیں جنھیں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے
نام سے پکارا گیا۔ تین بادشاہوں، مہدی، ہادی اور ہارون رشید کے زمانہ میں منصب قضاء پر مامور رہے۔ ہارون
رشید ان کا بڑا اعزاز واکرام کرتا تھا۔ منصب قضاء پر مامور ہونے کے زمانہ میں (بھی) روزانہ دو سو رکعات پڑھا کرتے تھے
اول ابن ابی لیلیٰ سے فقہ حاصل کیا پھر ابوحنیفہ کی مصاحبت اختیار کی۔ ابوحنیفہ، عطاء بن السائب وغیرہ کی حدیث
کی سماعت کی۔ اصحاب ابوحنیفہ میں ان جیسا کوئی اور نہیں ہوا۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علوم ابوحنیفہؒ کی اشاعت کی۔

تفسیر و حدیث وایام عرب کی وافر مقدار کے حافظ تھے۔ ۱۸۲ھ میں انتقال ہوا۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ۔ ہند بنت ابی امیہ حذیفہ بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشیۃ المخزومیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد کرنے سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد کے نکاح میں تھیں۔ اپنے شوہر کیساتھ شروع ہی میں اسلام لے آئی تھیں۔ اول حبشہ ہجرت کی، پھر مکہ مکرمہ لوٹ کر مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ حضرت ابوسلمہؓ کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے بعد ۳ھ میں ان سے عقد فرمایا۔ حضرت ام سلمہؓ صاحب عقل و جمال اور صائب الرائے تھیں۔ ان کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں ۵۹ھ لکھا ہے۔ ایک قول کے مطابق ۵۸ھ ایک کی رو سے ۶۰ھ ایک کے اعتبار سے ۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع کے بعد وفات پائی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کی رو سے ان کا واقعۂ حرہ ۶۳ھ تک بقید حیات رہنا معلوم ہوتا ہے۔ امہات المؤمنین میں ان کا انتقال سب سے آخر میں ہوا۔

البخاری۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن الاحنف مؤلف الجامع الصحیح البخاری، الادب المفرد، تاریخ الکبیر، تاریخ الصغیر، کتاب قضایا الصحابۃ والتابعین، رسالۃ فی رفع الیدین، رسالۃ فی قراءۃ خلف الامام وغیرہ۔ "تذکرۃ الحفاظ" اور "سیر النبلاء" وغیرہ میں ان کے مناقب و فضائل تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں عید الفطر کی رات میں انتقال ہوا۔

بریرہ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں قبیلہ بنی ہلال کے شخص سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ ان کے شوہر کا نام مغیث تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد ہونے کی بنا پر ملنے والے حق (خیار عتق) کے باعث شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے کا اختیار عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے شوہر سے علیحدگی اختیار کرلی۔

البزدوی۔ ابوالعسر فخرالاسلام علی بن محمد البزدوی۔ بزدہ ایک گاؤں کا نام ہے۔ مشائخ حنفیہ میں گنے جاتے ہیں۔ "المبسوط"، "شرح الجامع الصغیر"، "الجامع الکبیر"، "تفسیر القرآن" اور "شرح صحیح بخاری" وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔ "سیر النبلاء" میں لکھا ہے کہ ۴۸۲ھ میں انتقال ہوا۔

الترمذی۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ۔ نہر بلخ کے کنارہ ترمذ مشہور شہر ہے۔ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ہیں۔ جامع ترمذی اور شمائل ترمذی وغیرہ ان کی تصنیفی یادگاریں ہیں۔ ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ "سیر النبلاء" اور تذکرۃ الحفاظ میں ان کا مبسوط و مفصل تذکرہ ہے۔

جبیر بن مطعم۔ بن عدی بن نوفل بن عبد مناف قریش کے علماء اور سرداروں میں سے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہوئی۔ ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں انتقال ہوا۔

جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم الہاشمی القرشی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی۔ یہ جعفر طیار سے مشہور رہیں۔

صورت وعادات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد مشابہ تھے۔ اپنے بھائی حضرت علی المرتضیٰ رضہ کے مسلمان ہونے کے کچھ بعد ہی اسلام لائے۔ حبشہ ہجرت کی، اور ۷ھ میں فتح خیبر کے موقعہ پر واپس آئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے غزوۂ موتہ کے لئے بھیجا اور ۸ھ میں شہید ہوگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے انھیں جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا سیرت وحدیث کی کتابوں میں ان کے بہت مناقب ملتے ہیں۔

حارث بن عبد المطلب۔ حارث بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا قسطلانی نے "المواہب اللدنیہ" اور "زرقانی" نے "شرح زرقانی" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ چچا تھے۔ اور آپ کے والد تیرہویں تھے۔

(۱) حارث بن عبد المطلب۔ یہ سب سے بڑے تھے۔ اور چاہ زمزم کھودے جانے کے وقت اپنے والد کے ساتھ موجود تھے۔ اپنے والد کی زندگی میں انتقال ہوگیا۔ انھوں نے زمانۂ اسلام نہیں پایا۔ ان کی اولاد میں ابوسفیانؓ نوفل، ربیعہ، مغیرہ اور عبداللہ سب صحابی ہیں۔

(۲) ابوطالب۔ یہ خود اور ان کا بیٹا طالب اسلام نہیں لائے۔ ان کے تین بیٹے عقیل جعفر علی المرتضیٰ اور بیٹی ام ہانی اسلام لائے۔

(۳) الزبیر ابوالحارث کنیت تھی۔ شاعر، شریف اور بنی ہاشم و بنی المطلب کے رئیس و سردار تھے۔ انھوں نے زمانۂ اسلام نہیں پایا۔ ان کی بیٹیوں ضباعہ، صفیہ، ام الحکم، ام الزبیر اور ان کے بیٹے عبداللہ نے اسلام قبول کیا۔

(۴) ابولہب۔ عبد العزیٰ۔ اس کی شان میں سورۂ تبت نازل ہوئی۔ عتبہ اور معتب دو بیٹے صحابہ میں سے ہیں۔

(۵) الغیداق۔ اصل نام مصعب (۶) المقوم۔

(۷) اسلم۔ جنگ احد میں شریک ہوئے۔

(۸) ضرار۔ انھوں نے زمانۂ اسلام نہیں پایا۔

(۹) اسلم۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔

(۱۰) قثم۔ بچپن میں انتقال ہوگیا۔ (۱۱) عبد الکعبہ۔ بچپن میں انتقال ہوا۔ (۱۲) حجل۔ اصل نام مغیرہ ہے۔

الحجاج۔ حجاج بن یوسف بن عقیل الثقفی۔ ظلم میں ضرب المثل یہ سفاک ہونے کے ساتھ فصیح و بلیغ شخص تھا۔ اموی بادشاہ عبد الملک بن مروان کی طرف سے دو برس حجاز کا پھر عراق و خراسان کا بیس برس امیر رہا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے جنگ کی اور ان کو شہید کیا۔ حرم مکہ کی بے حرمتی کی ہمیشہ فساد برپا کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ۹۵ھ میں انتقال ہوا اور لوگوں و شہروں کو اس سے نجات ملی۔

الحسن بن زیاد۔ امام ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر تلامذہ میں سے ہیں۔ حافظ حدیث تھے۔ قاضی بنائے گئے پھر مستعفی

دیدیا۔ ان کی کتاب "المجرد والصالی" معروف ہے۔ ۲۰۴ھ میں انتقال ہوا۔

خواہرزادہ۔ محمد بن الحسین البخاری المعروف بکر خواہرزادہ۔ ماوراء النہر کے بڑے عالموں میں سے ہیں ان کی کتابیں "المختصر"، "التجنیس"، "المبسوط" مشہور ہیں۔ ۴۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

خبیب۔ بن عدی بن مالک بن عامر بن مجدعۃ الانصاری الاوسی۔ غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اور لوگوں کے ہمراہ ان کو بغرض تبلیغ روانہ فرمایا تو ساتھ لے جانے والوں نے غداری کی اور ان صحابہ کو شہید کر دیا۔ خبیب کفار مکہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور انھوں نے ان کو سولی دیدی۔

خدیجہ۔ ام المومنین خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ القرشیۃ الاسدیۃ سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد فرمایا۔ حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ کہ وہ حضرت ماریہؓ قبطیہ سے ہیں، باقی ساری اولاد حضرت خدیجہؓ سے ہوئی۔

رسول اللہؐ کے ساتھ عقد سے قبل ابوہالہ کے نکاح میں تھیں۔ پھر عتیق بن عائذ سے نکاح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ان سے عقد کے وقت ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ "استیعاب" اور "اسد الغابہ" وغیرہ میں ان کے مناقب موجود ہیں۔ ہجرت سے پانچ یا چار یا تین سال قبل ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ اور مقام "الحجون" میں بلا نماز جنازہ دفن کی گئیں، کیونکہ اس وقت تک نماز جنازہ فرض نہیں ہوئی تھی۔

الخصاف۔ احمد بن عمر۔ مسلک ابوحنیفہؒ کے عارف تھے۔ خصاف اس وجہ سے مشہور ہوئے کہ دستکاری کرکے کھاتے تھے۔ اپنے والد، ابوداؤد طیالسی، مسدد اور علی بن مدینی سے روایت کرتے ہیں۔ کتاب مناسک الحج، کتاب الحیل، کتاب الوصایا، کتاب الشروط، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب الرضاع، کتاب ادب القاضی، کتاب النفقات علی الاقارب، کتاب احکام الوقف وغیرہ ان کی تالیفات ہیں۔ ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا۔

الخلیل۔ سیدنا ابراہیم بن آزر علیہ السلام۔ اولوالعزم نبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسولوں میں سب سے افضل۔

الخلیل۔ خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم ازدی الفراہیدی۔ نحوی، لغوی۔ عروض کے موجد بھی ہیں۔ ایوب، عاصم الاحول وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ذہین ترین لوگوں میں ان کا شمار ہے۔ ان کی کتابیں حسب ذیل ہیں۔

لغت میں کتاب العین، کتاب الجمل، کتاب العروض، کتاب الشواہد، کتاب الشکل، کتاب النقط، کتاب الایقاع والنغم۔ ۱۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

زفر۔ زفر بن ہذیل بن قیس بن سلم بن قیس العنبری۔ جلیل القدر فقیہ اور محدث تھے۔ علم و عبادت کے حامل

تھے۔ شداد کا بیان ہے میں نے اسد بن عمرو سے دریافت کیا۔ ابو یوسف زیادہ فقیہ ہیں یا زفر۔ بولے زفر زیادہ پرہیزگار ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں فقہ کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔ انھوں نے کہا اے شداد پرہیزگاری آدمی کو بلند کرتی ہے۔

محمد بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ زفر کو منصب قضاء قبول کرنے کے لئے کہا گیا انھوں نے انکار کیا اور روپوش ہو گئے۔ تو ان کا گھر گرا دیا۔ پھر انھوں نے آکر مکان درست کر لیا۔ پھر انھیں مجبور کیا مگر انھوں نے یہ ذمہ داری قبول نہ کی۔ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں انتقال ہوا۔

السرخسی۔ شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل۔ سرخس خراسان کا ایک قدیم شہر ہے۔ اپنے وقت کے اونچے درجے کے عالم اور متکلم تھے۔ شرح سیر کبیر اور شرح مبسوط ان کی مشہور تالیفات ہیں۔ اواخر ۴۹۰ھ میں انتقال ہوا

سعید بن المسیب بن حزن۔ ان کے والد صحابی اور بیعۃ الرضوان میں شریک تھے۔ ان کے دادا حزن بھی صحابی ہیں۔

خلافت عمر کے دو سال گذرنے پر پیدا ہوئے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث کی سماعت کی۔

وسیع العلم، متقی، پرہیزگار اور جلیل القدر تابعی ہیں۔ "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کے فضائل مذکور ہیں۔ ان کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ پچاس سال ایسے گذرے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، چالیس حج کئے ۹۴ھ میں انتقال ہوا۔

سلمان۔ پہلے آتش پرست تھے۔ پھر عیسائیت اختیار کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی خبر سن کر خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ غزوۂ خندق (۵ھ) اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ ان کے واقعات تفصیل کے ساتھ "الاصابہ" اور "اسد الغابہ" وغیرہ میں موجود ہیں۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے اواخر ۳۵ھ میں انتقال ہوا۔ اس وقت انکی عمر دو سو پچاس ۲۵۰ سال تھی

سہل۔ بن ابی حثمہ عبد اللہ بن عدی بن مجدۃ الاوسی الانصاری۔ خلافت معاویہؓ کے زمانہ میں انتقال ہوا غزوۂ احد اور بعد کے غزوات اور بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے۔

الشافعی۔ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف القرشی المکی۔ اپنے چچا محمد بن علی عبد العزیز بن الماجشون اور امام مالکؒ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے امام احمد، البویطی، ابو ثور اور ربیع وغیرہ نے روایت کی۔

فقہ و حدیث، شعر، لغت اور ایام عرب کے ماہر تھے۔ ماہ رمضان میں ساٹھ قرآن ختم کرتے تھے۔ "تذکرۃ الحفاظ" وغیرہ میں ان کے بہت سے مناقب ذکر کئے گئے ہیں۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۹ھ میں مصر تشریف لے گئے اور وہیں ۲۰۴ھ میں انتقال ہوا۔

شریح۔ بن الحارث بن قیس الکندی۔ حضرت عمرؓ نے انھیں کوفہ کا قاضی بنایا تھا۔ اور بجز تین سال کے (جو حضرت ابن زبیرؓ کا دورِ خلفشار تھا) ۷۵ سال تک خدمتِ قضا انجام دی۔ تابعین کے سرداروں میں سے اور قضاء کے ماہر تھے۔

ان کے سنِ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کے قول کے مطابق ۷۶ھ، ایک قول کی رُو سے ۸۰ھ ایک کے اعتبار سے ۸۲ھ اور ایک قول کے لحاظ سے ۸۷ھ میں وفات پائی۔

الشعبی۔ عامر بن شراحیل الہمدانی الکوفی۔ تابعین کے سرداروں میں ہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت جریرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی۔

ان سے امام ابوحنیفہؒ، زکریا بن ابی زائدہ، الاعمش وغیرہ نے روایت کی۔

شعبی حافظِ حدیث تھے۔ پانچ سو صحابۂ کرامؓ سے ملاقات کی تھی۔ ابومجلز کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے بڑھکر کوئی فقیہ بجز سعید بن المسیب کے نہیں دیکھا۔

ابن عیینہ فرماتے ہیں علماء تین ہیں حضرت ابن عباسؓ اپنے زمانہ میں، شعبی اپنے دور میں اور ثوری اپنے وقت میں۔ تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی نے ان کے مناقب بیان کئے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۰۴ھ میں انتقال ہوا۔

شمس الائمہ الحلوائی۔ ابومحمد عبد العزیز بن احمد بن نصر بن صالح البخاری الحلوائی۔ احناف کے سردار، فقیہ عالم کبیر، مختلف علوم و فنون کے ماہر، حدیث میں بلندپایہ، فقہ میں ممتاز۔

ابوعلی الحسین بن خضر النسفی تلمیذ ابوبکر محمد بن الفضل سے جو چند واسطوں سے امام ابوحنیفہؒ کے رشتۂ تلامذہ سے منسلک ہیں۔ فقہ حاصل کیا ۴۵۶ھ میں انتقال ہوا۔

صاحب المحیط۔ برہان الدین محمود بن الصدر السعید تاج الدین احمد بن الصدر الکبیر برہان الدین عبدالعزیز بن عمر مازہ۔ اپنے دور کے زبردست عالم۔

ان کی حسبِ ذیل تصانیف ہیں:۔ الذخیرۃ، شرح الجامع الصغیر، شرح الزیادات، شرح ادب القضاء للخصاف ۶۱۶ھ میں انتقال ہوا۔

صاحب الہدایہ۔ علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی۔ امام فقیہ محدث۔ اہل زمانہ نے ان کی فضیلت و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ ان کی حسبِ ذیل تالیفات ہیں: کتاب المنتقیٰ، نشر المذہب، التجنیس والمزید، مختارات النوازل، مناسک الحج، الجامع الصغیر، الہدایہ۔ ۵۹۳ھ میں انتقال ہوا۔

الطحاوی۔ احمد بن محمد سلامۃ الازدی امام فقہ و حدیث المتوفی ۳۲۱ھ۔

ابواسحٰق کہتے ہیں مصر میں احناف کی ریاست ان پر ختم ہوگئی۔ اول شافعی المسلک تھے، اپنے ماموں اسمٰعیل مزنی تلمیذ امام شافعی سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ناراض ہو کر بولے واللہ تجھ سے کچھ نہ آئے گا۔ ابوجعفر

الطحاوی ناراض ہو گئے۔ اور شافعی مسلک ترک کر کے حنفیت اختیار کر لی۔ اور ابو جعفر احمد بن عمران وغیرہ کر استفادۂ علمی کیا۔ اور مفید کتابیں لکھیں۔ (مثلاً) احکام القرآن واختلاف العلماء، شرح معانی الآثار، مشکل الآثار تاریخ وغیرہ۔ طحا مصر کا ایک گاؤں ہے اسی کی طرف منسوب ہو کر طحاوی کہلائے۔

عائشہ رضؓ ام المؤمنین عائشہؓ بنت ابی بکرؓ صدیقہؓ بنت صدیقؓ۔ صحابہؓ میں بڑی فقیہ اور بہترین رائے والی تھیں۔ عروہؒ (حضرت عائشہؓ کے بھانجے اور زبردست عالم تابعی) کا بیان ہے کہ میں نے فقہ، طب اور شعر میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد، ہجرت سے دو یا تین سال قبل جب کہ حضرت عائشہؓ کی عمر سات یا چھ سال تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد فرمایا اور مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد رخصتی ہوئی، اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو سال تھی۔ آپؓ کے کثیر مناقب ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی آپؓ کی صورت نکاح سے قبل دکھلائی۔ نیز آپؓ کی براءت میں سورۂ نور کی آیات نازل ہوئیں۔ امہات المؤمنین میں یہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھیں اور ان سب سے افضل تھیں۔ ۱۷ رمضان منگل کی شب ۵۷ھ اور ایک قول کے مطابق ۵۸ھ میں وفات پائی۔

العباسؓ عباسؓ بن عبد المطلب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا۔ ایام جاہلیت میں (بھی) صاحب ریاست سردار تھے۔ مسجد حرام کی عمارۃ اور سقایۃ (حجاج کو پانی پلانے کا انتظام) آپ سے متعلق تھا۔

بدر کے دن مشرکین مکہ کے ساتھ آئے اور گرفتار ہوئے۔ پھر فدیہ دے کر آزادی حاصل کی۔ اس کے بعد اسلام لائے اور ایک قول کے مطابق ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے مگر (مصلحۃً) اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے اور مکہ میں رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی خبریں پہونچایا کرتے تھے۔ بدر کے دن بدرجہ مجبوری ساتھ آگئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بڑا اعزاز واحترام فرماتے تھے۔ اسد الغابہ میں اور الاصابہ میں ان کے بہت سے مناقب منقول ہیں۔ رجب یا رمضان ۳۲ھ میں زمانۂ خلافت عثمانؓ میں وفات پائی۔

عبد اللہ بن الزبیرؓ بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ القرشی الاسدی۔ کنیت ابو خبیب۔ ان کی والدہ کا نام اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ ہے۔ ان کی دادی حضرت صفیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں ہجرت کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے یہی پیدا ہوئے۔ ہجرت کے وقت ان کی والدہ حاملہ تھیں۔ مدینہ پہونچنے کے بیس ماہ بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔ ایک کے قول کے مطابق (یہی راجح ہے) ہجرت کے پہلے ہی سال پیدا ہوئے بڑے عبادت گذار روزے رکھنے والے اور بہادر تھے۔

حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ یزید نے مدینہ لشکر بھیجا۔ اور ۶۳ھ میں مشہور واقعہ حرہ پیش آیا۔ پھر یہ لشکر ابن زبیرؓ سے لڑنے مکہ معظمہ پہنچا۔ لشکر نے مکہ مکرمہ میں حرم میں ابن زبیرؓ

کا محاصرہ کر لیا۔
یہ واقعہ ۶۴ھ کا ہے۔ یہ محاصرہ یزید کے انتقال ربیع الاول ۶۴ھ تک باقی رہا۔ یزید کے انتقال کے بعد خلافت ابن زبیرؓ کی بیعت کی گئی۔ اہل حجاز، عراق، یمن اور خراسان نے اطاعت کی۔ اپنے دور خلافت میں ابن زبیرؓ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بنیادوں پر کی۔ ابن زبیرؓ خلیفہ رہے حتیٰ کہ عبد الملک بن مروان برسر اقتدار آیا اور شام و مصر کے انتظام سے مطمئن ہونے کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی کو لشکر کے ساتھ ابن زبیرؓ سے لڑنے بھیجا۔ اس نے ذی الحجہ ۷۲ھ میں محاصرہ کیا۔ ان کے درمیان برابر جنگ جاری رہی یہاں تک کہ جمادی الآخر ۷۳ھ میں حضرت ابن زبیرؓ شہید ہو گئے۔
عثمانؓ: ذوالنورین عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف القرشی الاموی۔ ابو عمر یا ابو عبد اللہ کنیت۔ عشرہ مبشرہ اور چار خلفاء راشدین میں سے ایک۔ قدیم الاسلام۔ حضرت ابو بکرؓ کے بعد اسلام لائے۔ اور دو ہجرتیں کیں (ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا ان سے عقد فرمایا پھر جب ۲ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ان سے عقد فرما دیا۔ جب ۹ھ میں ام کلثومؓ کا بھی انتقال ہو گیا تو آنحضورؐ نے فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا عقد بھی ان سے کر دیتا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد باتفاق اہل شوریٰ خلیفہ ہوئے۔
حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع ہوا۔ اور کابل تک اسلامی سلطنت پھیل گئی ۳۵ھ میں باغیوں نے بغاوت کر کے آپ کا محاصرہ کر لیا اور ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ شہید ہو گئے۔
آپ کے مناقب بہت ہیں۔
عقیل: بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم الہاشمی۔ حضرت علی و حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کے علاتی بھائی یہ حضرت جعفرؓ سے دس سال بڑے تھے۔ اور حضرت جعفرؓ، حضرت علیؓ سے دس برس بڑے تھے۔ غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے۔ اور حضرت عباسؓ نے فدیہ ادا کیا۔ پھر صلح حدیبیہ (۶ھ) سے قبل مسلمان ہو گئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب (مدینہ منورہ) ہجرت کی۔ قریش میں علم انساب اور ایام عرب کے ماہر تھے۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے تھے۔ اور حضرت معاویہؓ کی وفات تک وہیں رہے۔
علیؓ: ابو الحسن حضرت علیؓ بن ابی طالب خلفائے راشدین میں سے ایک۔
یہ پہلے ہاشمی مولود (بچہ) ہیں جن کی بزرگوں میں والدین کی طرف سے ہاشمی خون ہے۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں۔ بنی ہاشم میں یہ سب سے پہلے خلیفہ اور کم سنی میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے وفور علم کی اس طرح شہادت دی ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس

کا دروازہ ہیں۔" اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو میرے لیے ایسا ہے جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے، مگر (صرف فرق یہ ہے کہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں اور فرمایا میں جس کا مولیٰ (آقا) ہوں علی رضی اللہ عنہ اس کے مولیٰ (آقا) ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی خلافت کی بیعت کی گئی ان کے دورِ خلافت میں ان کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان منازعات ہوئے اور درست یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔ بمقام کوفہ رمضان ۴۰ھ میں بدبخت عبد الرحمٰن بن ملجم الخارجی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

عمار رضی اللہ عنہ۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بن عامر بن مالک المزحجی العنسی۔ ابو الیقظان کنیت، مہاجرین میں سابقین اولین میں سے ہیں۔ تیس سے اوپر کچھ افراد کے قبول اسلام کے بعد مسلمان ہوئے۔ اور کفار کی طرف سے سخت تکالیف میں مبتلا کیے گئے۔ ان کے بہت سے مناقب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں باغی جماعت قتل کرے گی۔ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے۔ اصحابِ معاویہ نے انھیں شہید کیا۔

عمر رضی اللہ عنہ۔ ابو حفص عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ القرشی العدوی۔ عشرہ مبشرہ اور خلفائے راشدین مہدیین میں سے ایک۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بڑے مناقب و فضائل ہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں میں ذی ریاست تھے۔ ان کا اسلام فتح اور ان کی ہجرت نصرت تھی زمانۂ کفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے سخت دشمن تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اسلام کو ان دو شخصوں میں سے ایک سے جس کو تو محبوب رکھتا ہو معزز فرما (یعنی ابو جہل یا عمر رضی اللہ عنہ) تو اللہ نے انھیں قبولِ اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد باتفاق و باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم خلیفہ بنے۔ ان کے دورِ خلافت میں بے شمار شہر و ملک فتح ہوئے جس کا اقرار موافق و مخالف سب کرتے ہیں۔ ذی الحجہ ۲۳ھ میں (ابو لؤلؤ مجوسی کے ہاتھ سے) شہید ہوئے۔

عیسیٰ۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام روح اللہ وکلمۃ اللہ، صاحب الانجیل۔

موسیٰ۔ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کلیم اللہ صاحب التوراۃ۔

فاطمۃ۔ فاطمۃ بنت قیس القرشیۃ۔ اولین مہاجرات میں سے ہیں، ذی عقل و کمال۔ اول ابو حفص بن المغیرہ کے نکاح میں تھیں۔ انھوں نے طلاق دیدی تو معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابو جہم رضی اللہ عنہ بن حذیفہ نے پیغام نکاح دیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاویہ مفلس ہے۔ اس کے پاس مال نہیں۔ اور ابو جہم اپنی گردن سے لاٹھی نہیں ہٹاتا۔ (سخت مزاج ہیں) اور انھیں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کا امر فرمایا تو انھوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔

الفضلی۔ ابو بکر محمد بن الفضل البخاری جلیل القدر امام تھے۔ ان کی کتبِ فتاویٰ مشہور رہیں۔ ۳۸۱ھ میں انتقال ہوا۔

قاضی خاں۔ امام کبیر مؤلف فتاوی قاضی خاں وشرح الجامع الصغیر وشرح الزیادات۔
حسن بن منصور الاوزجندی۔ فرغانہ کا ایک شہر اوزجند کی طرف منسوب ہو کر اوزجندی کہلاتے ہیں ۵۹۲ھ میں انتقال ہوا۔
القدوری۔ ابو الحسین احمد بن محمد بن جعفر بن حمدان الفقیہ۔
قدور بغداد کا ایک گاؤں ہے اس کی طرف منسوب ہو کر قدوری کہلاتے ہیں۔ ابو عبداللہ محمد بن یحیی الجرجانی سے فقہ حاصل کیا۔ اور حدیث کی روایت کی المختصر ان کی مشہور تالیف ہے۔ ۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور رجب ۴۲۸ھ میں انتقال ہوا۔
الکرخی۔ عبید اللہ بن الحسین بن دلہم ابو الحسن الکرخی۔ کرخ عراق کی ایک بستی کا نام ہے۔ اپنے وقت کے شیخ الحنفیہ اور احناف کی ریاست وسیادت ان کے دور میں ان پر ختم ہو گئی بڑے روزے رکھنے والے اور عبادت گذار تھے۔ ان کی تالیفات یہ ہیں۔ "المختصر، شرح الجامع الکبیر، شرح الجامع الصغیر" ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور نصف شعبان ۳۴۰ھ میں انتقال ہوا۔
مالک۔ مالکؒ بن انس بن ابی عامر الاصبحی مؤلف "الموطا" امام دار الہجرۃ۔ ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔
محمد۔ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی فقیہ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ۔ دراصل شامی ہیں۔ انکے والد نے عراق کی سکونت اختیار کرلی تھی۔ امام محمدؒ "واسط" میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں نشو ونما ہوا۔ حدیث کی سماعت امام مالک، مسعر، الاوزاعی اور الثوری سے کی۔ فقہ امام ابوحنیفہؒ سے حاصل کیا اور ان کی رفاقت اختیار کی۔
ان سے امام شافعیؒ ابو حفص الکبیر، احمد بن حفص، ابو سلیمان الجوزجانی، موسیٰ الرازی، محمد بن ساعد، ابراہیم بن رستم، عیسیٰ بن ابان وغیرہ نے استفادہ کیا۔ کتاب اللہ کے بڑے عالم عربیت، نحو، حساب، فقہ کے ماہر تھے انہوں نے فقہ حنفی کی اپنی کثیر تصانیف سے اشاعت کی کہا جاتا ہے کہ ان کی تالیفات کی تعداد نوسو نوے ہے بمقام "رے" ۱۸۹ھ میں انتقال ہوا۔
معاویہ۔ معاویہؓ بن ابی سفیان الاموی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی۔ فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اختیار کی۔ حضرت عمر وحضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف سے شام کے امیر رہے پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد بیس سال تک مستقل حکمرانی کی۔ رجب ۶۰ھ میں انتقال ہوا جلیل القدر وشجاع صحابی تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کے فقیہ ہونے کی شہادت دی۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے دوران ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگیں ہوئیں اور ان میں حضرت علیؓ حق پر تھے۔ اور رہی ان کی مخالفت تو امید ہے کہ اللہ معاف فرمادے گا۔
محی السنۃ۔ ابو محمد بن الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء الشافعی البغوی مؤلف تفسیر معالم التنزیل، شرح السنۃ المصابیح۔ یہ دونوں کتابیں حدیث میں ہیں۔ مجتہد اور زاہد وقناعت پسند تھے۔ فقہ قاضی حسین الشافعی

سے حاصل کیا ۲۱۶ھ میں انتقال ہوا۔
ہشام۔ ہشام بن عبید اللہ الرازی۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے شاگردوں میں سے ہیں انکی تصانیف میں "النوادر" معروف ہے۔

پروردگار سے عفو کا امیدوار

ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ الکھنوی

تلخیص کنندہ

کفیل الرحمن نشاط

۲۹/۲/۱۴۰۰ھ

اس شرح کی چند اہم خصوصیات : (۱) پوری عبارت کا اردو میں سلیس ترجمہ کردیا گیا اگر ترجمہ کے اندر کوئی غیر مشہور لفظ آیا ہے تو قوسین () کے اندر عام فہم لفظ میں اس کو سمجھایا گیا (۲) متعلقہ مسائل کی مکمل تشریح کی گئی (۳) ائمہ اربعہ و دیگر مشہور ائمہ کرام کے مسلک کو بیان کیا گیا (۴) بعض مشکل الفاظ کی ادبی طرز پر تحقیق کی گئی (۵) بعض الفاظ کے زیر زبر پیش کے فرق کو بھی واضح کرکے معنی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (۶) احادیث مستدل کے ماخذ و مرجع کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ (۷) شرح وقایہ کے شروح میں جو مقدمہ عمدۃ الرعایہ ہے اس کو مختصر و جامع ترجمہ کرکے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جن مزید چیزوں کا ہم نے اضافہ کیا ہے وہ یہ ہیں :

☆ صاحب وقایہ و علامہ شارح وقایہ کے حالات زندگی کا اضافہ
☆ علم فقہ پر ایک جامع جدید و مفصل مقدمہ کا اضافہ جن سے شرح وقایہ کے تمام شروحات خالی ہیں
☆ لہٰذا یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک مکمل و جامع شرح جو دیگر دستیاب شروحات سے بہتر ہے۔
☆ جید علماء سے تصحیح کراکر شائع کی جارہی ہے۔ غلطیوں سے محفوظ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ترجمہ۔ شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

توضیح و تشریح: کتاب کی ابتدا بسم اللہ سے اس وجہ سے کی کہ بہترین کلام کے ساتھ آغاز نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل بھی مقصود ہے کہ وہ کام جس کا آغاز بسم اللہ سے نہ ہو وہ بریدہ و ناقص و ناتمام ہوتا ہے۔

الحمد للہ رب العلمین۔ ترجمہ۔ سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے۔

توضیح و تشریح: بہترین کلام کا اقتباس مقصود ہے اور اس حدیث کی تعمیل بھی ہے کہ ہر وہ کام جس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد سے نہ ہو وہ ناقص و ناتمام ہے۔

والصلوٰۃ علی رسولہ وآلہ اجمعین الطیبین الطاہرین۔ ترجمہ اور درود اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک وصاف اولاد سب پر۔

توضیح و تشریح: والصلوٰۃ۔ اس کے بیان کرنے میں یہ حدیث پیش نظر ہے کہ جس کام کا آغاز حمد و صلوٰۃ (درود) کے بغیر ہو وہ ناتمام رہتا ہے یعنی اس کی برکت اٹھ جاتی ہے۔ علیٰ رسولہ یہ وہم کیا جا سکتا ہے کہ صلوٰۃ باعتبار لغت "دعاء" کے مرادف و ہم معنی ہے اور یہ اصول طے شدہ ہے کہ "دعاء" کا صلہ جب "علیٰ" کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی شر کی دعاء (بددعاء) کے آتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے "دعا لہ فی الخیر" (اس کے لئے خیر کی دعاء کی) "ودعا علیہ فی الشر" اور اس کے لئے برائی و شر کی دعاء کی) تو "الصلوٰۃ" علیٰ کے ساتھ متعدی بنانا کیسے صحیح ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ "دعاء" متعلق جو بیان کیا گیا وہ درست ہے۔ رہا لفظ "صلوٰۃ" تو اسے "دعاء" کے ہر نوع مساوی قرار دینا صحیح نہیں۔ خود قرآن کریم میں ہے "یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً" اور احادیث میں لفظ صلوٰۃ کا اس طرح استعمال موجود ہے جیسے "اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد" وجہ یہ ہے کہ "صلوٰۃ" اگرچہ باعتبار لغت دعاء کے مرادف ہے لیکن اس سے دو مرادفوں کے درمیان سارے احکام میں مساوات لازم نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر جگہ ایک کا دوسری جگہ رکھنا اور ایک کا دوسرے کی جگہ استعمال صحیح ہو۔ پس دعاء جب "علیٰ" سے متصل ہو اگرچہ اس سے دعاء بالشر مراد ہوتی ہے مگر علیٰ لفظ صلوٰۃ سے متصل ہونے پر یہ معنی مراد نہیں ہوتے۔

رسولہ۔ نبی کے بجائے "رسول" اس لئے لایا گیا کہ "الرسول" خاص اور "النبی" عام ہے "رسول"

اسے کہتے ہیں جسے مستقل کتاب اور مستقل شریعت عطا کی گئی ہو۔ اس کے برعکس "نبی" کے لئے مستقل کتاب اور مستقل وعلیحدہ شریعت ضروری و شرط نہیں لہذا لفظ رسول لانے میں زیادہ عظمت و برتری کا اظہار ہے
وآلہ آلہ سے پہلے لفظ "علی" نہ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے درمیان بے حد قرب واتصال ہے۔
الطیبین الطاھرین۔ یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں اور ایسے دو لفظ لانے سے مراد تاکید و توثیق ہے۔ ان دو لفظوں کے استعمال کا بنیادی مقصد ایک کے ذریعہ باطنی بیماریوں سے پاک صاف بتانا اور دوسرے کے ذریعہ ظاہری امراض سے پاکیزگی کا اظہار ہے۔
وبعد۔ اور حمد وصلوٰۃ کے بعد۔

توضیح وتشریح | یہاں واؤ استینافیہ ہے، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ عاطفہ ہو اور بعد کا مضاف الیہ پوشیدہ ہو۔ یعنی حمد وصلوٰۃ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد۔ عبارت کے سیاق وسباق سے دوسرا احتمال راجح معلوم ہوتا ہے۔

فیقول العبد المتوسل الی اللہ تعالیٰ باقوی الذریعۃ عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ

ترجمہ پس تقرب خداوندی و نزدیکی قوی ترین ذریعہ سے خواستگار عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ کہتا ہے

توضیح وتشریح | العبد۔ اس سے اپنی عاجزی اور تذلل کا اظہار مقصود ہے۔ عبدیت کا وصف عند اللہ محمود و پسندیدہ ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کا اظہار فرمایا ہے۔
المتوسل۔ وسیلہ سے تقرب کا حصول تقویٰ اور اعمال صالحہ اور انبیاء وغیرہ کا توسل قرآن کریم اور احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً "یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ"
باقوی الذریعۃ۔ یعنی "الوسیلۃ" اس سے یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں یا قرآن یا صلوٰۃ علی الرسول یا علم شریعت اور فقہی کلام و اصول یا اس سے مراد بسم اللہ اور حمد وصلوٰۃ ہے یا دین اسلام یا اس سے مراد صاحب کتاب کے دادا اور استاذ مؤلف وقایہ ہیں یا اس سے مذہب حنفی مراد ہے جو میل کچیل سے صاف ہے۔ یا اس سے مراد مجتہدین ائمہ اور خاص طور پر امام ابو حنیفہؒ مراد ہیں۔
عبید اللہ۔ یہ شارح وقایہ کا نام ہے۔ ان کا لقب تاج الشریعۃ ہے۔

سعد جدہ واتجح جدہ ھذا حل المواضع المغلقۃ من وقایۃ الروایۃ فی مسائل الھدایۃ

التی الفھا جدی واستاذی مولانا الاعظم استاذ علماء العالم برھان الشریعۃ والحق والدین محمود بن صدر الشریعۃ جزاہ اللہ عنی وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔ ترجمہ: ان کی کوشش مبارک ہے اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہیں۔ اس میں وقایہ کے مشکل مقامات جو ہدایہ کے مسائل کے مطابق منقول ہیں حل کئے گئے ہیں۔ وقایہ میرے دادا اور میرے استاذ مولانائے اعظم، عالم کے علماء کے استاذ

برہان الشریعت وحق ودین محمود بن صدر الشریعۃ کی تالیف ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں میری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

لاجل حفظی والمولی المؤلف لما الفہا سبقاً سبقاً وکنت اجری فی میدان حفظہ طلقاً طلقاً

ترجمہ۔ اس بنا پر کہ میں اسے حفظ کرلوں روزانہ بقدر سبق مؤلف نے تالیف کی اور میں حفظ کے میدان میں بتدریج چلا۔

توضیح وتشریح | سعد یسعد جیسا نفع ینفع ماضی اور مضارع دونوں میں عین کلمہ پر فتح۔ اور سَعِدَ عین کلمہ کے کسرہ کے ساتھ سعادت کے معنیٰ میں آتا ہے جو شقاوت کی ضد ہے۔

انجح جدہ۔ ای صار ذا نجاح یعنی اپنے مقصود میں کامیاب ہوئے۔ مراد یہ ہے کہ صاحب وقایہ کو اپنی اس تالیف کی سعی میں کامیابی نصیب ہوئی۔

ھٰذا۔ اس سے معانی اور ذہنوں میں موجود الفاظ کی طرف اشارہ ہے۔ حل۔ کہا جاتا ہے گرہ کھول دی گئی۔ المواضع المغلقۃ۔ مغلق مقامات اور مشکل مباحث۔ کہا جاتا ہے۔ "اغلقتُ الباب فھو مغلق"، (دروازہ میں نے بند کیا پس وہ بند ہوگیا) یہ فتح (کھولنے) کی ضد ہے۔ اور لام کے کسرہ (زیر) کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ "کلامٌ غلقٌ": (مشکل کلام)۔ وقایۃ، "من وقاہ اللہ" (جس کی اللہ حفاظت فرمائے۔ وقیا۔ واقیۃ۔ وقایۃ۔ (صیانت و حفاظت)۔ وِقایۃ۔ زیر کے ساتھ اس کے معنیٰ "نقل" کے آتے ہیں۔ الفھا۔ یہ تالیف سے لیا گیا۔ التالیف الترکیب کا مرادف ہے۔ ترکیب یا تالیف کے معنیٰ ہیں متعدد اشیاء کو اس طرح یکجا کرنا کہ ان پر ایک ہی نام کا اطلاق ہونے لگے۔ جزاہ اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ انھیں اس اچھے فعل کا بدلہ عطا فرمائے۔ المولیٰ۔ مددگار، حفاظت کرنے والا، سردار۔ طلقاً۔ بتدریج۔ آہستہ۔

حتی اتفق اتمام تالیفہ مع اتمام حفظی انتشر بعض النسخ فی الاطراف۔ ترجمہ۔ حتیٰ کہ ان کی تالیف میرے حفظ و یاد کر لینے کے ساتھ مکمل ہوگئی۔ اس کے کچھ نسخے اطراف میں پھیل گئے۔

توضیح وتشریح | انتشر۔ یعنی مؤلف کے نسخہ کی نقلیں مختلف شہروں و ملکوں میں پہونچیں اور اس کا تعارف ملک در ملک اور شہر در شہر ہوگیا۔

ثم بعد ذٰلک وقع فیھا شیٔ من التغیرات ونبذ من المحو والاثبات فکتبت فی ھٰذا الشرح العبارۃ التی تقرر علیھا المتن لتغیر النسخ المکتوبۃ الی ھٰذا النمط والعبد الضعیف لما شاھد فی اکثر الناس کسلاً عن حفظ الوقایۃ اتخذت عنھا مختصراً مشتملاً علی ما لابد لطالب العلم منہ فافتح فی ھٰذا الشرح مغلقاتہ ایضاً ان شاء اللہ تعالیٰ وقد کان الولد الاعز محمود برّد اللہ تعالیٰ مضجعہ بعد حفظ المختصر مبالغاً فی تالیف شرح الوقایۃ بحیث تنحل منہ مغلقاتُ المختصر فشرعتُ فی اسعاف مرامہ فتوفاہ اللہ تعالیٰ قبل اتمامہ فالمامول من المستفیدین من ھٰذا الکتاب ان لاینسوہ فی دعا ئھم المستجاب انہ

الميسر للصعاب والفاتح لمغلقات الابواب۔

ترجمہ مؤلف کے نسخہ کے اس طرح پھیلنے کے بعد مؤلف کی توجہ مزید اہتمام کے باعث نسخہ کے لحاظ سے کچھ کمی بیشی اور تغیر ہوا اور مؤلفین کی عادت کے مطابق مؤلف نے اس میں کچھ گھٹا بڑھا دیا۔ تو میں نے سابق متن اور بعد کے تغیر کی رعایت رکھتے ہوئے یہ شرح لکھی۔ اور شارح نے "وقایہ" کے حفظ میں سستی و کاہلی کا مشاہدہ کر کے میں نے اختصار کے ساتھ اس کی شرح لکھی جو ان مسائل پر مشتمل ہے جن کا جاننا طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ میں نے اس شرح میں "وقایہ" کے اختصار سے بیان کردہ مغلق و دشوار مسائل کی بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے تشریح کی۔ اور محبوب و معزز لڑکے محمود نے (اللہ تعالیٰ اسے قبر میں راحت نصیب کرے) "وقایہ" کو حفظ کرنے کے بعد شرح وقایہ کی اس طرح کی تالیف کی پوری سعی کی تھی جس سے مختصر وقایہ کے مشکل مباحث و مسائل حل ہو جائیں اس کا آغاز کر دیا تھا مگر اپنے مقصد کی تکمیل سے قبل وہ موت سے ہمکنار ہو گیا۔ تو اس کتاب کی شرح سے استفادہ کرنے والے اسے اپنی مقبول اور مشکلات میں آسانی پیدا کرنے والی اور بند دروازوں کو کھولنے والی دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔

كتابُ الطهارة

کتاب الطھارۃ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "ھٰذا الکتاب الطھارۃ" (یہ کتاب الطہارۃ ہے)۔ الکتابُ لغت کے اعتبار سے کتاب مصدر ہے جمع کے معنی میں جیسے کہا جاتا ہے "کتبتُ الخیل ای جمعتُھا" (میں نے خیالات جمع کئے) اس میں کیونکہ حروف اکٹھے کئے گئے ہیں اس لئے "کتاب" کہا گیا پھر اس کا اطلاق مکتوب (لکھے ہوئے) پر ہونے لگا۔ مثلاً ارشادِ ربانی ہے "ذٰلک الکتاب لاریب فیہ"۔ اکثر مصنفین کی عادت ہے کہ وہ اپنے مقاصد "الکتاب" "الفصل" اور "الباب" کے عنوان سے کرتے ہیں۔ "کتاب" کا مصنفین کی اصطلاح میں ان مسائل پر اطلاق ہوتا ہے جن کی تعبیر مستقل ہو خواہ بہت سی انواع پر مشتمل ہوں یا نہ ہوں۔ یہ کتاب فقہ سے متعلق ہے جس میں بندوں کے افعال کے احوال سے بحث کی جاتی ہے اور افعال کی دو قسمیں ہیں عبادات اور معاملات اور عبادات معاملات سے پہلے بیان کرنے چاہئیں اور عبادات میں سب سے افضل نماز ہے کیونکہ نماز ارکانِ اسلام کا ستون ہے اس لئے مصنف نے اسے ساری عبادتوں پر مقدم رکھا۔ اور مشروط نماز کا وجود شرط کے پائے جانے پر موقوف ہے اور نماز کی اہم شرطوں میں طہارت (پاکی) ہے۔ طہارت کا اطلاق وضو، غسل اور تیمم سب پر ہوتا ہے۔ اس بناء پر کتاب الطہارت کا بیان کتاب الصلوٰۃ سے بھی مقدم کر دیا۔

اكتفى بلفظ الواحد مع كثرة الطهارات لان الاصل ان المصدر لا يُثنّى ولا يُجمع

ترجمہ پاکیاں بہت سی ہونے کے باوجود صرف لفظ واحد (طہارت) پر اکتفاء کیا۔ اس وجہ سے کہ مصدر در اصل نہ تثنیہ ہوتا ہے اور نہ جمع۔

توضیح وتشریح یعنی طہارت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اور طہارت و پاکی مختلف نوعوں کی ہوتی ہے مثلاً کپڑے کی پاکی، بدن کی پاکی مکان کی پاکی۔ اور طہارتِ صغریٰ (معمولی درجہ کی پاکی) اور طہارت کبریٰ (بڑے درجہ کی پاکی) پانی کے ذریعہ پاکی اور مٹی کے ذریعہ پاکی یہاں لفظ مفرد (طہارۃ) اس لئے لایا گیا کہ طہارۃ مصدر ہے اور مصدر نہ تثنیہ ہوتا ہے اور نہ جمع۔ اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ مصدر کی جمع صحیح نہ ہو مگر لاحاجۃ الیہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ جمع بھی جائز ہے لیکن اس کی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جمع نہ لانا راجح اور لانا مرجوح ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ مصدر کا تثنیہ اور جمع نہیں آتی۔ حالانکہ ہم فقہاء کا یہ قول دیکھتے ہیں "کفت سجدۃ واحدۃ عن تلاوتین وتلاوات فی مجلس واحد"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مصدر میں دو اعتبار ہیں۔ ان میں سے ایک کا اعتبار دلالت علی الماہیت کے طور پر ہے۔ اس لحاظ سے مصدر کا تثنیہ و جمع نہیں آتا اور دوسرے یہ کہ تعدد کا اعتبار کیا جائے۔ اس اعتبار سے اس کی جمع لانا درست ہے۔ اس طرح شارح پر جو یہ اشکال کہ انھوں نے یہ کہہ دیا کہ مصدر کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا ختم ہو جاتا ہے۔

لکونھا اسم جنس یشمل جمیع انواعھا وافرادھا فلاحاجۃ الیٰ لفظ الجمع ترجمہ کیونکہ یہ اسم جنس ہے جو ساری قسموں اور افراد کو شامل ہو لہٰذا لفظ جمع کی احتیاج نہیں۔

توضیح وتشریح ابن ابی حدید نے "الفلک الدائر علی مثل السائر" میں صراحت کی ہے کہ مصدر اشخاص پر نہیں بلکہ ماہیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور شارح نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ مصدر عدد پر دلالت نہیں کرتا تو اس جگہ "یشمل" کہنا کیسے صحیح ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ شمول سے اپنی ساری جزئیات پر شامل ہونا مراد ہے جیسے انسان کا اطلاق اسکے افراد پر۔ افراد۔ کہہ کر اس طرف اشارہ کیا کہ کتاب کے تحت دو چیزیں ہیں۔ باب۔ جو انواع پر مشتمل ہے فصل جو افراد پر مشتمل ہے۔

قال اللہ تعالیٰ یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ الاٰیۃ افتتح ھذا الکتاب ھٰذہ الاٰیۃ تیمناً ولان الدلیل اصل والحکم فرعہ والاصل مقدم علی الفرع بالرتبۃ ترجمہ ارشادِ ربانی ہے یاایھا الذین اٰمنوا الخ کتاب کا آغاز اس آیت سے تیمناً اور حصولِ برکت کی خاطر ہے اور یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دلیل اصل ہے اور حکم اس کی فرع اور اصل فرع پر باعتبار رتبہ کے مقدم ہوا کرتی ہے۔

توضیح وتشریح سورۂ مائدہ کی اس آیت کے ذریعہ وضو، تیمم اور غسل کا حکم واضح کیا گیا ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا سنہ ۵ھ یا ۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق کے موقعہ پر نازل ہوئی اور اسی موقعہ پر تیمم شروع ہوا۔ رہے وضو اور غسل تو وہ فرضیتِ نماز ہی کے وقت سے مشروع تھے۔ لیکن ابھی تک ان کے متعلق واضح و صریح طور پر قرآن کریم میں

پھر نازل نہ ہوا تھا۔ یہ حکم غیر مکلفین کو چھوڑ کر تمام مکلف مردوں اور عورتوں کے لیے ہے۔
اذا قمتم الی الصلوٰۃ یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو۔ ادا کرنے کا قصد کرو اور تمہارا وضو نہ ہو۔ فاغسلوا وجوھکم۔ ای لیغسل کل منکم وجھہ (تم میں سے ہر ایک اپنا چہرہ دھوئے) وایدیکم اس کا عطف "وجوھکم" پر ہے اور اپنے ہاتھ دھوئے۔ الی المرافق۔ کہنیوں تک جمہور کے نزدیک غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے یعنی کہنیوں سمیت ہاتھ دھوئے۔ وامسحوا۔ اور ہاتھوں کے ذریعہ سروں کا مسح کرے یہ عطف جملہ علی الجملہ ہے۔ وارجلکم الی الکعبین۔ اور ٹخنوں تک پیر دھوئے جائیں۔
نافع، ابن عمر، کسائی، یعقوب اور حفص کی قرارت لام کے نصب کے ساتھ ہے یعنی "وارجلکم"، اور دوسری قرار کی کسرہ کے ساتھ یعنی "وارجلکم" قرارت اولیٰ میں پیروں کو دھونے کی فرضیت کا حکم ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں "ارجلکم" "وجوھکم" پر معطوف ہوگا اور دوسری قرارت سے مسح کی فرضیت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف "رؤسکم" پر ہوگا۔
بکثرت احادیث دھونے کی فرضیت اور مسح کے ناکافی ہونے پر دلالت کرتی ہیں اہل سنت والجماعت کا اسی پر اجماع ہے۔ اور جماعت سے نکلنے والا اور اجماع کے خلاف ہاتھوں، پاؤں اور چہرہ کے صرف مسح کا قائل گمراہی کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔
افتتح بطور تیمن وتبرک اس آیت کے لانے میں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شروع ہی میں کیوں لائے درمیان میں بھی تبرکاً لا سکتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد "التیمن فی بدء الکلام" کلام کے شروع میں برکت کا حصول مقصود ہے۔ اس لئے بجائے وسط اور درمیان کے آیت کریمہ شروع میں لائی گئی۔
التیمن میں تنوین نوعیت کے لیے ہے۔ اور تیمن سے الفاظ اور معنیٰ دونوں کا تیمن مراد ہے مگر خاص طور پر معنوی غسل مراد ہے یعنی نجاسات حقیقیہ اور حکمیہ سے پاک وصاف ہونا اس آیت کے ذکر سے مقصد یہ ہے کہ مغسول (دھویا گیا شخص) گناہوں کے میل کچیل سے پاک وصاف ہو جائیں۔
ولانہ الدلیل یعنی یہ آیت آنے والے احکام کی دلیل ہے۔

ثم لما کانت الاٰیۃ دالۃ علی فرائض الوضوء ادخل فاء التعقیب فی قولہ ففرض الوضوء غسل الوجہ من الشعر ای قصاص شعر الراس وھو منتھی منبت شعر الراس الی الاذن ترجمہ پھر کیونکہ آیت وضو کے فرائض پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے مصنف فائے تعقیب آنے والے قول میں لائے پس وضو میں چہرہ کا دھونا فرض ہے یعنی بالوں کی جڑوں سے کان تک۔
تشریح وتوضیح علی فرائض الوضوء۔ اس میں مصنفؒ کی آنے والی عبارت "وسنتہ ومستحبہ" کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آیت سنن ومستحبات پر دلالت نہیں کرتی۔ ففرض الوضوء۔ فرض سے مراد یہاں وہ امور ہیں جو وضو میں اس کے رکن ہونے کی حیثیت سے ضروری ہیں کیونکہ وہ ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہیں کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

غسل۔ بالفتح اس کے معنی پانی کے ذریعہ میل کا زائل کرنا ہے۔ اور غُسل ضمہ کے ساتھ پورے بدن کا دھونا ہے اور غِسل کسرہ کے ساتھ خطمی سے سر کے دھونے کو کہتے ہیں۔

فیکون ما بین العذار والاذن داخلاً فی الوجه کما هو مذهب ابی حنیفة ومحمد فیفرض غسله

ترجمہ پس رخسار اور کان کا درمیانی حصہ چہرہ میں داخل شمار ہوگا جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مذہب (مسلک) ہے۔ لہٰذا اس کا دھونا فرض ہے۔

تشریح و توضیح فیکون یعنی جب عرض (چوڑائی) میں چہرہ کی حد کانوں تک کی ہے تو معلوم ہوا کہ کان سے پہلے کا جو حصہ ہے وہ چہرہ میں داخل ہے۔ اس سے مراد کان اور رخسار کے درمیان کی لحیہ کی طرف کی سفیدی ہے اس کا دھونا طرفین کے نزدیک فرض ہے اور مفتی بہ یہی ہے۔

وذکر شمس الائمة الحلوائی یکفیه ان یبل ما بین العذار والاذن ولا یجب اسالة الماء علیه بناءً علی ما روی عن ابی یوسفؒ ان المصلی اذا بل وجهه واعضاء وضوئه بالماء ولم یسل الماء عن العضو جاز لکن قیل تاویله انه سال من العضو قطرة او قطرتان ولم یتدارک۔

ترجمہ شمس الائمہ حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ رخسار اور کان کے درمیانی حصہ کو تر کر دینا کافی ہے پانی بہانا واجب نہیں۔ ان کے مسلک کی بنیاد امام ابویوسفؒ کی روایت ہے کہ نماز پڑھنے والے نے چہرہ اور اعضائے وضو کو اگر تر کر لیا اور عضو سے پانی نہ بہا ہو تو وضو جائز ہے لیکن اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ عضو سے تسلسل کے بغیر ایک دو قطرے ٹپک جائیں۔

تشریح و توضیح شمس الائمة۔ عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح البخاری۔ ان کے والد حلوے کی تجارت کرتے تھے اس لئے یہ بھی الحلوائی کے لقب سے معروف ہوئے۔

عبداللہ ہروی نے حواشی شرح میں اور چلپی نے "ذخیرة العقبیٰ" میں بیان کیا ہے کہ حلوان کی جانب نسبت کرتے ہوئے انھیں حلوائی کہا جاتا ہے۔ حلوان: سوادِ عراق میں ایک شہر کا نام ہے۔

یکفیه۔ واضح رہے کہ ظاہر روایت کی رُو سے اعضاء پر پانی بہنا شرط ہے اور اعضاء مغسولہ سے تقاطر ماء کے بغیر وضو جائز نہ ہوگا۔ امام ابویوسفؒ اسے شرط قرار نہیں دیتے۔ شمس الائمہ کا ان دو اقوال کی روشنی میں تیسرا قول یہ ہے کہ سارے دھوئے جانے والے اعضاء میں پانی کا بہانا معتبر ہے البتہ رخسار اور کان کے درمیانی حصہ کو پانی سے تر کرنا ہی کافی ہے تقاطر ضروری نہیں اور ہمارے اکثر مشائخ (فقہاء) اس کے دھونے کو بھی واجب قرار دیتے ہیں۔ البتہ اگر کلفت و مشقت کا سامنا ہو تو امام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق پانی سے تر کرنا کافی ہے۔ یہاں تین قول ہوگئے (۱) طرفین کا قول (۲) امام ابویوسفؒ کا قول (۳) شمس الائمہ کا قول ان اقوال میں سے مفتی بہ پہلا قول ہے۔

ع۔ ما روی عن ابی یوسف۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مسلک و مذہب نہیں بلکہ ان سے صرف ایک روایت ہے مگر

معتبر کتب میں اس اختلاف کا ذکر ہے۔
اگر یہ کہو کہ امام ابو یوسفؒ کی اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ سارے اعضاء کا تر کر لینا کافی ہے کان اور رخسار کے درمیانی حصہ ہی کی خصوصیت نہیں تو شمس الائمہ کا قول اس پر چسپاں کرنا کیسے صحیح ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حلوائی کا شمار مجتہدین میں ہے تو انھوں نے اپنے اجتہاد سے یہ قول اختیار کیا۔ لکن قیل یعنی اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو امام ابو یوسفؒ کا قول شرع و لغت دونوں کے خلاف ہے۔ لہٰذا ان کا قول قابل عمل نہ ہوگا۔
قطرۃ او قطرتان۔ عام کتب فقہ سے ایک قطرہ کا بہنا کافی ہے اور بعض سے دو قطروں کا بہنا شرط معلوم ہوتا ہے

واسفل الذقن فتم حدّ الوجہ من الاطراف الاربعۃ ثم علی الوجہ قولہ والیدین والرجلین مع المرفقین والکعبین۔ ترجمہ اور اسفل ذقن (ٹھوڑی کا نچلا حصہ) دھونا فرض ہے۔ پس چہرہ کی حدود چار طرف سے پوری ہو گئیں پھر مصنفؒ نے علی الوجہ پر عطف کیا اپنے قول والیدین (اور دونوں ہاتھوں کا دھونا کہنیوں سمیت) والرجلین (اور دونوں پیروں کا ٹخنوں تک دھونا فرض ہے) کو۔

تشریح و توضیح | اسفل سے مراد ٹھوڑی کے نیچے کا حصہ ہے اور یہ ٹھوڑی میں داخل ہے۔
مع المرفقین والکعبین یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غایت مغیا میں داخل ہے۔ دار قطنی اور بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تھے تو کہنیوں پر پانی بہاتے تھے۔

خلافا لزفرؒ فان عندہ لا یدخل المرفقان والکعبان فی الغسل لان الغایۃ لا تدخل تحت المغیا ونحن نقول ان کانت الغایۃ بحیث لو لم تدخل فیھا کلمۃ الی لم یتناولھا صدر الکلام لم تدخل تحت المغیا کاللیل فی الصوم وان کانت بحیث یتناولھا صدر الکلام کالمتنازع فیہ تدخل تحت المغیا بناءً علی ان للنحویین فی الی اربعۃ مذاھب الاول دخول ما بعدھا فیما قبلھا الا مجازا والثانی عدم الدخول الا مجازا والثالث الاشتراک والرابع الدخول ان کان ما بعدھا من جنس ما قبلھا وعدمہ ان لم یکن فھذا المذھب الرابع یوافق ما ذکرنا فی اللیل والمرافق

ترجمہ | امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے دھونے کے حکم میں داخل نہیں کیونکہ غایت مغیا کے تحت داخل نہیں ہوتی۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اگر غایت پر کوئی ایسا کلمہ نہ آتا جو صدر و آغاز کلام کی نشاندہی نہ کرتا تو غایت مغیا میں داخل نہ ہوتی جیسے رات روزہ میں (داخل نہیں) اور اگر صدر و آغاز کلام کو شامل ہونے والی آیت متنازع فیہ ہوتی تب بھی مغیا کے تحت داخل ہوتی۔ اس بنیاد پر کہ نحویوں کے الی کے متعلق چار مذہب ہیں (۱) الی کا ما بعد ما قبل میں مجازاً داخل ہوگا (۲) مجازاً داخل نہ ہوگا (۳) اشتراک (۴) اگر ما بعد ما قبل کی جنس سے ہو تو داخل ہوگا اور ما بعد ما قبل کی جنس سے نہ ہو تو داخل نہ ہوگا۔ یہ چوتھا مذہب اس کے موافق ہے جو ہم لیل (رات) اور المرافق سے متعلق بیان کر چکے۔

تشریح و توضیح | خلافا لزفر۔ اس حکم میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے اور امام مالکؒ کی ایک روایت بھی اسی طرح

کی ہے اور دوسری روایت ہمارے ائمہ (احناف) اور امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے مسلک کے موافق ہے۔

لانّ الغایۃ "صاحب حل المشکلات" فرماتے ہیں کہ الغایۃ پر لام عہد کے لئے ہے۔ پس معنیٰ یہ ہوں گے کہ یہ غایت ان کے نزدیک مغیّا میں داخل نہ ہوگی۔ اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ امام زفرؒ کے استدلال کا حاصل یہ ہے کہ مرافق اور کعبین غسل کی غایت ہیں اور غایت مغیا کے تحت داخل نہیں ہوتی۔ اگر کہو کہ اس سے مراد کلیہ ہے تو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول "سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ" سے تو کہا جائے گا کہ اس سے مراد کلیہ مقیدہ ہے یعنی دلیل اس کے خلاف نہ ہو تو کلیہ مراد لیں گے ورنہ نہیں۔

ونحن نقول۔ اس سے مقصود مذہب مختار و راجح کو ثابت کرنا اور امام زفرؒ کا قول رد کرنا ہے کہ غایت کا مطلقاً (بلا قید) مغیا کے تحت داخل ہونا ممنوع ہے بلکہ غایت اگر ماقبل کی جنس سے ہو تو داخل قرار دیں گے اور ماقبل کی جنس سے نہ ہو تو داخل قرار نہ دیں گے۔ بناءً۔ نقول کا مفعول لہ ہونے کی بنا پر منصوب ہے یا لم تدخل کا مفعول لہ ہے یا یہ مفعول مطلق ہے۔ "ای بنی ذٰلک التفصیل بناءً الخ"

فی ما قبلھا۔ مضاف محذوف ای فی حکم ماقبلھا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ ماقبلہا مغیا ہو اور اگر اس سے حکم سابق مقصود ہو تو مضاف حذف کرنے کی ضرورت نہیں۔

الا مجازاً۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ استثنیٰ میں اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ معنیٰ اس کے کلام کے یہ ہیں دخول مابعدھا فی ماقبلھا (مابعد کا ماقبل میں داخل ہونا) کل اوقات میں بجز وقت مجاز کے۔ یہ اس وقت ہے کہ جب کوئی قرینہ مابعد کے ماقبل میں داخل ہونے کی ممانعت کا موجود ہو تو اس وقت داخل نہیں ہوگا۔

والثانی۔ یہ اکثر نحویوں کا مسلک ہے۔ رضی نے شرح کافیہ میں یہی بیان کیا ہے اور ابن ہشام نے "مغنی اللبیب" میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ والثالث۔ یہاں اشتراک سے مراد اشتراک لفظی ہے۔ رہا اشتراک معنوی جیسا کہ عبداللہ اللبیب ابن عبدالحکیم لاہوری نے اپنے تلویح کے حواشی میں بیان کیا ہے۔ سیاق وسباق اس کی موافقت نہیں کرتے۔ والرابع۔ علامہ ابن الہمامؒ صاحب فتح القدیر نے "تحریر الاصول" میں اسے اختیار کیا ہے۔

فھٰذا المذاھب۔ یعنی اس تفصیل کے بعد واضح ہوگیا کہ مذہب رابع ہمارے ذکر کردہ ضابطہ "ان کان مابعدھا من جنس ماقبلھا دخل وما لا ان لم یکن" کے موافق ہے۔

واما الثلٰثۃ الاولُ فالاول یعارضہ الثانی متساویاً والثالث واجب التساوی ایضاً فوقع الشکُّ فی مواقع استعمال کلمۃ الیٰ ففی مثل صورۃ اللیل فی الصوم انما وقع الشک فی التناول والدخول فلا یثبتُ التناولُ بالشک۔ ترجمہ: اور بہرحال پہلی تین شکلیں تو پہلی شکل دوسری کے معارض ہے

پس دونوں برابر ہوگئیں اور تیسری صورت میں بھی مساوات لازم آتی ہے۔ لہٰذا کلمہ "الیٰ" کے استعمال کے مواقع میں شک واقع ہوگیا جیسے رات روزہ میں کہ ماقبل کے مابعد میں داخل ہونے کے نہ ہونے میں شک واقع ہوگیا پس شک کی بنا پر ماقبل کا مابعد میں داخل ہونا ثابت نہ ہوگا۔"

توضیح وتشریح | اما الثالثۃ۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نے چوتھا مذہب ومسلک اختیار کیا۔ کیونکہ پہلی دونوں صورتوں میں دخول اور عدم دخول مجاز ہے۔ دونوں میں تعارض کے ماتحت برابری ہوگئی اور تساوی اور برابری کی صورت میں "الیٰ" سے داخل ہونے کی جگہ میں شک واقع ہوگیا۔ اسی طرح "اشتراک" کے باعث "الیٰ" کے دخول اور عدم دخول کے بارے میں شک واقع ہوتا ہے، تو جب صدر وآغاز کلام داخل نہ ہو جیسے "اتموا الصیام الی اللیل" رات کا روزہ میں داخل نہ ہونا معلوم ہے ہم جنس نہ ہونے کی بنا پر تو "الیٰ" کے متعلق شک ہوگیا کہ وہ دخول کے لئے ہے یا عدم دخول کے لئے۔ تو دخول شک کی بنا پر ثابت نہ ہوگا کیونکہ سابق یقین شک کی وجہ سے ختم نہ ہوگا۔

وفی متن صورۃ النزاع انما وقع الشک فی الخروج بعد ما ثبت تناول صدر الکلام والدخول فیہ فلا یخرج بالشک وماذکروا انہا غایۃ الاسقاط فمشہور فی الکتب فلا نذکرہ ثم الکعب فی روایۃ ہشام عن محمدؒ ہو المفصل الذی فی وسط القدم عند معقد الشراک لکن الاصح انہا العظم الناتی الذی ینتہی الیہ عظم الساق وذلک لانہ تعالیٰ اختار لفظ الجمع فی اعضاء الوضوء فاریدبمقابلۃ الجمع بالجمع انقسام الاٰحاد علی الاٰحاد

ترجمہ | اور نزاع کی صورت میں صدر وآغاز کلام کو داخل ہونے کے بعد خروج میں شک واقع ہوگا پس شک کی بنا پر خارج نہ ہوگا۔ اور غایت اسقاط (کہنیوں اور ٹخنوں کا داخل ہونا) کتابوں میں مشہور ہے۔ پس ہم نے اس کو بیان نہیں کیا۔ پھر کعب (ٹخنہ) امام محمدؒ سے نقل کردہ ہشام کی روایت میں وہ وسط قدم میں دو عضو کی حد مشترک (اور عضو کا جوڑ) ہے۔ لیکن زیادہ صحیح ہے کہ کعب اس ابھری ہوئی ہڈی کا نام ہے جو پنڈلی کی ہڈی پر ختم ہوتی ہے۔ اور یہ معنیٰ اس بنا پر لئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جمع کا لفظ اعضائے وضو میں اختیار کیا ہے لہٰذا جمع کے مقابلہ میں جمع اور واحد کا واحد کے مقابلہ میں ارادہ کیا گیا۔

تشریح وتوضیح | صورۃ النزاع۔ یعنی وایدیکم الی المرافق۔ وما ذکروا الخ مرافق اور کعبین کے اثبات کے لئے امام زفرؒ کے رد کی خاطر اصولیین کی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ قول باری تعالیٰ "الی المرافق" اور "الی الکعبین" غایت اسقاط ہے۔ تقریر اول "الیٰ" کے بارے میں یہ ہے کہ "الیٰ" "الی المرافق" میں غسل سے متعلق نہیں کہ وہ اس کی غایت ہو اور مابعد ماقبل سے خارج ہو۔ اس بنیاد پر نہیں کہ غایت مغیا کے تحت داخل نہیں ہوتی بلکہ وہ غایت اسقاط ہے اور اسی سے متعلق ہے اور یہ اس طرح پر ہے "غسلوا ایدیکم مسقطین عملکم الی المرافق"۔ اور تقریر ثانی وہ ہے جسے صاحب کشف الاسرار نے شرح اصول بزدوی میں اختیار کیا ہے کہ جب صدر کلام غایت کو شامل ہو جیسے ہاتھ میں کہنیاں بھی شامل ہیں تو یہاں نہایت کا ذکر اس کے علاوہ اس کے ماقبل کو

(باقی صفحہ ۳۸ پر دیکھیں)

(بقیہ صہ ۳۷) ساقط کرنے کے لئے ہوگا۔ حکم کہنیوں تک منتہی نہ ہوگا۔
پس امام زفرؒ کے قول کی مراد اگر یہ لی جائے کہ غایت مغیا کے تحت داخل نہیں ہوتی اگر اس سے غایۃ المد مراد لیں تو وہ صحیح ہے اور اگر اس سے غایۃ الاسقاط مراد لیں تو غلط ہے۔
اس امر میں اختلاف ہوگیا کہ شارح کی مراد اس جگہ تقریر اول ہے یا تقریر ثانی۔ صاحب حل المشکلات ہدایۃ الفقہ وغیرہ تقریر ثانی مراد لیتے ہیں اور عبد اللہ الہروی وغیرہ تقریر اول مراد لیتے ہیں۔
فمشہور۔ یعنی شہرت کی بنا پر استغنا برتتے ہوئے ہم نے اسے بیان کیا۔ فان کل جدید لذیذ۔
عند معقد یعنی اشتراک کا مقام۔ کسرہ کے ساتھ "عقد" کے معنی آتے ہیں۔ قطعۃ من الجلد۔ (چمڑا کا ایک ٹکڑا)۔
لکن الاصح کعب ابھری ہوئی ہڈی کو کہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں یہ کہہ کر ہشام کی روایت انہ فی ظہر القدم سے احتراز کیا ہے۔
فاریدا۔ یعنی جمع کے مقابلہ میں جمع کا تقاضا یہ ہے کہ احاد کے مقابلہ میں احاد آئے جیسے مثلاً کہتے ہیں۔ "رکبوا دوابھم" اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک اپنے گھوڑے پر (یا چوپائے پر) سوار رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اعضائے وضو میں جمع کو اختیار کیا یعنی "وجوہ" (چہرے) "رؤس" (سر) "الایدی" (ہاتھ) "المرافق" (کہنیاں) پس مذکورہ قاعدہ کی رو سے یہ معنی ہوئے "پس دھوئے تم میں سے ہر ایک اپنا چہرہ اور اپنا ہاتھ کہنی تک اور اپنے سر کا مسح کرے"۔

واختار فی الکعب لفظ المثنیٰ فلم یکن ان یراد بہ انقسام الآحاد علی الآحاد فتعین ان المثنیٰ مقابل بکل واحد من افراد الجمع فیکون فی کل رجل کعبان وھما العظمان الناتیان لا معقد الشراك فانہ واحد فی کل رجل

ترجمہ۔ اور کعب لفظ مثنیٰ (تثنیہ) ہے۔ پس احاد سے احاد کی تقسیم مراد لینا ممکن نہیں لہٰذا یہ متعین ہوگیا کہ تثنیہ افراد جمع میں سے ہر واحد کے مقابلہ میں ہے۔ پس ہر پاؤں میں دو کعب (ٹخنے) ہونے ضروری ہیں اور وہ دو ابھری ہوئی ہڈیوں کا نام ہے دو عضو کی حد مشترک کا نام نہیں اس لئے کہ وہ ہر پاؤں میں ایک ہوتی ہے۔
تشریح و توضیح۔ فیکون یعنی اس صورت میں ہر پاؤں میں دو ٹخنوں کا ماننا ضروری ہے تاکہ جمع کا مقابلہ مثنیٰ (تثنیہ) سے درست ہو۔ اور وہ کعب جو ہشام نے بیان کیا ہر پاؤں میں ایک ہی ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کعب باعتبار لغت محض ابھری ہوئی ہڈی کو کہتے ہیں۔ اور شارح معنیٰ لغوی کو دلیل عقلی سے ثابت کر رہے ہیں اور یہ جائز نہیں۔ بلکہ اس میں ائمہ لغت کی صراحت معتبر ہے۔ اور نصوص شرعیہ کا تتبع قابل اعتبار ہے۔

ومسح ربع الراس واللحیۃ المسح اصابۃ الید المبتلۃ العضو اما ببلل یاخذہ من الاناء او ببلل باقیا فی الید بعد غسل عضو من المغسولات ولا یکفی البلل الباقی فی یدہ بعد مسح عضو من الممسوحات ولا ببلل یاخذہ من بعض اعضائہ سواء کان ذلک العضو مغسولا او ممسوحا وکذا فی مسح الخف واعلم ان المفروض فی مسح الراس ادنیٰ ما یطلق علیہ اسم المسح وھو شعرۃ او ثلث شعرات عند الشافعی عملا باطلاق النص وعند مالکؒ الاستیعاب فرض کما فی قولہ تعالیٰ فامسحوا بوجوھکم وعندنا ربع الراس وقد ذکروا انہ اذا قیل مسحت الحائط بیدی یراد بہ کلہ واذا قیل مسحت بالحائط یراد بہ بعضہ لان الاصل فی الباء ان تدخل فی الوسائل وھی غیر مقصودۃ فلا یثبت استیعابھا

ترجمہ اور چوتھائی سر کا مسح اور داڑھی کا۔ مسح تر ہاتھ کے عضو تک پہونچانے کو کہتے ہیں وہ تری جو برتن سے لی گئی ہو یا دھوئے جانے والے اعضاء کو دھونے کے بعد ہاتھ میں باقی رہ جانے والی تری ہو اور وہ تری مسح کے لئے ناکافی ہوگی جو ہاتھ میں مسح کئے جانے والے اعضاء کے مسح کے بعد باقی رہتی ہے اور نہ وہ تری کافی ہوگی جو بعض اعضاء سے لی جائے خواہ وہ عضو دھوئے جانے والا ہو یا مسح کئے جانے والا یہی حکم موزہ کے مسح میں ہے۔ وضو کے اندر سر کا مسح کم از کم اتنا فرض ہے کہ اس پر مسح کا اطلاق کیا جا سکے اور وہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک بال یا تین بال اطلاق نص پر عمل کرتے ہوئے ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "فامسحوا بوجوھکم" اور ہمارے (احناف) کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ اور استیعاب شرط نہ ہونے کی دلیل کے طور پر بیان کیا کہ جب کہا جائے میں نے دیوار کا ہاتھ کے ساتھ مسح کیا تو اس سے کل ممسوح مراد ہوتا ہے اور جب کہا جائے میں نے دیوار کے ذریعہ مسح کیا تو اس سے مراد بعض ممسوح ہوتا ہے۔ کیونکہ باء میں اصل یہ ہے کہ وسائل میں داخل ہو اور وسائل غیر مقصودہ ہیں تو استیعاب ثابت نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح المسح الخ یہ مطلقاً مسح کی تعریف ہے۔ اس تعریف میں سر، داڑھی، پٹی (زخم پر باندھی جانے والی) اور موزہ وغیرہ داخل ہیں۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ مسح میں مسح کی جانے والی چیز پر ہاتھ پھیرنا ہے اور صرف ہاتھ پہونچانا کافی نہیں۔ شارح کی عبارت سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصابت سے مراد پھیرنا ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ اصابت (پہونچانا) ہاتھ کی صفت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت اصابت ید (ہاتھ پہونچانا) مسح کرنے والے کی صفت قرار دی گئی۔ یا کہا جائے کہ المسح الخ میں مصدر مفعول کے لیے ہے ممسوحہ (مسح کی گئی) کے معنیٰ میں۔ اور اصابت ید صفت ہے عضو ممسوح کی تو محمول کرنا صحیح ہوگا یاخذہ من الاناء۔ یعنی اس برتن سے جس میں وضو کا پانی لیا جائے۔ یہ قید اتفاقی ہے۔

کیونکہ اگر نہر سے وضو کیا جائے تب بھی یہی حکم برقرار رہے گا
او بلل الخ یعنی وہ تری جو عضو دھونے کے بعد ہاتھ میں باقی رہ جائے جیسے چہرہ اور ہاتھ۔ اس کے مستعمل نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ مسح جائز ہے۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح دست مبارک میں باقی ماندہ پانی سے فرمایا۔
البلل۔ یعنی پانی ممسوحات میں صرف جلد کے ساتھ مل جانے سے منتقل ہو جاتا ہے۔
ادنیٰ ما یطلق الخ معتبر مذہب و مسلک یہ ہے کہ مسح میں فرض کم سے کم وہ ہے کہ جس پر مسح کا اطلاق ممکن ہو۔ بعض نے اس کی مقدار ایک بال اور بعض نے تین بال بیان کی ہے یہ امام شافعیؒ کا قول ہے۔
عملاً باطلاق النص امام شافعیؒ فرضیت ادنیٰ کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وامسحوا برؤسکم کے مطلق ہونے کی بنا پر کیونکہ اس میں کل اور بعض کی قید نہیں اور مطلق ادنیٰ پر محمول ہوا کرتا ہے۔
کما فی قولہ تعالیٰ۔ امام مالکؒ کی دلیل کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ نص سر کے مسح کے بارے میں تیمم کی طرح وارد ہے: فامسحوا بوجوھکم، دونوں جگہ باء ممسوح پر داخل ہوئی اور تیمم میں چہرہ کا استیعاب فرض ہے تو مسح میں سر کا استیعاب بھی فرض ہے۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ تیمم فرع ہے اور وضو اصل ہے۔ اور اصل کو فرع پر قیاس کرنا غیر موزوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کیونکہ آیت وضو میں خفا ہے اس لئے مسح کے بیان و تفصیل کی خاطر آیت تیمم پر محمول کیا اور دونوں کے درمیان وجہ اشتراک طہارت ہے اور اس کا نام قیاس نہیں بلکہ بیان و تفصیل ہے۔
لان الاصل۔ کیونکہ فرق کی علت جو بیان کی وہ یہ ہے کہ باء جب ممسوح پر داخل ہو تو اس سے کل ممسوح نہیں بلکہ بعض ممسوح ہوتا ہے اور جب آلہ پر داخل ہو تو اس سے کل ممسوح مراد ہوتا ہے۔

بل یکفی منها ما یتوسل به الی المقصود فاذا ادخل الباء فی المحل شبته المحل بالوسائل فلا یثبت استیعاب المحل لکن یشکل هذا بقوله تعالیٰ فامسحوا بوجوهکم ویمکن ان یجاب عنه بان الاستیعاب فی التیمم لم یثبت بالنص بل بالاحادیث المشهورة وبان مسح الوجه فی التیمم قائم مقام غسله فحکم الخلف فی المقدار حکم الاصل کما فی مسح الیدین فلو کان النص دالا علی الاستیعاب للزم مسح الیدین الی الابطین فی التیمم لان الغایة لم تذکر فی التیمم

ترجمہ | بلکہ اتنی مقدار کافی ہے جس سے مقصود حاصل ہو جائے پس جب باء محل میں داخل ہوئی تو محل وسائل سے مشتبہ ہو گیا۔ لہٰذا استیعاب محل ثابت نہ ہو گا لیکن اس تقریر سے فرضیت استیعاب کی نفی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے قول فامسحوا بوجوھکم سے۔ اور ممکن ہے اس اشکال کا یہ جواب دیا جائے کہ استیعاب تیمم میں نص قرآن سے ثابت نہیں بلکہ مشہور احادیث سے ثابت ہے اور یہ کہ چہرہ کا مسح تیمم میں دھونے کے قائم مقام

ہے پس مقدار میں قائم مقام کا حکم اصل جیسا ہوگا جس طرح ہاتھوں کے مسح میں پس اگر نص استیعاب پر دلالت کرنے والی ہو تو لازم آئے گا ہاتھوں کا مسح بغلوں تک تیمم میں۔ اس لئے کہ تیمم میں غایت ذکر نہیں کی گئی۔

تشریح و توضیح :-

بل بالاحادیث المشهورة بلکہ مشہور حدیثیں جو تیمم کے باب میں ہیں جیسے کہ تیمم کی حدیث کہ تیمم دو ضربوں کا نام ہے۔ ایک ضرب چہرہ کیلئے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک حاکم، ابن عدی، دارقطنی اور بزار نے اسے روایت کیا ہے۔ اور دوسری احادیث میں اس طرح ہے کہ ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لئے پس اس کے ظاہر سے استیعاب کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں بحث ہے وہ یہ کہ وہ حدیث مشہور جس کے ذریعہ کتاب میں اضافہ کرنا درست ہو۔ وہ ایسی روایت ہے جو اتنے تواتر سے منقول ہو کہ جھوٹ پر اتنی بڑی تعداد کا متفق ہونا محال ہو پس اگر اتنی کثیر تعداد سے مروی ہو تو وہ متواتر ہے فحکم الخلف اس کا حاصل یہ ہے کہ چہرہ کا مسح غسل کا قائم مقام ہے اور ہر قائم مقام کا حکم مقدار میں اصل کے حکم میں ہوتا ہے لہذا چہرہ کے مسح کا حکم غسل کا سا ہوگا۔ اسی طرح کا کلام دونوں ہاتھوں کے مسح میں ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ بات ثابت نہیں ہوئی بلکہ کتاب میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عضووں میں تیمم کو غسل کے قائم مقام عذر کی بناء پر کردیا۔ اور غسل میں استیعاب فرض ہے اسی طرح اس میں فرض ہوگا جو اس کے قائم مقام ہو۔

کمافی مسح الیدین یہ غسل وجہ (چہرہ کا دھونا) کی نظیر ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مسح وجہ میں استیعاب کی شرط قرآن کریم سے نہیں بلکہ احادیث سے ثابت ہے اور قیاس کی رو سے مسح یدین (ہاتھوں کے مسح) کی طرح اس میں بھی استیعاب کی شرط ہے۔ اسی طرح مرفقین کا مسح نص (قرآن کریم) سے ثابت نہیں بلکہ حدیث اور قیاس سے ثابت ہے۔ اسی طرح مسح یدین کے بارے میں اگر نص "وایدیکم" میں "وجوھکم" پر عطف کرتے ہوئے استیعاب تسلیم کیا جائے تو یدین کا مسح بغلوں تک فرض قرار پائے جیسا کہ امام محمد بن مسلم الزہری غایت فرق کے عدم ذکر کی بنا پر قائل ہیں جمہور کے نزدیک امام زہریؒ کا قول باطل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ استیعاب مسح مرفق بن نص سے ثابت نہیں۔ احناف کے مسلک کی نظیر مسح ناصیہ والی احادیث ہی ہیں۔ احنافؒ اپنے مسلک کے اثبات میں فرماتے ہیں کہ آیت مقدار مسح کے حق میں مجمل ہے لہذا شارع کے بیان کے بغیر اس کا علم نہیں ہوسکتا اور اس کا بیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ پر مسح فرمایا پس اتنی مقدار کتاب اللہ سے ثابت ہونے کی بناء پر فرض ہوئی۔

وایضاً الحدیثُ المشهورُ وهو حدیث المسح علی الناصیة دل علی ان الاستیعاب غیرُ مرادٍ فانتفی قول مالكؒ واما نفی مذهب الشافعیؒ فمبنی علی ان الآیة مجملة فی حق المقدار لاطلاقه کمازعم لان المسح فی اللغة امرارُ الید المبتلة ولاشك ان مماسة الانملة شعرة اونلثا

لا تسمی مسح الراس وامرار الید یکون لہ حد وھو غیر معلوم فیکون مجملا

ترجمہ اور نیز مشہور حدیث وہ ناصیہ پر مسح کی حدیث ہے اس پر دلالت کرتی ہے کہ استیعاب مراد نہیں پس نفی ہوگئی امام مالکؒ کے قول کی اور مذہب شافعی کی نفی پس وہ اس پر مبنی ہے کہ آیت مقدار کے حق میں مجمل ہے مطلق نہیں جیسا کہ امام شافعیؒ گمان کرتے ہیں اس لئے کہ مسح لغت میں تر ہاتھ کے گذارنے کا نام ہے اور اس میں شک نہیں کہ انگلیوں کا ایک بال یا تین بالوں کا چھونا سر کا مسح نہیں کہلاتا اور ہاتھ کا گذارنا اس کی غیر معلوم حد ہے پس مجمل ہو گیا۔

تشریح وتوضیح اس کا حاصل وہ روایت ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ پر مسح فرمایا یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سر کے مسح کے اندر آیت وضو میں استیعاب مراد نہیں اور اگر ایسا ہوتا تو استیعاب فرض ہوتا۔ اور سر کے بعض حصہ پر مسح کو کافی قرار نہ دیتے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ حدیث "مسح علی الناصیہ" افعال کے قبیل سے ہے اور لفظ حدیث قول کے ساتھ خاص ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے مراد سنت ہے اور وہ عام ہے قول اور فعل دونوں کو شامل ہے۔

یہ بھی جواب دیا گیا کہ حدیث سے یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مراد نہیں بلکہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا اخبار مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ پر مسح فرمایا۔

لان المسح الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ مسح لغت میں کسی چیز پر پانی سے تر ہاتھ کا گذارنا ہے اور یہ کہ انگلیوں کا ایک بال یا تین بالوں کا چھونا سر کا مسح نہیں کہلاتا پس آیت سے مراد یہ مقدار نہیں بلکہ زائد مقدار ہے، لہٰذا اس کی حد کا معلوم ومتعین ہونا ضروری ہے۔

ولاشک الخ شیخ الاسلام التفتازانی نے بیان کیا کہ شافعی مذہب کی نفی صرف اس سے ہی ہو جاتی ہے کہ مسح کا اطلاق ایک بال یا تین بالوں کے چھونے پر نہیں ہوتا اس جگہ مقصود صرف مذہب ومسلک شافعی کا رد نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مذہب حنفی کو ثابت کرنا بھی ہے۔

الانملۃ۔ ہمزہ کے فتح اور نون ساکن کے ساتھ۔ ایک قول کے مطابق انگلی کے سرے (پوروا) کو کہتے ہیں اس کی جمع انامل آتی ہے۔

ولانہ اذا قیل مسحت بالحائط یراد بہ البعض وفی قولہ تعالیٰ فامسحوا برؤسکم الکلّ فیکون الآیۃ فی المقدار مجملۃ ففعلہ علیہ السلام انہ مسح علی ناصیتہ یکون بیانا لہ واما اللحیۃ فعند ابی حنیفۃؒ مسح ربعھا فرض لانہ لما سقط غسل ما تحتھا من البشرۃ صار کالراس وعند

ابی یوسف رح مسح کلھا فرض

ترجمہ اس لئے کہ جب کہا گیا میں نے دیوار پر مسح کیا اس سے مراد بعض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول "فامسحوا بوجوھکم" میں کل مراد ہے پس آیت مقدار کے بارے میں مجمل ہوگی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کہ آپ نے ناصیہ پر مسح فرمایا۔ اس کا بیان ہوگا۔ اور بہرحال ڈاڑھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چوتھائی دھونی فرض ہے کیونکہ جب چہرہ کے دائرہ سے نیچے کا دھونا فرض نہ رہا تو وہ سر کی طرح ہوگی۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کل کا دھونا فرض ہے۔

تشریح و توضیح واما اللحیۃ الخ لام کے کسرہ کے ساتھ۔ اس کی جمع "لحی" آتی ہے۔ فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی منقول ہے لحیہ سے مراد لحیین پر اگنے والے بال ہیں لحیہ اور لحی لحیین پر اگنے والے بال۔ لحی فتحہ کے ساتھ وہ ہڈی جس پر دانت ہوں۔

مسح ربعھا فرض۔ یعنی چوتھائی ڈاڑھی کا مسح فرض ہے اس روایت کو مؤلف کنز وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ مفتی بہ روایت یہ ہے کہ ڈاڑھی کا وہ حصہ جس سے چہرہ کی کھال چھپ رہی ہو چہرہ کی حد میں داخل ہونے کی بناء پر اس پورے حصہ کا دھونا فرض ہے۔

لما سقط۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ چہرہ کی وہ کھال جو لحیہ کے نیچے ہے اس کا دھونا ساقط ہوگیا حالانکہ اس کا دھونا ڈاڑھی نکلنے سے قبل فرض تھا یہ حکم بالاجماع ہے تو اس کا حکم سر کا سا ہوگیا پس جس طرح چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اسی طرح چوتھائی ڈاڑھی کا فرض ہے۔

لانہ لما سقط غسل ما تحتھا من البشرۃ اُقیم مسحھا غسل ما تحتھا فیفرض مسح الکل بخلاف الراس فانہ اذا کان عاریا عن الشعر لا یجب غسل کلہ ولا مسح کلہ وقد ذُکر ان المراد بالربع رُبُع ما یلاقی بشرۃ الوجہ منھا اذ لا یجب ایصال الماء الی ما استرسل من الذقن خلافا للشافعیؒ کذا فی الایضاح وفی اشھر الروایتین عن ابی حنیفۃ رح مسح ما یستر البشرۃ فرضٌ وھو الاصح المختار کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان واذا مسح الراس ثم حلق الشعر لا یجب الاعادۃ وکذا اذا توضأ ثم قص الاظفار وسنتہ للمستیقظ غسل یدیہ الی رُسغیہ ثلثا قبل ادخالھما الاناء

ترجمہ اس لئے کہ جب ڈاڑھی کے نیچے بشرہ کا دھونا ساقط ہوگیا تو مسح دھونے کے قائم مقام ہو اور پورے سر کا مسح فرض ہوگیا برعکس سر کے کہ سر پر اگر بال نہ ہوں تو نہ پورے سر کا غسل واجب اور نہ پورے کا مسح۔ اور بیان کیا گیا کہ چوتھائی سے مراد اس کا چوتھائی ہے جو بشرۃ الوجہ سے ملا ہوا ہو کیونکہ پانی ان بالوں تک پہونچانا واجب نہیں جو ٹھوڑی

سے لٹکے ہوئے ہوں۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ ایضاح میں اسی طرح ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی مشہور ترین روایات میں سے یہ ہے کہ ڈاڑھی کا وہ حصہ جو بشرہ کو چھپالے اس کا مسح فرض ہے۔ زیادہ صحیح اور قابل ترجیح یہی روایت ہے۔ قاضی خان کی شرح جامع صغیر میں اسی طرح ہے۔ اور جب سر کا مسح کرکے پھر بال منڈوادے تو مسح کا اعادہ واجب نہیں۔ اور اسی طرح اگر وضو کرکے ناخن کٹوالے تو وضو کا اعادہ واجب نہیں۔ اور نیند سے بیدار ہونے والے کے لئے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھ پہونچوں تک تین مرتبہ دھوڈالنا مسنون ہے۔

تشریح و توضیح

لان بما الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ قیاس ماتحت اللحیہ کے وجوب غسل کا متقاضی ہے کیونکہ یہ حد وجہ میں داخل ہے مگر ایصال ماء دفعاً للحرج ساقط ہوگیا تو حکم مسح کی طرف لوٹا اور کل کا مسح فرض ہوا۔

فانہ الخ یعنی لحیہ کو سر پر قیاس کرنا فاسد ہے کیونکہ جب سر پر بال نہ ہوں تو پورے سر کا نہ دھونا واجب ہے اور نہ مسح بخلاف بشرۃ الوجہ تحت اللحیہ کے کہ سارا دھونا واجب ہے۔

بالربع۔ روایت اولیٰ کے مطابق ربع ہی کا حکم ہے۔

خلافاً للشافعیؒ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر ڈاڑھی گھنی ہو تو ڈاڑھی کے لٹکے ہوئے بالوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا دھونا واجب ہے اور گھنی ہو تو صرف بیرونی کا دھونا واجب ہے۔

وفی اشہر الروایتین الخ یہ روایت عین اس روایت کے مطابق ہے جس کی نسبت پہلے امام ابویوسفؒ کی طرف کی گئی تھی۔

ولا یجب الاعادۃ یعنی سر کے بال منڈوادینے کی صورت میں مسح کا اعادہ اور ڈاڑھی منڈوا دینے کی شکل میں غسل (دھونے) کا اعادہ واجب نہیں۔

وکذا یعنی وضو کرنے کے بعد ناخن کتروا دیئے تو دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں یہ حکم مجاہد، حکم اور حماد کے قول کے خلاف ہے جو اس کے قائل ہیں کہ ناخن یا مونچھ وضو کرنے کے بعد کترنے والے پر دوبارہ واجب ہے۔ امام محمدؒ کتاب الآثار میں ابراہیم نخعیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک مسح کے بعد سر کے منڈوانے پر دوبارہ مسح واجب ہے۔

وسنتہ۔ سنت سے مراد سنت مؤکدہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کرنے والا ثواب پاتا ہے اور نہ کرنے والا لائق ملامت ٹھہرتا اور گنہگار ہوتا ہے۔

للمستیقظ۔ یہ قید اتفاقی ہے ورنہ مطلب یہ ہے کہ ابتداءً غسل یدین سے مطلقاً سنت ہے۔

ثلثاً۔ اگر کوئی تین بار سے کم دھوئے تب بھی سنت تو ادا ہوجائے گی مگر وہ تارک کمال سنت کہلائے گا۔ اصحاب السنن کی ایک روایت میں بیدار ہونے والے کے بارے میں ہے۔ فلیغسل مرتین او ثلثاً (پھر دو یا تین بار دھوئے)

ھذا الغسل عند بعض المشائخ سنۃ قبل الاستنجاء وعند البعض بعدہ و عند البعض قبلہ وبعدہ جمیعاً وکیفیۃ الغسل انہ اذا کان الاناء صغیرا بحیث یمکن رفعہ یرفعہ بشمالہ ویصبہ

علی کفه الیمنیٰ ویغسلها ثلثا ثم یصبه بیمینه علی کفه الیسریٰ کما ذکرنا وان کان کبیرا لایمکن رفعه فان کان معه اناء صغیر یرفع الماء به ویغسلهما کما ذکرنا

ترجمہ یہ دھونا بعض مشائخ کے نزدیک استنجے سے قبل سنت ہے اور بعض کے نزدیک استنجے کے بعد اور بعض کے نزدیک پہلے بھی اور بعد بھی۔ دھونے کی کیفیت یہ ہے کہ اگر برتن اتنا چھوٹا ہو کہ اس کو اٹھایا جا سکے تو اسے بائیں ہاتھ سے اٹھا کر دائیں ہتھیلی پر پانی بہائے اور اسے تین بار دھوئے۔ پھر دائیں ہاتھ سے ہمارے ذکر کردہ طریقہ کے مطابق بائیں ہتھیلی پر پانی بہائے۔ اور اگر برتن بڑا ہو کہ اٹھایا نہ جا سکے پس اگر اس کے ساتھ چھوٹا برتن ہو تو پانی اس سے نکالے اور دونوں ہمارے ذکر کردہ طریقہ کے مطابق دھولے۔

تشریح وتوضیح جمیعاً جیسا کہ نہر الفائق میں ہے۔ اکثر کا قول یہی ہے کہ پہلے بھی دھوئے اور بعد میں بھی دھوئے اصل اس بارے میں وہ روایت ہے جو اصحاب السنن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل (دھونے) کی کیفیت سے متعلق نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں ڈالنے سے قبل دست مبارک دھوئے، پھر شرمگاہ دھو کر ہاتھوں کو مٹی سے مل کر صاف کیا، پھر ہاتھ دھوئے اور اس کے بعد نماز کے لئے وضو فرمایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتداء وضو میں دونوں ہاتھوں کا پہنچوں تک دھونا صحاح ستہ کی روایت سے ثابت ہے۔ مسند ابو یعلی، مسند بزار، مصنف عبد الرزاق، سنن دار قطنی، معجم طبرانی وغیرہ میں بھی اس طرح کی روایت ہے۔

انہ اذا کان۔ فقیہ ابو جعفر الہندوانی سے ذخیرہ میں اسی طرح منقول ہے۔

ثم یصبہ۔ اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ دونوں ہتھیلیوں پر پانی بہانے کی ضرورت نہیں کیونکہ بائیں ہتھیلی دائیں ہتھیلی پر بہاتے ہوئے پانی سے دھونا ممکن ہے۔ اس کا جواب محمد بن فراموز المعروف بملا خسرو رحمہ اللہ نے درر میں دیا ہے کہ عرف شریعت میں دائیں سے ابتداء کی جاتی ہے اور وضو میں دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ یا دونوں پیروں میں سے ایک پیر کی تری منتقل کرنا درست نہیں۔

کما ذکرنا یعنی بایاں ہاتھ اٹھا کر دایاں ہاتھ دھوئے، پھر دایاں ہاتھ اٹھا کر بایاں ہاتھ دھوئے۔

وان لم یکن یُدخل اصابع یدہ الیسریٰ مضمومۃً فی الاناء ولایدخل الکف ویصُبُّ الماء علی یمینه ویدلك الاصابع بعضها ببعض یفعل ھکذا ثلثا ثم یدخل یمناہ فی الاناء بالغاً ما بلغ والنھی فی قوله علیه السلام فلا یغمسن یدہ فی الاناء محمول علی ما اذا کان الاناء صغیراً او کبیراً معه اناء صغیر اما اذا کان الاناء کبیراً ولیس معه اناء صغیر یحمل علی الادخال بطریق المبالغة کل ذلك اذا لم یعلم علیٰ یدہ نجاسةً اما اذا علم فازالة النجاسة علی وجه لایفضی الی تنجیس الاناء او غیرہ فرض

وتسمیۃ اللہ تعالیٰ ابتداءً

ترجمہ اور اگر برتن ہاتھ میں نہ ہو تو ہاتھ کی انگلیاں ملاکر برتن میں ڈالے اور ہتھیلی پانی میں نہ پہونچنا سے اور بائیں ہاتھ پر پانی ڈالے اور بعض انگلیاں بعض سے رگڑے۔ اسی طرح تین بار کرے پھر دایاں ہاتھ اچھی طرح برتنا میں پہونچائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ممانعت کہ، اپنا ہاتھ برتن میں مت ڈالو یہ اس صورت پہ محمول ہے جب کہ برتن چھوٹا ہو یا بڑا ہو اور اس کے ساتھ (پانی نکالنے کے لیے) چھوٹا برتن ہو لیکن جب برتن بڑا ہو اور اس کے ساتھ چھوٹا برتن نہ ہو تو اسے بطریق مبالغہ اور ضرورت سے زائد حد تک داخل کرنے پر محمول کریں گے یہ سب اس شکل میں ہے جبکہ ہاتھ پر نجاست کے ہونے کا علم نہ ہو۔ اگر علم ہو تو نجاست کا اس طرح زائل کرنا کہ پانی اور برتن نجس نہ ہو یا تبدیلی آئے فرض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا (بسم اللہ پڑھنا) وضو کے شروع میں۔

تشریح و توضیح ولا یدخل الکف۔ یعنی کیونکہ ہتھیلی داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے اس سے احتراز کیا جائے۔ انگلیوں کو ملانے کی شرط اس وجہ سے لگائی کہ انگلیاں کھولنا اور پھیلانا بلا ضرورت ہے۔ نیز انگلیوں کو ملانے سے پانی لینے میں مدد ملے گی۔ لہٰذا اگر ہتھیلی غسل کے ارادہ سے داخل کی تو پانی مستعمل ہو جائیگا اور اگر چلو میں لینے کے قصد سے داخل کی تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

والنھی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھونے سے پہلے ہاتھ پانی میں ڈالنے سے منع فرمایا۔ اطلاق کا تقاضا یہ ہو کہ ہاتھ دھونے سے پہلے داخل کرنے کسی صورت میں جائز نہ ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم (اطلاق کا حکم) اس صورت پر محمول ہے کہ جب ہاتھ ڈالنے کی ضرورت نہ ہو مثلاً برتن چھوٹا ہو یا برتن بڑا ہو مگر اس کے ساتھ پانی نکالنے کے لئے چھوٹا برتن بھی موجود ہو لیکن اگر ضرورت ہو تو نہی قدر حاجت سے زیادہ ادخال پر محمول ہوگی مطلقاً نہی نہ ہوگی۔

فلا یغمس۔ ایک روایت میں فلا یغمس بغیر نون کے بھی آیا ہے اور اکثر روایات میں فلا یدخل مروی ہے محمول سعید ابن منصورؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے برتن میں دھونے سے پہلے ہاتھ ڈالا اور ابن ابی شیبہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے اپنا ہاتھ لوٹے میں دھونے سے پہلے داخل کیا تو اسے بیان جواز پر محمول کریں گے اور حدیث میں منقول نہی کو نہی تنزیہی پر محمول کرینگے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "فان احدکم لا یدری این باتت یدہ" کا تقاضا ہے۔

فان الدّ النجاسۃ۔ یعنی کسی اور کو چلو میں پانی دینے اور پانی بہانے کا حکم کرے اور اگر کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو تو منھ سے پانی لے۔ اور اس پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرکے نماز پڑھ لے۔

وتسمیۃ اللہ تعالیٰ۔ اس میں تین قول ہیں (۱) وہ مستحب ہے (۲) سنت مؤکدہ ہے۔ اکثر فقہاء اس کے قائل ہیں (۳) واجب ہے، امام ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اسی کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے۔ اصل اس بارے میں یہ حدیث ہے کہ جو وضو کرتے ہوئے اللہ کا نام نہ لے (بسم اللہ نہ پڑھے) اس کا وضو نہیں یہ روایت ابوداؤد، ترمذی دارقطنی اور ابن ماجہ میں موجود ہے۔ "بزار" میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو شروع فرماتے

وقت بسم اللہ پڑھا کرتے تھے۔ بعض روایات سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے علاوہ بسم اللہ العظیم اور "الحمد للہ علیٰ دین الاسلام" پڑھنا بھی ثابت ہے۔

والسواك والمضمضة بمياه والاستنشاق بمياه وانما قال بمياه ولم يقل ثلث ليدل على ان المسنون التثليث بمياه جديدة وانما كرر قوله بمياه ليدل على تجديد الماء لكل منهما خلافا للشافعي فان المسنون عنده ان يتمضمض ويستنشق بغرفة واحدة ثم هكذا وتخليل اللحية والاصابع وتثليث الغسل ومسح كل الرأس مرة خلافا للشافعي فان عنده تثليث المسح سنة وقد اورد الترمذي في جامعه ان عليا توضأ فغسل اعضاءه ثلثا ومسح راسه مرة وقال هكذا وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي صحيح البخاري مثل هذا والاذنين بمائه اي بماء الرأس خلافا له فان تجديد الماء لمسح الاذنين سنة عنده

ترجمہ اور مسواک کرنا اور کلی کرنا علیحدہ پانی سے اور ناک میں پانی پہونچانا علیحدہ پانی سے۔ اور مصنف نے بمیاہ جدید (جدید پانی سے) کہا اور تین مرتبہ نہیں کہا یہ اس وجہ سے کہا تاکہ کلام اس کی نشان دہی کرے کہ کلی اور ناک میں پانی دینا تین بار علیحدہ نئے پانی سے مسنون ہے۔ اور لفظ بمیاہ مکرر لانا اس وجہ سے ہے کہ وضو اور ناک میں پانی دینے میں تجدید ماء کی نشان دہی ہو امام شافعیؒ کا اس کے اندر اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایک چلو سے کلی اور ناک میں پانی دینا مسنون ہے پھر اسی طرح پانی لیا جائے اور اسی طرح پانی لیا جائے اور ڈاڑھی میں خلال کرنا اور انگلیوں میں خلال کرنا اور تین مرتبہ دھونا اور سارے سر کا مسح ایک مرتبہ کرنا مسنون ہے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک تین بار مسح مسنون ہے۔ جامع ترمذی میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو فرمایا تو اعضاء کو تین بار دھویا اور پورے سر کا مسح ایک مرتبہ کیا اور پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح وضو فرمایا۔ اور صحیح بخاری میں اسی طرح کی روایت ہے۔ اور دونوں کانوں کا مسح ہاتھوں پر سر کے باقی ماندہ پانی سے مسنون ہے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک مسنون یہ ہے کہ کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لیا جائے۔

تشریح وتوضیح السواک الخ۔ وہ لکڑی جو دانتوں پر ملی جاتی ہے۔ اصل اس بارے میں وہ قولی اور فعلی احادیث ہیں جو صحاح ستہ وغیرہ میں ترغیب مسواک کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔

ہر نماز کے وقت دانتوں کی چوڑائی میں مسواک کرنا مستحب ہے۔

المضمضة۔ باعتبار لغت پانی کے حرکت دینے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں پورے منہ میں پانی کا استیعاب

ہے۔ اور ناک میں پانی دینا اور کلی کرنا صحاح ستہ وغیرہ میں صحابہؓ سے مروی ہے۔

وانما اقال بمیاہ۔ لفظ میاہ سے اشارہ ہے کہ میاہ جمع ہے اور جمع کی مقدار کم سے کم تین ہے نیز اس کی طرف اشارہ ہے کہ تین مرتبہ نیا پانی لیا جائے اگر میاہ کی جگہ ثلثاً کہا جاتا تو اس سے نیا پانی لینا سمجھ میں نہ آتا۔

لیدل۔ احناف کے نزدیک تجدید ماء مسنون ہے اور وصل بھی جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک وصل مسنون ہے اور فصل بھی جائز ہے۔ وصل کے قائل بخاری و مسلم میں عبداللہ بن زید سے مروی روایت پیش کرتے ہیں ابن ماجہ ابوداؤد حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث اور ترمذی حضرت عبداللہؓ کی حدیث اور ابن ماجہ حضرت علیؓ سے مروی حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا احناف کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلی اور ناک میں پانی دینے کے درمیان فصل فرماتے تھے (الگ الگ پانی لیتے تھے)۔

وتخلیل اللحیۃ۔ ڈاڑھی میں خلال کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انگلیاں ڈاڑھی کے درمیان کشادگی میں نیچے سے اوپر کی جانب داخل کرے۔ اس طرح کہ ہاتھ کی ہتھیلی خارج کی طرف ہو اور پشت وضو کرنے والے کی طرف، ڈاڑھی میں دائیں ہاتھ سے خلال کرنا مستحب ہے۔ ڈاڑھی میں خلال حضرت عمار و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے ترمذی میں مروی حدیث سے ثابت ہے اور حضرت ابن عمر و حضرت ابوایوب و حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث سے جو سنن ابن ماجہ، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں ہے ثابت ہے۔

ابوداؤد کی حضرت انسؓ سے مروی ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ہتھیلی میں پانی لے کر تالو کے نیچے (ڈاڑھی کے نچلے حصہ میں) داخل فرماتے تھے۔

الاصابع۔ یعنی دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیاں۔

خلال کی یہ کیفیت ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسائی جائیں۔ پاؤں کی انگلیوں کا خلال اس طرح ہو کہ بائیں ہاتھ کی خنصر سے خلال کیا جائے۔ دائیں پیر کی خنصر سے شروع کرکے بائیں پیر کی خنصر پر ختم کرے۔

وتثلیث الغسل۔ اور تین مرتبہ دھونا سنت مؤکدہ ہے، اکثر فقہاء یہی فرماتے ہیں۔ اصل اس میں ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو فرمایا اور پھر ارشاد ہوا کہ یہ وضو ہے جس نے اس پر اضافہ کیا یا کم کیا تو اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔ "نہایہ" میں ہے کہ اگر ایک بار وضو کیا ٹھنڈک یا پانی کی کمی کی وجہ سے یا ضرورت کے لئے، تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر عادت بنالی ہو تو گناہ ہے ورنہ نہیں اور "خلاصہ" میں بیان کیا گیا ہے کہ تین بار سے زیادہ بدعت ہے۔

ومسح کل الراس۔ پورے سر کا مسح ایک بار صحیح روایات سے ثابت ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ہتھیلیاں اور انگلیاں سر کے اگلے حصہ پر رکھ کر انھیں پیچھے کی طرف اس طرح کھینچے کہ پورے سر کا استیعاب ہو جائے پھر انگلیوں

سے کانوں کا مسح کرے
ان علیاً: سنن ابن ماجہ میں حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ و حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مسح فرمایا۔
بماء الراس: یعنی کانوں کا مسح اس سے کرے جو سر کے مسح کے لئے لیا گیا ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔
"الاذنان من الرأس" (کان سر ہی میں سے ہیں) ابن ماجہ۔ دارقطنی الطبرانی۔ ابوداؤد و ترمذی بشرح معانی الآثار میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا پانی لئے بغیر سر کے پانی سے کانوں کا مسح فرمایا۔
مسئلہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو فرماتے دیکھا تو آپ نے کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لیا۔
اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ یہ عمل بیان جواز کے لئے ہے۔

والنية والترتيب الذى نصّ عليه اى الترتيب المذكور فى نص القرآن وكلاهما فرضان عنده اما النية فلقوله عليه السلام انما الاعمال بالنيات وجوابنا ان الثواب منوط بالنية اتفاقاً فلابُدّ ان يقدر الثواب ويقدر شئ يشمل الثواب نحو حكم الاعمال بالنيات فان قُدّر الثواب فظاهر وان قدر الحكم فهو نوعان دنيوى كالصحة واخروى كالثواب الاخروى مراد بالاجماع فاذا قيل حكم الاعمال بالنيات ويرادبه الثواب صدق الكلام فلادلالة له على الصحة فان قيل مثل هذا الكلام يتاتى فى جميع العبادات فلادلالة له على اشتراط النية فى العبادات وذلك باطل

ترجمہ | اور نیت و ترتیب یعنی مذکور ترتیب نصّ قرآنی میں اور یہ دونوں امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہیں۔ نیت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنیاد پر کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ ہمارا (احنافؒ کا) جواب یہ ہے کہ ثواب بالاتفاق نیت سے متعلق ہے۔ پس ضروری ہے کہ ثواب مقدر مانا جائے یا ایسی چیز مقدر و پوشیدہ مانی جائے جو ثواب کو شامل ہو جیسے حکم اعمال نیتوں کے ساتھ ہے۔ ثواب مقدر و پوشیدہ ماننے کی صورت میں تو حکم ظاہر ہے۔ اور اگر حکم مقدر مانا جائے تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی مثلاً صحت اور اخروی جیسے ثواب اور (حدیث مذکور میں) اخروی ثواب ہی بالاجماع مراد ہے۔ پس جب کہا جائے "حکم الاعمال بالنیات" اور مراد اس سے ثواب ہو تو کلام کی تصدیق کی جائے گی۔ لہٰذا یہ حدیث "صحت" دنیوی ثواب کی نشان دہی نہ کرے گی۔ اگر کہا جائے کہ اس جیسا کلام ساری عبادات کے بارے میں ہے پس عبادات مقصودہ میں نیت کا شرط ہونا ثابت نہیں ہوتا اور یہ باطل ہے۔

تشریح و توضیح | والترتیب: اس سے اس کی طرف اشارہ ہے کہ مسنون وہ ترتیب ہے جو آیت میں ذکر کی

گئی، یعنی پہلے چہرہ دھوئے پھر دونوں ہاتھ، پھر سر کا مسح کرے پھر پیروں کا مسح کرے بطلقاً ترتیب مراد نہیں۔
المذکور۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ تصریح سے یہ مراد نہیں کہ یہ مسئلہ کتابوں میں مصرح ہے بلکہ اس سے وہ مراد ہے جو قرآن میں مذکور ہے۔ نیز اس وہم کو دفع کرنا ہے کہ جب ترتیب قرآن کریم میں منصوص ہے تو اس کے خلاف کرنا کس طرح جائز ہے۔
فرضان یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک اگر ترتیب کی رعایت اور نیت کے بغیر وضو کیا تو وضو ہی نہ ہوگا احناف کے نزدیک وضو تو ہو جائے گا، لیکن ان کی رعایت کے بغیر وضو کی صورت میں ثواب نہیں ملے گا۔
فلقولہ۔ کتب شوافع میں ذکر کردہ تقریر استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر حدیث اس بات کی مقتضی ہے کہ نیت کے بغیر عمل ہی کا ترتب نہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے اعمال بلا نیت پائے جاتے ہیں لہٰذا اس سے نیت کے بغیر حکم اعمال کی نفی مراد لینی پڑے گی اعمال کی نہیں۔ مثلاً صحت یا کمالِ اعمال۔ الاعمال پر لام استغراق کے لئے ہے پس یہ ہر عمل کی صحت کے واسطے نیت کی شرط پر دلالت کرتا ہے خواہ وہ عمل وسائل سے ہو یا مقاصد سے۔
انما الاعمال بالنیات۔ یہ حدیث موطأ امام مالک، صحیح بخاری باب بدء الوحی میں انھیں الفاظ کے ساتھ اور کتاب النکاح میں "العمل بالنیۃ" اور کتاب العتق میں "الاعمال بالنیۃ" اور کتاب الہجرۃ و کتاب الایمان میں "انما الاعمال بالنیۃ" کے الفاظ سے موجود ہے۔ صحیح ابن حبان میں "الاعمال بالنیات" کے الفاظ سے مروی ہے۔
ان الثواب۔ حاصل یہ ہے کہ عبادات میں بالاتفاق حصولِ ثواب نیت پر موقوف ہے بس ضروری ہے کہ اس حدیث میں لفظ 'ثواب' حذف کرتے ہوئے یہ معنیٰ لئے جائیں کہ اعمال کے ثواب کا مدار نیت پر ہے یا یہ کہا جائے کہ ثواب کا تعلق آخرت سے ہے اور وہ حکم اخروی ہے اور صحت (مثلاً وضوء کا بلا نیت صحیح ہونا) یہ دنیوی حکم ہے۔ اس حدیث میں بالاجماع ثوابِ اخروی ہی مراد ہے۔
فان قیل۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جواب دینے والا اس طرح جواب دیتا ہے کہ حدیث مذکور سے وضو کیلئے نیت کی شرط ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہاں لفظ ثواب پوشیدہ ہے۔

فان المتمسك فی اشتراط النیة فی العبادات هذا الحدیث قلنا تقدیر الثواب لکن المقصود فی العبادات المحضة الثواب فاذا خلت عن المقصود لا یکون لها صحة لانها لم تشرع الا مع کونها عبادة بخلاف الوضوء اذ لیس هو عبادة مقصودة بل شرع شرطاً لجواز الصلوٰة فاذا خلا عن الثواب انتفی کونه عبادة لکن لا یلزم من هذا انتفاء صحته اذ لا یصدق علیه انه لم یشرع الا عبادة فیبقی صحته بمعنی انه مفتاح الصلوٰة کما فی سائر الشرائط کتطهیر الثواب

والمکان وستر العورة فانہ لاتشترط النیة فی شئ منھا واما الترتیب فلقولہ تعالیٰ فاغسلوا وجوھکم فیفرض تقدیم غسل الوجہ فیفرض تقدیم الباقی مرتبا لان تقدیم غسل الوجہ مع عدم الترتیب فی الباقی خلاف الاجماع

ترجمہ اس لئے کہ عبادات میں نیت کی شرط اس حدیث کی بنیاد پر لگائی گئی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں ثواب پوشیدہ ہے مگر عبادات محضہ میں مقصود ثواب ہے پس جب مقصود باقی نہ رہا تو یہ عبادت بھی صحیح نہیں ہوئی کیونکہ اس کی مشروعیت ہی عبادت کے ساتھ ہے وضو کے برعکس کہ وضو عبادت مقصودہ نہیں بلکہ وہ جواز صلوٰۃ کے لئے شرط ہے پس جب وہ ثواب عبادت کا سبب نہ رہا تو اس کا عبادت ہونا باقی نہ رہا مگر اس سے وضو کا صحیح نہ ہونا لازم نہیں آیا (کہ اس سے نماز ہی صحیح نہ ہو) اس لئے کہ وضو کا صرف عبادت کے لئے ہی ہونا صادق نہیں آتا پس وہ اس اعتبار سے (بلا نیت بھی) صحیح ہوگا کہ وہ مفتاح صلوٰۃ ہے جیسے کہ صحت نماز کی اور شرطیں ہیں مثلاً کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا۔ ستر عورت۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی میں نیت شرط نہیں۔ اور بہر حال ترتیب (کا فرض ہونا) پس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بنیاد پر ہے کہ "اپنے چہروں کو دھوؤ" پس فرض ہے اول چہرہ کا دھونا، پھر باقی اعضاء کا بالترتیب دھونا فرض ہے۔ کیونکہ باقی میں ترتیب کی رعایت نہ کرتے ہوئے چہرہ کے دھونے کو مقدم کرنا اجماع کے خلاف ہے۔

تشریح و توضیح قلنا۔ حاصل یہ ہے کہ عبادات کی دو قسمیں ہیں۔ محضہ اور غیر محضہ یا مقصودہ اور غیر مقصودہ عبادت محضہ تو وہ ہے کہ جو دوسری عبادت کا وسیلہ نہ ہو اور اس کی صحت کے لئے شرط ہو دوسری جو ایسی نہ ہو جیسے وضو، کپڑے کی پاکی اور جگہ کی پاکی وغیرہ اول سے مقصود ثواب ہے دوسرے امر کی طرف توسل نہیں۔

الثواب اس سے مراد اخروی نفع ہے اور اس سے مراد دفع عقاب بھی ہے۔ اس سے یہ وہم دفع کرنا مقصود ہے کہ عبادات مقصودہ میں محض ثواب کا ارادہ صحیح نہیں اس لئے کہ دفع عقاب (و سزا) بھی مقاصد سے ہے لا یکون لھا صحة۔ اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ ثواب کی نفی انتفائے صحت کو مستلزم ہے۔ اس کا جواب پہلے گذر چکا کہ ثواب اخروی نتیجہ کا نام ہے اور اس کے نہ ہونے سے صحت وضو کی نفی لازم نہیں آتی۔

بمعنی انہ مفتاح الصلوٰۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ نماز کی کنجی پاکی (وضو) ہے اور نماز کے علاوہ دوسری چیزوں کو حرام کرنے والی تکبیر ہے اور حلال کرنے والا سلام ہے۔ ترمذی وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے۔

فلقولہ تعالیٰ۔ ارشاد ربانی "فاغسلوا وجوھکم" (الآیة) پر حرف فا وصل اور پے در پے دھونے کا حکم ظاہر کرنے کے لئے آیا ہے۔ یہ اس کی نشان دہی کرتا ہے کہ چہرہ کا دھونا نماز کے واسطے قیام کے ارادہ کے ساتھ ہی واجب ہے۔ لہٰذا وضو میں اس کا دھونا سارے اعضاء سے مقدم ہے۔ اور جب چہرہ دھونے اور

ارادۂ نماز کے درمیان آیت سے ترتیب ثابت ہوگئی تو باقی کے درمیان بھی ترتیب ثابت ہوگی۔
احناف وضو میں اعضائے وضو کے اندر عدم وجوب ترتیب کے قائل ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص پہلے پاؤں دھولے تو عند الاحناف جائز ہے اور شوافع کہتے ہیں کہ سارے اعضاء میں ترتیب واجب ہے۔
خلاف الاجماع۔ اجماع شرعی ادلہ اربعہ میں سے مشہور دلیل ہے۔ ایک عصر کے مجتہدین کے ایک حکم پر اتفاق کو اجماع کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اگر علت اور حکم دونوں پر اتفاق ہو تو یہ بسیط کہلاتا ہے مثلاً پاخانہ پیشاب کے راستہ سے کسی چیز کا نکلنا بالاجماع ناقض وضو ہے۔ اور اگر اتفاق حکم میں ہو اور علت (وسبب) میں اختلاف ہو تو اسے مرکب کہتے ہیں جیسے قے اور آلۂ تناسل کے چھونے سے وضو ٹوٹ جانا اس لئے کہ وہ بالاتفاق ناقض وضو ہے مگر عند الاحناف اس کی علت قے اور عند الشوافع اس کی علت آلۂ تناسل کا چھونا ہے۔

قلنا المذكور بعده حرف الواو فالمراد فاغسلوا هذا المجموع فلا دلالة له على تقديم غسل الوجه وان سُلِّمَ فمتى استدلالُ المجتهد بهذه الآية لم يكن الاجماع منعقدًا فاستدلاله بها على ترتيب الباقي استدلالٌ بلا دليل وتمسُّكٌ بمجرد زعمه لا بالاجماع وقد رأيت في كتبهم الاستدلال بقوله عليه السلام هذا وضوءٌ لا يقبل الله تعالى الصلوٰة الا به وقد كان هذا الوضوء مرتبا فيفرض الترتيب وقد سنح لي جوابٌ حسنٌ وهو انه توضأ مرّةً مرّةً وقال هذا وضوءٌ لا يقبل الله تعالى الصلوٰة الا به فهذا القول يرجع الى المرّة فحسب لا الى الاشياء الأُخر لان هذا الوضوء لا يخلو اما ان يكون ابتداؤه من اليمين او اليسار وايضا اما ان يكون على سبيل الموالاة او عدمها فقوله عليه السلام هذا وضوءٌ الخ ان اريد به هذا الوضوء لجميع اوصافه يلزم فرضية الموالاة او ضدها والتيامن او ضده وان لم يُرِدْ بجميع اوصافه لا يدل على فرضية الترتيب

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ اس کے بعد حرف واو ذکر کیا گیا ہے۔ پس مراد "فاغسلوا" سے یہ مجموعہ ہے۔ لہٰذا اس قول سے چہرہ کے دھونے کو باقی کے دھونے پر مقدم کرنے کی نشان دہی نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ تسلیم کرلیں تو جب مجتہد نے اس آیت سے استدلال کیا تو اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ پس اس استدلال سے باقی کی ترتیب پر استدلال بلا دلیل ہے۔ اور یہ تنہا ان کا استدلال ہے اجماع نہیں۔ اور میں نے شوافع کی کتابوں میں ترتیب کی فرضیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال دیکھا کہ یہ وضو ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا مگر اسی ترتیب کے ساتھ۔ اور یہ وضو مرتب ہے پس ترتیب فرض ہوگئی اور میرے پاس اس استدلال مذکور کا بہترین جواب ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ

اس کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا۔ بس یہ قول (هذا وضوء) مرۃ کی طرف لوٹتا ہے کہ یہ کافی ہے۔ یہ قول دوسری اشیاء کی جانب نہیں لوٹتا۔ اس لئے کہ یہ وضو دو حال سے خالی نہیں یا تو اعضاء دائیں جانب سے دھوئے جائیں گے یا بائیں جانب سے نیز پے در پے اعضاء دھوئے جائیں گے یا پے در پے نہیں دھوئے جائیں گے لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "هذا وضوء الخ" اگر یہ وضو کل اوصاف کے ساتھ مراد ہو تو اس سے پے در پے اعضاء دھونے کی طرف یا پے در پے نہ دھونے کی فرضیت لازم آتی ہے یا دائیں جانب سے دھونے یا دائیں طرف سے نہ دھونے کی فرضیت لازم آتی ہے۔ اور اگر اس سے کل اوصاف مراد نہ ہوں تو اس ارشاد سے فرضیت ترتیب کی نشان دہی نہیں ہوتی۔

تشریح و توضیح وان سلم۔ یعنی حقیقۃً نہیں بلکہ بالفرض اگر "فاغسلوا وجوهکم" میں غسل وجہ کی تقدیمیت تسلیم کریں۔

هذا وضوء۔ دار قطنی میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ اعضاء دھو کر ارشاد فرمایا کہ یہ وضو (فرض) ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ پھر اعضاء دو دو مرتبہ دھو کر فرمایا کہ یہ وضو ہے جس پر اللہ تعالیٰ اجر بڑھا دیتا ہے پھر تین بار دھو کر ارشاد ہوا کہ یہ میرا اور مجھ سے پہلے رسولوں کا وضو ہے۔

فیفترض الترتیب۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ اعضائے وضو کو دھو کر فرمایا کہ اس عمل کے بغیر جو میں نے کیا اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا پس نماز کی قبولیت اس جیسے وضو میں منحصر ہو گئی۔ اور یہ وضو آپ کا ترتیب سے تھا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس مرتب وضو کے بغیر قبول نہیں کرتا اور اس طرح وضو فرض ہے لہذا ترتیب بھی فرض ہو گی۔

اس استدلال پر چند وجوہ سے اشکال ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ حدیث سارے طرق سے ضعیف ہے اور اس سے کسی شئی کی فرضیت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ دوسرے یہ کہ صحت کے بعد یہ اخبار احاد ہے اور اخبار احاد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ نیز یہ دعویٰ کہ یہ وضو مرتب دبالترتیب تھا دعویٰ بلا بینہ ہے حافظ ابن حجرؒ نے "تخریج احادیث رافعی" وغیرہ میں صراحت کی ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ یہ وضو مرتب تھا تب بھی اس سے صرف ایک مرتبہ اعضاء کا دھونا ثابت ہوتا ہے۔

او التیامن جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی رسالہ انموذج العلوم میں فرماتے ہیں کہ اس وضو میں تیامن (دائیں جانب سے شروع کرنا) بیان جواز کیلئے ہے اور روایات صحیحہ سے تیاسر کا عدم وجوب ظاہر ہے۔ اسی طرح تیامن کا عدم وجوب ثابت ہے۔ ترتیب غسل اعضاء میں بھی یہی صورت رہے گی۔

والولاء ای غسل الاعضاء علی سبیل التعاقب بحیث لا یجف العضو الاول وعند مالک رح

هو فرض والدليل على كون الامور المذكورة سنة مواظبة النبي عليه السلام من غير دليل على
فرضيتها و مستحبه التيامن اى الابتداء باليمين فى غسل الوجه فان قلت لا شك ان النبى عليه
السلام واظب على التيامن فى غسل الاعضاء ولم يَرَاَحَدٌ انه بدأ بالشمال فينبغى ان يكون سنة
قلت السنة ما واظب النبى عليه السلام عليه مع الترك احيانا فان كانت المواظبة المذكورة على
سبيل العبادة فسُنَنُ الهُدىٰ وان كانت على سبيل العادة فسُنَنُ الزوائد كلبس الثياب
والاكل باليمين وتقديم الرجل اليمنىٰ فى الدخول ونحوذلك وكلامنا فى الاول ومواظبة النبى
عليه السلام على التيامن كانت من قبيل الثانى ويفهم هذا من تعليل صاحب الهداية بقوله عليه السلام

ترجمہ | اور ولاء یعنی اعضاء کا اس طرح پے در پے دھونا کہ پہلا عضو خشک نہ ہونے پائے اور امام مالکؒ کے نزدیک وہ فرض ہے اور دلیل اس کی کہ یہ ذکر کردہ امور مسنون ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر مواظبت ہے (یہ مواظبت) ان کی فرضیت کی دلیل نہیں۔ اور وضو میں تیامن مستحب ہے یعنی اعضاء کے دھونے میں دائیں جانب سے ابتداء مستحب ہے۔ اگر تو کہے اس میں شک نہیں کہ نبی علیہ السلام نے غسل اعضاء میں تیامن پر مواظبت فرمائی اور صحابہؓ میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے بائیں جانب سے ابتداء کی ہو تو مناسب یہ ہے کہ تیامن سنت ہو۔ میں کہتا ہوں کہ سنت وہ ہے کہ جس پر نبی علیہ السلام نے مواظبت فرمائی ہو گاہے گاہے ترک کے ساتھ لہٰذا اگر ذکر کردہ مواظبت بطریق عبادت ہو تو یہ سنن ہدیٰ ہے اور اگر مواظبت بطور عادت ہو تو اس کا شمار سنن زوائد میں ہے جیسے عادات کپڑے پہننے میں اور دائیں ہاتھ سے کھانے میں اور مسجد وغیرہ میں داخل ہوتے ہوئے دایاں پیر مقدم کرنے میں اور اسی طرح کے امور۔ ہماری گفتگو پہلی قسم کے بارے میں ہے۔ اور نبی علیہ السلام کی عادت علی التیامن عادات کے زمرہ میں ہے اور یہی علت صاحب ہدایہ کے قول سے سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تشریح وتوضیح | الولاء یعنی اعضائے وضو کو اس طرح پے در پے دھونا کہ دوسرا عضو خشک نہ ہو۔
سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز اس حالت میں پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس کے عضو کا کچھ حصہ خشک رہ گیا تھا تو آپؐ نے اسے وضو اور نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔
ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق کی تخریج میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اور اس کے پاؤں میں ناخن کے بقدر خشکی رہ گئی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ نے اعادۂ وضو کا حکم فرمایا۔
مسند امام احمد میں ہے کہ امام مالکؒ اسی بنیاد پر ولاء کی فرضیت کے قائل ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ اخبار احاد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی جب کہ قرآن کریم اور احادیث مشہورہ اس بارے میں ساکت ہوں۔
"موطاء" میں امام مالکؒ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے وضو کیا تو چہرہ اور

ہاتھ دھوئے، سر کا مسح کیا۔ پھر مسجد میں داخل ہوتے ہوئے جنازہ آگیا۔ تو آپؐ نے موزوں پر مسح فرمایا۔ اس سے ولاء کا فرض نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

من غیر دلیل۔ یعنی اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر مواظبت سے سنت ثابت ہوتی ہے۔

مستحبۃ۔ یعنی یہ مطلوب شرعی اور محمود ہے مگر اس کا تارک لائق مذمت نہیں، بخلاف سنت مؤکدہ کے کہ اس کا ترک کرنے والا گناہگار ہوتا ہے۔ مستحب کو مندوب بھی کہہ دیتے ہیں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہے کیا اور گاہے ترک فرمایا۔ اور اس عمل پر مواظبت نہیں فرمائی۔

التیامن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم وضو کرو تو دائیں جانب سے شروع کرو۔ ابوداؤد ابن خزیمہ، ابن ماجہ اور ابن حبان میں یہ روایت موجود ہے۔

فی غسل الاعضاء۔ غسل (دھونے) سے مراد عام ہے خواہ غسل حقیقی ہو یا حکمی یعنی مسح۔ لہٰذا ہاتھوں اور پاؤں کے مسح میں بھی تیامن اور دائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے۔ اعضائے ظاہرہ سے مراد وہ ہے جس میں یمین اور یسار متمائز ہو۔ لہٰذا کانوں کے مسح میں اور رخساروں کے دھونے میں اور سر کے مسح اور چہرہ، منہ اور ناک کے دھونے میں تیامن مسنون نہیں ہے۔

فان قلت۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ حکم تیامن کے مستحب ہونے کا صحیح نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیامن پر مواظبت فرمائی اس لئے کہ کسی راوی سے یہ مروی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب کو ترک کرکے بائیں طرف سے آغاز وضو فرمایا ہو۔ لہٰذا یہ مستحب نہیں بلکہ مسنون ہے۔

ولم یراحد یعنی سب صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو میں دائیں طرف سے آغاز فرمانا ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ تیامن عادتِ رسولؐ تھی۔ السنۃ ما واظب النبی علیہ السلام علیہ۔ عندالجمہور یہ تعریف مشہور ہے فائدہ احیاناً اور گاہے گاہے ترک کرنے کا یہ ہے کہ ترک کے بغیر مواظبت عندالجمہور وجوب کی دلیل ہے۔

فان کانت یعنی تیامن پر مواظبت سنن ہدیٰ میں سے ہے، پس یہ سنت مؤکدہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔

وان کانت تحقیق یہ ہے کہ ترک نہ سنن ہدیٰ میں ضروری ہے اور نہ سنن زوائد میں ہے اور عبادت وعادت کے درمیان فرق ظاہر ہے۔

دیغصہ۔ یعنی حدیث مذکور سے اس کی نشان دہی ہوتی ہے کہ تیامن سے ابتدار عادتِ مبارکہ تھی حتیٰ کہ جوتا پہننے، اتارنے اور کنگھی کرنے میں بھی آپؐ اس کا خیال فرماتے تھے۔

ان اللہ تعالیٰ یحب التیامن فی کل شئ حتی التنعّل والترجّل ومسحُ الرقبۃ لان النبی علیہ السلام مسح علیھا وناقضہ ما خرج من السبیلین سواء کان معتادًا او غیر معتاد کالدود

والریح الخارجۃ من القبل والذکر وفیہ اختلاف المشائخ رح او من غیرہ ان کان نجسًا سال الٰی مایُطَهَّرُ ای الی موضع یجب تطہیرہ فی الجملۃ امّا فی الوضوء او فی الغسل وعند الشافعیؒ

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں تیامن کو پسند کرتا ہے حتیٰ کہ جوتہ پہننے میں اور اتارنے میں۔ اور گردن کے مسح میں اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن پر مسح فرمایا۔ اور وضو کو توڑنے والی وہ چیز ہے جو سبیلین (پاخانہ یا پیشاب کے راستہ) سے نکلے خواہ اس کا نکلنا عادت میں داخل ہو یا نہ ہو جیسے کیڑا اور شرمگاہ اور آلہ تناسل سے نکلنے والی ریح (ہوا) اور اس کے بارے میں مشائخ (احناف) کا اختلاف ہے یا سبیلین کے علاوہ سے نکلے اگر وہ نجس ہو (اور) بہ کر ایسی جگہ کی طرف جائے جس کا پاک کرنا بہرصورت واجب ہو وضو میں واجب ہو یا غسل میں اور امام شافعیؒ کے نزدیک۔

تشریح و توضیح مسح علیہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گردن پر مسح فرمانا ثابت ہے۔ یہ روایت ابوداؤد، بزار اور طحاوی وغیرہ میں موجود ہے۔

کالدودۃ یعنی اگر کیڑا پاخانہ کے راستہ سے نکلے تو بالاتفاق وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر عورت کی شرمگاہ (اگلے حصہ) سے نکلے تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ خلاصہ اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ یہ سب ناقض وضو ہے جب کہ سبیلین میں سے کسی ایک سے نکلے۔ پس اگر سبیلین کے علاوہ منہ یا ناک یا زخم سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

والریح۔ ہمارے اصحاب (احناف) وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ پاخانہ کے راستہ سے نکلنے والی ریح ناقض وضو ہے اور قبل (عورت کی شرمگاہ) اور ذکر (آلہ تناسل) سے نکلنے والی ریح کے متعلق اختلاف ہے۔ قدوریؒ نے امام محمدؒ سے نقل کیا ہے کہ وضو واجب ہوگا اور اس کی دلیل حدیث کا عموم ہے کہ وضو قبل اور دبر (سبیلین) سے نکلنے والی چیز سے ٹوٹتا ہے۔

دارقطنی نے کتاب "غرائب مالک" میں یہ روایت نقل کی ہے۔ صاحب ہدایہ، منیۃ اور محیط وغیرہ قبل اور ذکر سے نکلنے والی ریح کو ناقض وضو نہیں کہتے کیونکہ ان کے نزدیک یہ در اصل ریح ہی نہیں اور اگر ریح ہے بھی تو نجاست والی نہیں رہی پاخانہ کے راستہ کی ریح تو کیونکہ اس کا مرور نجاست سے ہوتا ہے اس لئے ناقض وضو ہے۔ اور اگر عورت ایسی ہو کہ اس کے پاخانہ اور پیشاب کا راستہ ایک ہوگیا ہو تو قبل سے نکلنے والی ریح پر بھی اس کے لئے وضو مستحب ہے کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ یہ ریح پاخانہ کے راستہ سے نکلی ہو۔ ایک قول کی رو سے وضو واجب ہے۔

ان کان یعنی سبیلین سے نکلنے والی اگر نجس اور بہنے والی ہے تو ناقض وضو ہے۔ ورنہ نہیں۔

سال۔ سیلان سے ہے یعنی نجس ہو اور بہنے والی ہو تو ناقض وضو ہے۔

امانی العضو ادنی الغسل۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اعضاء کی تین قسمیں ہیں۔
(۱) جن کا دھونا نہ وضو میں واجب ہو اور نہ غسل میں اور وہ باطنی اعضاء ہیں۔ مثلاً دل، دماغ، اندرونی رگیں ان میں خون کے سیلان سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ خون داخلِ بدن ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچتا ہے۔
(۲) وہ اعضاء جن کا وضو اور غسل دونوں میں دھونا واجب ہو مثلاً ہاتھ اور چہرہ۔
(۳) جن کا غسل میں دھونا واجب ہو اور وضو میں واجب نہ ہو مثلاً منہ اور ناک۔
سیلان نجس کی دو قسمیں ہیں۔ اسی بناء پر کہتے ہیں کہ اگر خون بہ کر ناک کے بانسہ تک پہنچ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر پیشاب یا خون کسی جگہ سے ذکر (آلۂ تناسل) کی نالی تک پہنچ جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

الخارج من غیر السبیلین لاینقض الوضوء وقوله ان کان نجساً متعلق بقوله اومن غیرہ والروایة النَّجَس بفتح الجیم وھو عین النجاسة واما بکسر الجیم فما لایکون طاھراً ھذا فی اصطلاح الفقھاء واما فی اللغة فیقال نجس الشیٔ ینجس فھو نجس ونجس وانما قال سال لانه اذا لم یتجاوز المخرج لاینقض الوضوء عندنا وینقض عند زفرؒ وکذا اذا عصر القرحة فتجاوز وکان بحال لولم یعصر لم یتجاوزہ وکذا اذا عض شیئاً وخَلَّلَ اسنانه اوادخل اصبعه فی انفه فرأی أثَرَ الدم اواستنثر فخرج من انفه الدم علقاً علقاً مثل العدس لاینقض عندنا خلافاً لزفرؒ ووجھه ان خروج النجاسة مؤثر فی زوال الطھارة کالسبیلین نحن نقول نعم لکن القلیل لا خارج والنجاسة

ترجمہ | غیر سبیلین سے نکلنے والی چیز ناقضِ وضو نہیں ہوگی۔ اور "ان کان نجسا" "او من غیرہ" سے متعلق ہے اور ایک روایت میں نجس جیم کے فتح کے ساتھ ہے اس کے معنٰی ہیں "عین نجاست" اور جیم کے کسرہ کے ساتھ وہ ہے جو پاک نہ ہو یہ تعریف فقہاء کی اصطلاح کے اعتبار سے ہے اور لغت کے لحاظ سے کہا جاتا ہے ناپاک شے ناپاک کرتی ہے پس وہ نجس اور نجس ہے۔ اور مصنفؒ نے سال (بہنے والی) اس واسطے کہا کہ مخرج سے تجاوز نہ کرنے کی صورت میں ہمارے نزدیک ناقضِ وضو نہیں۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک ناقضِ وضو ہے۔ اور اس طرح آبلہ کو نچوڑنے کی صورت میں تجاوز کر جائے اور نہ نچوڑنے کی صورت میں تجاوز نہ کرے تو ناقضِ وضو نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی چیز کاٹ لے یا دانتوں کے درمیان میں آجائے یا اپنی انگلی ناک میں داخل کرے تو خون کا اثر دکھائی دے یا ناک صاف کرے تو ناک سے خون کے ٹکڑے مسور کی دال کے مانند نکلیں تو ان صورتوں میں ہمارے نزدیک وضو نہ ٹوٹے گا۔ امام زفرؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ امام زفرؒ کے نزدیک خروج نجاست سے پاکی اسی طرح زائل ہو جاتی ہے جس طرح سبیلین سے نکلنے کی صورت میں۔ ہم کہتے ہیں کہ قلیل ہونے کی صورت میں نجاست ظاہر ہوتی ہے خارج نہیں ہوتی۔ اور نجاست

تشریح وتوضیح

لا ینقض الوضوء۔ سنن دار قطنی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور سوائے پچھنے لگنے کی جگہ کے دھونے کے دوبارہ وضو نہیں فرمایا۔ نیز سنن دار قطنی میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی پھر وضو فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ قے کے بعد کیا وضو کرنا فرض ہے؟ ارشاد ہوا اگر فرض ہوتا تو قرآن کریم میں تجھے اس کا ذکر ملتا۔ ان دونوں روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں۔ اس بارے میں احناف کے مسلک کے اثبات میں وہ روایت جو بخاریؒ اور اصحاب سنن وغیرہ نے روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ فاطمہ بنت جبیش نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے استحاضہ کی بیماری ہے۔ میں پاک نہیں ہوتی۔ کیا میں نماز ترک کردوں؟ ارشاد ہوا کہ یہ صرف ایک رگ ہے (جس سے خون آتا ہے) حیض (ماہواری) کا خون نہیں۔ جب تجھے حیض آئے تو نماز ترک کردے اور جب مدت حیض ختم ہوجائے تو خون دھو کر نماز پڑھ اور ہر نماز کے وقت اس نماز کے لئے وضو کر۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ یہ محض ایک رگ ہے اس کی طرف اشارہ ہے کہ رگ نقض طہارت میں اثر انداز ہے۔

عین النجاسۃ۔ مثلاً پاخانہ، پیشاب اور بہنے والا خون۔

وکذا اذا عصر۔ حاصل یہ ہے کہ اگر زخم کو دبانے اور نچوڑنے پر خون یا پیپ نکلے اور اگر دبایا نہ جائے تو مخرج سے متجاوز نہ ہو تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ یہ اخراج (نکالنا) ہے اور ناقض دراصل خروج (نکلنا) ہے بعض مشائخ مثلاً صاحب ہدایہ یہی فرماتے ہیں مگر زیادہ صحیح قول جو کافی، نہایہ، غایۃ البیان، فتح القدیر اور بزازیہ وغیرہ میں ہے وہ یہی ہے کہ اس صورت میں بھی وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ خروج اخراج کے لئے لازم ہے اور مطلقاً خروج ناقض وضو ہے۔

وکذا یعنی اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔

ان خروج النجاسۃ۔ خروج نجاست زوال طہارت کی علت ہے۔ اور جب علت پائی جائے گی معلول پایا جائیگا لہٰذا جب خروج نجاست ہوگا تو زوال طہارت بھی پایا جائے گا۔ احناف کہتے ہیں کہ قلیل غیر سائل پر خارج کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ صرف ظاہر ہوتا ہے پس خروج کا اطلاق ہوگا جب کہ نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کرجائے اور سیلان ہی کی صورت میں اس کا تحقق ہوسکتا ہے۔ لہٰذا خروج اور سیلان لازم وملزوم ہیں۔

المستقرۃ فی موضعها لا ینقض قلت هٰذا الدلیل غیر تام لانه لا یشمل ما اذا أُغرزت ابرۃ فارتقی الدم علی راس الجرح لکن لم یَسِلْ فان الخروج هنا لمحسوس ومع ذٰلك لا ینقض عندنا وقد خطر ببالی وجهٌ حَسَنٌ وهو انه لم یتحقق خروج النجاسة لان هٰذا الدم غیر نجس بل النجس هو الدم المسفوح وهٰکذا فی القیٔ القلیل وسیاتی فی هٰذه الصفحة وقوله الی ما یطهر احتراز عما اذا

تشرت نقطة فی العین فسال الصدید بحیث لم یخرج من العین لا ینقض الوضوء لانّ داخل العین لا یجب تطهیرہ اصلاً فی الوضوء ولا فی الغسل اذ لیس له حکم ظاهر البدن فالمعتبر الخروج الی ما هو ظاهر البدن شرعاً واعلم ان قوله الی ما یطهر یجب ان یکون متعلقاً بقوله ما خرج لا بقوله سال،

ترجمہ جو اپنے مخرج میں ٹھہری رہے ناقض وضو نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل ناکمل ہے اس لئے کہ یہ اس صورت کو شامل نہیں کہ جب سوئی چبھوئی جائے اور خون زخم کے کنارہ پر آجائے مگر زخم سے نہ بہے۔ پس اگرچہ سوئی کا چبھنا محسوس ہوتا ہے مگر اس کے باوجود ناقض وضو نہیں ہمارے نزدیک۔ میرے قلب میں اس کی ایک بہت اچھی توجیہ آئی ہے وہ یہ کہ یہاں نجاست کا نکلنا ثابت نہیں۔ اس لئے کہ یہ خون نجس نہیں بلکہ بہنے والا خون ناپاک ہے۔ اور اسی طرح تھوڑی قے کا حکم ہے عنقریب اس صفحہ میں اس کا بیان کیا جائے گا۔ اور مصنف کا قول "الی ما یطهر" یہ اس صورت مسئلہ سے احتراز ہے کہ جب آبلہ آنکھ میں پھوٹ کر پیپ دار پانی اس طرح بہ جائے کہ آنکھ سے نہ نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ داخل چشم کا دھونا نہ سے نہ وضو میں واجب ہے اور نہ غسل میں کیونکہ اس کا حکم ظاہر بدن کا نہیں پس شرعاً وہ خروج معتبر ہے جو ظاہر بدن کی طرف ہو۔ اور آگاہ رہ کہ مصنف کا قول "الی ما یطهر" واجب ہے کہ "ما خرج" سے متعلق ہو۔ "سال" سے متعلق نہ ہو۔

تشریح و توضیح هذا الدلیل۔ یہ دلیل اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے مخرج میں رہنے والی نجاست ناقض وضو نہیں۔

وجہ حسن۔ حاصل یہ ہے کہ ہمیں خروج نجاست کا مؤثر ہونا مسلم ہے مگر نہ بہنے والا خون خواہ خارج میں ہو جیسے سوئی کے چبھنے کی بنا پر نکلنے اور مخرج سے تجاوز نہ کرنے والا خون کہ وہ نجس نہیں کیونکہ نجس بہنے والا خون ہوتا ہے۔ هو الدم المسفوح۔ راجح قول کے مطابق بہنے والا خون ہی نجس ہوتا ہے۔ امام محمدؒ سے ایک روایت "نوادر" میں یہ بھی ہے کہ نہ بہنے والا خون بھی نجس ہوتا ہے۔

حکم ظاهر البدن۔ دھونا اس کا فرض ہے جو ہر اعتبار سے ظاہر بدن ہو مثلاً ہاتھ، سر، پیٹھ اور پیٹ وغیرہ یا ایک اعتبار سے ظاہر اور ایک اعتبار سے باطن بدن ہو۔ مثلاً منہ اور ناک۔ جو ہر صورت داخل بدن ہو اس کا دھونا فرض نہیں۔

بقوله سال۔ یعنی سیلان سے اگر اس کا تعلق ہو تو قطرہ قطرہ خون ٹپکنے کو ناقض وضو قرار نہ دینا لازم آئے گا۔

فانه اذا فصد وخرج دم کثیر وسال بحیث لم یتلطخ راس الجرح فانه لا شك فی الانتقاض عند نا مع انه لم یسل الی موضع یلحقه حکم التطهیر بل خرج الی موضع یلحقه حکم التطهیر ثم

سال فالعبارة الحسنة ان یقال ماخرج من السبیلین او من غیرہ الی ما یطهر ان کان نجسا
سال والقیٔ عطف علی قوله ماخرج فاراد ان یفصل انواعه لان الحکم مختلف فیها فقال دمارقیقا
ان ساوی البزاق حتی اذا کان البزاق اکثر لا ینقض ولما ذکر حکم المساواة علم حکم الغلبة بالطریق
الاولی فقالوا اذا اصفر البزاق من الدم فلا یجب الوضوء وان احمر یجب ثم عطف علی قوله
دما قوله او مرة او طعاما او ماءً او علقا ان کان ملأ الفم لا بلغما اصلاً سواء کان نازلاً من
الرأس او صاعداً من الجوف وسواء کان قلیلا او کثیرا لانه للزوجته لا یتداخله النجاسة
وینقض صاعدہ ملأ الفم عند ابی یوسف رح لکن النازل من الرأس لا ینقض عندہ ایضا
وهو یعتبر الاتحاد فی المجلس ومحمد رح فی السبب فیجمع ما قاء قلیلا قلیلا

ترجمہ اس لئے کہ جب فصد لگوائی اور کثیر خون نکل کر اس طرح بہہ گیا کہ زخم کا منہ خون سے آلودہ نہیں ہوا، تو بلاشک یہ (بھی) ہمارے (احناف) کے نزدیک ناقض وضو ہے حالانکہ خون ایسی جگہ نہیں بہا جس کے لئے حکم تطہیر ہو بلکہ ایسی جگہ کی طرف نکلا کہ جس کے لئے حکم تطہیر نہیں پھر بہہ گیا۔ پس عمدہ تعبیر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ چیز یا سبیلین سے نکلے یا نکل اور بہہ کر بدن کے اس حصہ کی طرف چلی جائے جس کا دھونا غسل یا وضو میں ضروری ہو بشرطیکہ وہ نجس ہو۔ اور قے کا عطف "ماخرج" پر ہے۔ پس اس کا ارادہ کیا کہ اس کی انواع کی تفصیل بیان کی جائے، کیونکہ حکم اس بارے میں مختلف ہے۔ پس کہا کہ پتلا خون اگر تھوک کے مساوی ہو تو اگر تھوک زیادہ اور خون کم ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور جب مساوات کا حکم بیان کیا گیا تو غلبہ کا حکم بطریق اولیٰ معلوم ہوا۔ پس کہتے ہیں کہ اگر خون تھوک کی وجہ سے زرد ہو جائے تو وضو واجب نہ ہوگا اور اگر سرخ ہو جائے تو وضو واجب ہوگا پھر اس کا عطف مصنف کے قول "دماً" پر کرتے ہوئے کہا یا وہ صفرا ہو یا کھانا ہو یا پانی ہو یا ٹکڑا ہو۔ اگر قے منہ بھر کر ہو بلغم کی قے بالکل نہ ہو خواہ بہتی سر کی جانب سے آئی ہو یا جوفِ بطن سے خواہ قلیل ہو یا کثیر کیونکہ لزوجت و چکناہٹ کی وجہ سے داخل نجاست نہیں ہوگا لہذا وضو نہیں ٹوٹے گا اور منہ بھر کر قے جوف بطن سے ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا مگر سر کی جانب سے آنے والی قے سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی وضو نہ ٹوٹے گا اور اس قے میں اتحاد مجلس کا اعتبار ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک سبب (متلی) کا لہٰذا تھوڑی تھوڑی قے جو متعدد مجلسوں میں ہو امام محمدؒ کے نزدیک اسے جمع کر کے (اور دیکھ کر) حکم لگایا جائے گا۔

تشریح و توضیح مختلف فیہا، اسم فاعل یا اسم مفعول کے صیغہ کے ساتھ اور مراد "باختلاف الحکم فی الانواع" سے یہ ہے کہ ان میں سے بعض اقسام ناقض وضو اور بعض غیر ناقض وضو ہیں

اوطعاماً۔ خواہ قے کھانے کے کچھ دیر بعد ہو یا فوراً ہو جائے بحوالہ حسن امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ اگر قے کھانے کے فوراً بعد ہو گئی اور کھانے میں کوئی تغیر نہیں ہوا تو عدم تغیر کی وجہ سے یہ ناقض وضو نہیں مگر ظاہر

روایت کے مطابق وہ نجس اور ناقض وضو ہے۔ کیونکہ نجاست اس میں داخل ہوگئی۔
بخلاف بلغم اور کیڑے یا سانپ کی قے کہ وہ ناقض وضو نہیں اگرچہ منہ بھر کر ہو کیونکہ وہ فی نفسہ طاہر ہے اور اس کے ساتھ آنے والی نجاست قلیل ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب کھانا جوف بطن تک پہونچ کر نکلے۔
اگر دو مختلف چیزوں کی قے ہوئی مثلاً خون اور کھانا یا خون اور بلغم کی تو اعتبار غالب کا ہے اور اگر دونوں مساوی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ اعتبار ہوگا۔
اوماء۔ اگر پانی پیا اور جوف بطن تک پہونچ کر نکلا تو ناقض وضو ہے خواہ صاف کیوں نہ ہو۔
او علقاً۔ اگر بستہ نہیں بلکہ بہنے والا ہو خواہ کم مقدار میں ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ نہر الفائق اور ہدایہ میں ہے کہ اگر بستہ خون کی قے ہو تو منہ بھر کر ہونے کا اعتبار ہوگا کیونکہ وہ پختہ سودا رہے۔ نہایہ میں ہے کہ اگر جمے ہوئے اور نہ بہنے والی خون کی قے ہو تو تاوقتیکہ منہ بھر کر نہ ہو ناقض وضو نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ خون نہیں بلکہ یہ سودا محترق ہے۔ یہ معدہ سے نکلتا ہے اور معدہ سے نکلنے والی شئی تاوقتیکہ منہ بھر کر اس کی قے نہ ہو ناقض وضو نہیں۔

فقوله وهو يعتبر الضمير يرجع الى ابى يوسف رح وهذا ابتداء مسألة صورتها اذا قاء قليلا قليلا بحيث لو جمع يبلغ ملأ الفم فابو يوسف رح يعتبر اتحاد المجلس اى اذا كان فى مجلس واحد يجمع فيكون ناقضا ومحمد رح يعتبر اتحاد السبب وهو الغثيان فان كان بغثيان واحد يجمع فيكون ناقضا فحصل اربع صور اتحاد المجلس والغثيان فيجمع اتفاقا واختلافهما فلا يجمع اتفاقا واتحاد المجلس مع اختلاف الغثيان فيجمع عند ابى يوسف رح خلافا لمحمد رح واختلاف المجلس مع اتحاد الغثيان فيجمع عند محمد رح خلافا لابى يوسف رح وماليس بحدث ليس بنجس بكسر الجيم فيلزم من انتفاء كونه حدثا انتفاء كونه نجسا فالدم اذا لم يسل عن راس الجرح طاهر وكذا القئ القليل وعن محمد رح فى غير رواية الاصول انه نجس لانه لا اثر للسيلان فى النجاسة فاذا كان السائل نجسا فغير السائل يكون كذلك ولنا قوله تعالى قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ الى قوله اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا۔

ترجمہ | وهو يعتبر۔ اس کی ضمیر امام ابو یوسف رح کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہ مسئلہ کی ابتدا ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ اگر قے تھوڑی ہو اور جمع کرنے پر اس کی مقدار منہ بھر قے کے بقدر ہو تو امام ابو یوسف رح کے نزدیک اتحاد مجلس کا اعتبار ہے یعنی اگر ایک مجلس میں ہو تو اسے جمع کرکے ناقض وضو قرار دیں گے اور امام محمد رح کے نزدیک متلی کا اعتبار ہے۔ اگر یہ قے ایک متلی سے ہو تو جمع کرکے ناقض وضو قرار دیں گے۔ پس یہ چار شکلیں ہوئیں (۱) اتحاد مجلس اور غثیان (متلی)، تو اس میں بالاتفاق جمع کریں گے (۲) مجلس اور غثیان الگ الگ ہوں تو بالاتفاق

جمع نہیں کریں گے (۳) مجلس متحد ہو اور قئی الگ ، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمع کریں گے اور امام محمدؒ کے نزدیک جمع نہیں کریں گے (۴) مجلس مختلف ہو اور قئی ایک ، تو امام محمدؒ کے نزدیک جمع کریں گے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمع نہیں کریں گے ۔ جس چیز پر حدث کا اطلاق نہ ہو وہ نجس بھی نہیں ہوتی ۔ نجس جیم کے زیر کے ساتھ ۔ لہذا حدث کی نفی سے ناپاک ہونے کی نفی لازم آتی ہے بس وہ خون جو زخم کے منہ سے نہ بہا ہو پاک ہے ۔ اور اسی طرح تھوڑی قے اصول کی روایت کے علاوہ امام محمدؒ کی روایت یہ ہے کہ وہ نجس ہے ۔ اس لئے کہ ناپاک ہونے کے لئے سیلان (بہنا) ضروری نہیں بس جب بہنے والا ناپاک ہو تو نہ بہنے والا بھی ناپاک ہوگا ۔ اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "قُل لَّا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا" سے "اودماً مسفوحاً" تک ۔

تشریح و توضیح ومحمد یعتبر ۔ امام محمدؒ کے نزدیک سبب کے متحد ہونے کا اعتبار رہے ، صاحب کنز کافی میں فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح قول امام محمدؒ کا ہے ۔ اضافت احکام کی اسباب کی طرف ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں ضرورتاً اسے ترک کرتے ہیں جیسے سجدہ تلاوت میں ۔ الغثیان ۔ متلی ، طبیعت کا بے چین ہونا ۔ وکذا القیئ القلیل ۔ یعنی قے منہ بھر کر نہ ہو تو نجس نہیں ہوتی مگر اس سے وہ قے مستثنیٰ ہے جو باعتبار اصل نجس ہو مثلاً شراب کی قے اور پیشاب کی قے ۔

انہ نجس ۔ امام شافعیؒ یہی فرماتے ہیں ۔ ہمارے بعض مشائخ ابو جعفر اور ابو بکر الاسکاف کا بھی یہی فتویٰ ہے ۔ ہدایہ میں اس کی تصحیح کی ہے اور امام ابو یوسفؒ سے نجس نہ ہونے کی روایت کی ہے ۔

دلنا ۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا "قل لا اجد" الخ معلوم ہوا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں چار چیزیں حرام ہیں (۱) مردار (۲) بہنے والا خون (۳) سور کا گوشت (۴) غیر اللہ کے تقرب کی خاطر ذبح کردہ جانور ۔ بس معلوم ہوا کہ نہ بہنے والا خون حرام نہیں ۔

فغیر المسفوح لا یکون محرما فلا یکون نجسا والدم الذی لم یسل عن راس الجرح دم غیر مسفوح فلا یکون نجسا فان قیل ھذا فیما یؤکل لحمہ فظاھر واما فیما لا یؤکل لحمہ کالأدمی فغیر المسفوح حرام ایضا فلا یمکن الاستدلال بحلہ علی طھارتہ قلت لما حکم بحرمۃ المسفوح بقی غیر المسفوح علی اصلہ وھو الحل فیلزم منہ الطھارۃ سواء کان فیما یؤکل لحمہ اولا لاطلاق النص ثم حرمۃ غیر المسفوح فی الأدمی بناء علی حرمۃ لحمہ وحرمۃ لحمہ لا توجب نجاستہ اذ ھذہ الحرمۃ للکرامۃ لا للنجاسۃ فغیر المسفوح فی الأدمی یکون علی طھارتہ الاصلیۃ مع کونہ محرما

ترجمہ بس نہ بہنے والا خون حرام نہیں ہوتا لہذا نجس (ناپاک) بھی نہیں ہوگا ۔ اور وہ خون جو زخم کے منہ سے بڑھ کر بہہ نہ جائے وہ نہ بہنے والا خون ہے لہذا وہ نجس نہ ہوگا ۔ بس اگر کہا جائے کہ یہ حکم کھائی جانے والی

چیزوں کا ہے تو یہ حکم ظاہر ہے۔ اور وہ چیزیں بھی جن کا گوشت کھانا حلال نہیں۔ مثلاً آدمی کہ اس کا نہ بہنے والا خون بھی حرام ہے تو نہ بہنے والے خون کے حلال ہونے سے اس کی پاکی پر استدلال ممکن نہ رہا۔ میں کہتا ہوں کہ بہنے والے خون کی حرمت کے حکم کے باوجود نہ بہنے والا خون اپنی اصل یعنی حلت پر باقی رہا اور نہ بہنے والا خون پاک ہی رہے گا خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو کیونکہ نص مطلق ہے۔ رہی آدمی کے نہ بہنے والے خون کی حرمت یہ اس کا گوشت حرام ہونے کی بنا پر ہے اور آدمی کا گوشت نجاست کی وجہ سے حرام نہیں، بلکہ کرامت وعظمت کے باعث ہے۔ لہذا آدمی کا نہ بہنے والا خون حرام ہونے ہوئے بھی اپنی اصلی طہارت پر باقی رہیگا

تشریح وتوضیح

فان قیل الخ یعنی یہ کہنا کہ دم مسفوح (بہنے والا خون) حرام اور نہ بہنے والا حلال ہے لہذا نجس بھی نہیں ہوگا۔ یہ حکم ان حیوانات کا ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے مثلاً بکری، گائے وغیرہ تو ان میں حلت سے طہارت پر استدلال کرنا صحیح ہوگا۔ لیکن وہ جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا مثلاً آدمی تو ان کا غیر مسفوح بھی حرام ہے۔

قلت الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ دم مسفوح کی حرمت قرآن کریم میں مطلقاً ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دم مسفوح ہر ایک کا حرام ہے خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو اور اسی سے غیر مسفوح کی حلت مطلقاً ثابت ہے۔

ھوالحل۔ حا کے زیر کے ساتھ۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اشیاء میں اصل حلت واباحت ہے یہ بعض احناف اور امام کرخیؒ وغیرہ کا مسلک ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ اور ان میں سے بعض کے نزدیک اصل اشیاء میں حرمت ہے، اور بعض نے اس بارے میں توقف سے کام لیا ہے مگر راجح وپسندیدہ قول اول ہے۔

ثم حرمۃ الخ یعنی اشکال یہ ہے کہ دم مسفوح کے بارے میں نص اگرچہ مطلقاً ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ آدمی کا خون مطلقاً حرام ہے خواہ بہنے والا ہو یا نہ بہنے والا۔ اور آدمی کا دم مسفوح جس طرح ناپاک ہے غیر مسفوح بھی ناپاک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت کی دو قسمیں ہیں (۱) حرمت نجاست کی بناء پر مثلاً شراب اور خنزیر کی حرمت۔ یہ اور اس کے مانند حرام بھی ہیں اور نجس بھی (۲) حرمت عظمت وبزرگی وشرف کے باعث اس حرمت سے نجس ہونا لازم نہیں آتا۔ اور آدمی کے دم غیر مسفوح کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ اس کا گوشت کھانا حرام ہے اور گوشت کی حرمت نجاست کی وجہ سے نہیں کیونکہ آدمی ناپاک نہیں بلکہ مخلوقات میں اشرف وافضل ہونے کی بناء پر اس کی کسی چیز سے بھی انتفاع جائز نہیں۔ اس لئے کہ انتفاع کو جائز قرار دینا اس کی اہانت کا باعث ہوگا۔ اس سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ ہر حرام نجس نہیں ہوتا، حرمت کبھی کرامت وبزرگی کے باعث ہوتی ہے اور کبھی خباثت ومضرت کے باعث جیسے مٹی اور مکھی کی حرمت۔

والفرق بین المسفوح وغیرہ مبنی علی حکمۃ غامضۃ وھی ان غیر المسفوح دم انتقل من العروق

وانفصل عن النجاسات وحصل له هضم آخر فی الاعضاء فصار مستعدا لان یصیر عضوا فاخذ طبیعة العضو فاعطاه الشرع حکمه بخلاف دم العروق فانه اذا سال عن راس الجرح

ترجمہ اور مسفوح وغیرہ کے درمیان فرق باریک و پوشیدہ حکمت پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر مسفوح وہ خون ہے جو رگوں سے منتقل ہو کر نجاست سے دور رہتا ہے اور اسے اعضاء میں تحلیل ہونے کی قوت و مقام حاصل ہے اور اس میں مستقل عضو بن جانے کی صلاحیت ہوتی ہے، تو وہ عضو سا بن جاتا ہے۔ تو شریعت نے اس کا حکم عضو کا سا رکھا۔ اس کے برعکس رگوں کا خون ہے کہ وہ زخم کے منہ سے بہتا ہے۔

تشریح و توضیح وهی ان غیر المسفوح الخ واضح رہے کہ غذا کے لئے پانچ مقام ہضم و تحلیل ہیں (۱) منہ میں چبا کر اس تھوک کے ذریعہ ہضم کرنا جس میں حرارت غریزیہ ہوتی ہے (۲) معدہ میں کیونکہ غذا جب منہ کے ذریعہ معدہ میں پہونچتی ہے تو وہاں پہونچ کر پوری طرح ہضم ہوتی ہے۔ پھر ہضم شدہ لطیف غذا معدہ سے جگر میں پہونچتی ہے اور ثقیل آنتوں میں پہونچ کر پاخانہ کے راستہ سے نکل جاتی ہے جو لطیف غذا جگر میں پہونچتی ہے اس کی چار خلطیں بنتی ہیں (۱) خون (۲) بلغم (۳) صفراء (۴) سوداء۔ پھر خون ان اخلاط کے ساتھ مل کر بقدر ضرورت رگوں تک پہونچتا ہے اور وہاں ایک اور بار ہضم ہوتا ہے۔ لطیف رگوں کے ذریعہ اعضاء میں پہونچتا ہے۔ اور ہر عضو اس میں سے اپنا حصہ بقدر ضرورت لے لیتا ہے۔ اس حکمت کا حاصل یہ ہے کہ بہنے والا خون وہ رگوں کا نجاستوں سے مخلوط خون ہے۔ لہذا وہ لازمی طور پر نجس ہوگا۔

عُلِمَ انه دم انتقل من العروق فی هذه الساعة وهو الدم النجس اما اذا لم یسل عُلِمَ انه دم العضو هذا فی الدم واما فی القئ فالقلیل هو الماء الذی کان فی اعلی المعدة وهی لیست بمحل النجاسة فحکمه حکم الریق

ترجمہ معلوم ہوا کہ یہ اس گھڑی رگوں سے منتقل ہونے والا خون ہے اور وہ ناپاک خون ہے لیکن نہ بہنے والا خون دم عضو ہے (اور یہ پاک ہے) یہ حکم تو خون کا ہے۔ اور رہی قے تو تھوڑی سے وہ پانی ہے جو اوپر معدہ میں ہو جو کہ محل نجاست نہیں، تو ایسی قے کا حکم تھوک کا سا ہے (یعنی پاک ہے)۔

تشریح و توضیح وهو الماء الذی الخ۔ قلیل اور تھوڑی قے پانی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کبھی کھانے، پت، سوداء اور بلغم کی بھی ہوتی ہے کہ وہ منہ بھر کر نہیں ہوتی۔ لہذا ماء (پانی) کی تخصیص برمحل نہیں۔ اس کا جواب دیا گیا کہ یہاں قلیل کی نوع بیان کرنی مقصود ہے خواہ وہ قے پانی کی ہو یا اس کے علاوہ کی بعض کہتے ہیں کہ کیونکہ ہر قے سے پہلے پانی ضرور آتا ہے اس لئے پانی کا ذکر کر دیا۔

ونوم مضطجع ومتکئ ومستند الی ما لو ازیل لسقط اغیر ای لا ینقض الوضوء نوم غیر

ماذکر وھو النوم قائماً او قاعداً او راکعاً او ساجداً والاغماء والجنون علی ای ھیأۃ کانا ویدخل فی الاغماء السُکر وحدہ ھُنا ان یدخل فی مشیتہ تحرک وھو الصحیح وکذا فی الیمین حتی لو حلف انہ سکران یعتبر ھذا الحد وقہقہۃ مصلٍ بالغ برکوع وسجد

ترجمہ | اور کروٹ سے اور تکیہ و سہارا لگا کر اس طرح سونا کہ اگر ہٹا یا جائے تو سونے والا گر جائے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یعنی ذکر کردہ سونے کے اس طریقہ کے علاوہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مثلاً کھڑے کھڑے یا بیٹھے بیٹھے یا رکوع یا سجدہ کی حالت میں سونا۔ اور بے ہوشی اور پاگل پن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ کسی بھی نوع کے ہوں۔ اور بے ہوشی میں محض نشہ بھی داخل ہے۔ اور وہ یہ کہ چلنے میں لڑکھڑائے۔ صحیح قول یہی ہے۔ اسی طرح یمین وقسم میں۔ حتی کہ اگر کوئی شخص حلف کرے کہ وہ نشہ میں ہے تو اس کا قول اس بارے میں قابلِ اعتبار ہوگا۔ اور رکوع وسجدہ والی نماز میں بالغ کے قہقہہ سے وضو ٹوٹ جائیگا

تشریح وتوضیح | ونوم مضطجع۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کروٹ سے سوئے اس پر وضو واجب ہے کیونکہ سونے کی وجہ سے جوڑ ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔ یہ روایت ترمذی اور دارقطنی میں موجود ہے اور بیہقی کی روایت کے الفاظ اس روایت کے قریب قریب ہیں۔ اس باب میں دوسری احادیث ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ نیند جس میں اعضاء ڈھیلے پڑجاتے ہوں ناقض وضو ہے۔ اور یہ وضو ٹوٹنے کا حکم ریح خارج ہونے کے مظنہ وگمان کی بنا پر ہے پس ہر وہ ہیئت ناقض وضو ہوگی جس میں جوڑ ڈھیلے پڑجاتے ہوں۔ او ساجدا الخ حدیث میں ہے کہ سجدہ کی حالت میں سونے والے پر وضو واجب نہیں یہاں تک کہ پہلو پر سوئے۔ یہ روایت مسند احمد کی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ بیٹھنے والے یا کھڑے ہونے والے یا سجدہ کی حالت میں سونے والے پر وضو واجب نہیں ہوتا یہاں تک کہ کروٹ سے سوئے، اس لئے کہ جب پہلو اور کروٹ سے لیٹنے پر جوڑ ڈھیلے پڑجائیں گے۔ حسن ابن ہمامؒ نے بہت سے سلسلۂ روایات سے اور طرقِ سند سے یہ روایت کی ہے جس سے اس کی نشان دہی ہوتی ہے کہ اس طریقہ سے سونا ناقض وضو نہیں خواہ نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ میں۔ بحالت سجدہ سونے میں ہمارے اصحابؒ (احنافؒ کے) پانچ قول ہیں۔

(۱) مطلقاً اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور ظاہر مذہب ومسلک یہی ہے۔ (۲) اگر نماز میں عمداً سوئے تو ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے اسی طرح منقول ہے (۳) خارج نماز اس طرح سونا ناقضِ وضو اور نماز میں سونا ناقضِ وضو نہیں۔ صاحب منیہ کا اختیار کردہ قول یہی ہے (۴) ناقض وضو نہیں بشرطیکہ نماز کی ہیئتِ مسنونہ پر ہو خواہ داخلِ نماز ہو یا خارجِ نماز اگر خارج نماز غیر مسنون ہیئت پر ہو تو ناقضِ وضو ہے، اسی طرح نماز میں غیر مسنون ہیئت پر ہو تو ناقضِ وضو ہے۔ حلبیؒ نے شرح منیہ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور شرنبلالی نے بھی۔ (۵) اندرون نماز مطلقاً ناقض وضو نہیں اور خارج نماز اگر ہیئتِ مسنونہ پر نہ ہو تو ناقضِ وضو ہے ورنہ ناقضِ وضو

نہیں زیلعیؒ کا رجحان اسی طرف ہے۔
الاغماء وہ قویٰ کمزور ہونے کے باعث بیماری ہی کی ایک قسم ہے۔ اس میں عقل ختم نہیں ہوتی بلکہ مستور ہوجاتی ہے اس کے برعکس جنون و پاگل پن میں عقل زائل وختم ہوجاتی ہے۔ ان دونوں کا حکم اختیار اور قدرت کے فوت ہونے میں نیند کا سا ہے۔ بلکہ اس سے بھی سخت ہے کیونکہ سونے والا بیدار ہونے پر ہوشیار ہوجاتا ہے اس کے برعکس مدہوش اور مجنون پھر بھی ہوشیار نہیں ہوگا۔ اسی لئے یہ دونوں بہر صورت ناقضِ وضو ہیں۔ چاہے پہلو پر لیٹا ہو یا بیٹھا ہو یا بحالتِ سجدہ ہو۔ اس کے برخلاف نیند اس صورت میں ناقضِ وضو ہے جب کہ جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں۔ بحرالرائق میں اسی طرح ہے۔
وقہقہۃ مصل الخ اس کی طرف اشارہ ہے کہ قہقہہ مطلقاً ناقضِ وضو ہے خواہ امام ہو یا منفرد اور فرض پڑھنے والا ہو یا نفل، مرد ہو یا عورت۔

حتیٰ لا ینقض الوضوء قہقہۃ الصبی وشرطہ ان تکون فی صلوٰۃ ذات رکوع وسجود حتی لو قہقہ فی صلوٰۃ الجنازۃ او سجدۃ التلاوۃ لا ینقض الوضوء بل یَبْطُلُ ما قہقہ فیہ وانما شرط ما ذکر لان انتقاض الوضوء بہا ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس

ترجمہ حتیٰ کہ بچہ کے قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا، اور قہقہہ کے ناقضِ وضو ہونے کی شرط یہ ہے کہ رکوع و سجدہ والی نماز میں لگایا ہو یہاں تک کہ اگر کوئی قہقہہ نمازِ جنازہ یا سجدۂ تلاوت کے دوران لگائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا بلکہ نمازِ جنازہ یا سجدہ باطل ہوجائے گا۔ اور رکوع وسجدہ والی نماز کی شرط کہ یہ ناقضِ وضو ہے حدیث سے خلافِ قیاس ثابت ہے۔

تشریح وتوضیح ثبت بالحدیث طبرانی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ اس دوران کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرما رہے تھے ایک شخص آکر مسجد کے کونہ میں کھڑا ہوگیا اس کی بصارت میں کچھ نقص تھا۔ بہت سے لوگ بحالتِ نماز ہنس پڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہنسنے والا شخص وضو اور نماز دونوں لوٹائے۔ دارقطنی، عبدالرزاق اور ابوداؤد نے اسی طرح روایت کی ہے۔

فیقتصر علیٰ موردہ ثم القہقہۃ انما تنقض الوضوء اذا کان یقظان حتی لو نام فی الصلوٰۃ علیٰ ای ہیأۃ فقہقہ لا ینقض الوضوء وعند الشافعیؒ لا ینقض الوضوء بالقہقہۃ وحدہا ان تکون مسموعۃ لہ ولجیرانہ وہی تبطل الصلوٰۃ والوضوء والضحک ان یکون مسموعاً لہ لا لجیرانہ وہو یبطل الصلوٰۃ لا الوضوء والتبسم ان لا یکون مسموعاً اصلاً وہو لا یُبطل شیئاً

والمباشرة الفاحشة الا عند محمدؒ وهى ان يماس بدنه بدن المرأة وانتشرألته وتماس الفرجان لادودة خرجت من جرح لانها طاهرة وما عليها من النجاسة قليلة واما الخارجة من الدبر فتنقض لان خروج القليل منه ناقض ومن الاحليل لا لانها خارجة من جرح ومن قبل المرأة فيه اختلاف المشائخ ولحم سقط منه اى من جرح ومس المرأة والذكر خلافا للشافعىؒ

ترجمہ پس اپنے مورد (رکوع و سجدہ والی بالغین کی نماز) پر منحصر ہوگا پھر قہقہہ بیداری کی حالت میں ناقض وضو ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مذکورہ ہیئتوں میں سے کسی ہیئت پر سو رہا ہو تو قہقہہ ناقض وضو نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قہقہہ بہر صورت ناقض وضو نہیں قہقہہ کی حد یہ ہے کہ وہ خود اور اس کے برابر کھڑا ہوا شخص سن لے۔ اور ضحک یہ ہے کہ وہ خود تو سنے مگر اس کے برابر والا نہ سن سکے۔ ضحک سے نماز باطل ہو جائے گی لیکن وضو نہیں ٹوٹے گا اور تبسم یہ ہے کہ کوئی نہ سنے تبسم سے نہ وضو ٹوٹے گا نہ نماز باطل ہوگی۔ اور مباشرۃ فاحشہ بھی ناقض وضو ہے لیکن امام محمدؒ کے نزدیک ناقض وضو نہیں۔ اور مباشرۃ فاحشہ یہ ہے کہ مرد کا ننگا بدن عورت کے ننگے بدن سے مل جائے اور مرد کے آلہ تناسل میں انتشار پیدا ہو جائے اور دونوں کی شرمگاہیں مل جائیں زخم سے نکلنے والا کیڑا ناقض وضو نہیں کیونکہ وہ پاک ہے اور اس کے ساتھ باہر آنے والی نجاست قلیل ہے لیکن دُبر (پاخانہ کے راستہ سے) نکلنے والا کیڑا ناقض وضو ہوگا۔ کیونکہ اس سے قلیل کا نکلنا بھی ناقض وضو ہے۔ آلہ تناسل کے سوراخ سے نکلنے والی ہوا ناقض وضو نہیں۔ کیونکہ وہ گویا زخم سے نکلنے والی ہے۔ اور عورت کی قبل (پیشاب گاہ) سے نکلنے والی ہوا میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور زخم سے گرنے والا گوشت کا ٹکڑا ناقض وضو نہیں اور عورت اور آلہ تناسل کے چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعیؒ کا اس بارے میں اختلاف ہے

تشریح و توضیح فیقتصر علی مورده الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ قہقہہ کے ناقض وضو ہونے میں قیاس کو دخل نہیں۔ اس کا مورد و محل وہ حدیث ہے کہ یہ حکم بالغین کی رکوع اور سجدہ والی نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو قہقہہ نہ خارج نماز ناقض وضو ہوگا اور نہ نماز جنازہ۔ سجدۂ تلاوت اور بچہ نابالغ کی نماز میں ناقض وضو قرار دیا جائے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قہقہہ نہ تیمم کے لئے ناقض وضو ہونا چاہیئے اور نہ اس وضو کے لئے ناقض وضو ہونا چاہیئے جو غسل کے ضمن میں کرتے ہیں حالانکہ مضمرات اور بزازیہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ قہقہہ ان کے لئے ناقض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں بطریق قیاس نہیں بلکہ بطریق دلالت النص وضو کے ساتھ ملحق ہیں۔

یقظان الخ۔ یہ قید اس وجہ سے لگائی کہ قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کا حکم زجراً اور تنبیہاً ہے اور سونے والا اس کا اہل نہیں۔ اس بارے میں امام کرخیؒ کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک سونے والے کا قہقہہ بھی ناقض وضو ہے

لا الوضوء۔ مضمرات میں ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ ضحک ناقض صلوٰۃ ہے اور ناقض وضو نہیں۔
والمباشرۃ الفاحشۃ الخ کیونکہ اس صورت میں غالب گمان مذی کے نکلنے کا ہوتا ہے۔ اسلئے نقض وضو کا حکم ہوا
الاعند محمدؒ۔ امام محمدؒ کے نزدیک صرف مباشرۃ فاحشہ ناقض وضو نہیں تا وقتیکہ مذی وغیرہ نہ نکل جائے عتابیؒ نے اپنے فتاوٰی میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور برجندیؒ کہتے ہیں کہ مفتیٰ بہ یہی قول ہے۔
بدن المرأۃ۔ یعنی یہ مباشرۃ فاحشہ خواہ دو عورتوں کے درمیان ہو اور خواہ بالغ مرد اور بے ریش لڑکے کے درمیان امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ کے نزدیک ناقض وضو ہے۔ امام محمدؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ قنیہ میں اسی طرح ہے
وتماس۔ ظاہر روایت کی رو سے نقض وضو کے لئے شرمگاہوں کا مل جانا شرط نہیں امام کرخیؒ نے اسے شرط قرار دیا ہے۔ اسبیجابیؒ اس شرط کو صحیح قرار دیتے ہیں یہ تفصیل "بحر" میں موجود ہے۔
لانہا طاہرۃ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ زخم سے نکلنے والے کیڑے اور پاخانہ کے راستہ سے نکلنے والے کیڑے کے درمیان دو وجہوں سے فرق ہے۔ اول یہ کہ کیڑا اصل کے اعتبار سے پاک جانور ہے۔ اور پاک چیز پاخانہ و پیشاب کے راستوں میں سے نکلے تو ناقض وضو ہے مثلاً ریح۔ اس کے برعکس اگر ان دونوں راستوں کے علاوہ سے نکلے تو ناقض وضو نہیں ہوگا مثلاً آنسو اور پسینہ۔ دوسرے یہ کہ کیڑے میں قلیل نجاست ضرور ہوتی ہے اور پاخانہ و پیشاب کے راستہ سے اگر قلیل نجاست بھی نکلے تو ناقض وضو ہے۔ اور ان کے علاوہ سے نکلنے والی نجاست تا وقتیکہ کثیر نہ ہو ناقض وضو نہیں۔
ولحم سقط منہ۔ کیونکہ گوشت فی نفسہ پاک ہے اور اس کے ساتھ لگی ہوئی تری قلیل ہے۔ لہٰذا نجاست کا حکم نہ ہوگا اور ناقض وضو نہ ہوگا۔
ومس المرأۃ الخ یعنی مرد کے عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ خواہ شہوت ہی سے کیوں نہ ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تقبیل فرمائی (چوما) پھر بغیر وضو کے نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ روایت ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ اور نسائی وغیرہ میں موجود ہے۔ اس روایت کی سند میں کوئی جھول نہیں۔ نیز حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی تھی۔ جب آپؐ سجدہ فرماتے تو مجھے چھوتے اور میں پاؤں سمیٹ لیتی اور آپؐ جب کھڑے ہوتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی۔ یہ روایت بخاری، مسلم اور نسائی وغیرہ میں ہے۔
والذکر اور آلۂ تناسل کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ کوئی چیز درمیان میں حائل نہ ہو۔ حضرت طلق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے اپنا آلۂ تناسل چھوا تھا کہ کیا وہ وضو کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا وہ تمہارے ہی جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے۔

خلافاً للشافعیؒ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بلا حائل کے اور کپڑے کے بغیر عورت کو چھونا ناقض وضو ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بلا حائل کے چھونے پر اگر لذت و شہوت محسوس ہو تو ناقض وضو ہے ان کا مستدل یہ آیت کریمہ ہے۔ "او لامستم النساء"۔ ہمارے اصحاب (احناف) فرماتے ہیں کہ یہاں "اللمس" سے مراد جماع و مجامعت ہے۔ اسی طرح امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آلۂ تناسل بلا حائل کے چھونا ناقض ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے "جس شخص نے آلۂ تناسل کو چھوا بس وہ وضو کرے۔

وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وهما سنتان عند الشافعيؒ ولنا ان الفم داخل من وجه وخارج من وجه حسًا عند انطباق الفم وانفتاحه وحكمًا في ابتلاع الصائم الريق ودخول شئ في فمه فجعل داخلا في الوضوء خارجا في الغسل لان الوارد فيه صيغة المبالغة وهي قوله تعالى فاطهروا وفي الوضوء غسل الوجه وكذلك الانف واذا تمضمض وقد بقي في اسنانه طعام فلا باس به

ترجمہ اور غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا فرض ہیں۔ اور یہ دونوں امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ منہ ایک اعتبار سے داخل اور ایک اعتبار سے خارج ہے حسًا منہ بند کرنے اور کھولنے کے وقت اور حکمًا روزہ دار کے تھوک نگلنے اور کسی چیز کے منہ میں داخل ہونے کے وقت۔ پس منہ وضو میں داخل اور غسل میں خارج ہے، کیونکہ اس بارے میں مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور وہ ہے ارشاد ربانی "فاطهروا" اور وضو میں چہرہ کا دھونا فرض ہے۔ اور اسی طرح ناک حسًا داخل ہے وضو کرنے کے بعد اگر دانتوں میں کچھ لگا رہ جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ (غسل درست ہو جائے گا)۔

تشریح و توضیح عند انطباق الفم وانفتاحه الخ۔ یعنی منہ کھولنے کی صورت میں وہ کلی کی جگہ اور حسًا خارج شمار ہوگا اور بند کرنے کی شکل میں حسًا داخل قرار دیا جائے گا۔

فی ابتلاع۔ اس لئے کہ روزہ دار کا روزہ تھوک نگلنے سے فاسد نہیں ہوتا۔ یعنی منہ سے حلق میں پہونچ جانے کی بنا پر روزہ میں فساد نہیں آتا اور یہی علامت اس کے داخل ہونے کی ہے۔ کیونکہ اگر خارج ہوتا تو روزہ فاسد ہو جاتا۔ وجہ یہ ہے کہ خارج سے کسی چیز کا داخل ہونا مفسد صوم ہے۔ اور اگر کوئی چیز خارج سے منہ میں داخل ہو اور حلق تک نہ پہونچے تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اور یہ علامت اس کے خارج ہونے کی ہے۔

وکذلک الانف۔ یہ حکمًا داخل بھی ہے اور خارج بھی۔ کیونکہ اگر ناک کی ریزش روزہ دار کی ناک سے حلق تک پہونچ جائے تو مفسد صوم نہیں۔ اور حکمًا خارج بھی ہے اس اعتبار سے کہ اگر کوئی شئ خارج سے ناک میں گھس جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

وغسل سائر البدن اي جميع ظاهر البدن حتى لو بقي العجين في الظفر فاغتسل

لایجزی وفی الدرن یجزی اذ ھو متولد من ھناك وکذا الطین لان الماء ینفذ فیہ وکذا الصبغ بالحناء فالحاصل ان المعتبر فی ھذا الحرج واذا ادھن فامرّ الماء علیہ فلم یصل یجزی واما ثقب القرط فان کان القرط فیھا فان غلب علی ظنہ ان الماء لایصل من غیر تحریك فلابد منہ وان لم یکن القرط فیھا فان غلب علی ظنہ ان الماء یصل من غیر تکلف لایتکلف وان غلب انہ لایصل الا بتکلف یتکلف وان انضم الثقب بعد نزعہ وصار بحال ان امرّ الماء علیھا ید خلھا وان غفل لاید خلھا امرّ الماء

ترجمہ اور سارے بدن کا دھونا (غسل میں) فرض ہے یعنی سارے ظاہری بدن کا حتیٰ کہ اگر ناخن میں آٹا لگا رہ گیا اور غسل کرلیا تو کافی نہیں ہوگا اور اگر میل ہو تو کافی ہو جائے گا کیونکہ یہ میل اسی ناخن سے پیدا ہوا ہے اور اسی طرح مٹی کا حکم ہے کیونکہ پانی اس کے اندر تک پہونچ جاتا ہے۔ اسی طرح منہدی کے رنگ کا حکم ہے پس حاصل یہ ہے کہ معتبر (غسل کی مخالفت میں) وہ ہے جس سے حرج ہو (اندر پانی نہ پہونچ سکے) اگر تیل لگانے کے بعد پانی بہایا اور چکناہٹ کی وجہ سے اندر تک نہیں پہونچا تو کافی ہو جائے گا۔ اور بالی کا سوراخ اگر اس میں بالی ہو پس اگر دھونے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ پانی سوراخ کو ہلائے بغیر نہیں پہونچے گا تو ہلانا ضروری ہے خواہ سوراخ میں بالی نہ ہو۔ اگر غالب گمان یہ ہو کہ پانی بلا تکلف پہونچ جائے گا تو تکلف کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر بتکلف ہی پہونچ سکتا ہو تو بتکلف پہونچانا چاہیے۔ اگر سوراخ بالی نکالنے پر بند ہو جاتا ہو اور پانی اس پر بہانے اور پہونچانے سے پانی اندر پہونچ جائے اور چھوڑ دیا جائے تو نہ پہونچے تو اس پر پانی بہایا جائے گا۔

تشریح وتوضیح لایجزی الخ۔ اصل اس باب میں یہ حدیث ہے کہ غسل جنابت میں بدن کی بال برابر جگہ بھی چھوٹ گئی تو اس کا غسل نہیں ہوا۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی، ابن جریر) اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت (ناپاکی) ہوتی ہے۔ پس بال دھوؤ اور کھال پاک صاف کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ غسل کے اندر اعضاء میں سے ہر عضو تک پانی پہونچانا فرض ہے پس اگر سوکھا آٹا ناخن پر لگا رہ جائے اور پانی اس کے نیچے نہ پہونچے تو غسل صحیح نہ ہوگا اور اگر مٹی رہ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ پانی اندر تک پہونچ جاتا ہے اس لئے اس کے ازالہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر میل کچیل ہو تو کافی ہے کیونکہ وہ یہیں سے پیدا ہوا ہے۔ اس کے برعکس آٹا کہ وہ باہر سے لگا ہے اور اس کا ازالہ ممکن ہے۔

الصبغ۔ صاد مہملہ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بمعنی رنگنا۔ الحناء۔ حاء مہملہ کے زیر اور نون کی تشدید کے ساتھ منہدی درخت کا معروف پتا۔ اس سے ہاتھ رنگے جاتے ہیں اور اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔

واذا ادھن۔ دال کی تشدید کے ساتھ یعنی سر اور داڑھی میں تیل استعمال کیا پھر پانی اس پر بہایا اور

چکناہٹ کی بنا پر پانی عضو تک نہیں پہونچا تو یہ دھونا کافی ہوجائے گا۔
واما ثقب القرط۔ ثقب ثقبہ کی جمع ہے یعنی کان کے وہ سوراخ جس میں بالیاں وغیرہ پہنی جاتی ہیں قُرط۔ قاف کے ضمہ کے ساتھ۔ بالی یا آویزہ، یہ زیور جس کا تعلق کان سے ہے عورتوں کے لئے جائز ہے جیسا کہ "جامع احکام صغائر" میں ہے کہ بچیوں کے کان چھید کر بالیاں ڈالنے میں مضائقہ نہیں اس لئے کہ دور رسالت میں بلا نکیر ایسا ہوتا تھا۔ اور مردوں کے لئے مکروہ ہے "حاوی قدسی" میں اس کراہت کی تصریح ہے۔ اسی طرح لڑکیوں کی ناک چھیدنا بھی جائز ہے۔ طحاوی میں اس کی صراحت ہے۔

ولا يتكلّف في ادخال شئ سوى الماء من خشب او نحوه وان كان في اصبعه خاتم ضيّق يجب تحريكه ليصل الماءُ تحته ويجب على الا قلف ادخال الماء داخل القلفة وان نزل البول اليها ولم يخرج عنها نقض الوضوء هذا عند بعض المشائخ ولها حكمُ الظاهر من كل وجه وعند البعض لايجب ايصال الماء اليها في الغسل مع انه ينقض الوضوء اذا نزل البول اليها فلها حكم الباطن في الغسل وحكم الظاهر في انتقاض الوضوء

ترجمہ پانی کو اس پر گذار دے اور لکڑی وغیرہ سے پانی پہونچانے کا تکلف نہ کرے اور اگر انگلی میں تنگ انگوٹھی ہو تو اس کا ہلانا ضروری ہے تاکہ پانی اس کے نیچے پہونچ جائے اور غیر مختون پر کھال کے اندر پانی پہونچانا واجب ہے اور اگر پیشاب قلفہ (غیر مختون کے آلہ تناسل کی لٹکی ہوئی کھال) تک پہونچ جائے اور باہر نہ نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا بعض مشائخ (فقہاء) کے نزدیک یہی حکم ہے پس قلفہ کے لئے بہر نوع ظاہر کا حکم ہے۔ اور بعض کے نزدیک غسل کے اندر قلفہ میں پانی پہونچانا واجب نہیں حالانکہ جب پیشاب قلفہ تک آجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ تو غسل کے حق میں اس کا حکم باطن کا اور وضو ٹوٹنے میں اس کا حکم ظاہر کا ہے۔

تشریح وتوضیح هذا عند بعض المشائخ۔ حاصل یہ ہے کہ بعض کے نزدیک قلفہ ظاہر اعضاء کے حکم میں ہے۔ لہٰذا اس کے تحت و نیچے کے حصہ کا دھونا فرض ہے اور وہاں تک پیشاب کا پہونچ جانا ناقض وضو ہے اگرچہ آلہ تناسل کے سوراخ سے پیشاب باہر نہ نکلا ہو۔ اور بعض کے نزدیک ناقض وضو ہونے میں اس کا حکم ظاہر کا ہے اور وجوب غسل میں باطن کا حکم ہے۔ صاحب بدائع نے پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے "مختارات النوازل" میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ صاحب بحر نے بوجہ حرج کے قلفہ کے نیچے کے ماتحت کے دھونے کو ساقط قرار دیا ہے۔ شرنبلالی "نورالایضاح" میں فرماتے ہیں کہ اگر کھال کا الٹنا اور حشفہ (آلہ تناسل کا آگے کا حصہ) کا ظاہر کرنا ممکن ہو تو اس کے تحت

کو دھونا واجب ہے ورنہ نہیں۔

لا دلکہ و سنتہ ان یغسل یدیہ الیٰ رُسغیہ و فرجہ ویُزیل نجساً ان کان ای ان کان النجس ای النجاسۃ علیٰ بدنہ ثم یتوضأ الا رجلیہ استثناء متصل ای یغسل اعضاء الوضوء الا رجلیہ ثم یفیض الماء علیٰ کل بدنہ ثلثاً ثم یغسل رجلیہ لا فی مکانہ

ترجمہ بدن کو رگڑنا وملنا فرض نہیں۔ اور مسنون یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پہونچوں تک دھوئے اور شرمگاہ دھوئے۔ اور اگر نجاست ہو تو اسے دور کرے۔ یعنی اگر نجاست ونا پاکی بدن پر ہو۔ پھر وضو کرے مگر پاؤں چھوڑ دے۔ یہ استثناء متصل ہے یعنی پاؤں کے علاوہ اعضائے وضو دھوئے۔ پھر پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے پھر دونوں پاؤں غسل کی جگہ سے ہٹ کر دھوئے۔

تشریح و توضیح لا دلکہ یعنی بدن کو رگڑنا فرض نہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے غسل میں مبالغہ فی التطہیر مراد ہے اور یہ رگڑنے سے ہوتا ہے یعنی بدن کو ہاتھ سے رگڑنا۔ ہمارے اصحاب کا مستدل یہ ارشاد ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ مسلمان کا وضو پاک مٹی ہے اگرچہ اسے دس سال پانی نہ ملے اور جب پانی مل جائے تو اس کو اپنی جلد تک پہونچائے۔

ان یغسل یدیہ۔ اس کے اندر اشارہ ہے کہ دونوں ہاتھ آلۂ تطہیر ہیں پس مناسب یہ ہے کہ وضو کی ابتداء سے قبل یہ دونوں پاک کر لئے جائیں۔

وفرجہ "چلپی" کہتے ہیں کہ شرمگاہ دھونے میں مرد کی تخصیص نہیں بلکہ مرد اور عورت دونوں کے لئے دھونے کا حکم یکساں ہے۔ "فرجہ" کی ضمیر مغتسل کی طرف لوٹ رہی ہے لہٰذا اختصاص کہاں باقی رہا۔

ویزیل نجسا۔ یہ شرمگاہ دھونے کے علاوہ ایک الگ سنت ہے۔ اور اس میں یہ ضروری نہیں کہ نجاست لگی ہوئی ہی ہو۔ طرابلسیؒ نے "البرہان شرح مواہب الرحمٰن" میں اور صاحب بحر وغیرہ نے بھی اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ زیلعیؒ کا شرح کنز میں یہ کہنا کہ شرمگاہ کا دھونا نجاست کے لئے ہے وہ صرف وہم اور باطل ونا قابل عمل ہے۔

ان کان النجس۔ نجس کی تفسیر اول میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ کان کی ضمیر نجس کی طرف لوٹ رہی ہے

علیٰ بدنہ۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس جگہ مسنون بدن سے ازالۂ نجاست کو مقدم کرنا ہے رہا کپڑے پر سے ازالۂ نجاست تو وہ امر آخر ہے۔

یتوضأ۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس وضو میں سر کا مسح کرے گا۔

ثم یفیض الماء۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ وضو اور پانی بہانے کے درمیان ترتیب مسنون ہے

لہذا اگر پانی اسی ترتیب سے نہ ڈالا گیا تو سنت غسل (دھونے کی سنت) ادا نہ ہوگی اگرچہ حدث زائل ہو جائے یہ حکم غیر جاری پانی کا ہے، لیکن رواں پانی میں اگر عضو ڈبو کر وضو اور غسل (دھونے) کی مقدار کے بقدر ٹھہرا ہے تو سنت ادا ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ "الدرر شرح الغرر" اور "غنیہ" میں اسی طرح ہے۔

اعضاء پر پانی بہاتے وقت کلی اور ناک میں پانی دینے کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ بس اگر سابق وضو کے وقت کلی کر چکا اور ناک میں پانی دے چکا تھا تو اسی کو ادائیگی فرض کے قائم مقام قرار دیں گے۔ طحطاوی حواشی الدر المختار میں اسی طرح ہے۔

بدن پر پانی بہانے کی کیفیت میں تین قول ہیں (۱) مجتبیٰ میں شمس الائمہ الحلوائی سے منقول ہے کہ اوّل اپنے داہنے مونڈھے پر تین مرتبہ اور پھر بائیں پر تین بار پانی ڈالے اس کے بعد سر اور سارے بدن پر (۲) تاتارخانیہ میں ہے کہ پہلے داہنی جانب تین مرتبہ پانی ڈالے پھر سر پر اور پھر بائیں جانب (۳) سر سے ابتدا کرکے پھر داہنی جانب پھر بائیں جانب۔ یہ تعریف صحیح بخاری وغیرہ میں ذکر شدہ متعدد احادیث کے مطابق ہے۔ حلبی، صاحب فتح القدیر، صاحب بحر الرائق اور صاحب النہر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

علی کل بدنہ۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ وضو کے بعد مسنون پورے اعضائے بدن پر پانی بہانا ہے۔

ثم یغسل رجلیہ۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ غسل کے بعد وضو کا اعادہ نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کے بعد وضو کا اعادہ نہیں فرماتے تھے (ابن ماجہ، ترمذی)

ای اذا کان مکان الغسل مجتمع الماء المستعمل حتی اذا اغتسل علی لوح او علی حجر یغسل رجلیہ ھناك وليس على المرأة نقض ضفيرتها ولا بلها اذا ابتل اصلها خص المرأة بالذكر لقوله عليه السلام لام سلمة رضی یکفیك اذا بلغ الماء اصول شعرك ويجب على الرجل نقضها وقيل اذا كان الرجل مضفر الشعر كالعلوية والاتراك لا يجب والاحوط ان يجب وقوله ولا بلها قال بعض المشائخ تبل ذوائبها وتعصرها لكن الاصح عدم وجوبه وهذا اذا كانت مفتولة اما اذا كانت منقوضة يجب ايصال الماء الى اثناء الشعر كما في اللحية لعدم الحرج وموجبه انزال مني ذي دفق وشهوة عند الانفصال حتى لو انزل بلا شهوة لا يجب الغسل عندنا خلافا للشافعي رح

ترجمہ یعنی اگر غسل کی جگہ ایسی ہو کہ وہاں مستعمل پانی اکٹھا ہوتا ہو، یہاں تک کہ اگر تختی یا پتھر پر غسل کرے تو دونوں پیر وہیں دھو لینے چاہئیں۔ اور عورت پر اپنی مینڈھیوں کا کھولنا واجب نہیں اور نہ انھیں تر کرنا واجب ہے جب کہ جڑوں تک پانی پہونچ جائے۔ عورت کی تخصیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ام سلمہ رض سے

اس ارشاد کی بناء پر ہے کہ تیرے لئے کافی ہے جب کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہونچ جائے اور مرد پر ان کا کھولنا واجب ہے اور کہا گیا ہے کہ مرد کی مینڈھیاں علویوں اور ترکوں کی طرح ہوں تو کھولنا واجب نہیں اور زیادہ محتاط قول یہ ہے کہ واجب ہے۔ اور مصنفؒ کا قول "ولا بلّها" ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ گیسوؤں کو تر کر کے نچوڑلے مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ واجب نہیں۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب گندھے ہوئے ہوں۔ لیکن اگر کھلے ہوئے ہوں تو بالوں کے درمیان میں پانی پہونچانا واجب ہے جیساکہ ڈاڑھی میں مرد کے لئے کوئی دشواری نہ ہونے کی وجہ سے واجب ہے۔ اور منی کے کود کر شہوت کے ساتھ اپنی جگہ سے جدا ہونے کی صورت میں غسل واجب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر بلا شہوت جدا ہو تو ہمارے (احنافؒ) کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے۔

تشریح و توضیح

ای اذا کان الخ۔ اس باب میں تین قول ہیں (۱) مطلقاً پاؤں دھونے کو مؤخر نہ کرے یہ امام شافعیؒ کا قول ہے، بعض احناف بھی یہی فرماتے ہیں ان کا مستدل حضرت عائشہؓ کی بخاری، مسلم، نسائی اور ابوداؤد میں یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے جیساکہ نماز کے لیے پورے بدن پر پانی ڈالنے سے پہلے (۲) مطلقاً مؤخر کردے ان کا مستدل بخاری و مسلم میں مروی حضرت میمونہؓ کی یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ناک میں پانی دیا، چہرہ دھویا اور ہاتھ دھوئے اس کے بعد سر پر اور سارے بدن پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے ہٹ کر پائے مبارک دھوئے (۳) صاحب خلاصہ اور "مجتبیٰ" کا اختیار کردہ قول یہ ہے کہ اگر ایسی جگہ غسل کیا جائے جہاں پانی ٹھہرتا ہو تو پاؤں بعد میں دھوئے اور اگر تختہ یا پتھر پر غسل کر رہا ہو کہ وہاں پانی نہ ٹھہرتا ہو تو دھونا مؤخر نہ کرے یہ سارا اختلاف اولیٰ اور مسنون ہونے میں ہے رہا جواز تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

ضفیرتھا یہ حکم ہر غسل کا ہے خواہ حیض کی وجہ سے ہو یا نفاس کی وجہ سے جمہور فقہاء یہی فرماتے ہیں۔ امام احمدؒ صرف غسل حیض میں یہ حکم فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت جابر، حضرت ابن عمر اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے سنن دارمی میں منقول ہے کہ مینڈھیوں بلکہ عورتوں کو کل بال کھولنے میں بڑی دشواری ہے اور اسی لئے دھونے کا حکم ان سے ساقط ہے۔

یکفیك الخ جامع ترمذی میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں مضبوطی سے مینڈھیاں باندھنے والی عورت ہوں کیا میں انھیں غسل جنابت کے لئے کھولوں، آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تیرے لئے تین مرتبہ چلو سے پانی ڈالنا کافی ہے پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہا کر پاک ہوجاؤ۔ بخاری، مسلم ابن ماجہ، ابوداؤد اور نسائی میں اسی طرح روایت ہے۔

ویجب الخ یعنی مرد پر مینڈھیوں اور گیسوؤں کا کھولنا اور سب کو دھونا واجب ہے۔

والاحوط یعنی احتیاطی قول وجوب کا ہے۔ اس لئے کہ احادیث سارے بدن اور لٹکے ہوئے بالوں کے دھونے

کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مبالغہ کے ساتھ دھونے کا حکم فرمایا۔ اسی وجہ سے ناک میں پانی دینے اور کلی کو فرض قرار دیا گیا۔ اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی احادیث نہ ہوتیں جن سے لٹکے ہوئے بالوں اور مینڈھیوں کے نہ دھونے کا وجوب عورتوں کے لئے ثابت ہوتا ہے تو عورتوں کے لئے بھی یہ فرض ہوتا۔

دموجبہ۔ برجندی کہتے ہیں کہ اس میں خروج خارج بدن تک یا اس تک جو خارج بدن کے حکم میں ہو شرط ہے خلافاللشافعیؒ۔ امام شافعیؒ منی کے مطلقاً خروج کو موجب غسل فرماتے ہیں خواہ بلا شہوت ہی کیوں نہ نکلے کیونکہ حدیث مطلقاً ہے "الماء من الماء" یعنی غسل خروج منی سے واجب ہے۔ یہ حدیث مسلم احمد بزار وغیرہ میں موجود ہے۔

ثم الشهوة شرط عند الانفصال عند ابی حنیفة رح ومحمد ووقت الخروج عند ابی یوسفؒ حتی اذا انفصل عن مکانه بشهوة واخذ راس العضو حتی سکنت شهوته فخرج بلا شهوة یجب الغسل عندهما لا عنده وان اغتسل قبل ان یبول ثم خرج بقیة المنی یجب الغسل ثانیا عندهما لا عنده ولو فی نوم ولا فرق فی هذا بین الرجل والمرأة وروی عن محمدؒ فی غیر روایة الاصول اذا تذکرت الاحتلام والانزال والتلذذ ولم تر بللا کان علیها الغسل قال شمس الائمة الحلوانی لا یوخذ بهذه الروایة۔

ترجمہ امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک منی کے اپنے مستقر سے جدا ہوتے وقت شہوت ہونا شرط ہے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک منی کے آلہ تناسل سے جدا ہونے کے وقت شہوت ہونی شرط ہے حتی کہ اگر اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہو اور آلہ تناسل کے سرے کو وہ شخص جسے شہوت ہوئی ہو پکڑ لے یہاں تک کہ شہوت دور ہو جائے اور پھر منی بلا شہوت کے نکلے تو امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک واجب نہ ہوگا۔ اور اگر پیشاب کرنے سے قبل غسل کر لیا پھر باقی منی نکلی تو دوبارہ غسل واجب ہوگا امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک دوبارہ غسل واجب نہ ہوگا اور اگر یہ صورت نیند کی حالت میں پیش آئے تب بھی یہی حکم رہے گا۔ یہ حکم مرد اور عورت کے لئے برابر ہے۔ امام محمدؒ سے کتاب اصولؒ کے علاوہ (نوادر) میں منقول ہے کہ اگر عورت کو جاگنے کے بعد احتلام اور انزال اور تلذذ یاد آئے اور بدن یا کپڑے پر تری نہ دیکھے تو اس پر غسل واجب ہوگا۔ شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں کہ اس روایت سے استدلال نہیں کیا جائیگا

تشریح وتوضیح ولو فی نوم الخ اگر منی نیند کی حالت میں نکلے اور جاگنے کے بعد احتلام یاد ہو اور جسم یا بستر پر تری نظر نہ آئے تو اس پر غسل واجب نہیں۔ اور اگر احتلام یاد ہو اور تری بھی نظر آئے یا احتلام یاد نہ ہو مگر تری دیکھے تو حدیث "الماء من الماء" کی بنا پر غسل واجب ہوگا۔

بین الرجل والمرأۃ۔ عورت کو اگر تری جاگنے کے بعد نظر آئے تو خواہ احتلام یاد ہو یا نہ ہو ہر صورت غسل واجب ہوگا۔ کیونکہ حضرت ام سلیمؓ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ عورت پانی (تری) دیکھے تو اس پر غسل واجب ہوگا (ترمذی، مسلم بخاری وغیرہ) کان علیھا الغسل۔ اس قول کو صاحب ہدایہ نے "مختارات النوازل" اور تجنیس و مزید میں اختیار کیا ہے اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ عورت کا پانی کود کر مرد کے پانی کی طرح نہیں نکلتا، کیونکہ یہ سینہ سے نکلتا ہے۔ اور احادیث سے غسل کا وجوب محض رویت ماء (پانی) سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خروج منی کا علم ہو۔ خواہ آنکھ سے اس کا مشاہدہ ہو یا کسی اور طرح۔ لیکن اگر خروج کا علم نہ ہو تو غسل کے واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسی وجہ سے اس صورت میں شمس الائمہ حلوائیؒ نے رویت وجوب کو رد کرتے ہوئے عدم وجوب کو اختیار کیا ہے

وغیبۃ حشفۃ فی قُبُل اودُبُر علی الفاعل والمفعول به وردیه المستیقظ المنیّ اوالمذیّ وان لم یحتمل امافی المنی فظاھر وامافی المذی فلاحتمال کونه منیاً رق بحرارۃ البدن وفیه خلاف لابی یوسفؒ وانقطاع الحیض والنفاس لقوله تعالیٰ ولا تقربوھنّ حتّٰی یطھّرن علی قراءۃ التشدید

ترجمہ اور حشفہ (آلہ تناسل کے اگلے حصہ) کے قبل (پیشاب گاہ) یا پاخانہ کے راستہ میں غائب ہونے پر فاعل (کرنے والے) اور مفعول (کئے گئے) دونوں پر غسل واجب ہوگا۔ اور نیند سے بیدار ہونے والا شخص منی یا مذی دیکھے اگرچہ احتلام نہ ہو تو غسل کا وجوب ہوگا۔ منی کا حکم ظاہر ہے اور مذی میں اس احتمال کی وجہ سے غسل واجب ہوگا کہ کہیں حرارت بدن کی وجہ سے رقیق (پتلی) منی نہ ہو۔ مذی نکلنے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے اور حیض و نفاس کے ختم ہونے پر غسل کا وجوب ہوگا۔ ارشاد ربانی "ولا تقربوھن حتّٰی یطھرن" بالتشدید قرارت کی بنیاد پر۔

تشریح و توضیح الغیبۃ۔ بالفتح مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے "غاب الشئ"، جب کہ کوئی چیز چھپ جائے۔ حشفہ آلہ تناسل کے اگلے حصہ ختنہ کی جگہ تک کہتے ہیں۔ قبل۔ ق کے ضمہ کے ساتھ عورت کی شرمگاہ کو کہتے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفس ادخال موجب غسل ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب دونوں شرمگاہیں مل جائیں اور حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہوگیا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ (طبرانی وغیرہ) بخاری و مسلم اور سنن میں اسی طرح مروی ہے۔ حشفہ سے مراد آدمی اور جن کا حشفہ ہے پس اگر کوئی کسی جانور کی شرمگاہ میں دخول کرے تو تاوقتیکہ انزال نہ ہو غسل واجب نہ ہوگا، "نہایہ" میں اس کی صراحت ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی جنیہ سے صحبت کی تو جنیہ پر غسل واجب ہوگا "آکام المرجان فی احکام الجان" میں اس کی

تصریح ہے۔

امانی المذی۔ "ذخیرہ" میں ہے کہ نیند سے بیدار ہونے والا اگر بستر یا ران پر تری دیکھے اور اسے احتلام یاد ہو تو اسے منی کا یقین ہوگا یا مذی کا یا شک ہوگا کہ منی ہے یا مذی۔ شک کی صورت میں اس پر غسل واجب ہوگا۔ اور اگر اسے اس کے "ودی" (کسی مرض کی بناء پر نکلنے والی رطوبت) کا یقین ہو تو اس پر غسل واجب نہ ہوگا۔ اگر منی یا مذی ہونے میں شک ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک غسل کے وجوب کا حکم ہوگا۔

ولا تقربوھن حتیٰ یطھرن یعنی جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے ہمبستری نہ کرو۔ یعنی غسل نہ کرلیں یہ معنی "یطھرن" تشدید کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں ہے اور تخفیف کے ساتھ پڑھنے کی شکل میں معنی یہ ہیں کہ حیض و نفاس کے انقطاع تک ہم بستری جائز نہیں۔

ولما کان الانقطاع سببا للغسل فاذا انقطع دم ثم اسلمت لا یلزمھا الاغتسال اذ وقت الانقطاع کافرۃ وھی غیر مامورۃ بالشرائع عندنا ومتیٰ اسلمت لم یوجد السبب وھو الانقطاع بخلاف ما اذا اجنبت الکافرۃ ثم اسلمت حیث یجب علیھا غسل الجنابۃ لان الجنابۃ امر مستمر فیکون جنبا بعد الاسلام والانقطاع غیر مستمر فافترقا۔

ترجمہ اور جب کہ خون منقطع وختم ہونا غسل کا سبب ہو تو اگر خون بحالتِ کفر منقطع ہو۔ اس کے بعد اسلام قبول کرے تو غسل لازم نہ ہوگا، کیونکہ ہمارے نزدیک انقطاع کے وقت وہ کافرہ اور شرعی احکام کی مامورہ نہ تھی اور اسلام لاتے وقت سبب یعنی انقطاع نہیں پایا گیا۔ اس کے برعکس اگر کافرہ کو (ناپاک ہونے کی وجہ سے غسل کی ضرورت ہو پھر وہ اسلام قبول کرلے تو اس پر غسلِ جنابت واجب ہوگا اس لئے کہ قائم و باقی رہنے والا امر ہے تو وہ اسلام کے بعد بھی جنبی وناپاک رہے گی اور انقطاع باقی و برقرار نہ رہنے والا امر ہے لہٰذا دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

تشریح و توضیح عندنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمارے مشائخ (احناف) کا متفقہ مسلک ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ ابن الہمامؒ "تحریر الاصول" میں فرماتے ہیں کہ کفار فروع شرعیہ مثلاً نماز و روزہ وغیرہ کے مکلف نہیں ہیں۔ مگر سمرقند وغیرہ کے مشائخ کا مسلک یہ ہے کہ یہ مکلف ہیں۔ اور اختلاف اس بارے میں ہے کہ صرف اعتقاد کے مکلف ہیں یا اعتقاد و عمل دونوں کے۔ مشائخ بخاری دونوں کا مکلف قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ کفار کو دونوں پر مجبور کیا جائے گا۔

فافترقا یعنی غسلِ جنابت کا سبب جنابت (ناپاکی) ہے اور غسل کے وقت تک باقی رہنے والی ہے۔

پس جب کافرہ جنبیہ اسلام قبول کرے تو اس کی جنابت باقی و برقرار رہے گی لہٰذا اس پر غسل واجب ہوگا، رہا غسل حیض تو اس کا سبب انقطاع دم ہے اور وہ باقی نہ رہنے والا امر ہے تو بحالتِ کفر اس کے پائے جانے کی صورت میں اسلام لانے کے وقت تک اس کا اثر برقرار نہ رہے گا لہٰذا اسلام قبول کرنے کے بعد غسل واجب نہ ہوگا کیونکہ کفار فروع نماز، روزہ و غسلِ جنابت وغیرہ کے مخاطب ہی نہیں۔

لا وطی بھیمۃ بلا انزال و سن للجمعۃ والعیدین والاحرام وعرفۃ فغسل الجمعۃ سن لصلٰوۃ الجمعۃ وھو الصحیح ویجوز الوضوء بماء السماء والارض کالمطر والعین واما ماء الثلج فان کان ذائبا بحیث یتقاطر یجوز والا فلا وان تغیر بطول المکث او غیر احد اوصافہ ای الطعم واللون والریح شیئ طاھر کالتراب والاشنان والصابون والزعفران۔

ترجمہ جانور سے صحبت کرنے پر بلا انزال غسل واجب نہ ہوگا۔ غسل جمعہ اور عیدین اور احرام کے لئے اور عرفہ کے دن مسنون ہے پس غسل جمعہ نماز جمعہ کے واسطے مسنون ہے اور یہ صحیح ہے۔ وضو بارش کے پانی سے اور زمین کے پانی مثلاً بارش اور چشمہ کے پانی سے جائز ہے۔ اور برف کے پانی اگر پگھل رہا ہو کہ قطرہ قطرہ ٹپکتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ اور اگرچہ زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے اس میں تغیر آگیا ہو یا اس کے اوصاف یعنی ذائقہ یا رنگ یا بو میں سے کسی میں تغیر آگیا ہو کسی پاک چیز مثلاً مٹی اور اشنان گھاس اور صابون و زعفران کے ملنے کی وجہ سے تب بھی وضو جائز ہوگا۔

تشریح و توضیح وسن الخ غسل واجب کے ذکر سے فارغ ہونے کے بعد مسنون غسل کا بیان شروع ہوا۔ جمعہ کے لئے غسل سنت موکدہ ہے۔ اصل اس بارے میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ و عرفہ کے دن غسل فرماتے تھے۔ (احمد، طبرانی وغیرہ) اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لئے غسل فرمایا۔

ھو الصحیح۔ حدیث میں ہے کہ جب جمعہ کا دن آئے تو غسل کرنا چاہئے۔ (بخاری، ترمذی وغیرہ)

الوضوء۔ غسل اور کپڑے اور بدن سے نجاست کے دھونے کے ذکر کے بجائے صرف وضو کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ اس کا وقوع بکثرت ہے اور اس کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

والعین یعنی خواہ چشمہ بہنے والا ہو یا ٹھہرا ہوا ہو مثلاً کنوئیں کا پانی سب کا حکم یکساں ہوگا۔

والا فلا یعنی اگر بہنے والا نہ ہو بلکہ منجمد ہو تو وضو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ تقاطر جو نجاست حکمیہ اور حقیقیہ کے ازالہ کے لئے شرط ہے نہیں پایا گیا۔

احد اوصافہ۔ یہ قید اتفاقی ہے اس لئے اگر اوصافِ ثلاثہ میں بھی اشنان صابون یا دیر تک ٹھہرنے کی

یا پتوں کی وجہ سے تغیر ہو جائے مگر مائیت اس کی بدستور باقی رہے۔ تب بھی صحیح قول کے مطابق اس سے وضو جائز ہو گیا (نہایہ، بنایہ، جامع مضمرات)

انما عد هذه الاشياء ليعلم ان الحكم لا يختلف بان كان المخلوط من جنس الارض كالتراب او شيئا يقصد بخلطه التطهير كالاشنان والصابون او شيئاً آخر كالزعفران

ترجمہ یہ چیزیں اس لئے گنائی گئیں کہ پاکی حاصل کرنے کا حکم نہیں بدلتا خواہ پانی میں ملنے والی چیز زمین کی جنس سے ہو مثلاً مٹی یا ایسی چیز ہو کہ اس کے پانی میں ملنے سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ ہو مثلاً اشنان اور صابون یا کوئی اور چیز ہو مثلاً زعفران۔

وعند ابی یوسف رح ان كان المخلوط شيئاً يقصد به التطهير يجوز به الوضوء الا ان يغلب على الماء حتى يزول طبعه وهو الرقة والسيلان وان كان شيئاً لا يقصد به التطهر ففي رواية يشترط لعدم جواز التوضي به غلبته على الماء وفي رواية لا يشترط وما ليس من جنس الارض فيه خلاف الشافعي رح

ترجمہ امام ابو یوسف رح کے نزدیک اگر ایسی چیز مل جائے جس سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ کیا گیا ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ لیکن اگر یہ مخلوط پانی کی طبیعت یعنی رقت اور سیلان پر غالب آ کر رقت وسیلان ختم کر دے تو وضو جائز نہ ہوگا۔ اور اگر مخلوط چیز ایسی ہو کہ اس سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ نہ کیا گیا ہو تو ایک روایت میں غلبہ شرط ہے یعنی اگر وہ پانی پر غالب آجائے تو وضو جائز نہیں (اور غالب نہ آئے تو جائز ہے) اور ایک روایت کے اندر غلبہ شرط نہیں (بلکہ بہر صورت وضو ناجائز ہے) اور امام شافعی رح کے نزدیک اگر پانی میں ملنے والی چیز زمین کی جنس سے نہ ہو تو خواہ غالب نہ ہو مگر اس سے وضو جائز نہیں۔

تشریح وتوضیح وعند ابی یوسف رح۔ امام ابو یوسف رح کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز پانی میں مل جائے جس سے کہ پانی کی تطہیر کا ارادہ کیا ہو تو اس کا پانی میں مل جانا مضر نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس کے زیادہ مقدار میں مل جانے سے مائیت ہی سرے سے کافور ہو جائے اور ماء کا اطلاق ہی اس پر نہ کیا جا سکتا ہو تو وضو جائز نہ رہے گا۔ اور اگر اس سے تطہیر کا مقصد نہ ہو تو اس بارے میں امام ابو یوسف رح سے دو قسم کی روائتیں ہیں۔ ایک روایت کی رُو سے اس چیز کے غالب آنے پر اس سے وضو جائز نہ رہے گا اور عدم غلبہ کی صورت میں جائز رہے گا اور ایک روایت کی رُو سے وضو مطلقاً جائز نہ ہوگا۔

امام محمد اس طرح کے مسائل میں مخلوط شے کے غالب آنے پر عدم جواز وضو کا حکم فرماتے ہیں۔ "ذخیرہ" میں اسی طرح ہے۔

حتیٰ یزول۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معتبر اجزاء کے اعتبار سے غلبہ ہے۔ لون (رنگ) کے لحاظ سے غلبہ نہیں (ہدایہ)

ففیہ خلاف الشافعیؒ: ابن الہمامؒ "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں کہ اس پر اتفاق ہے کہ ماءِ مقید سے حدث زائل نہیں ہوتا اور مطلق پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم کیا جائے گا۔ اختلاف اس پانی میں ہے جس میں زعفران وغیرہ ملا ہوا ہو کیونکہ امام شافعیؒ اسے مقید قرار دیتے ہیں اور احنافؒ کہتے ہیں اس سے انکار نہیں کہ وہ ماءِ زعفران ہے لیکن اس کے باوجود جب تک مخلوط شے مغلوب رہے اس پر پانی کا اطلاق ہوگا۔ اور زعفران کی طرف اضافت سے اس کا اطلاق (یعنی ماء کہنا) ختم نہیں ہوگا بلکہ اسے پھر بھی ماء کہا جائے گا جیسے کنوئیں کی طرف اضافت کرتے ہوئے کہتے ہیں کنوئیں کا پانی اور چشمہ کی طرف اضافت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "چشمہ کا پانی"۔

وبماءٍ جارٍ فیہ نجس لم یُرَ اثرہ ای طعمہ اولونہ اوریحہ اختلفوا فی حد الجاری فالحد الذی لیس فی درکہ حرج مایذھب بتبنۃ اوورقۃ فاذا سُدّ النھر من فوق وبقیۃ الماء تجری مع ضعف یجوز بہ الوضوء اذ ھو ماءٌ جارٍ وکل ماءٍ ضعیف الجریان اذا توضأ بہ یجب ان یجلس بحیث لایستعمل غسالتہ او یمکث بین الغرفتین مقدار مایذھب غسالتہ واذا کان الحوض صغیرا یدخل فیہ الماء من جانب ویخرج من جانب اٰخر یجوز الوضوء فی جمیع جوانبہ وعلیہ الفتویٰ من غیر تفصیل بین ان یکون اربعا فی اربع او اقل فیجوز او اکثر فلا یجوز

ترجمہ | اور ایسے جاری پانی سے وضو جائز ہے کہ اس میں نجاست کا اثر یعنی ذائقہ رنگ یا بو نہ آئے۔ جاری اور بہنے کی حد کے بارے میں اختلاف ہے۔ جاری کی تعریف یہ ہے کہ جس کا بہنا بلا امتیاز ہر ایک کی سمجھ میں آجائے اور وہ تنکے یا پتے کو بہالے جائے۔ پس نہر کے بالائی حصہ کا پانی (لکڑی وغیرہ حائل ہونے کی وجہ سے) رک جائے اور باقی پانی آہستہ بہ رہا ہو تو پانی جاری ہونے کی وجہ سے اس سے وضو جائز ہے۔ اور آہستہ بہنے والے پانی سے وضو کرنے والے کو اس طرح وضو کرنا ضروری ہے کہ مستعمل پانی دوبارہ استعمال نہ کرے یا دو چلوؤں کے درمیان اتنی تاخیر کرے کہ مستعمل پانی بہ جائے اگر حوض دہ در دہ سے کم ہو اور اس میں ایک سے پانی داخل ہوتا ہوا اور دوسری طرف سے نکلتا ہو تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق مطلقاً اس میں ہر طرف سے وضو جائز ہے۔ اور بعض کے نزدیک چار در چار یا اس سے کم ہونے کی صورت میں جائز اور زیادہ ہونے کی شکل

میں ناجائز ہے۔

تشریح وتوضیح نجس الخ جیم کے فتحہ کے ساتھ یعنی جاری پانی میں اگر نجاست گر گئی اور اس کا اثر ظاہر نہیں ہوا تو اس پانی سے وضو جائز ہے خواہ پانی میں مردار پڑا ہو یا کوئی اور چیز ہو لہٰذا اگر کوئی شخص پانی میں پیشاب کر دے اور دوسرا اس کے قریب جگہ سے وضو کرے تو جائز ہے بشرطیکہ جاری پانی میں اس کا اثر ظاہر نہ ہوا ہو۔ (بحر الرائق)

لم یر اثرہ الخ یہ نجس کی صفت ہے یعنی اس پانی میں نجاست کے اثر کا علم نہ ہو۔ یہاں رویت سے مراد علم و واقفیت ہے۔

اختلفوا یعنی فقہاء کا جاری پانی کی تعریف میں اختلاف ہے کہ جاری کسے کہتے ہیں اور جاری کی مقدار کیا ہے بعض کے نزدیک جاری یہ ہے کہ وہ دوسرے چلو سے پہلے نجاست بہا لیجائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جاری یہ ہے کہ اگر آدمی اپنا ہاتھ اس کی چوڑائی میں رکھے تو پانی منقطع نہ ہو اور نہ رکے۔ اور بعض کے نزدیک باعتبار عرف جسے جاری کہتے ہوں وہ جاری ہے۔ تاتارخانیہ میں اسی طرح ہے۔ اور صاحب غایۃ البیان اور بنایہ و بدائع و بحر وغیرہ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

یجب الخ اس حکم سے ماء مستعمل کا نجس ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ مگر مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ وہ طاہر غیر مطہر ہے۔ پس یہ وضو نہ کرنے کا حکم اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ مستعمل پانی کے غالب و زیادہ ہونے کا گمان ہو لیکن اگر مستعمل پانی غالب نہ ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (فتح القدیر)

واعلم انه اذا انتن الماءُ فان علم ان نتنه للنجاسة لا یجوز والا یجوز عملاً علی ان نتنه بطول المکث واذا سدّ کلب عرض النهر ویجری الماء فوقه ان کان مایلاقی الکلب اقل مما لا یلاقیه یجوز الوضوء فی الاسفل والا لا قال الفقیه ابو جعفر علی هذا ادرکت مشائخی وعن ابی یوسف رح لا باس بالوضوء به اذا لم یتغیر احدُ اوصافه۔!

ترجمہ اور واضح رہے کہ پانی اگر بدبودار ہو اور یہ معلوم ہو کہ بدبو نجاست کے باعث ہے تو وضو جائز نہیں اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو وضو جائز ہے کیونکہ یہ سمجھا جائے گا کہ پانی کے زیادہ رکنے کی وجہ سے وہ بدبودار ہو گیا اگر مرا ہوا کتا نہر کی چوڑائی میں پڑا ہو اور اس کے اوپر پانی بہہ رہا ہو۔ اگر اس سے مل کر بہنے والا پانی اس سے نہ لگ کر بہنے والے پانی سے کم ہو تو جہاں کتا پڑا ہوا ہے اس کے نشیب میں وضو کرنا جائز ہوگا اور اگر اس پر سے بہنے والا پانی نہ بہنے والے سے زیادہ مقدار میں ہو تو وضو جائز نہ ہوگا۔ فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں میں نے اپنے اساتذہ کو اسی پر کاربند دیکھا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے گرنے سے پانی کے

اوصاف میں سے کسی وصف میں تبدیلی نہ ہوئی ہو تو وضو جائز ہے۔

تشریح و توضیح فان علم الخ۔ یعنی اگر مسلمان عادل شخص کے خبر دینے سے یہ معلوم ہو کر بدبو نجاست کے باعث ہے یا علامت کے ذریعہ یقین اور ظن غالب ہو جائے تو یہی سمجھا جائے گا کہ بدبو نجاست کی وجہ سے ہے اور اس سے وضو کرنا جائز نہ ہو گا۔ اور اگر یقین و عدم یقین کا درجہ برابر کا ہو تو وضو جائز ہو گا مگر احتیاط یہ ہے کہ وضو نہ کرے۔ (ابن کمال نے ایضاح میں تحفہ اور بدائع سے اسی طرح نقل کیا ہے۔)

واذا سد کلب الخ۔ یعنی اکثر کا اعتبار ہے۔ اگر اکثر پانی نجس ہو تو وضو جائز نہ ہو گا۔

وعن ابی یوسف۔ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اسی کو ترجیح دی ہے کہ وضو اس پانی سے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جاری پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔ اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگرچہ مردار سے لگ کر آنے والا پانی اکثر ہو لیکن اس کی وجہ سے پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف نہ بدلے تو وضو جائز رہے گا۔ ابن امیر حاج نے "حلیہ" میں اسی قول کو پسند کیا ہے۔ اور صاحب طریقِ محمدیہ کہتے ہیں کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

وبماء مات فیه حیوانٌ مائیُ المولد کالسمك والضفدع بکسر الدال وانما قال مائی المولد حتی لو کان مولده فی غیر الماء وهو یعیش فی الماء یفسد الماء بموته فیه وما لیس له دمٌ سائلٌ کالبق والذباب لان النجس هو الدم المسفوح کما ذکرنا ولحدیث وقوع الذباب فی الطعام وفیه خلاف الشافعیؒ لا بما اعتصر الروایة بقصر ما من شجر او ثمر اما ما یقطر من الشجر فیجوز به الوضوء ولا بماء زال طبعه بغلبة غیره اجزاءً المراد به ان یخرجه من طبع الماء وهو الرقة والسیلان او بالطبخ کالاشربة والخل نظیر ما اعتصر من الشجر والثمر

ترجمہ اور اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں پانی ہی میں پیدا شدہ جانور مر جائے مثلاً مچھلی اور مینڈک "الضفدع" دال کے زیر کے ساتھ۔ پانی میں پیدا شدہ کی قید اس لئے لگائی کہ اگر جانور پانی میں پیدا شدہ نہ ہو اور وہ پانی میں رہ رہا ہو پھر وہ مر جائے تو اس کے مرنے سے پانی خراب (ناپاک) ہو جائے گا۔ یا ایسے جانور کے پانی میں مرنے پر بھی وضو جائز ہے جس میں بہنے والا خون نہ ہو۔ مثلاً مچھر اور مکھی۔ کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے بہنے والا خون نجس ہے اور حدیث مکھی کے کھانے میں گر جانے سے متعلق ہے۔ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ اس پانی سے وضو جائز نہیں جو نچوڑا گیا ہو۔ (یہ روایت مصنفؒ سے منقول و مسموع ہے) درخت سے یا پھل سے۔ لیکن وہ پانی جو درخت سے قطرہ قطرہ ٹپکتا ہو اس سے وضو جائز ہے۔ اور نہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس کی طبیعت (رقت و سیلان) دوسری چیز کے غالب آنے یا پکنے کی وجہ سے زائل ہو گئی ہو

8/2

مثلاً مشروبات اور سرکہ۔ یہ مثال اس چیز کی جو درخت یا پھل سے نچوڑی جائے۔

تشریح وتوضیح وبماء حار الخ یعنی پانی کے جانور کے پانی میں مرنے کے باوجود وہ پاک ہے۔ موت فی نفسہ ناپاک کرنے والی نہیں۔ رہا پانی کی ناپاکی کا حکم تو وہ اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ رگوں میں سرایت کیا ہوا ناپاک خون مرنے کے بعد سارے بدن میں مل جاتا ہے۔ اور پانی کے جانوروں میں بہنے والا خون نہیں ہوتا اور دموی جانور پانی کی طبیعت و مزاج کے منافی ہونے کی وجہ سے پانی میں ٹھہر نہیں سکتا مچھلی میں جو رطوبت برنگ خون نظر آتی ہے وہ درحقیقت خون نہیں، کیونکہ خون دھوپ میں سیاہ پڑ جاتا ہے اور یہ رطوبت سفید ہو جاتی ہے۔

والضفدع۔ فارسی میں اسے غوک کہتے ہیں۔ اس کی بہت سی قسمیں علامہ دمیری نے "حیوٰۃ الحیوان" میں بیان کی ہیں۔

وقوع الذباب فی الطعام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مکھی کھانے میں گر جائے تو اسے ڈبو لو کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے اور وہ پہلے وہی پر ڈالتی ہے جس میں بیماری ہوتی ہے (بخاری، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان وغیرہ) یہ حکم حدیث غیر دموی جانوروں کے لئے نظیر ہے۔ وفیہ خلاف الشافعی یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک پانی نجس ہو جاتا ہے۔ لا بما اعتصر۔ یعنی درخت یا پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے ماء مطلق نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

فیجوز بہ الوضوء یعنی اس کے خود بخود نکلنے کی وجہ سے اس سے وضو جائز ہے۔ صاحب ہدایہ، مجتبیٰ اور مستصفی وغیرہ کا راجح و پسندیدہ قول یہی ہے اور صاحب بحر، ذخرہ، حلیہ والغنیہ و نور الایضاح و منح الغفار وغیرہ کے نزدیک اس پانی کے مقید ہونے کی وجہ سے اس سے وضو جائز نہیں۔

کالاشربۃ۔ اس سے مراد درخت اور پھلوں کے عرق ہیں۔ مثلاً عرق انار اور سیب کا عرق۔

فشراب الریباس معتصر من الشجر و شراب التفاح و نحوہ معتصر من الثمر وماء الباقلی نظیر ما غلب علیہ غیرہ اجزاء والمرق نظیر ما غلب علیہ غیرہ بالطبخ واما الماء الذی تغیر بکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ حتی اذا رفع فی الکف یظہر فیہ لون الاوراق فلا یجوز بہ الوضوء لانہ کماء الباقلی ولا بماء راکد وقع نجس الا اذا کان عشرۃ اذرع فی عشرۃ اذرع ولا ینحسر ارضہ بالغرف فحکمہ حکم الجاری۔

ترجمہ پس ریباس کے درخت کا عرق اور سیب کا عرق اور ان کے مانند جو پھل سے نچوڑا ہوا ہو اور لوبیا کا پانی۔ یہ اس پانی کی نظیر ہے جس پر دوسرے اجزا رغالب آ گئے ہوں اور شوربہ۔ یہ اس کی نظیر ہے

جس پر پکنے کی وجہ سے دوسری چیز غالب آگئی ہو۔ (ان سب سے وضو جائز نہیں) اور وہ پانی جو بکثرت گرنے والے پتوں سے اس حد تک متغیر ہو گیا ہو کہ جب پانی ہتھیلی میں لیا جائے تو پتوں کا رنگ ظاہر ہو اس سے بھی وضو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی لوبیا کے پانی کے حکم میں ہے۔ اور نہ اس پانی سے وضو جائز ہے جو ٹھہرا ہوا ہو اور اس میں نجاست گر گئی ہو۔ البتہ اگر پانی دس ہاتھ لانبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو اور چلو سے پانی لیتے وقت زمین نظر نہ آئے تو اس کا حکم جاری پانی کا سا ہوگا (اور اس سے وضو جائز ہوگا)

تشریح وتوضیح الا اذا کان الخ۔ غیر جاری پانی کے وقوع نجاست سے نجس ہونے میں فقہاء کا بہت اختلاف ہے۔ جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ جاری پانی اس وقت تک نجس نہیں ہوتا جب تک اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ پس ظاہر یہ مطلقاً عدم نجاست کے قائل ہیں اگرچہ پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر ہو جائے یا سارے اوصاف میں تغیر ہو جائے۔ مگر یہ مسلک عقل ونقل دونوں سے میل نہیں کھاتا۔ اور شوافع کہتے ہیں کہ پانی قلتین (دو مشکوں) کی مقدار ہو تو تا وقتیکہ پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر نہ ہو نجس نہیں ہوگا ورنہ نجس ہو جائے گا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ پانی اس وقت تک نجس نہیں ہوگا جب تک اس کے مزہ یا رنگ یا بو میں نجاست گر جانے کی وجہ سے تبدیلی نہ آجائے۔ چاہے پانی کی مقدار قلتین سے کم ہو یا زیادہ احناف کہتے ہیں کہ جاری پانی یا جو جاری کے حکم میں ہو وہ تو نجس نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے علاوہ وقوع نجاست سے نجس ہو جائے گا خواہ پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور پانی ایک قلہ ہو یا دو قلے
فحکمہ الخ یعنی وقوع نجاست کے بعد جب ایسے حوض سے وضو جائز ہے جو دس ہاتھ لانبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو تو معلوم ہوا کہ اس کا حکم جاری پانی کا سا ہے۔

فان كانت النجاسة مرئية لا يتوضأ من موضع النجاسة بل من الجانب الآخر وان كانت غير مرئية يتوضأ من جميع الجوانب وكذا من موضع غسالته قال محي السنة رح التقدير بعشرة في عشرة لا يرجع الى اصل شرعي يعتمد عليه اقول اصل المسئلة ان الغدير العظيم الذي لا يتحرك احد طرفيه بتحريك الطرف الآخر اذا وقعت النجاسة في احد جوانبه جاز الوضوء من الجانب الآخر ثم قدره ابعشر في عشر وانما قدر به بناءً على قوله عليه السلام من حفر بيرا فله حولها اربعون ذراعا فيكون لها حريمها من كل جانب عشرة ففهم من هذا انه اذا اراد آخر ان يحفر في حريمها بيرا يمنع منه لانه ينجذب الماء منه اليها وينقص الماء في البير الاول وان اراد ان يحفر بيرا بالوعة يُمنع ايضا لسراية النجاسة الى البير الاول وتنجيس مائها ولا يمنع في ماوراء الحريم وهو عشرة في عشرة

ترجمہ پس اگر نجاست نظر آنے والی ہو تو نجاست کی جگہ سے وضو نہ کرے بلکہ دوسری جانب سے وضو کرلے

اور نظر نہ آنے والی ہونے کی صورت میں جس طرف سے چاہے وضو کرے۔ اسی طرح مستعمل پانی کی جگہ سے ہٹ کر وضو کرے۔ محی السنۃ فرماتے ہیں کہ دہ دردہ کی مقدار اصل شرعی کی طرف نہیں لوٹتی کہ اس پر اعتماد کیا جائے میں کہتا ہوں اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ بڑا تالاب کہ جس کا ایک کنارہ دوسرے کنارہ کے ہلانے سے متحرک نہ ہو اگر اس کے کسی طرف نجاست گر جائے تو دوسری جانب سے وضو کرنا جائز ہے۔ پھر اس کی مقدار دہ دردہ سے بیان کی گئی۔ دہ دردہ کا مستدل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص کنواں کھودے تو اس کے لئے کنوئیں کے ارد گرد چالیس ہاتھ کا حق ہے پس اس کنوئیں کے لئے ہر جانب سے دس ہاتھ روک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرا شخص اس دس ہاتھ کے احاطہ میں کنواں کھودنے کا ارادہ کرے تو اسے اس سے روکا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں پہلے کنوئیں کا پانی دوسرے کی طرف کھنچ کر کم ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص اس احاطہ کے اندر گڑھا کھودنا چاہے نجاسات ڈالنے کے لئے تو اسے بھی منع کریں گے کیونکہ اس صورت میں نجاست اس پہلے کنوئیں تک پہونچ کر پانی کو ناپاک کر دے گی۔ اور دہ دردہ کے علاوہ میں نہیں روکیں گے۔

تشریح و توضیح

وکذا من موضع غسالتہ الخ یہ اجماعی حکم ہے اس کی "خلاصہ" میں صراحت ہے۔

محی السنۃ۔ اس سے مراد ابو محمد الحسین ابن مسعود التقوی مؤلف شرح السنۃ ومصابیح السنۃ ومعالم التنزیل وغیرہ ہیں۔ مقدمہ میں ان کی مختصر سوانح اور ان کا اجمالی ذکر کیا جا چکا۔

وانما قدر الخ مقصود یہ ہے کہ اس مقدار کی شرعی اصل موجود ہے لہذا محی السنۃ کا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ اس کی کوئی اصل شرعی نہیں ہے۔

من حفر بیرا۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اور طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ سے اور کتاب الخراج القاضی ابو یوسفؒ میں حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً مروی ہے۔

ففھم من ھذا۔ اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ کنوئیں کے مخصوص احاطہ کے اندر کوئی تعمیر کرنا یا کاشت کرنا چاہے تو کنوئیں والے کو روکنے کا حق حاصل ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

فعلم الخ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ "حدیث حریم" سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے کنوئیں کے دس ہاتھ کے احاطہ میں پانی کا یا نجاست ڈالنے والا گڑھا کھودنا چاہے تو یہ جائز نہیں۔ یہ ممانعت پانی یا نجاست کے سرایت کرنے کی بناء پر ہے۔ معلوم ہوا کہ شرعاً یہ دس ہاتھ کی معین مقدار سرایت اور عدم سرایت کی بنیاد پر ہے۔

فعلم ان الشرع اعتبر العشر فی عدم سرایۃ النجاسۃ حتی لو کانت النجاسۃ تسری یحکم بالمنع ثم المتاخرون وسّعوا الامر علی الناس وجوّزوا الوضوء فی جمیع جوانبہ

ترجمہ: پس معلوم ہوا کہ دہ دردہ کا اعتبار نجاست کے سرایت نہ کرنے کی صورت میں ہے۔ حتیٰ کہ اگر دہ دردہ ہونے کے باوجود نجاست سرایت کرے تو منع کرنے کا حکم ہوگا۔ پھر متأخرین فقہاء نے لوگوں کو گنجائش وسہولت فراہم کرتے ہوئے ہر طرف سے وضو کے جواز کا حکم دیا۔ (یعنی چاہے وقوعِ نجاست کی جانب ہو یا دوسری)

ولا بماءٍ استعمل لقربة او رفع حدث، اعلم ان فی الماء المستعمل اختلافات الاول فی انه بای شئ یصیر مستعملاً فعند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ بازالة الحدث وایضا بنیة القربة فاذا توضأ المحدث وضوءً غیر منوی یصیر مستعملاً ولو توضأ غیر المحدث وضوءً یصیر مستعملاً ایضاً وعند محمدؒ بالثانی فقط وعند الشافعیؒ بازالة الحدث لکن ازالة الحدث لا یتحقق الا بنیة القربة عنده بناءً علی اشتراط النیة فی الوضوء والاختلاف الثانی فی انه متی یصیر مستعملاً ففی الهدایة انه کما زال عن الوضوء صار مستعملاً والاختلاف الثالث فی حکمه فعند ابی حنیفةؒ هو نجس نجاسةً غلیظةً وعند ابی یوسفؒ نجس نجاسةً خفیفةً وعند محمدؒ طاهر غیر طهور وعند مالکؒ والشافعیؒ فی قوله القدیم هو طاهر مطهر

ترجمہ: اور اس پانی سے وضو جائز نہیں جو قربت (عبادت) یا رفع حدث کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔ واضح رہے کہ مستعمل پانی میں فقہاء کا اختلاف ہے (۱) اول یہ کہ کون سی چیز پانی کو مستعمل بنا دیتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ وامام ابویوسفؒ کے نزدیک قربت (عبادت) کی نیت یا ازالۂ حدث کے لیے استعمال کرنے سے پانی مستعمل ہوجاتا ہے پس اگر بے وضو شخص بلانیت کبھی وضو کرے تو پانی مستعمل ہوجائے گا۔ اور اگر باوضو شخص بنیت وضو (تازہ) وضو کرے تب بھی پانی مستعمل ہوجائے گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک محض نیت عبادت سے پانی مستعمل ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ازالۂ حدث سے پانی مستعمل ہوگا لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک ازالۂ حدث نیت قربت (عبادت) کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اس بنیاد پر کہ ان کے نزدیک وضو میں نیت شرط (فرض) ہے۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ پانی کب مستعمل ہوتا ہے تو ہدایہ میں ہے کہ عضو سے گرکر پانی مستعمل ہوجاتا ہے تیسرا اختلاف اس کے حکم کے بارے میں ہے پہلا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ نجس نجاست غلیظہ ہے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک وہ نجس نجاست خفیفہ ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ خود پاک ہے مگر پاک کرنے کی صلاحیت نہیں۔ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قدیم قول کے مطابق وہ خود بھی پاک ہے اور اس میں پاک کرنے کی صلاحیت بھی ہے۔

تشریح وتوضیح: یعنی ایسے پانی سے جو مستعمل ہو نہ وضو جائز ہے اور نہ غسل کیونکہ دو وجہ سے اس کی پاک کرنے کی صلاحیت ختم ہوگئی۔ ایک تو قربت یعنی ایسے فعل کی وجہ سے جس کے نتیجہ میں ثواب ملتا ہے

اگرچہ وہ نیت پر موقوف نہ ہو۔ اور طاعت سے مراد وہ فعل ہے جس پر ثواب ملے خواہ اس میں نیت ضروری ہو یا نہ ہو۔ پس یہ پانچوں نمازیں اور روزہ وغیرہ قربات اور طاعات وعبادات ہیں۔ اور قرأت وتلاوت قرآن قربت اور طاعت ہے اور طاعت ہے عبادت نہیں "حموی" کے الاشباہ کے حواشی میں اسی طرح ہے حاصل یہ کہ جو پانی حصول ثواب کی غرض سے استعمال کیا خواہ اس سے رفع حدث بھی مقصود ہو جیسے وضو حدث کو دور کرنے کے لئے یا رفع حدث کے لئے نہ ہو مثلاً وضو پر وضو تو اس مستعمل پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں دوسرے یہ کہ پانی رفع حدث کی غرض سے مستعمل ہو خواہ اس سے مقصود قربت بھی ہو مثلاً وضو جس کی نیت کی گئی ہو یا مقصود قربت نہ ہو جیسے وضو بلا نیت۔ اس سے واضح ہوا کہ نسبت قربت کے لئے استعمال کرنے اور رفع حدث کے لئے استعمال کرنے کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی ہے۔

بازالۃ الحدث یعنی نجاست غیر حقیقیہ کے زائل کرنے کے لئے۔ رہا نجاسات حقیقیہ میں استعمال ہونے والا پانی مثلاً استنجے کا پانی اور نجس پر پڑے کا بچوڑا ہوا پانی وہ بالاتفاق نجس ہے۔ (غنیہ)

وعند الشافعی یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک محض قربت کی وجہ سے پانی میں کوئی خرابی نہیں آئے گی مستعمل نہیں ہوگا حتیٰ کہ محض نیت تقرب کا مال پر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا اور نفلی صدقہ دینا ہاشمی (سید) کو جائز ہوتا ہے۔

والاختلاف الثانی الخ یعنی اس میں اختلاف ہے کہ پانی مستعمل کب شمار ہوگا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے بدن سے زائل ہونے اور ایک جگہ ٹھہرنے پر مستعمل ہو جائے گا۔ مشائخ بلخ، طحاوی، ظہیر المرغینانی، الصدر الشہید اور فخر الاسلام کا اختیار کردہ قول یہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وضو میں عضو سے الگ ہوتے ہی اور غسل میں سارے جسم سے الگ ہونے ہی پانی مستعمل ہو جائے گا۔ صاحب ہدایہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے

فعند الخ امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں تین قسم کی روایات ہیں۔ ایک یہ کہ نجس مغلظ ہے یہ روایت امام ابو حنیفہؒ سے الحسن بن زیاد منقول ہے۔ یہ اس پر قیاس کرتے ہوئے کہ صدقہ کا مال اگرچہ پاک ہے مگر بنی ہاشم (سادات) پر حرام ہے۔ اور احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ پانی کے ساتھ خطائیں وگناہ نکلتے ہیں دوسرا قول نجاست خفیفہ کا ہے۔ یہ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے۔ اور یہ حکم عموم بلویٰ کی بنا پر ہے تیسرا قول یہ کہ طاہر ہے یہ امام محمدؒ سے منقول ہے اور مفتی بہ یہی قول ہے۔

ونحن نقول لو كان طاهرا ومطهرا لجاز في السفر الوضوء به ثم الشرب منه ولم يقل احدٌ بذلك وكل اهاب دُبغ فقد طهر الا جلد الخنزير والآدمي اعلم ان الدباغة هي ازالة النتن والرطوبات النجسة من الجلد فان كانت بالادوية كالقرظ ونحوه يُطهر الجلد ولا يعود نجاسته ابدا وان كانت بالتراب او بالشمس يطهر اذا يبس ثم ان اصابه

الماءُ هل یعود نجسا فعن ابی حنیفۃؒ روایتان وعن ابی یوسفؒ ان صار بالشمس بحیث لو ترك لم یفسد كان دباغا وعن محمدؒ جلد المیتۃ اذا یبس ووقع فی الماء لم ینجس من غیر فصل والصحیح فی نافجۃ المسك جواز الصلوٰۃ معها من غیر فصل

ترجمہ اور ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ خود پاک ہو اور اس میں پاک کرنے کی صلاحیت بھی ہو تو اس سے دوران سفر وضو جائز ہونا چاہئے اور پینا اس کا درست ہونا چاہیئے۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ اور ہر وہ کھال جو دباغت دیدی جائے۔ وہ پاک ہے مگر خنزیر اور آدمی کی کھال دباغت کے بعد بھی ناپاک ہے۔ واضح رہے کہ دباغت جلد کی بدبو اور ناپاک رطوبات کے زائل ہونے کا نام ہے۔ لہٰذا اگر یہ نجاست دوا وں مثلاً قرظ وغیرہ دوا کے ذریعہ دور کی گئی ہو تو اس سے جلد (کھال) اس طرح دور ہو جاتی ہے کہ پھر کبھی نجاست لوٹ کر نہیں آتی، اور اگر مٹی لگا یا دھوپ میں سکھا کر دور کی گئی ہو تو وہ خشک ہونے پر پاک ہو جاتی ہے۔ پھر اگر وہ پانی میں بھیگ جائے تو نجاست لوٹے گی۔ اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ اور امام ابو یوسف رح سے منقول ہے کہ اگر دھوپ میں ایسی سوکھ گئی ہو کہ اگر چھوڑ دی جائے تو نہ سڑے تو یہ دباغت (صحیح) ہو جائے گی اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ مردار کی کھال اگر سوکھنے کے بعد پانی میں گرے تو وہ مطلقاً (بلا کسی قید) ناپاک نہ ہوگی اور درست قول کے نافہ مشک لے ہوئے اگر کوئی نماز پڑھے تو بلا کسی قید و فرق کے نماز جائز ہوگی۔

تشریح و توضیح (وعن نقول الخ) اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ماء مستعمل فی نفسہ طاہر و مطہر ہو تو سفر میں اس سے وضو اور پینا جائز ہونا چاہیئے حالانکہ اس کی اجازت کوئی نہیں دیتا بلکہ پیاس کی شدت کے وقت موجود تھوڑے پانی کو وضو کے لئے استعمال نہ کرے اور تیمم کی اجازت دی گئی۔

(وکل اھاب دبغ) یہ مسئلہ تطہیر انجاس سے متعلق ہے۔ یہاں وضو اور غسل اور اس مسئلہ کے درمیان مناسبت کی وجہ سے اس کا ذکر کر دیا۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ پانی جو دباغت شدہ چمڑے کے برتن میں رکھا ہوا ہو وہ پاک ہے۔ اور اس کی بھی نشان دہی ہے کہ یہ حکم عام اور ہر جلد کا ہے خواہ ماکول اللحم جانور کی ہو یا غیر ماکول اللحم کی۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس کھال کو دباغت دی گئی وہ پاک ہو گئی (ترمذی، ابن ماجہ، مسلم اور ابوداؤد) نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

(الا جلد الخنزیر) اس استثناء سے اشارہ ہے کہ کتے کی کھال بھی دباغت کے بعد نجس العین نہ ہونے کی وجہ سے پاک ہے۔ اسی قول کو صاحب ہدایہ، غایۃ البیان اور عنایہ نے اختیار کیا ہے۔

اور یہاں آدمی سے پہلے خنزیر کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ یہ موقعۂ اہانت ہے اور یہاں مؤخر لانا ہی موزوں اور سبب تعظیم ہے۔ اور خنزیر کی کھال پاک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نجس العین ہے اور نجاست عینیہ دباغت سے بھی زائل نہیں ہوتی۔

والآدمی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خنزیر کی کھال دباغت کے باوجود پاک نہیں ہوتی اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ دباغت کا اثر قبول کرتی ہے یا نہیں۔ بعض کے نزدیک وہ دباغت کا اثر ہی قبول نہیں کرتی اور بعض کے نزدیک اثر تو قبول کرتی ہے مگر پاک نہیں ہوتی۔ اسی طرح کا اختلاف آدمی کی کھال کے بارے میں ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آدمی کی کھال باریک ولطیف ہونے کی وجہ سے اثر دباغت قبول نہیں کرتی اور اس کا کھینچنا ممکن نہیں۔ اور بعض کے نزدیک قبول کرتی ہے اور اس پر سب متفق ہیں کہ اگر دباغت دیدی جائے تو پاک ہوگی مگر احتراماً اور اکراماً اس کا اتارنا اور دباغت دینا حرام ہے۔

ھی ازالۃ۔ مطلقاً بول کر اس کی طرف اشارہ ہے کہ خواہ دباغت دینے والا مسلمان ہو یا کافر یا بچہ یا پاگل یا عورت سب کا حکم یکساں ہوگا۔ (سراج الوہاج)

فان کانت۔ یہ اس ۔۔۔ طرف اشارہ ہے کہ دباغت کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقیہ۔ وہ تو یہ ہے کہ رطوبات دواؤں مثلاً ۔۔۔ انار کے چھلکوں اور عفص (مازو) کے ذریعہ دور کی جائیں (۲) حکمیہ۔ وہ یہ کہ چمڑا دھوپ میں ڈال کر اس کی بو اور رطوبت خشک کردی جائے یا مٹی لگا کر ہوا میں ڈال دیں۔

روایتان۔ ایک روایت کی رُو سے نجس رطوبت کے لوٹنے کی وجہ سے ناپاکی کا حکم ہوگا۔ اور ایک کے اعتبار سے نجس نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ پیدا شدہ تری وہ تری نہیں جو پہلے ختم ہوچکی اس کی نظیر زمین ہے کہ اس کے خشک ہونے کے بعد اگر پانی سے بھیگ جائے تو ایک روایت کی رو سے اس کی نجاست لوٹ آئے گی۔ اور ایک روایت کی رو سے نہیں لوٹے گی۔ نجاست نہ لوٹنے ہی کی روایت راجح ہے۔

والصحیح۔ مشک ایک معروف و مشہور ضرب المثل خوشبو ہے۔ اس کی حقیقت ہرن کی ناف میں بستہ شدہ خون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ناف کو مشک کا معدن و مخزن بنا دیا۔ یہ بہر صورت پاک ہے۔

وماطهر جلده بالدبغ يطهر بالذكاة وكذا لحمه وان لم يؤكل ومالا فلا اى مالم يطهر جلده بالدبغ لايطهر بالذكاة والمراد بالذكاة ان يذبح المسلم او الكتابي من غيران يترك التسمية عامدًا وشعر الميتة وعظمها وعصبها وحافرها وقرنها وشعر الانسان وعظمه طاهر ويجوز صلوة من اعاد سنّه الى فمه وان جاوز قدر الدرهم افرد هٰذه المسألة بالذكر مع انها فهمت مما مران السن عظم وقد ذكران العظم طاهر لمكان الاختلاف فيها فانه اذا كان اكثر من قدر الدرهم لا يجوز الصلوٰة عند محمدؒ

ترجمہ: اور جس کی کھال دباغت سے پاک ہوتی ہے اس کی کھال اور گوشت بھی ذبح سے پاک ہوجاتے ہیں اگرچہ اس کا گوشت (بوجہ حرمت کے) نہ کھاتے ہوں اور جس کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی

ذبح سے بھی پاک نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ مسلمان یا کتابی ذبح کرے اور قصداً "اللہ" کا نام نہ چھوڑے مردے کی پانچ چیزیں پاک ہیں (۱) بال (۲) ہڈیاں (۳) پٹھے (۴) کھر (۵) سینگ۔ آدمی کے بال اور ہڈیاں بھی پاک ہیں۔ اور جو شخص اپنا ٹوٹا ہوا دانت اپنے منہ میں رکھ لے اس کی نماز جائز ہے۔ خواہ درم کی مقدار سے کیوں نہ بڑھ جائے۔ مصنف رح نے یہ مسئلہ علیحدہ سے بیان کیا حالانکہ اس کا حکم پہلے سمجھ میں آگیا۔ وجہ یہ ہے کہ دانت ہڈی ہے۔ اور مصنف پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہڈی کے پاک ہے۔ جب تم اس کی تعریف میں اختلاف ہے۔ اس لئے کہ یہ اگر درہم کی مقدار سے بڑھ جائے تو امام محمدؒ کے نزدیک نماز جائز نہیں ہوگی۔

تشریح و توضیح یاللہ کانہ الخ یعنی ذبح سے نجس رطوبات کا اتصال ختم ہو جاتا ہے۔ اور دباغت نجس رطوبات کو اتصال کے بعد ختم کرتی ہے۔

والمراد الخ یعنی اس ذبح سے کھال اور گوشت پاک ہوتے ہیں جو شرعاً معتبر ہے پس اگر کوئی آتش پرست ذبح کرے یا مسلمان یا یہودی و عیسائی ذبح کرے لیکن عمداً تسمیہ (اللہ کا نام) ترک کر دے تو اس صورت میں ذبیحہ مردار ہو جائے گا اور اس ذبح کی وجہ سے اس کا گوشت اور کھال پاک نہ ہوں گے۔

شامی میں ہے ہاتھی کی ہڈی کی بیع اور اس سے انتفاع جائز ہے "ویجوز بیع عظم الفیل والانتفاع به الخ (شامی ص ۱۱۲ ج ۴)

فتح القدیر میں ہے کہ مردار کی ہڈیوں پٹھوں، صوف اور سینگوں اور بالوں سے انتفاع میں مضائقہ نہیں کیونکہ یہ سب پاک ہیں۔ "ولا بأس ببیع عظام المیتة عصبها وصوفها وقرنها وشعرها والانتفاع بذلك كله لانها طاهرة الخ (فتح القدیر ص ۲۰۳ ج ۵)

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا حکم پھاڑنے والے درندوں کا سا ہے، لہٰذا اس کی ہڈی کی بیع اور اس سے انتفاع کتے کی طرح جائز ہے "وعند ابی حنیفة وابی یوسف هو کسائر السباع فیجوز بیع عظمه والانتفاع به فکان کالکلب یجوز الانتفاع به۔ (فتح القدیر ص ۲۰۳ ج ۵)

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدے اور لوگوں کے لئے بلا کسی نکیر کے اس کا استعمال ظاہر ہو گیا بعض نے اس کی بیع کے جواز پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ بخاری میں ہے امام زہریؒ فرماتے ہیں، مردار کی ہڈیوں کا حکم ہاتھی وغیرہ کا سا ہے۔ میں نے علمائے سلف کو پایا: ان کی ہڈیوں سے کنگھی کرتے اور ان سے تیل لگانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

امام بن سیرینؒ اور ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں مضائقہ نہیں (فتح القدیر ص ۲۰۳ ج ۵)

فصل بیر وقع فیها نجس اومات فیها حیوان وانتفخ او تفسخ اومات فیها آدمی او شاة او کلب ینزح کل مائها ان امکن والا نقدر ما فیها الصح ان یؤخذ بقول رجلین لهما بصارة

فی الماء ومحمد قدر بمائتی دلو الی ثلثمائة وفی نحو حمامة او دجاجة مات فیہا اربعون الی ستین وفی نحو فارة او عصفورة عشرون الی ثلثین والمعتبر الدلو الوسط وما جاوزه احتسب به ویتنجس البیر من وقت الوقوع ان علم ذلک والا فمنذ یوم ولیلة ان لم ینتفخ ومنذ ثلثة ایام ولیالیہا ان انتفخ وقالا منذ وجد وسور الآدمی والفرس وکل ما یوکل لحمہ طاہر

ترجمہ وہ کنواں جس میں نجاست گر جائے یا کوئی جانور گر کر پھول یا پھٹ جائے یا کوئی آدمی یا بکری یا کتا مر جائے تو اگر سارا پانی نکالنا ممکن ہو سارا نکالا جائے گا اور اگر ممکن نہ ہو تو اندازہ لگایا جائے زیادہ صحیح قول کے مطابق ایسے دو آدمیوں کا قول معتبر ہوگا جنھیں پانی سے متعلق بصیرت ہو اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دو سو سے تین سو ڈول تک نکالیں گے۔ اور مثلاً کبوتر یا بکری گر کر مر جائے تو چالیس سے ساٹھ تک ڈول نکالیں گے اور مثلاً چوہا یا چڑیا مر جائے تو بیس سے تیس تک نکالے جائیں گے۔ اور متوسط درجہ کا ڈول شرعاً معتبر ہے۔ اور جو اس سے بڑا ہو اس کا حساب لگائیں گے۔ اور کنواں نجاست کے گرنے کے وقت سے ناپاک ہوگا بشرطیکہ گرنے کے وقت کا علم ہو اور اگر گرنے کے وقت کا علم نہ ہو تو نہ پھولنے کی صورت میں ایک دن اور ایک رات سے گرا ہوا مانا جائے گا اور پھول گیا ہو تو تین دن اور تین رات سے گرا ہوا تسلیم کریں گے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ نجاست پائی گئی (اور نظر آئی) اسی وقت سے گری ہوئی شمار کریں گے۔ اور آدمی کا جھوٹا اور گھوڑے کا اور ہر اس جانور کا جس کا گوشت کھایا جاتا ہے پاک ہے۔

تشریح و توضیح نجس الخ۔ جیم کے فتحہ کے ساتھ یا کسرہ کے ساتھ اس کے اطلاق میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ نجاست مخففہ اور مغلظہ کے درمیان اس میں کوئی فرق نہیں اس لئے کہ تخفیف کا اثر تو کپڑوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر پانی میں بکری پیشاب کر دے جس کا کہ گوشت کھایا جاتا ہے تو نجاست خفیفہ کے باوجود سارا پانی نکالا جائے گا قاضی خاں نے اس کی صراحت کی ہے اور یہ کہ قلیل و کثیر کے درمیان کوئی فرق نہیں یہاں تک کہ اگر ایک قطرہ بھی پیشاب یا خون یا شراب کا گر جائے تو سارا پانی نکالنا واجب ہوگا مگر مناسب یہ ہے کہ کل پانی نکالنے کی قید ان کے ساتھ لگائی جائے جو ضرورتاً بھی معفو عنہ اور قابل درگذر نہیں۔ مثلاً اونٹ اور بکری کی مینگنی گر جانے پر پانی کے فاسد ہونے کا بر بنائے ضرورت حکم نہیں کیا جاتا کیونکہ ہوا کے ذریعہ بھی یہ کنوئیں میں گر جاتی ہیں اس لئے تاوقتیکہ یہ دیکھنے والے کی نظر میں کثیر نہ ہوں قابل عفو و درگذر ہیں۔

او مات الخ یعنی اگر پانی میں سے جانور زندہ نکال لیا جائے اور اس کی جلد کے نجس ہونے کا یقین ہو تو سارا پانی نکالا جائے گا ورنہ نہیں۔

حیوان۔ یعنی اگر جانور دموی ہو اور پانی میں پیدا نہ ہوا ہو ورنہ غیر دموی یا آبی ہونے کی صورت میں فاسد نہیں ہوگا

وانتفخ الخ۔ انتفاخ کے معنی ہیں کسی چیز کا پھول کر بڑا ہو جانا۔ جیسے کہا جاتا ہے "انتفخ البطن" (پیٹ پھول گیا)

یعنی بڑا ہوگیا ریاح وغیرہ سے اور تفسخ کے معنی ہیں اجزاء کا منتشر ہونا اور بکھرنا۔
ادمات الخ حاصل کہ پانی میں آدمی یا اس جیسے جثہ والی کوئی چیز مر جائے مثلاً بکری اور کتا وغیرہ تو نہ پھولنے پر بھی پورا پانی نکالا جائے گا۔ اور ان کے علاوہ میں پھولنے کی صورت میں سارا پانی نکالا جائے گا ورنہ اس کی ایک حد متعین ہوگی۔
وکل مائھا الخ یعنی گرنے یا مرنے کے وقت جس قدر پانی ہو سب نکالا جائے گا۔ لیکن نجاست گرنے کی صورت میں کیونکہ کنواں چھوٹے حوض کی طرح ہے اور چھوٹے حوض کا پانی جس چیز سے ناپاک ہوتا ہے اس سے کنواں بھی ناپاک ہوگا۔ البتہ دہ دردہ ہو تو نجس نہ ہوگا۔
لیکن آدمی کے مرنے کی صورت میں سارا پانی نکالنے کے لیے انتفاخ کی شرط نہیں جیساکہ روایت ہے کہ ایک حبشی مکہ مکرمہ زمزم کے کنوئیں میں گر گیا تو حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے سارا پانی نکالنے کا حکم فرمایا۔ ابن ابی شیبہ بیہقی، دار قطنی، طحاوی اور عبد الرزاق وغیرہ نے یہ روایت کی ہے۔

والکلب والخنزیر وسباع البہائم نجس والھرۃ والدجاجۃ المخلاۃ وسباع الطیر وسواکن البیوت مکروہ والحمار والبغل مشکوک یتوضأ بہ ویتیمم ای یتوضأ بالمشکوک ثم یتیمم الا فی المکروہ یتوضأ بہ فقط ان عدم غیرہ والعرق معتبر بالسور لان السور مخلوط باللعاب وحکم اللعاب والعرق واحد لان کلا منھما متولد من اللحم فان قیل یجب ان لا یکون بین سور ماکول اللحم وغیر ماکول اللحم فرق لانہ ان اعتبر باللحم فلحم کل واحد منھما طاھر الا تری ان غیر ماکول اللحم اذا لم یکن نجس العین اذا ذکی یکون لحمہ طاھرا وان اعتبر ان لحمہ مخلوط بالدم فماکول اللحم وغیرہ فی ذلک سواء قلنا الحرمۃ اذا لم تکن للکرامۃ فانھا اٰیۃ النجاسۃ لکن فیھا شبھۃ ان النجاسۃ لاختلاط الدم باللحم اذ لولا ذلک بل یکون نجاسۃ لذاتہ لکان نجس العین ولیس کذلک فغیر ماکول اللحم اذا کان حیا فلعابہ متولد من اللحم الحرام المخلوط بالدم فیکون نجسا لاجتماع الامرین الحرمۃ والاختلاط بالدم

ترجمہ اور کتے اور خنزیر اور پھاڑنے والے جانوروں کا جھوٹا نجس ہے۔ اور بلی اور آزاد پھرنے والی مرغی اور شکار کرنے والے پرندے اور گھروں میں رہنے والے جانور (حشرات الارض) ان کا جھوٹا مکروہ ہے۔ اور گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے۔ اس پانی سے وضو اور تیمم کرے یعنی اول اس مشکوک پانی سے وضو کرے پھر تیمم کرے۔ مکروہ پانی ہو تو صرف وضو کرے۔ اگر اس کے علاوہ پانی موجود نہ ہو اور پسینہ

کو جھوٹے پر قیاس کیا جائے گا اس لئے کہ جھوٹے میں لعاب مل جاتا ہے۔ اور لعاب و پسینہ کا حکم ایک ہے۔ کیونکہ دونوں کی تخلیق گوشت سے ہوتی ہے پس اگر کہا جائے واجب ہے ماکول اللحم جانوروں اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے جھوٹے کے درمیان فرق نہ ہو کیونکہ اگر گوشت پر قیاس کیا جائے تو گوشت دونوں کا پاک ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ غیر ماکول اللحم (وہ جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا) نجس العین نہ ہو اور اسے ذبح کرلیا جائے تو اس کا گوشت پاک ہے۔ یا اگر یہ قیاس کیا جائے کہ اس کا گوشت خون سے مخلوط ہے تو اس معاملہ میں ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانور برابر ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ حرمت اگر کراماً نہ ہو تو یہ خود نجاست کی علامت ہے مگر اس بارے میں شبہ ہے کہ نجاست خون کے گوشت میں مخلوط ہونے کی بنا پر ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو بلکہ اس کی نجاست گوشت کی وجہ سے ہو تو وہ نجس العین ہوگا حالانکہ بات اس طرح نہیں۔ پس غیر ماکول اللحم جب کہ زندہ ہو تو اس کے لعاب کی تخلیق حرام گوشت خون سے مخلوط ہونے کی بنا پر نجس ہوگا۔ کیونکہ اس میں دو امر جمع ہوگئے گوشت کا حرام ہونا اور خون کی آمیزش۔

تشریح و توضیح والکلب الخ کتے، سور اور پھاڑنے والے جانوروں کا جھوٹا اس وجہ سے حرام ہے کہ جھوٹے میں لعاب کی ضرور آمیزش ہوتی ہے اور ان کا لعاب نجس ہے۔ اور احادیث میں ہے کہ ان کا لعاب اگر کپڑے پر لگ جائے تو اسے دھونا اور پاک کرنا لازم ہے۔

وسباع الخ ہر پھاڑنے والا جانور مثلاً شیر اور بھیڑیا۔

والھرۃ الخ فارسی میں اسے "گربہ" اور اردو میں "بلی" کہتے ہیں۔ المخلاۃ۔ آزاد گھومنے والی۔ اور غلاظت و نجاست کھانے والی مرغی۔ یہ قید لگا کر ایسی مرغی مستثنیٰ کردی جو ایک جگہ بند کرکے رکھی جائے اور وہیں کھائے عدم اختلاط کی بنا پر اس کا جھوٹا مکروہ بھی نہیں۔

مکروہ۔ کیونکہ ان سے مفر ممکن نہیں اس لئے شرعاً سہولت عطا کی گئی اور ان کے جھوٹے کی حرمت کا حکم نہیں کیا گیا "بلی" کے بارے میں ارشاد ہے کہ "اس کا جھوٹا نجس نہیں کیونکہ یہ تمہارے گھروں میں پھرنے والی ہے یہ حدیث "موطا امام مالکؒ، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی، دارمی، مسند ابویعلی وغیرہ میں موجود ہے۔

مشکوک الخ کیونکہ یہ گھروں میں بندھے رہتے ہیں اور برتنوں وغیرہ میں پانی وغیرہ پیتے ہیں، تو ضرورتاً نجاست کا حکم نہیں کیا گیا۔ البتہ اگر ضرورت نہ رہے اور ان کے مستعمل برتنوں اور پانی وغیرہ سے احتراز بآسانی ہوسکے تو ان کے جھوٹے کا حکم پھاڑنے والے درندوں کا سا ہوگا۔

والعرق الخ یعنی پسینہ کو جھوٹے پر قیاس کیا جائے گا پس جس کا جھوٹا پاک ہے اس کا پسینہ بھی پاک ہوگا، مثلاً آدمی اور گھوڑا۔ اور جن کا جھوٹا ناپاک ہوگا ان کا پسینہ بھی ناپاک قرار دیا جائے گا اور جن کا جھوٹا مکروہ ان کا پسینہ بھی مکروہ ہوگا۔

واما فی ماکول اللحم فلم یوجد الا احدھما وھو الاختلاط بالدم فلم یوجب نجاسۃ السوس

لان هذه العلة بانفرادها ضعيفة اذ الدم المستقر فی موضعه لم يعط له حکم النجاسة فی الحی واذا لم يكن حياً فان لم يكن مذكّى كان لحمه نجسا سواء كان ماكول اللحم او غيره لانه صار بالموت حراما فالحرمة موجودة مع اختلاط الدم فيكون نجسا وان كان مذكّى كان طاهرا اما فی ماكول اللحم فلانه لم يوجد الحرمة ولا اختلاط بالدم واما فی غير ماكول اللحم فلانه لم يوجد الاختلاط والحرمة المجردة غير كافية فی النجاسة علی ما مر انها تثبت باجتماع الامرين

فان عدم الماء الا نبيذ التمر قال ابو حنيفة رح بالوضوء به فقط وابو يوسف رحمه الله بالتيمم فحسب ومحمد رح بهما والخلاف فی نبيذ هو حلو رقيق يسيل كالماء اما اذا اشتد وصار مسكرا لا يتوضأ به اجماعاً

ترجمہ بہرحال ماکول اللحم جانوروں میں صرف ایک ہی حرمت پائی جاتی ہے اور وہ ہے خون کی آمیزش تو محض اس آمیزش سے لعاب نجس نہ ہوگا کیونکہ محض یہ سبب کمزور ہے اپنی جگہ ٹھہرے رہنے والے خون پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جاتا جب کہ زندہ ہو اور زندہ نہ ہونے کی صورت میں شرعی طور پر ذبح نہ ہو تو ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم نجاست میں برابر ہیں۔ کیونکہ جانور مرنے کی بناء پر حرام ہوگیا اور دم (خون) کی آمیزش کے ساتھ یہ حرمت موجود ہے لہذا نجس ہوجائے گا اور اگر شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو تو وہ پاک ہوگا۔
بہرحال ماکول اللحم جانور میں نہ خون کی آمیزش پائی جاتی ہے اور نہ حرمت (مردہ ہونے) کی پائی جاتی ہے۔ اور غیر ماکول اللحم میں (ذبح کے بعد) خون کا اختلاط نہیں پایا جاتا اور محض خون کی آمیزش کی بناء پر حرمت نجاست کے حکم کے سلسلہ میں ناکافی ہے۔ جیسا کہ "تثبت باجتماع الامرین" (نجاست دو امر اکٹھے ہونے پر ثابت ہوتی ہے) سے بیان کیا جا چکا۔ پس اگر پانی سوائے کھجور کی نبیذ (شیریں پانی) کے نہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ اس سے صرف وضو کا حکم فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ تیمم کا حکم فرماتے ہیں اور امام محمدؒ وضو اور تیمم دونوں کا حکم فرماتے ہیں۔ یہ اختلاف فقہاء اس صورت میں ہے کہ نبیذ پانی کی طرح بہنے والی اور شیریں ہو لیکن اگر گاڑھی ہوکر نشہ آور ہوجائے تو بالاتفاق کسی کے نزدیک اس سے وضو جائز نہیں۔

تشریح و توضیح الدم الخ یعنی وہ خون جو رگوں وغیرہ میں اپنی جگہ ہو اس کے نجس ہونے کا حکم نہیں کیا جاتا۔ اسی لئے اگر کوئی شخص اس حالت میں نماز پڑھے کہ کوئی بچہ یا جانور اس کی گردن پر ہو تو اس کی نماز درست ہوجائے گی۔
فان عدم الماء الخ یعنی اگر اس نبیذ کے پانی کے علاوہ کوئی اور پانی صاف و پاک موجود نہ ہو تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر موجود ہو تو جائز نہیں۔
نبیذ تمر سے وضو کا جواز حدیث شریف سے ثابت ہے۔

باب التیمم

هو لمحدث وجنب وحائض ونفساء لم یقدروا علی الماء ای علی ماء یکفی لطهارته
حتی اذا کان للجنب ماء یکفی للوضوء لا للغسل یتیمم ولا یجب علیه التوضی عندنا خلافا للشافعیؒ
اما اذا کان مع الجنابة حدث یوجب الوضوء یجب علیه الوضوء فالتیمم للجنابة بالاتفاق واذا کان
للمحدث ماء یکفی لغسل بعض اعضاءه فالخلاف ثابت ایضا لبعده میلا المیل ثلث الفرسخ وقیل
ثلثة الاف ذراع وخمس مأة الی اربعة الاف وما ذکر ظاهر الروایة وفی روایة الحسنؒ المیل انما
یکون معتبرا اذا کان فی طرف غیر قدامه حتی یصیر میلین ذهابا ومجیئا فاما اذا کان فی قدامه
فیعتبر ان یکون میلین او لمرض لا یقدر معه علی استعمال الماء وان استعمل الماء اشتد مرضه
حتی لا یشترط خوف التلف خلافا للشافعیؒ اذ ضرر اشتداد المرض فوق ضرر زیادة الثمن وهو
یبیح التیمم او برد ای ان استعمل الماء یضره او عدو او عطش ای ان استعمل الماء خاف العطش
او ابیح الماء للشرب حتی اذا وجد المسافر ماء فی حب معد للشرب جاز له التیمم الا اذا کان
کثیرا فیستدل علی انه للشرب والوضوء فاما الماء المعد للوضوء فانه یجوز ان یشرب منه
وعند الامام الفضلیؒ عکس هذا فلا یجوز التیمم

ترجمہ تیمم بے وضو شخص اور جنبی (جسے غسل کی ضرورت ہو) اور حیض ونفاس والی عورتوں کے لئے جائز ہے
جنھیں پانی میسر نہ آئے یعنی اتنا پانی جو طہارت واجبہ کے لئے کافی ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی جنبی کو
وضو کرنے کے بقدر پانی میسر ہو غسل کے بقدر نہ ہو تو وہ تیمم کرے اور ہمارے (احنافؒ کے) نزدیک اس پر وضو واجب
نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک وضو واجب ہے (اور غسل کے لئے تیمم کرے) اگر جنبی کو جنابت (ناپاکی) کے ساتھ حدث
وضو کو واجب کرنے والا پیش آئے تو اس پر وضو واجب ہے اور جنابت کے لئے بالاتفاق تیمم کرے گا۔ اور اگر بے وضو
شخص کے پاس اتنا پانی ہو کہ اس سے بعض اعضاء دھو سکے تو اس کے اندر بھی فقہاء کا اختلاف ہے اور پانی
سے ایک میل دور ہونے کی بناء پر قدرت حاصل نہ ہو میل تہائی فرسخ کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک تین ہزار
پانچ سو گز سے چار ہزار گز تک ہوتا ہے۔ ظاہر روایت کے مطابق یہی حکم ہے اور حسن کی روایت کے مطابق
دو میل جانے والی راہ سے دور ہو تو تیمم جائز ہے اور ایک میل کی اس راہ سے دوری پر ہو جس طرف سے جانے
کا ارادہ نہ ہو تو تیمم جائز ہے۔ کہ اس ایک میل کی مسافت کی آمد و رفت میں دو میل ہو جائیں۔ اس صورت میں
جس راہ سے جانے کا ارادہ ہے اس میں دو میل کی مسافت معتبر ہوگی۔ یا بیماری کی وجہ سے پانی کے استعمال
پر قادر نہ ہو یا پانی استعمال کرنے سے بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو حتی کہ (عضو یا جان کے) تلف ہو جانے کا

اندیشہ شرط نہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک عضو یا نفس (جان) کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم جائز ہے ورنہ نہیں بیماری کا بڑھ جانا قیمت کے بڑھ جانے سے زیادہ اہم ہے اور پانی کی بہت زیادہ قیمت کی صورت میں تیمم جائز ہو جاتا ہے (تو مرض کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا) یا سردی کا اندیشہ ہو کہ اگر پانی استعمال کرے تو شدید نقصان دہ ہوگا۔ یا دشمن کا خوف ہو یا تشنگی کا اندیشہ ہو یعنی اگر پانی استعمال کرے تو پیاسا رہ جانے کا (قوی) اندیشہ ہو یا کسی نے پانی فقط پینے کی اجازت دی ہو حتیٰ کہ اگر مسافر کو کسی مٹکے میں پانی ملے اور وہ محض لوگوں کے پینے ہی کے لیے رکھا ہو تو اس کے لیے تیمم جائز ہے لیکن اور زیادہ مقدار میں ہو تو اس سے استدلال کیا جائے گا کہ یہ پینے اور وضو کرنے دونوں کے لیے ہے۔ وہ پانی جو وضو کے لیے ہو اس میں سے پینا بھی جائز ہے اور امام فضلیؒ کے نزدیک اگر پینے کے واسطے ہو تو تیمم جائز ہے اور اگر وضو کے لیے ہو تو تیمم جائز نہیں

تشریح و توضیح

لمحدث الخ۔ اس سے مراد حدث اصغر ہے جس کے پیش آنے پر وضو واجب ہوتا ہے۔
جنب الخ یعنی وہ جنابت و ناپاکی جو انزال اور ہمبستری کے نتیجہ میں واقع ہو۔

نفساء۔ نون کے ضمہ اور فا کے فتحہ کے ساتھ نفاس والی عورت یعنی وہ عورت جسے بچہ کی پیدائش کے بعد خون آئے یتیمم یعنی اس پر واجب ہے جسے پانی میسر نہ ہو کہ غسل کے لئے تیمم کرلے۔

خلافاللشافعی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اتنا پانی ہو جس سے صرف وضو ہو سکتا ہو اور وہ غسل کے لئے ناکافی ہو تو وضو کرے اور غسل کے لئے تیمم کرے۔

اولمرض الخ۔ لمرض "پر دوبارہ لام کے لانے کی وجہ یہ ہے کہ پانی نہ ملنے اور بیماری یہ دونوں عذر جواز تیمم کے لئے خود قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہیں۔ ارشاد باری ہے "وان کنتم مرضیٰ (الیٰ قولہ) فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدًا طیبًا (الآیہ)

اشتد مرضہ الخ یعنی اگر اس کا اندیشہ ہو کہ پانی کے استعمال سے مرض میں زیادتی ہو جائے گی اور پانی نقصان دہ ثابت ہوگا تب بھی تیمم کرنا درست ہے۔ کیونکہ بدنی نقصان کا درجہ مالی نقصان سے بڑھا ہوا ہے اور شرعاً زیادہ مالی نقصان ہونے پر بھی تیمم کرنے اور ترک وضو کی اجازت دی ہے۔ مثلاً پانی قیمتاً مل سکتا ہو مگر اتنے پانی کی قیمت مثلی سے کافی زیادہ پر پانی مل سکتا ہو تو اس صورت میں اختیار ہے کہ وہ پانی نہ خریدا جائے اور تیمم کرلیا جائے۔

ای ان الخ یعنی اگر اس کا اندیشہ ہو کہ یہ قلیل المقدار وضو میں استعمال کرنے پر پینے کے لئے پانی نہ رہے گا اور وضو کرنے والا یا اس کے ساتھی پیاسے مرجائیں گے تو تحفظ نفس مقدم قرار دیتے ہوئے تیمم کرنا مباح ہوگا۔

حب۔ حا کے ضمہ کے ساتھ بڑا گھڑا فارسی میں اسے خم (مٹکا) کہتے ہیں۔

وعند الخ۔ ذخیرہ میں ہے شیخ ابوبکر محمد بن الفضلؒ فرماتے ہیں کہ جو پانی لوگوں کے پینے کے لئے ہو اس سے کوئی شخص وضو کرلے تو مضائقہ نہیں لیکن جو لوگوں کے وضو کرنے کی خاطر رکھا گیا ہو اس سے وضو ہی کیا جا سکتا ہے اس میں سے پینا جائز نہ ہوگا۔

او عدم آلة کالدلو ونحوها او خوف فوت صلوٰة العید فی الابتداء ای اذا خاف فوت صلوٰة العید جازله ان یتیمم ویشرع فیها هذا بالاتفاق وبعد الشروع متوضیا والحدث للبناء ای اذا شرع فی صلوٰة العید متوضیا ثم سبقه الحدث ویخاف انه ان توضأ یفوته الصلوٰة جازله ان یتیمم للبناء وهذا عند ابی حنیفة رح خلافاً لهما وان شرع بالتیمم جازله التیمم للبناء بالاتفاق فقوله هو لمحدث مبتدأ وضربة خبره ولم یقدروا صفة لمحدث وما بعده کالجنب والحائض وغیرهما وقوله لبعده مع المعطوفات متعلق بقوله لم یقدروا وقوله فی الابتداء تقدیره التیمم لخوف فوت صلوٰة العید فی الابتداء وبعد الشروع متوضیا ضربة

ترجمہ یا آلہ مثلاً ڈول (اور رسی) وغیرہ نہ ہو یا شروع ہی میں نماز عید کے بعد فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو یعنی نماز عید نہ ملنے کا خوف ہو تو بالاتفاق اس کے لئے تیمم کرکے نماز عید پڑھنا جائز ہے، اور وضو کرکے شروع کرے اور حدث پیش آجائے تو بنار کے لئے تیمم کرے یعنی نماز عید باوضو شروع کرے پھر وضو ٹوٹ جائے اور یہ خطرہ ہو کہ اگر وضو کرے گا تو نماز فوت ہوجائے گی۔ اس صورت میں اس کے واسطے تیمم سے بنا کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ تیمم نہ کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔ اور اگر تیمم کرکے نماز شروع کی ہو اور وضو ٹوٹ جائے تو بالاتفاق اس صورت میں اس کے واسطے تیمم سے بنا کرنا (دوبارہ تیمم کرکے نماز پڑھنا) جائز ہے۔ پس مصنف کا قول "هو لمحدث" مبتدا ہے اور "ضربة" اس کی خبر ہے، اور "لم یقدروا" محدث (بے وضو) اور اس کے مابعد مثلاً جنبی اور حائضہ وغیرہ کی صفت ہے۔ اور مصنف کا قول "لبعده میلا" معطوفات (مرض، برد، عدم الآلة وخوف الفوت) سمیت لم یقدروا کا متعلق ہے اور "فی الابتداء" یہ متعلق ہے بتدا کے، تقدیر کلام یہ ہے کہ آغاز ہی میں یہ اندیشہ ہو کہ نماز عید فوت ہوجائے گی تو تیمم کرے اور باوضو شروع کرنے کے بعد (حدث پیش آئے تو مٹی پر ہاتھ مارے (تیمم کرے)۔

تشریح وتوضیح او خوف الخ اس کا عطف مذکورہ بالا اعذار پر ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر نماز عید الفطر ونماز عید الاضحیٰ کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمم کرکے نماز عیدین پڑھ لینا جائز ہے خواہ تیمم کرنے والا صحیح وتندرست ہو اور پانی پر اسے قدرت حاصل ہو۔ اس میں بلا عذر تیمم کی اجازت کی وجہ یہ ہے کہ نماز عیدین اگر فوت ہوجائیں تو ان کے قائم مقام نہ ہونے کی بنار پر قضا ممکن نہیں، تو اس صورت میں پانی پر قدرت عدم قدرت ہی کی طرح شمار ہوگی۔ لیکن اگر نماز عیدین متعدد جگہ اور مختلف اوقات میں ہو اور وضو کرنے پر کسی امام کے پیچھے نماز فوت ہورہی ہو مگر دوسری جگہ مل سکتی ہو تو اس شکل میں تیمم درست نہ ہوگا بلکہ وضو کرکے دوسری مسجد میں جانا چاہیئے۔

اصل اس باب میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے سلام کا جواب دینے

کے لئے پیشاب سے فارغ ہو کر تیمم فرمایا اور اس کے سلام کا جواب دیا (بخاری ومسلم وغیرہما) اور تیمم کا جواز نمازِ جنازہ فوت ہونے کے خطرہ پر ثابت ہے۔ اس طرح کی روایت ابن ابی شیبہ، نسائی، طحاوی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موجود ہے۔ اور طحاوی نے حضرت حسنؒ سے اور ابراہیمؒ وعطاؒ وابن شہابؒ وغیرہ سے اور بیہقی ودارقطنی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ اور ان تمام روایات سے ان چیزوں میں تیمم کا جواز ثابت ہوتا ہے جن کا فوت ہونے پر کوئی قائم مقام نہ ہو۔

بالاتفاق الخ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ اس مسئلہ میں متفق ہیں، البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تیمم نمازِ عید اور نمازِ جنازہ کے محض فوت ہونے کے اندیشہ سے جائز نہیں۔

ای اذا شرع الخ یعنی اگر نمازِ عید وضو کر کے شروع کی ہو اور دورانِ نماز وضو ساقط ہو جائے اور وقت کے گذر جانے کا اندیشہ ہو اور یہ توقع ہو کہ نمازِ عید کا کچھ حصہ امام کے ساتھ مل جائے گا تو پھر بالاتفاق اسے وضو کرنا چاہئے اور تیمم نہ کرے۔

اور اگر زوالِ آفتاب کا وضو میں مشغول ہونے پر کہ وقت کی بنا پر اندیشہ ہو تو بالاتفاق اس کے لئے اس صورت میں تیمم کرنا جائز ہے۔

جاز له التیمم الخ اس لئے کہ اگر اس پر وضو واجب قرار دیں تو اسے نماز کے درمیان پانی پانے والا قرار دینگے اور اس طرح اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ تیمم کرنے والے کو اگر نماز کے درمیان پانی مل جائے تو اس پر نماز لوٹانا واجب ہے۔

اوصلوٰة الجنازة لغير الولي لا لفوت صلوٰة الجمعة والوقتية لان فوتهما الى خلف وهو الظهر والقضاء ضربة لمسح وجهه وضربة ليديه مع مرفقيه ولا يشترط الترتيب عندنا والفتوى على انه يشترط الاستيعاب عندنا حتى لو بقي شئ قليل لا يجزيه والاحسن في مسح الذراعين ان يمسح ظاهر الذراع اليمنى بالوسطى والبنصر والخنصر مع شئ من الكف اليسرى مبتدئا من رؤس الاصابع ثم باطنها بالمسبحة والابهام الى رؤس الاصابع وهكذا يفعل بالذراع اليسرى اذا لم يدخل الغبار بين اصابعه فعليه ان يخلل اصابعه فيحتاج الى ضربة ثالثة لتخليلها على كل طاهر متعلق بضربة من جنس الارض كالتراب والرمل والحجر وكذا الكحل والزرنيخ واما الذهب والفضة فلا يجوز بهما اذا كانا مسبوكين فان كانا غير مسبوكين مختلطين بالتراب يجوز بهما والحنطة والشعير ان كان عليهما غبار يجوز ولا يجوز على مكان كان فيه نجاسة وقد زال اثرها مع انه يجوز الصلوٰة فيه ولا يجوز بالرماد هذا عند ابي حنيفةؒ ومحمدؒ

ترجمہ یا غیر ولی نماز جنازہ کے لئے تیمم کرے وقتیہ اور جمعہ کے فوت ہونے کے اندیشہ پر تیمم درست نہیں اس لئے کہ ان دونوں کا قائم مقام ہے اور وہ ظہر اور قضاء ہیں۔ ایک ضرب (مٹی پر ہاتھ مارنا) چہرے پر مسح کے لئے ہو اور ایک ضرب سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرے۔ اور ہمارے (احناف کے) نزدیک صحت تیمم کے لئے مسح شرط نہیں۔ اور فتویٰ اس پر ہے کہ استیعاب (ہر ہر متعین جزو حصہ تک ہاتھ پہونچانا) شرط ہے حتیٰ کہ اگر کچھ حصہ بھی باقی رہ گیا کہ اس پر ہاتھ نہ پہونچا ہو تو تیمم درست نہ ہوگا۔ اور ہاتھوں کے مسح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی تھوڑی ہتھیلی اور وسطی اور بنصر وخنصر کے سروں سے دائیں ہاتھ کی کہنی تک کھینچے پھر شہادت کی انگلی اور انگوٹھے اور باقی ہتھیلی سے ہاتھ کے اندرونی حصہ کا مسح کرے۔ اور اسی طرح بائیں ہاتھ کا مسح کرے۔ پھر اگر انگلیوں کے اندر غبار نہ پہونچا ہو تو انگلیوں کا خلال واجب ہے اور خلال کے لئے تیسری ضرب کی ضرورت ہوگی مسح ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو مثلاً مٹی اور ریت اور پتھر۔ اور اسی طرح سرمہ اور ہڑتال اور سونا اور چاندی وہ دونوں اگر ڈھلے ہوئے (اور مٹی و میل سے صاف) ہوں تو ان سے تیمم جائز نہیں۔ اور اگر ڈھلے ہوئے نہ ہوں اور غبار آلود ہوں تو ان سے تیمم جائز ہے اور گیہوں اور جو اگر ان دونوں پر غبار رہو تو تیمم جائز ہے۔ اور ایسی جگہ پر جہاں (پہلے) نجاست ہو اور اس کا اثر زائل ہو گیا ہو تیمم جائز نہیں البتہ ایسی جگہ نماز جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ راکھ سے تیمم جائز نہیں

تشریح وتوضیح اوصلوٰۃ الجنازۃ الخ اس کا عطف نماز عید پر ہے یعنی جب جنازہ آجائے اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر وضو کرے اور نماز جنازہ فوت ہو جائے گی تو تحقق عجز کی بنا پر اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہوگا ولی جنازہ کے لئے کیونکہ اس طرح کا عجز متحقق نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ فوت ہو جائے گی بلکہ اس کا انتظار کیا جاتا ہے اس واسطے اس کے لئے تیمم کرنا ایسے موقعہ پر جائز نہیں۔

لان لو تعما۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تیمم کے جواز کے لئے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ شرط ہے جس کا کوئی قائم مقام نہ ہو۔ اور رہی نماز جمعہ اور وقتیہ نماز میں ان کا قائم مقام موجود ہے لہذا یہاں وہ عجز باقی نہ رہا۔

دھوالظھر۔ اصل جمعہ کے دن نماز جمعہ اور ظہر اس کی قائم مقام ہے تو اصل نہ ملنے کی صورت میں نماز ظہر پڑھی جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ فرض الوقت ظہر ہے مگر جمعہ کی وجہ سے اس کے ساقط کرنے کا امر کیا گیا۔ اور عینی وغیرہ کا راجح وپسندیدہ قول یہ ہے کہ ظہر اصل ہے اس کا قائم مقام کوئی نہیں لیکن جمعہ فوت ہونے کی صورت میں اسے قائم مقام سمجھ لیا جاتا ہے۔

والقضاء۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وقتیہ سے مراد وہ فرائض اور واجبات ہیں جن کی قضا کی جاتی ہے ورنہ نماز کسوف وخسوف اور تراویح بھی وقتیات ہیں کہ انہیں بھی مقررہ وقت پر ادا کیا جاتا ہے۔

ضربۃ۔ مٹی پر ہاتھ رکھنا بھی کافی ہے مگر اس کے باوجود "ضربۃ" کا استعمال احادیث کے اتباع کی بنا پر ہے کیونکہ اکثر احادیث میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ پھر یہ کہ ضرب تیمم کا رکن ہے۔ لہذا اگر دونوں ہاتھ مٹی پر

مارے اور چہرہ و ہاتھ پر مسح سے قبل حدث پیش آگیا تو اس ضرب سے مسح جائز نہ ہوگا بلکہ دوسری ضرب کی ضرورت ہوگی۔

تمسح وجهه۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ "ضرب" سے مقصود مسح ہے پس اگر مسح اس کے بغیر حاصل ہو جائے جیسے کوئی شخص اپنا سر تیمم کی نیت سے غبار کی جگہ میں داخل کرے اگرچہ دیوار کے گرنے کی بنا پر یہ غبار ظاہر و نمایاں ہوا ہو اور اس غبار میں بہ نیت تیمم اپنے سر کو حرکت دے تو جائز ہے۔

ولا یشترط۔ یعنی تیمم صحیح ہونے کے لئے ترتیب کی شرط نہیں کہ پہلے چہرہ کا مسح ہو بعد ہاتھوں کا بلکہ ترتیب مسنون ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلاف ترتیب بھی اگر تیمم کیا تو صحیح ہو جائے گا مگر طریقۂ مسنون کے خلاف ہوگا۔ لا یدعہ۔ پس بھوؤں کے نیچے دونوں آنکھوں کے اوپر اور رخساروں کا مسح واجب ہے اگر انگوٹھی تنگ ہونے کی وجہ سے نہ ہلائی اور اسی طرح عورت نے اگر کنگن یا چوڑیاں نہیں ہلائیں اور انگوٹھی و چوڑیوں کی جگہ کا مسح نہیں کیا تو مسح جائز نہ ہوگا۔ اور "منیہ" میں ہے کہ انگلیوں میں خلال کرنا واجب ہے۔

والاحسن۔ مسح کا یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں مستعمل مٹی کے استعمال سے احتراز لازم آتا ہے اگرچہ زیادہ صحیح قول کے مطابق مٹی مستعمل نہ ہوگی۔ لیکن پھر بھی اس سے اجتناب اولیٰ و بہتر ہے۔

بالوسطیٰ۔ انگوٹھے سے متصل انگلی اور اس سے متصل انگلی (بنصر) اور اس سے متصل سب سے چھوٹی انگلی خنصر کہلاتی ہے۔ مسح میں یہ انگلیاں استعمال کی جاتی ہیں۔

فیحتاج۔ یہ حکم امام محمدؒ کی روایت کی رو سے ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک بلا غبار کے تیمم جائز نہیں۔ پس اگر غبار انگلیوں کے درمیان نہ پہونچا ہو تو ایک اور ضرب کی ضرورت ہوگی اور امام محمدؒ کے علاوہ کے نزدیک غبار پہونچانا واجب نہیں بلکہ خلال و مسح کافی ہے۔ درمختار وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

من جنس الارض۔ یہ فرق بیان کرنے کے لئے ہے کہ کن چیزوں کا شمار زمین کی جنس میں ہے اور کن اشیاء کا شمار زمین کی جنس میں نہیں ہے۔

زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شئے جو آگ میں جل کر راکھ بن جائے مثلاً درخت لکڑی اور ہر وہ چیز جو آگ کی تپش سے پگھل کر نرم ہو جائے مثلاً لوہا اور سونا چاندی اور ہر وہ چیز جسے زمین کھا لے مثلاً گندم، جو اور سارے بیج ان کا شمار زمین کی جنس میں نہیں اور ان چیزوں پر اگر غبار نہ ہو تو تیمم جائز نہ ہوگا۔

واما عند ابی یوسف رح فلا یجوز الا بالتراب والرمل وعند الشافعیؒ لا یجوز الا بالتراب ولو بلا نقع وعلیه ای علی النقع فلو کنس دارًا وهدم حائطا او کال حنطة فاصاب علی وجهه وذراعیه غبار لا یجزیه حتی یمر یده علیه مع قدرته علی الصعید بنیة اداء الصلوٰة فالنیة فرض فی التیمم خلافًا لزفرحتی اذا کان به حدثان حدث یوجب الغسل کالجنابة وحدث

يوجب الوضوء ينبغي ان ينوي عنهما فان نوى عن احدهما لايقع عن الآخر لكن يكفي تيمم واحد عنهما فلا يجوز تيمم كافر لاسلامه اى لايجوز الصلوٰة بهذا التيمم عندهما خلافاً لابي يوسف فعنده يشترط لصحة التيمم في حق جواز الصلوٰة ان ينوي قربة مقصودة سواء لاتصح بدون الطهارة كالصلوٰة او تصح كالاسلام وعندهما قربة مقصودة لاتصح الا بالطهارة فان تيمم لصلوٰة الجنازة او سجدة التلاوة يجوز بهذا التيمم اداء المكتوبات وان تيمم لمس المصحف او دخول المسجد لاتصح به الصلوٰة لانه لم ينو به قربة مقصودة لكن يحل له مس المصحف ودخول المسجد۔

ترجمہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف ریت اور مٹی سے تیمم درست ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محض مٹی سے تیمم جائز ہے۔ اگرچہ پتھر پر غبار نہ ہو (مگر تیمم جائز ہے) اور نفس غبار سے تیمم جائز ہے۔ پس اگر کوئی شخص گھر میں جھاڑو دے یا دیوار گرائے یا گیہوں ناپے اور اس کا چہرہ اور ہاتھ غبار آلود ہو جائیں تو تا وقتیکہ ہاتھ کے ذریعہ مسح نہ کیا جائے تیمم کے لئے اسے کافی قرار نہ دیں گے۔ پاک مٹی پر قدرت کے باوجود غبار سے تیمم ادائیگی نماز کی نیت سے جائز ہے۔ پس نیت تیمم میں فرض ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک فرض نہیں حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو دو حدث لاحق ہوں ایک حدث (مثلاً جنابت و ناپاکی) کی وجہ سے غسل واجب ہو اور ایک حدث کی وجہ سے وضو واجب ہوتا ہو تو مناسب ہے کہ دونوں کی نیت کرے۔ اگر دونوں میں سے ایک کی نیت کی تو دوسرے کے لئے یہ تیمم نہیں ہوگا البتہ دونوں میں سے ایک کے لئے یہ تیمم کافی ہو جائے گا۔

اگر کافر قبولِ اسلام کے لئے تیمم کرے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس تیمم سے نماز پڑھنی جائز نہ ہوگی بخلاف امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس تیمم سے نماز درست ہوگی۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک نماز کے درست ہونے کے حق میں تیمم کی صحت کی شرط یہ ہے کہ اس سے عبادتِ مقصودہ کی نیت ہو۔ خواہ وہ عبادتِ مقصودہ بغیر طہارت (وضو و غسل) کے صحیح نہ ہو مثلاً نماز یا طہارت کے بغیر صحیح ہو جائے مثلاً اسلام۔ اور امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک عبادتِ مقصودہ طہارت (پاکی) کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ پس اگر کوئی شخص نمازِ جنازہ یا سجدۂ تلاوت کے لئے تیمم کرے تو اس تیمم سے فرائض کی ادائیگی جائز ہے۔ اور اگر قرآن شریف کو چھونے یا مسجد میں داخل ہونے کے لئے تیمم کرے تو عبادتِ مقصودہ کی نیت نہ کرنے کی بناء پر اس تیمم سے نماز درست نہیں ہوگی مگر اس تیمم کے ذریعہ قرآن شریف چھونا اور مسجد میں داخل ہونا جائز ہوگا۔

تشریح و توضیح ولا یجوز الا بالتراب الخ امام شافعیؒ صرف مٹی ہی سے تیمم کو جائز قرار دیتے ہیں ان کا مستدل یہ حدیث ہے کہ "زمین ہمارے لئے پاک کر دی گئی" (یہ حدیث مسلم، ابن حبان، ابن خزیمہ وغیرہ میں موجود ہے) اور امام ابو یوسفؒ کا یہ قول کہ تیمم ریت سے درست ہے، یہ در اصل امام شافعیؒ

کا قدیم قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کا مستدل یہ آیت کریمہ "فتیمموا صعیداً طیباً" ہے، اور وہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ارض طاہر (پاک زمین) ہے۔ اور احادیث میں ہے کہ "جعلت لی الارض طہوراً" اقوی ترین قول امام ابوحنیفہؒ ہی کا ہے۔

ولو بلا نقع۔ یہ حجر کے ساتھ متعلق ہے یا "کل طاھر" سے متعلق ہے یعنی اگرچہ یہ پاک پتھر بلا غبار کے ہو تب بھی اس پر تیمم جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام محمدؒ کی دوسری روایت جو در اصل امام ابو یوسفؒ کا قول ہے یہ ہے کہ غبار کے بغیر تیمم جائز نہیں، کیونکہ ارشاد ربانی ہے "فامسحوا بوجوھکم و ایدیکم منہ" اس لئے کہ ضمیر "تراب" (مٹی) کی طرف لوٹ رہی ہے، اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس کا کوئی جزو استعمال ہو اور یہ غبار کے بغیر ممکن نہیں۔ اور جو غبار کی شرط نہیں لگاتے ان کا مستدل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فتیمموا صعیداً طیباً فامسحوا بوجوھکم و ایدیکم"۔

مع قدرتہ۔ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ صعید (پاک مٹی) موجود ہونے اور اس پر قدرت کی صورت میں غبار سے تیمم جائز نہیں البتہ عدم قدرت کی شکل میں غبار سے تیمم کر لینا درست ہوگا۔

قولہ اداء الصلوٰۃ۔ یہاں مراد "قضاء" کے مقابلہ میں "ادا" نہیں اس لئے کہ تیمم بنیتِ قضاء بھی بالاتفاق صحیح ہے۔

خلافاً الخ۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح وضو میں نیت شرط نہیں، اسی طرح تیمم میں بھی جو اس کا قائم مقام ہے نیت شرط نہیں۔ ورنہ اگر اس میں نیت ضروری ہو تو قائم مقام کی اصل سے مخالفت لازم آئیگی اس کا جواب یہ ہے کہ بدلائل بعض اوصاف میں قائم مقام کی اصل سے مخالفت ثابت ہو تو اس میں مضائقہ نہیں۔ اور وہ اس جگہ موجود ہے، ارشادِ ربانی "فتیمموا صعیداً طیباً" اس پر دلالت کرتا ہے، لغت میں تیمم کے معنی قصد کے ہیں، اور اس کی تائید کہ نیت ضروری ہے اس سے ہوتی ہے کہ مٹی باعتبار اصل پاک کرنے والی نہیں ہوتی، صرف نماز کے ارادہ و قصد کی بنا پر اس کے لئے طہور کا حکم ہوا۔ لہٰذا اس میں نیت شرط ہے۔ اس کے برعکس پانی کی تخلیق ہی پاک کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ پس اس میں نیت کی شرط نہیں۔

ینبغی۔ یہاں "ینبغی" سے مراد استحباب ہے۔

ای لا یجوز الخ۔ متن کی ظاہری عبارت ہدایہ اور جامع صغیر کے متن کی طرح ہے، جس کا اقتضاء یہ ہے کہ اگر کافر بارادۂ اسلام تیمم کرے تو وہ صحیح نہ ہو یہاں تک کہ وہ اس غسل کا قائم مقام نہ بنے جس کا بوقت قبول اسلام کافر کو حکم کیا جاتا ہے۔ مگر شارح کے کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کافر کا تیمم مطلقاً غیر معتبر نہیں بلکہ جواز نماز کے سلسلہ میں ناقابلِ اعتبار ہے۔

فعلم۔ واضح رہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) مقصودہ (۲) غیر مقصودہ۔ یہاں مقصودہ سے مراد یہ ہے کہ کسی کی تبعیت وہ ابتداءً ہی تقرب الی اللہ کے لئے مشروع ہوا اور بالفاظ دیگر یہ کہ وہ کسی اور شی کے ضمن میں

بطریقِ تبعیت واجب نہ ہو اور غیر مقصودہ وہ ہے جو اس کے برعکس ہو۔ عبادت مقصودہ میں، اسلام، سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ وغیرہ داخل ہیں۔ اور عبادتِ غیر مقصودہ میں مسجد میں داخلہ اور قرآن شریف چھونا اور سلام کا جواب اور اذکار کا پڑھنا وغیرہ داخل ہیں پھر مقصودہ کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) جو طہارت و پاکی حاصل کئے بغیر (بلا وضو و غسل) صحیح نہ ہوں مثلاً نماز اور سجدۂ تلاوت (۲) وہ جو طہارت کے بغیر بھی صحیح ہو جائیں مثلاً اسلام معلوم ہوا کہ نفسِ صحتِ تیمم کے لیے نیت شرط ہے چاہے یہ عبادتِ مقصودہ کے لئے ہو یا غیر مقصودہ کے لیے۔

تیمّم۔ یعنی پانی کے استعمال سے عاجز ہونے کی صورت میں۔ اگر پانی کے اوپر قدرت ہو اور کوئی عجز بھی حائل نہ ہو مثلاً یہ کہ نمازِ جنازہ فوت ہو جائے گی تو پھر تیمم کرنا جائز نہ ہوگا۔

لکن یعل الخ یعنی قرآن شریف کو تیمم کر کے چھونا اس صورت میں درست ہے کہ پانی میسر نہ ہو لیکن اگر پانی میسر ہو تو پھر تیمم کر کے چھونا جائز نہیں کیونکہ مسِّ مصحف کے لئے بھی طہارت شرط ہے اور رہا مسجد میں داخلہ تو وہ تیمم کر کے بھی پانی پر قدرت کے باوجود درست ہے۔ کیونکہ داخلۂ مسجد کے لئے طہارت (باوضو) ہونا شرط نہیں

وجاز وضوءه بلا نية حتى ان توضأ بلا نية فاسلم جازت صلوته بهذا الوضوء خلافاً للشافعي رح و هذا بناء على مسألة النية في الوضوء فان توضأ بالنية فاسلم فالخلاف ثابت ايضا لان نية الكافر لغو لعدم الاهلية وانما قال بلا نية مبالغة فيصح وضوء الكافر مع النية بالطريق الاولى ويصح في الوقت اتفاقا وقبله خلافاً للشافعي رح فلا يجوز به الصلوة الا في الوقت عنده وهذا بناء على ما عرف في اصول الفقه ان التراب خلف ضروري للماء عنده وعندنا خلف مطلق ففي انائين طاهر و نجس يجوز التيمم عندنا خلافاله وقوله عليه السلام التراب طهور المسلم ولو الى عشر حجج يؤيد ما قلنا و بعد طلبه من رفيق له ماء منعه حتى اذا صلى بعد المنع ثم اعطاه ينتقض تيممه الآن فلا يعيد ما قد صلى وقيل طلبه جائز خلافا لهما هكذا ذكر في الهداية

ترجمہ اور کافر بلا نیت کے وضو کرے تو جائز ہے۔ حتیٰ کہ اگر بلا نیت وضو کرنے کے بعد اسلام قبول کرلے تو اسی وضو سے نماز پڑھنی جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس وضو سے نماز جائز نہیں۔ اس مسئلہ کی بنیاد اس مسئلہ پر ہے کہ وضو میں (ان کے نزدیک) نیت شرط ہے۔ اور اگر کافر نیت کے ساتھ بھی وضو کرے پھر مسلمان ہو جائے تب بھی اختلاف ہے کیونکہ کافر کی نیت اہلیت نہ ہونے کی بنا پر لغو و بیکار ہے۔ اور مصنفؒ کا "بلا نیۃ" کہنا بطور مبالغہ ہے لہٰذا کافر کا وضو نیت کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگا۔ تیمم نماز کے وقت میں بالاتفاق صحیح ہوتا ہے اور وقت سے پہلے بھی درست ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک وقت سے پہلے جائز نہیں۔ البتہ ان کے نزدیک اندرونِ وقت درست ہے۔ یہ اختلاف فقہ کے اس اصول پر مبنی ہے کہ ان کے

نزدیک مٹی ضرورتاً پانی کے قائم مقام ہے اور ہمارے (احناف رح کے) نزدیک مطلقاً قائم مقام ہے۔ پس (اگر) دو برتنوں میں پانی ہو ایک میں پاک اور دوسرے میں ناپاک (اور نماز پڑھنے والے کو اس کا علم نہ ہو کہ پاک کس میں ہے اور ناپاک کس برتن میں) تو ہمارے (احناف کے) نزدیک اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ وضو کا حکم فرماتے ہیں)۔ احناف کی دلیل یہ ارشاد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ مٹی مسلمان کے لئے پاک کرنے والی ہے اگرچہ دس برس گذر جائیں (اور پانی نہ ملے) اس سے ہمارے کہے ہوئے کی تائید ہوتی ہے۔ اور اپنے رفیق سے پانی طلب کرنے کے بعد جس کے پاس پانی ہو وہ منع کر دے تو تیمم جائز ہے۔ حتیٰ کہ اگر منع کرنے کے بعد وہ نماز پڑھ لے پھر پانی والا اسے پانی دیدے تو اب اس کا وضو ٹوٹ جائے گا مگر وہ پڑھی ہوئی نماز نہیں لوٹائے گا۔ اور رفیق سے پانی مانگے بغیر بھی وہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے تو امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک درست ہو جائے گی اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک درست نہ ہوگی۔ ہدایہ میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

تشریح و توضیح

وجاز وضوءہ الخ یعنی اگر کافر بحالت کفر بلا نیت وضو کرے، اس کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہو تو کیونکہ پانی میں خود پاک کرنے کی صلاحیت ہے اور تطہیر میں نیت کی ضرورت نہیں اس لئے اس کا اس وضو سے نماز پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ کافر اگر بحالت کفر ناپاک کپڑا دھوئے (اور نجاست دور کر دے) پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو تو اسی کپڑے میں نماز پڑھنا اس کے لئے جائز ہے۔

وھذا الخ یہ اختلاف ہمارے اور امام شافعیؒ کے درمیان اس پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک صحت وضو کیلئے نیت شرط ہے لہٰذا بلا نیت ان کے نزدیک وضو بے سود ہوگا خواہ وضو کرنے والا مسلمان ہو یا کافر اور احناف کے نزدیک نیت شرط نہیں۔ اور وضو جو مفتاح صلوٰۃ ہے بلا نیت بھی معتبر ہے خواہ کافر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے وضو کرے۔

وان توضأ الخ یعنی اگر کافر فرض نماز وغیرہ کی نیت سے وضو کرے جو اس کی صحت اسلام کی نشاندہی کرتی ہیں تو وہ وضو بھی امام شافعیؒ لغو قرار دیتے ہیں، کیونکہ کافر میں ادائیگی کی عدم اہلیت کی بنا پر نیت وضو لغو شمار ہوگی۔

وانما قال بلا نیۃ الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب وضو بلا نیت صحیح ہے تو نیت کے ساتھ بطریق اولیٰ صحیح ہونے کا حکم ہوگا۔

اتفاقاً الخ۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب یہ مسئلہ احناف اور شوافع کے درمیان متفق علیہ ہے تو اس کے ذکر کی کیا ضرورت تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف نے بغرض افادہ اختلافی اور متفقہ مسائل دونوں طرح کے مسائل کا ذکر مفید خیال کرتے ہوئے اسے بھی بیان کر دیا۔

خلافاً لہ الخ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں برتنوں میں تحرّی اور غور و خوض کرے۔ پھر غور و خوض کے بعد جس پانی کے پاک ہونے کا یقین ہو وہ استعمال کرلے اور اس سے وضو کرلے۔

التراب الخ۔ ابوداؤد و ترمذی اور "احمد" میں روایت ہے کہ پاک مٹی پاک کرنے والی ہے جب تک کہ پانی میسر

نہ ہو جائے دس سال ہی کیوں نہ گذر جائیں۔
رفیق الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ شخص جس کے پاس پانی نہ ہو اگر اسے کسی کے پاس پانی ملے تو اس سے مانگ لے بشرطیکہ اس کا غالب گمان ہو کہ وہ انکار نہیں کرے گا پھر اگر مانگنے پر وہ انکار کر دے تو تیمم کر لے۔ اس کے بعد اگر وہ نماز پڑھنے سے پہلے پانی دیدے تو پانی پر قادر ہو جانے کے باعث اس تیمم سے نماز جائز نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ نماز پڑھنے کے بعد دے تو اس کی نماز پوری ہو گئی اور پانی ملنے پر تیمم باطل ہو گیا۔

وذكر في المبسوط انه لم يطلب منه وصلى لم يجز الأن لان الماء مبذول عادة وفي موضع آخر من المبسوط انه ان كان مع رفيقه ماء فعليه ان يسأله الاعلى قول حسن بن زياد فانه يقول السوال ذل وفيه بعض الحرج ولم يشرع التيمم الالدفع الحرج ولكنا نقول ماء الطهارة مبذول عادة وليس في سؤال ما يحتاج اليه مذلة فقد سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم بعض حوائجه من غيره وفي الزيادات ان المتيمم المسافر اذا رأى مع رجل ماء كثيرا وهو في الصلوة وغلب على ظنه انه لا يعطيه او شك مضى على صلاته لانه صح شروعه فلا يقطع بالشك بخلاف ما اذا كان خارج الصلوة ولم يطلب وتيمم حيث لا يحل له الشروع فان القدرة والعجز مشكوك فيهما وان غلب على ظنه انه يعطيه قطع الصلوة وطلب منه الماء ثم قال في الزيادات فاذا فرغ من صلوته فسأله فاعطاه او اعطى بثمن المثل وهو قادر عليه استانف الصلوة واذا ابى تمت صلوته

ترجمہ اور مبسوط میں ہے کہ اگر اس سے پانی مانگے بغیر نماز پڑھ لی تو نماز درست نہ ہوگی۔ اس لئے کہ پانی عادتاً (عموماً) ضرورت مند پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اور مبسوط میں دوسری جگہ ہے کہ اگر اپنے ساتھی کے پاس پانی موجود ہو تو اس پر ساتھی سے پانی مانگنا واجب ہے۔ لیکن امام حسن ابن زیاد کے قول کے مطابق طلب نہ کرے۔ اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں سوال باعث ذلت ہے اور اس میں کچھ حرج و نقصان ہے۔ اور تیمم دفع حرج کے لئے مشروع ہوا ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ وضو کا پانی عموماً خرچ کیا جاتا ہے اور وہ چیز جس کی ضرورت ہو اس کے مانگنے میں کوئی ذلت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ضرورتیں دوسروں سے طلب فرمائی ہیں۔ اور زیادات میں ہے کہ تیمم کر کے نماز پڑھنے والا مسافر کسی شخص کے پاس بحالت نماز کثیر مقدار میں پانی دیکھے اور غالب گمان اس کا یہ ہو کہ وہ پانی نہیں دے گا یا نہ دینے کا شک ہو تو وہ تیمم ہی سے نماز پڑھ لے کیونکہ نماز کا آغاز صحیح ہوا لہذا شک کی بناء پر نماز نہ توڑے۔ اس کے برعکس اگر وہ نماز نہ پڑھ رہا ہو اور پھر پانی طلب کے بغیر تیمم کر لے جب کہ اسے پانی نہ دینے کی شک کی بناء پر تیمم کر کے نماز شروع کرنا جائز نہیں، کیونکہ قادر ہونے اور عاجز ہونے دونوں کے درمیان شک ہے۔ اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ وہ پانی دیدے گا تو نماز توڑ کر پانی طلب کرے۔ پھر "زیادات" میں ہے کہ

اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ پانی مانگے اور وہ پانی دیدے یا مثل قیمت میں عطا کرے اور وہ مثل قیمت دینے پر قادر ہو تو نماز دوبارہ (وضو کرکے) پڑھے۔ اور اس کے پانی دینے سے انکار کی صورت میں اس کی نماز ہو گئی۔

تشریح و توضیح

السؤال ذل الخ امام حسن ابن زیادؒ کے نزدیک اپنے رفیق سے پانی طلب کرنا واجب نہیں کیونکہ دست سوال دراز کرنا عیب اور ذلت سے خالی نہیں۔ خاص طور پر ذی وجاہت کے نزدیک یہ انتہائی ذلت اور عیب میں داخل ہے۔ لہٰذا اس سے پہلوتہی موزوں ہے اور جب یہ واضح ہو گیا کہ اس میں حرج و نقصان کا پہلو ہے اور تیمم کا حکم دفع حرج ہی کے لئے ہے۔ جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے "ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم" لہٰذا تیمم کرنا بغیر پانی طلب کئے بھی درست ہوگا۔

ولکنا نقول الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وضو کے لئے پانی لوگوں میں عموماً خرچ ہوتا ہے اور لوگ اس کے لین دین میں کوئی ذلت محسوس نہیں کرتے۔ پھر یہ کہنا کہ مطلق سوال باعثِ ذلت و حرج ہے صحیح نہیں، کیونکہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بعض ضروریات کے سلسلہ میں سوال ثابت ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ذی وجاہت کون ہوگا۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ حرج اور ذلت کثرتِ سوال میں ہے اور اس سے اجتناب بہر صورت ضروری ہے۔

مع رجل۔ مرد کی قید اتفاقی ہے اس لئے اگر پانی کی مالک عورت ہو تب بھی یہی حکم برقرار رہے گا۔ اور اس جگہ رفیق کی قید نہ لگانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ پہلے جو رفیق کی قید لگائی گئی وہ عادت کے مطابق لگا دی گئی ورنہ اگر پانی کا مالک کافر بھی ہو تب بھی اس سے پانی طلب کرنا چاہیئے۔

ماء کثیر۔ یعنی اتنا پانی جو طہارت و وضو کے لئے کافی ہو ورنہ اگر کم ہو تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

او شک۔ یعنی پانی ملنے نہ ملنے کے دونوں پہلو برابر ہوں۔

لانہ مع شروعہ۔ یعنی پانی پر قادر نہ ہونے کے باعث اس کا تیمم کرکے نماز پڑھنا صحیح ہوا اور یہ تیمم کرکے نماز پڑھنا اس یقین یا غالب گمان کی بنا پر ہو کہ پانی نہیں ملے گا۔

بخلاف ما الخ۔ یعنی صرف قادر ہونے میں شک کی بنا پر تیمم کرنا درست نہیں جب تک کہ عدمِ قدرت و عجز متحقق و ثابت نہ ہو جائے۔

انما یجب علیہ۔ یعنی اس صورت میں غالب گمان کی بنا پر یہ تیمم باطل ہو جائے گا اور نماز توڑ کر پانی طلب کرنا واجب ہوگا۔

فاعطاہ الخ۔ یعنی پانی کا مالک اسے بلا قیمت بطور ہدیہ یا بطور صدقہ دے کر پانی اس کے لئے مباح و جائز کر دے۔

بثمن المثل۔ یعنی دستور کے مطابق جو اس کی قیمت ہو اتنی قیمت میں وہ پانی عطا کرے۔ اسی طریقہ سے اگر اس قیمت سے معمولی اضافہ کے ساتھ دے تب بھی مضائقہ نہیں، کیونکہ "غبن قلیل" ناقابل التفات ہے، اس کے برعکس اگر وہ غبنِ فاحش اور غیر معمولی اضافہ قیمت کے ساتھ دیتا ہو تو اس سے لینا واجب نہیں بلکہ تیمم کرکے ہی نماز پڑھ لے۔

استانف۔ یعنی اس پر واجب ہے کہ پانی خرید کر وضو کرے اور جو نماز تیمم سے پڑھ چکا ہے اسے از سرِ نو پڑھے۔

اس لیے کہ اندرون وقت اس کی قدرت علی الماء ظاہر ہو گئی اور یہ واضح ہو گیا کہ اس کا گمان غلط تھا۔

وکذا اذا ابی ثم اعطی لکن ینتقض تیممہ الآن اقول ان اردت ان تستوعب الاقسام کلھا فاعلم انہ اذا رأی الماء خارج الصلوٰۃ وصلّی ولم یسأل بعد الصلوٰۃ لیظھر العجز او القدرۃ فعلی ما ذکر فی المبسوط سواء غلب علی ظنہ الاعطاء او عدمہ او شک فیھما وھی مسألۃ المتن، واذا رأی فی الصلوٰۃ ولم یسأل بعدھا فکذا وان رای خارج الصلوٰۃ ولم یسأل وصلی ثم سألہ فان اعطی بطلت صلوٰتہ وان ابی تمت سواء ظن الاعطاء او المنع او شک فیھما وان رأی فی الصلوٰۃ فکما ذکر فی الزیادات لکن بقی صورتان احدھما انہ قطع الصلوٰۃ فیھما اذا ظن المنع او شک فسألہ فان اعطی بطل تیممہ وان ابی فھو باق والاخری انہ اذا تم الصلوٰۃ فیما اذا ظن انہ یعطی ثم سال فان اعطی بطلت صلوٰتہ وان ابی تمت لانہ ظھر ان ظنہ کان خطأً بخلاف مسألۃ التحری لان القبلۃ فی جھۃ التحری حیث ثبت اصالۃ وھھنا الحکم دائر علی حقیقۃ القدرۃ والعجز فاقیم غلبۃ الظن مقامھما تیسیرا فاذا ظھر خلافہ لم یبق قائما مقامھما

ترجمہ اور اسی طرح اگر انکار کے بعد پھر دیدے تو اس کی نماز پوری ہو گئی لیکن اب اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ارادہ مبسوط اور زیادات میں ذکر کردہ کل اقسام کے استیعاب (وبیان) کا ہو تو واضح رہے کہ اگر پانی نماز پڑھنے سے پہلے (خارج نماز) دیکھے اور (پھر بغیر طلب کئے) نماز پڑھ لے اور نماز کے بعد بھی نہ مانگے کہ عاجز یا قادر علی الماء ہونا ظاہر ہو تو اس میں وہی تفصیل ہے جو مبسوط میں ذکر کی گئی، خواہ تیمم کرنے والے کے غالب گمان کے مطابق یہ ہو کہ وہ پانی دے گا یا نہیں دے گا یا دینے نہ دینے میں شک ہو۔ اور یہ متن کا مسئلہ ہے۔ اور جب تیمم کرنے والے کو بحالت نماز پانی نظر آئے اور نماز کے بعد طلب نہ کرے، تو حکم اسی طرح ہے (کہ نماز درست نہ ہوگی) اور اگر وہ خارج نماز پانی دیکھے اور پھر بغیر مانگے نماز پڑھ لے پھر نماز کے بعد وہ طلب کرے۔ پس اگر وہ دیدے تو اس کی نماز باطل ہو گئی اور اگر انکار کرے تو اس کی نماز پوری ہو گئی خواہ (نماز سے قبل یا نماز کے بعد) پانی دینے یا منع کرنے کا غالب گمان ہو یا دینے نہ دینے میں شک ہو۔ اگر وہ بحالت نماز پانی دیکھے تو اس کا حکم وہی ہے جو "زیادات" میں بیان کیا گیا، مگر دو صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے پانی نہ ملنے کے گمان یا شک کی صورت میں نماز توڑ دی۔ پھر پانی طلب کیا، پس اگر پانی والے نے پانی دیدیا، تو قدرت علی الماء کی وجہ سے اس کا تیمم باطل ہو گیا۔ اور اگر انکار کرے تو عجز ظاہر ہونے کی بناء پر اس کا تیمم برقرار رہا۔ دوسرے یہ کہ یہ گمان کرتے ہوئے بھی کہ وہ دیدے گا نماز پوری کر لی پھر نماز کے بعد مانگا، پس اگر پانی دیدیا تو پانی پر قدرت ثابت ہونے کی وجہ سے تیمم سے پڑھی ہوئی نماز باطل ہو گئی اور انکار کی صورت میں نماز پوری ہو گئی

کیونکہ ظاہر ہوگیا کہ اس کا گمان غلط تھا۔ اس کے برعکس تحری (غور و فکر) کے بعد سمت قبلہ متعین کرکے نماز پڑھنے کا مسئلہ ہے کیونکہ اس وقت قبلہ اصالتاً جہت و سمت تحری ہی ہوگا۔ اور اس جگہ تیمم کے جائز اور ناجائز ہونے کا حکم قدرت علی الماء اور عجز پر ہے پس آسانی کے پیش نظر ظن غالب دونوں کا قائم مقام ہوگا۔ اور اس کے خلاف (یقینی طور پر) ظاہر ہو جانے پر ظن غالب دونوں کا قائم مقام نہیں رہے گا۔

تشریح و توضیح ولکن اذا ابی الخ یعنی سابقہ پڑھی ہوئی نماز بوجہ ظہور عجز کے تیمم سے ہی پوری ہو جائے گی خواہ وہ انکار کے بعد بطور ہبہ یا ثمن مثل لے کر پانی دے یا کچھ بھی نہ دے۔

اوشک فیھما الخ یعنی پانی دینے نہ دینے کے بارے میں شک ہو تو کیونکہ پانی عادتاً صرف کیا جاتا ہے اور حوائج سے متعلق سوال کر لینے میں کوئی حرج نہیں پس اس کے اوپر سوال کرنا لازم ہے تاکہ عجز عن الماء یا قدرت علی الماء واضح و ظاہر ہو جائے اور انکار کی صورت میں تیمم سے اور پانی ملنے کی شکل میں وضو کرکے نماز پڑھے۔ اور اگر دینے کا ظن غالب ہو تو حکم ظاہر ہے۔ لیکن اگر نہ دینے کا غالب گمان ہو تو اس میں تامل ہے کہ سوال کرنا واجب ہے یا بغیر طلب کئے تیمم کرنا درست ہے۔ پس مناسب ہے کہ اس صورت میں تیمم کرنا درست ہو۔ "ذخیرہ" میں ابو بکر جصاص سے منقول ہے کہ امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے تھے۔

وھی مسألۃ المتن الخ یعنی یہ صورت مسئلہ متن میں بیان کی گئی ہے۔

صلاتہ الخ یعنی وہ نماز جو تیمم سے پڑھ چکا ہے قدرت علی الماء کے ظہور کی بنا پر باطل ہو جائے گی کیونکہ قصور اس کی جانب سے واقع ہوا کہ سوال نہیں کیا۔

فکما ذکر فی الروایات۔ یعنی اگر غالب گمان اس کے عطا کرنے کا ہو تو نماز توڑے ورنہ نہ توڑے۔

بخلاف مسألۃ التحری یعنی اگر نماز پڑھنے والے پر جہت قبلہ مشتبہ ہو جائے اور ایک جہت قبلہ متعین کرکے ادھر نماز پڑھے پھر نماز سے فارغ ہو کر معلوم ہو کہ کعبہ دوسری جہت میں ہے، تو نماز اس صورت میں پوری ہوگئی اور ظن کی غلطی ظاہر ہونے پر نماز کا اعادہ واجب نہیں۔

حاصل جواب یہ ہے کہ ایسے شخص کے حق میں جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اس کی جہت تحری کو جہت قبلہ قرار دینگے۔

ویصلی بہ ما شاء من فرض ونفل خلافاً للشافعیؒ وینقضہ ناقض الوضوء وقدرتہ علی ماء کاف لطھرہ حتی اذا قدر علی الماء ولم یتوضأ ثم عدمہ اعاد التیمم وانما قال کاف لطھرہ حتی اذا اغتسل الجنب ولم یصل الماء لمعۃ ظھرہ وفنی الماء واحدث حدثا یوجب الوضوء فتیمم لھما ثم وجد من الماء ما یکفیھما بطل تیممہ فی حق کل واحد منھما وان لم یکف لاحدھما بقی فی حقھما وان کفی لاحدھما بعینہ غسلہ ویبقی التیمم فی حق الاخر وان کفی لکل واحد منھما منفردا غسل اللمعۃ لان الجنابۃ اغلظ فاذا غسل اللمعۃ ھل یعید التیمم

فقیہ روایتان وان تیمم اولا ثم غسل اللمعۃ ففی اعادۃ التیمم روایتان ایضاً وان صرف الی الحدث انتقض تیممہ فی حق اللمعۃ باتفاق الروایتین ھذا اذا تیمم للحدثین تیمماً واحداً اما اذا تیمم للجنابۃ ثم احدث فتیمم للحدث ثم وجد الماء فکذا فی الوجوہ المذکورۃ

ترجمہ اور ایک تیمم سے فرض و نفل جتنی چاہے پڑھے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک تیمم سے دو فرض نمازیں پڑھنا جائز نہیں (اسی طریقہ سے ان کے نزدیک صرف وہ نفل ایک تیمم سے پڑھنا جائز ہے جو اس فرض کی تبعیت میں ہو) اور جس چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس سے تیمم بھی ٹوٹ جائے گا اور اتنے پانی پر قادر ہونے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جو اس کی طہارت و پاکی کے لئے کافی ہو حتیٰ کہ اگر اتنے پانی پر قدرت حاصل ہوگئی ہو جو وضو کے لئے کافی ہو اور پھر وضو نہ کرے اس کے بعد اتنا پانی باقی نہ رہے تو پچھلا تیمم ٹوٹ جانے کی وجہ سے از سر نو تیمم کرے گا۔ اور یہ کہنا کہ اتنے پانی سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے جو اس کی طہارت کے لئے کافی ہو تو اگر جنبی (ناپاک جسے غسل کی ضرورت ہو) اس شخص کی پیٹھ سوکھی رہ جائے اور پانی ختم ہوگیا اور اسے ایسا حدث پیش آئے جس سے وضو واجب ہوتا ہو اور وہ غسل اور وضو دونوں کے لئے (پانی نہ ہونے کی وجہ سے) تیمم کرلے۔ اس کے بعد (اتنا پانی میسر ہو جائے جس سے سوکھی پیٹھ تر ہوسکے اور وضو بھی کرسکے تو حدث اصغر (موجب وضو) اور حدث اکبر (موجب غسل) دونوں کے حق میں اس کا تیمم باطل و کالعدم قرار دیا جائے گا۔ اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کے لئے ناکافی ہو تو تیمم دونوں کے حق میں برقرار رہے گا۔ اور اگر متعین طور پر دونوں میں سے ایک کے لئے کافی ہو تو جس کے لئے کافی ہو اسے دھولے گا اور دوسرے کے حق میں تیمم باقی رہے گا۔ اور اگر اتنا پانی ہو کہ اس سے محض وضو ہو سکتا ہو یا پیٹھ دھو سکتا ہو تو پیٹھ دھو لینی چاہیے کیونکہ یہ ناپاکی جس میں غسل کی ضرورت ہو بڑی ہوتی ہے پھر سوکھی پیٹھ دھونے کے بعد کیا حدث کے تیمم کا اعادہ کیا جائے گا۔ اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ اور اگر اول تیمم کرے پھر سوکھی پیٹھ دھوئے تو تیمم کے اعادہ میں بھی دو قسم کی روایات ہیں۔ اگر وہ پہلے وضو کرے تو جنابت کے حق میں دونوں روایتوں کی رو سے اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ وہ حدث اصغر اور حدث اکبر کے لئے ایک ہی تیمم کرے۔ لیکن اگر جنابت کے لئے تیمم کرے پھر وضو کے واسطے کرے۔ اس کے بعد اسے اتنا پانی مل جائے (کہ دونوں کے واسطے کافی ہو تو دونوں تیمم ٹوٹ جائیں گے۔ اور اگر ایک کے واسطے بھی کافی ہو تو کوئی تیمم نہیں ٹوٹے گا) تو ان صورتوں میں وہی حکم ہے جو اوپر ذکر کیا جا چکا۔

تشریح و توضیح خلافاً للشافعیؒ الخ امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے کہ ہر فرض کے لئے علیحدہ اور نیا تیمم کیا جائے۔ ایک ہی تیمم سے دو فرض پڑھنا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ اسی طریقہ سے نوافل میں بھی یہ تفصیل ہے کہ صرف وہ نفلیں ایک فرض کے ساتھ ایک تیمم سے پڑھنی جائز ہیں جو اس کے تابع ہوں۔
ناقض الوضوء۔ کیونکہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے تو جو اصل کا حکم ہے وہی اس کے قائم مقام اور نائب کا ہوگا

اور جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے تیمم کے بھی ٹوٹ جانے کا حکم ہوگا۔

وقدرته الخ۔ یہاں قدرت سے مراد قدرت شرعیہ ہے۔ اس قید سے وہ پانی نکل گیا جو بطور غصب لیا جائے یا وہ پانی جو امانتاً ہو اس لئے کہ اس کا استعمال جائز نہیں۔ لہذا تیمم بھی اس پانی کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا۔

کاف الخ۔ اس کے اطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ ادنیٰ طہارت کا اعتبار ہوگا پس اگر پانی مل جائے اور اس سے ہر عضو کو دو مرتبہ یا تین تین مرتبہ دھویا اور مثلاً اس دو دو تین تین مرتبہ دھونے کی وجہ سے ایک پاؤں نہ دھو سکا اور اس کے لئے پانی کم رہ گیا تو راجح قول کے مطابق تیمم ٹوٹ جائے گا کیونکہ اگر وہ ایک ایک مرتبہ دھونے پر اکتفاء کرتا تو یہ پانی سارے اعضاء کے لئے کافی ہو جاتا۔

لمعة۔ یعنی سوکھا رہ جانے والا حصہ۔ خواہ جسم کا کوئی سا بھی حصہ ہو۔ رہی یہ پیٹھ کی قید تو یہ اس وجہ سے لگا دی گئی کہ عموماً غسل کے موقعہ پر پشت کا حصہ سوکھا رہ جاتا ہے اور اس کے تر کرنے کے لئے نسبتاً زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔

بطل تیممه۔ کیونکہ اس صورت میں قدرت علی الماء الکافی ظاہر ہوگئی اور یہ پانی پر قدرت ناقض تیمم ہے۔

وان لم یکن الخ۔ کیونکہ اس صورت میں اتنا پانی میسر نہیں ہوا جس پر قدرت علی الماء الکافی کا اطلاق ہو سکے اس لئے تیمم بدستور برقرار رہے گا۔

غسلہ۔ یعنی اگر اتنا پانی ہو کہ وضو کے لئے کافی ہو جائے اور اعضائے وضو دھل سکیں تو وضو کرے اور اگر صرف سوکھا حصہ دھل سکتا ہو تو وہی دھولے۔

فاذا غسل الخ۔ یعنی سوکھے حصہ کو پانی سے دھونے کے بعد کیا حدث اصغر (وضو کو واجب کرنے والا حدث) کے لئے از سر نو تیمم کیا جائے گا تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک کی رو سے اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔ اور ان کے نزدیک عدم اعادہ کا حکم "عدم قدرت علی الماء الکافی لرفع الحدث" کی بنیاد پر ہے۔ لہذا تیمم نہیں ٹوٹے گا۔

اور دوسری روایت کی رو سے تیمم کا اعادہ ہوگا۔ یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور یہ اس بنیاد پر ہے کہ اس کی اتنے پانی پر قدرت ثابت ہوگی جو طہارت کے لئے کافی ہو جائے۔ روعتابیؒ نے شرح زیادات میں تصریح کی ہے کہ امام محمدؒ کا قول زیادہ صحیح ہے۔

وان تیمم اولاً۔ یعنی حدث اصغر کے لئے تیمم کیا یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ اتنے پانی پر قادر ہوگیا جو وضو کے لئے کافی ہو سکے تو اس کا تیمم باطل ہوگیا۔

روایتان۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تیمم کا اعادہ نہیں کرے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک "قدرت علی الماء الکافی للوضوء" کی بنا پر پچھلا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ پھر خشک حصہ کے دھونے کو مقدم کرتے ہوئے اب پانی کے وضو کے لئے ناکافی رہنے کی وجہ سے بوجہ عجز اعادۂ تیمم کا حکم ہوگا۔

وان تیمم للجنابة ثم احدث ولم یتیمم للحدث فوجد الماء فان کفی اللمعة والوضوء فظاهر وان لم یکف لاحد لا ینتقض تیممه فیستعمل الماء فی اللمعة تقلیلا للجنابة ویتیمم للحدث وان کفی اللمعة لا الوضوء انتقض تیممه ویغسل اللمعة ویتیمم للحدث وان کفی الوضوء لا للمعة فتیممه باق وعلیه الوضوء وان کفی لکل واحد منفردا یصرفه الی اللمعة ویتیمم للحدث فان توضأ به جاز ویعید التیمم ولو لم یتوضأ به ولکن بدأ بالتیمم للحدث ثم صرفه الی اللمعة هل یعید التیمم ام لا ففی روایة الزیادات یعید وفی روایة الاصل لا ثم انما یثبت القدرة اذا لم یکن مصروفا الی جهة اهم حتی اذا کان علی بدنه او ثوبه نجاسة یصرفه الی النجاسة ثم القدرة یثبت بطریق الاباحة وبطریق التملیک فان قال صاحب الماء لجماعة من المتیممین لیتوضأ بهذا الماء ایکم شاء علی الانفراد والماء یکفی لکل واحد منفردا ینتقض تیمم کل واحد فاذا توضأ به واحد یعید الباقون تیممهم لثبوت القدرة لکل واحد علی الانفراد واما اذا قال هذا الماء لکم فتصرفوا لا ینتقض تیممهم۔

ترجمہ اگر نماز پڑھنے والا جنابت کے واسطے تیمم کرے۔ پھر حدث پیش آجائے (وضو ٹوٹ جائے) اور اس نے حدث کے لئے تیمم نہ کیا ہو کہ پانی مل جائے۔ پس اگر یہ خشک حصہ دھونے اور وضو دونوں کے واسطے کافی ہو تو اس کا حکم ظاہر ہے۔ اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی کافی نہ ہو تو اس کا جنابت کے واسطے کیا ہوا تیمم نہیں ٹوٹے گا اور پانی خشک حصہ پر جنابت کم کرنے کی خاطر استعمال کرے گا اور حدث کے واسطے تیمم کرے گا۔ اور اگر وہ پانی خشک رہے ہوئے حصہ کے لئے کافی اور وضو کے لئے ناکافی ہو تو اس کا جنابت کے لئے کیا ہوا تیمم ٹوٹ جائے گا اور حدث (وضو ٹوٹ جانے کے باعث) تیمم کرے گا۔ اور اگر وضو کے واسطے اور خشک رہے ہوئے حصۂ بدن کے لئے ناکافی ہو۔ تو اس کا جنابت کے لئے کیا ہوا تیمم برقرار رہیگا اور اس پر وضو کرنا واجب ہوگا اور اگر پانی دونوں میں سے صرف ایک کے لئے کافی ہوسکتا ہو تو وہ خشک شدہ حصۂ بدن کے لئے استعمال کرے گا اور حدث کے واسطے تیمم کرے گا لیکن اگر وہ اس سے وضو کرلے تو جائز ہے اور اس صورت میں وہ ازسرنو تیمم کرے گا۔ اور اگر وہ وضو تو نہ کرے لیکن حدث کی وجہ سے کرنے والے تیمم سے ابتدا کرے پھر یہ پانی خشک شدہ حصہ پر صرف کرے تو کیا وہ تیمم دوبارہ کرے گا یا نہیں؟ تو "زیادات" کی روایت میں ہے کہ وہ اعادہ کرے گا۔ اور "اصل" کی روایت میں ہے کہ اعادہ نہیں کرے گا۔ پھر اس کی قدرت علی الماء کافی اس صورت میں ثابت ہوگی جب کہ یہ پانی اہم جہت (مقام یعنی بدن یا کپڑے کی نجاست دور کرنے کے لئے) استعمال نہ کیا جائے پھر قدرت بطریق اباحت ثابت ہوگی اور بطریق تملیک۔ پس اگر پانی کا مالک تیمم کرنے والی ایک جماعت (متعدد افراد) سے کہے کہ انفرادی طور پر تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کرلے

مل لیں لیکن پانی منفرد طور پر ایک ہی کے لئے کافی ہو تو سب کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ پھر جب ایک شخص وضو کرلیگا تو باقی ازسرنو تیمم کریں گے، کیونکہ تنہا تنہا سب کو پانی پر قدرت حاصل ہوگئی تھی۔

تشریح وتوضیح

فظاهر الخ یعنی اس کا حکم ظاہر ہے کہ بحق جنابت تیمم ٹوٹ جائے گا اور سوکھے رہے ہوئے حصہ جسم کا دھونا اور وضو واجب ہوگا۔

فیستعمل۔ پانی کے استعمال کا یہ حکم علی سبیل الوجوب نہیں بلکہ علی سبیل الاولویت ہے کہ اگر ایسا کرلیا جائے تو بہتر وافضل ہے۔ شارح اس سے قبل بھی اس کی طرف اشارہ فرماچکے ہیں۔

انتقض تیممہ۔ کیونکہ اتنے پانی پر قدرت حاصل ہوگئی کہ اس سے سوکھا رہا ہوا حصۂ بدن دھویا جاسکے اس لئے بحق جنابت اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔

ولکن بدأ بالتیمم۔ یعنی یہ خیال کرتے ہوئے تیمم سے آغاز کیا کہ پانی خشک شدہ عضو پر صرف کرنے کی صورت میں گویا بحق حدث معدوم ہو جائے گا۔

ثم الخ یہاں پر قدرت سے مراد اتنے پانی پر قادر ہونا ہے جو طہارت کے لئے کافی ہو سکے اور شرعاً معتبر یہ ہے کہ یہ پانی کسی اہم جہت پر واجب الصرف نہ ہو مثلاً بدن یا کپڑے پر سے نجاست حقیقیہ کا ازالہ ایسی نجاست جس کا وجود ادائیگی نماز میں مانع ہو۔ اگر ایسا ہو تو اس پانی کا ہونا نہ ہونے کے درجہ میں ہے اور اس کے ہوتے ہوئے بھی تیمم جائز ہے۔

نجاسة۔ یعنی ایسی نجاست جس کے ہوتے ہوئے نماز نہ ہو سکے اور بقدرِ عفو سے بڑھی ہوئی ہو۔

بطریق الاباحة وبطریق التملیك الخ۔ یعنی پانی پر قادر ہونا مالک ہونے پر ہی منحصر وموقوف نہیں بلکہ قدرت علی الماء بطریق اباحت بھی ہوتی ہے۔

منفردا۔ اگر پانی اتنا ہو کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے کافی ہو سکے تو بدرجۂ اولیٰ ہر ایک کا تیمم ٹوٹ جانے کا حکم ہوگا۔

لثبوت الخ۔ یعنی خواہ بطریقِ اباحت سہی مگر ان میں سے ہر ایک کے لئے قدرت علی الماء ثابت ہوگئی جو تیمم ٹوٹ جانے کے لئے کافی ہے نیز ایسی ہی علت اعادۂ تیمم کی بن گئی کہ ایک کے وضو کرنے کے بعد جب پانی باقی نہ رہا تو اوروں کے لئے عجز ثابت ہوگیا اور بجائے وضو کے ان کے واسطے ازسرنو تیمم کا حکم ہوا۔

واما اذا قال هذا الماء لكم وقبضوا لا ينتقض تيممهما عندهما فلان هبة المشاع يوجب الملك على سبيل الاشتراك فيملك كل واحد مقدارا لا يكفيه واما عند ابى حنيفة فلانه لانه يبقى على ملك الواهب ولم يثبت الاباحة لانه لما بطلت الهبة بطل ما في ضمنها من الاباحة ثم ان اباحوا واحدا بعينه ينتقض تيممه عندهما لا عنده لانهما لم يملكوه لانهم

اباحتهم لا ردته حتی اذا تیمم المسلم ثم ارتد نعوذ بالله منه ثم اسلم یصح صلوته بذلك التیمم وندب لراجیه ای لراجی الماء ان یؤخر صلوته اخر الوقت فلو صلی بالتیمم فی اول الوقت ثم وجد الماء والوقت باق لایعید الصلوٰة ویجب طلبه قدر غلوة لو ظنه قریبا والا فلا الغلوة مقدار ثلث مأة ذراع الی اربع مأة وعن ابی یوسف انه اذا کان الماء بحیث لو ذهب الیه وتوضأ تذهب القافلة وتغیب عن بصره کان بعیدا اجاز له التیمم قال صاحب المحیط هذا احسن جدا ولو نسیه مسافر فی رحله وصلی متیمما ثم ذکره فی الوقت لم یعد الا عند ابی یوسف والخلاف فیما اذا وضعه بنفسه او وضعه غیره بامره اما اذا وضعه غیره وهو لایعلم فقد قیل یجوز له التیمم اتفاقا وقیل الخلاف فی الوجهین کذا فی الهدایة

ترجمہ اور اگر پانی کا مالک کہے یہ پانی تم سب کے واسطے ہے اور وہ سب لوگ پانی لے لیں تو ان کے تیمم نہیں ٹوٹیں گے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مشترک چیز کے ہبہ سے ملکیت علی سبیل الاشتراک ثابت ہوتی ہے۔ پس ان میں سے ہر ایک پانی کی ناکافی مقدار کا مالک ہوا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ ہبہ کرنے والے کی ملک میں بدستور باقی رہے گا اور ان لوگوں کے لئے جواز ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ ہبہ کے باطل ہونے کی صورت میں اس کے تحت ضمنی اباحت بھی باطل ہوگی۔ پھر اگر وہ لوگ جن کے لئے مالک نے پانی مباح کر دیا متعین طور پر ایک شخص کو اجازت دیدیں تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس شخص کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ مشترک ہبہ میں جب ان لوگوں کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی تو ان کا کسی کے لئے مباح کرنا بھی صحیح نہیں ہوا۔ مرتد ہونے (اسلام سے پھرنے) سے تیمم نہیں ٹوٹتا۔ حتی کہ اگر نعوذ باللہ کوئی مسلمان مرتد ہو جائے اس کے بعد دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو تو اسی سابق تیمم سے اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور وہ شخص جسے پانی ملنے کی توقع ہو اس کے لئے نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ پس اگر نماز کے اول وقت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر اندرون وقت پانی مل گیا تو نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔ اور تین سو گز سے چار سو گز کی مسافت تک پانی طلب کرنا (اور جستجو) واجب ہے۔ بشرطیکہ پانی کے قریب ہونے کا گمان (غالب) ہو ورنہ واجب نہیں۔ غلوہ تین سو گز سے چار سو گز تک کی مسافت کو کہتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر پانی اتنی دوری پر ہو کہ اگر وہاں تک جا کر وضو کرے تو قافلہ چلا جائیگا یا اس کی نگاہ سے اوجھل ہو جائے گا تو یہ پانی بعید جگہ پر شمار ہوگا اور اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہوگا۔ صاحب محیط فرماتے ہیں کہ یہ قول بہت عمدہ ہے۔ اگر مسافر اپنے کجاوہ میں پانی بھول جائے اور وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اس کے بعد اندرون وقت نماز یاد آجائے تو نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اعادہ کرے گا

یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس نے پانی اپنے کجاوہ میں خود رکھا ہو یا دوسرے نے اس کے حکم سے رکھا ہو لیکن اگر کسی دوسرے نے رکھا ہو اور اسے خبر نہ ہو تو بعض کہتے ہیں کہ اس صورت میں بالاتفاق اس کے لئے تیمم جائز ہے اور بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی اختلاف ہے۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔

تشریح و توضیح

وقبضوا: یعنی تیمم کرنے والے اس پانی پر قابض ہو گئے۔ یہ قید اس وجہ سے لگائی کہ ہمارے نزدیک قبضہ کے بغیر مفید ملک نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل کتاب الہبہ میں موجود ہے۔

واما عندهما: اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشترک ہبہ اگر ایسی چیز کا ہو کہ وہ تقسیم ہو کر مفید نہ ہو جیسے چھوٹا مکان وغیرہ تو یہ مشترک ہبہ بالاتفاق جائز ہے اور اگر تقسیم ہو کر قابل انتفاع ہو تو مشترک ہبہ نافذ و غیر صحیح ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک یہ بھی نافذ اور مفید للملک ہوگا۔

فالاصح: اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس کے اندر اختلاف ہے۔

عصام بن یوسفؒ سے منقول ہے کہ مشترک ہبہ فاسد ہے اور قبضہ کی صورت میں یہ مفید ملک ہوتا ہے بعض مشائخ (فقہاء) کا مختار قول یہی ہے۔ اور ظاہر روایت یہ ہے کہ مفید ملک نہیں حتی کہ اس میں تصرف کا نفاذ نہیں ہوتا۔ فتاوی خیریہ اور فتاوی حامدیہ میں اسی طرح ہے۔

لاردتہ: یعنی تیمم کرنے والے کے ارتداد سے تیمم نہیں ٹوٹے گا۔ لہذا جب مسلمان تیمم کرے پھر مرتد ہو جائے اس کے بعد دوبارہ اسلام قبول کرے اور اس دوران تیمم کو توڑنے والی اور کوئی چیز پیش نہ آئی ہو تو اس کا تیمم بدستور برقرار رہے گا اور اسی تیمم سے نماز پڑھنی صحیح ہوگی۔ اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ ارتداد کے حائل ہونے کی وجہ سے بحالت اسلام کیا ہوا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ کفر تیمم کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تیمم اس کے طاہر ہوتے اور ناقض تیمم کوئی چیز پیش نہ آنے کی وجہ سے ہوا اور کفر کا حائل ہونا تیمم کے منافی نہیں۔ جیسے باوضو شخص کے درمیان کفر حائل ہو جائے تو حاصل شدہ طہارت باطل نہیں ہوتی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ارتداد کی وجہ سے عمل حبط ہو جاتا ہے تو مرتد کا تیمم اور وضو کس طرح برقرار رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال کا ثواب ارتداد کی وجہ سے باقی نہیں رہتا اور حبط ہو جاتا ہے۔ وصف طہارت وغیرہ زائل نہیں ہو جاتے۔

لا یعید الصلوۃ: ابو داؤد اور مسند حاکم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخص سفر کے لئے نکلے اور نماز کا وقت ایسی حالت میں آیا کہ ان کے پاس پانی نہیں تھا تو دونوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر اندرون وقت پانی مل گیا تو ایک شخص نے نماز کا اعادہ کیا اور دوسرے نے نہیں کیا۔ اس کے بعد دونوں نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر پورا واقعہ عرض کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعادہ نہ کرنے والے شخص کے بارے میں فرمایا اس نے سنت کو پالیا اور اس کی نماز اس کے لئے کافی ہوگی اور اعادہ کرنے والے سے فرمایا کہ تم دوہرے اجر کے مستحق ہوئے۔

لوظننہ۔ اس کی تفصیل بحر وغیرہ میں یہ ہے کہ اگر پانی موجود نہ ہو اور یہ صورت آبادی میں پیش آئے تو پانی کی جستجو و طلب بالاتفاق واجب ہے۔ کیونکہ آبادی میں پانی کی افراط اس کے پائے جانے کی نشان دہی کرتی ہے پس جستجو ضروری ہے تاآنکہ نہ ملنا اور عدم قدرت علی الماء ظاہر ہو جائے۔ اور اگر یہ معاملہ جنگل میں پیش آئے اور قریب میں پانی ملنے کا گمان نہ ہو تو طلب واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

اور اگر پانی کے قریب ہونے کا گمان ہو تو اس پر طلب واجب ہے۔ پس اگر قرب کے گمان کے باوجود تیمم کرکے نماز پڑھ لے پھر جستجو کرے اور پانی مل جائے تو امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس پر تیمم کا اعادہ واجب ہے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک اعادہ واجب نہیں۔ سراج الوہاج میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

ھذا۔ کیونکہ اس میں رفق اور دفع حرج کا پہلو نمایاں ہے۔ مسافر کا جنگلوں میں قافلہ سے بچھڑ جانا باعث حرج و خوف ہوتا ہے۔ خاص طور پر کمزور دلوں کے لئے یہ صورت حال انتہائی اذیت ناک ہو جاتی ہے۔

ولو نسیہ۔ نسیان اور بھول کی قید خصوصیت سے اس واسطے لگائی کہ اگر پانی کے ختم ہو جانے کا ظن یا شک ہو اور تیمم کرکے نماز پڑھ لے پھر پانی مل جائے تو "سراج الوہاج" میں ہے کہ بالاتفاق سب کے نزدیک اس پر اعادہ واجب ہے۔

مسافر۔ یہ قید اتفاقی ہے۔ اس لئے کہ مقیم کا حکم بھی یہی ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں اس کی صراحت ہے

رحلہ۔ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر عادتاً اور عموماً پانی رکھا جاتا ہے۔ فی الوقت۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہے کہ نماز پڑھ چکا ہو۔ لیکن اگر نماز کے پڑھنے کے دوران یاد آجائے تو اس کو توڑ دینا اور وضو کرکے نماز دوبارہ نماز پڑھنا واجب ہے۔ "سراج الوہاج" میں اس کی صراحت ہے۔

الا عند ابی یوسف یعنی امام ابویوسفؒ کے نزدیک بھول کی صورت میں بھی اس پر اعادہ واجب ہے۔ کیونکہ پانی اس کے کجاوہ میں موجود ہے اور قدرت علی الماء ثابت ہے۔ لہٰذا اس صورت میں نسیان غیر معتبر ہوگا۔

ویجب ان یعلم ان المانع عن الوضوء اذا کان من جهة العباد کاسیر یمنعه الکفار عن الوضوء او محبوس فی السجن والذی قیل له ان توضأت قتلتك فیجوز له التیمم لکن اذا زال المانع ینبغی ان یعید الصلوٰة کذا فی الذخیرة۔!

ترجمہ اور اس بات سے آگاہ ہونا (بھی) ضروری ہے کہ اگر وضو میں رکاوٹ لوگوں کی طرف سے ہو مثلاً کوئی شخص کافروں کی قید میں ہو اور وہ اسے وضو کرنے سے روکیں یا قیدخانہ میں قید ہو (اور پانی نہ ملے) اور وہ شخص جس سے کہا جائے کہ اگر تو نے وضو کیا تو تجھ کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا تو اس کے لئے تیمم جائز ہے لیکن رکاوٹ دور ہونے پر اس کے لئے (وضو کرکے) نماز کا لوٹانا مستحب ہے۔ ذخیرہ میں اسی طرح ہے۔

تشریح و توضیح ویجب ان یعلم۔ یعنی تیمم کو مباح کرنے والا عذر کبھی من جہۃ اللہ ہوتا ہے مثلاً بیماری اور سردی اور تشنگی کا اندیشہ وغیرہ۔
ان اعذار میں سے کسی عذر کے لاحق ہونے کی صورت میں تیمم اس کے لئے جائز ہے اور پانی پر قدرت ہونے پر اعادۂ نماز واجب نہیں۔ اور کبھی عذر من جہۃ العباد (لوگوں کی طرف سے) ہوتا جیسے اس طرح کے کافروں کی اسیری جو وضو نہ کرنے دیتے ہوں اور قیدخانہ میں قید ہونے کی بنا پر پانی میسر ہونا یا مار دیئے جانے کا خوف وغیرہ ان سب صورتوں میں تیمم کرکے نماز پڑھنا درست ہے مگر رکاوٹ دور ہونے پر نماز لوٹانا واجب ہے۔

باب المسح على الخفين

جاز بالسنة اى بالسنة المشهورة فيجوز بها الزيادة على الكتاب فان موجبه غسل الرجلين للمحدث دون من عليه الغسل قيل صورته جنب تيمم للجنابة ثم احدث ومعه من الماء ما يتوضأ به فتوضأ به ولبس خفيه ثم مرّ على ماء يكفى للاغتسال ولم يغتسل ثم وجد من الماء ما يتوضأ به فتيمم ثانيا للجنابة فان احدث بعد ذلك توضأ ونزع خفيه

ترجمہ موزوں پر مسح کا بیان۔ موزوں پر مسح احادیث مشہورہ سے جائز (و ثابت) ہے۔ پس اس کے ذریعہ کتاب اللہ پر اضافہ جائز ہے۔ اور قرآن شریف سے دونوں پاؤں کا دھونا ثابت ہے۔ بے وضو شخص کے لئے موزوں پر مسح درست ہے۔ اس شخص کے لئے موزوں پر مسح درست نہیں جس پر غسل واجب ہو اس کی شکل یہ ہے کہ جنبی شخص جنابت کے واسطے تیمم کرے پھر وضو ٹوٹ جائے درانحالیکہ اس کے پاس وضو کرنے کے لئے پانی ہو۔ پس وہ وضو کرکے موزے پہن لے۔ پھر اس کا گذر اتنے پانی پر ہو جو غسل کے لئے کافی ہو اور وہ غسل نہ کرے۔ پھر اسے اتنا پانی ملے جس سے وضو کرسکے اور وہ دوبارہ جنابت کے واسطے تیمم کرے۔ پھر اگر اس کے بعد حدث پیش آئے تو وضو کرے اور موزے نکال دے۔

تشریح و توضیح باب المسح الخ۔ موزوں پر مسح کے احکام تیمم کے بعد دونوں کی باہمی مناسبت کی وجہ سے ذکر کئے گئے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک اپنی جگہ نائب و قائم مقام اور بدل ہے اور کچھ شرائط کے ساتھ مقید ہے۔ اور کیونکہ تیمم کا ثبوت قرآن کریم سے اور مسح کا ثبوت سنت سے ہے لہذا تیمم کا ذکر مسح سے مقدم رکھا گیا۔

الخفین اس کا مفرد خف ہے۔ خاء کے ضمہ اور فاء کی تشدید کے ساتھ۔ فارسی میں اسے موزہ کہتے ہیں۔
جاز۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ خفین پر مسح جائز ہے، واجب نہیں۔
بالسنۃ۔ اس میں اس کی جانب اشارہ ہے کہ مسح کا ثبوت احادیث سے ہے اور سنت کا اطلاق قول و

عمل دونوں پر ہوتا ہے۔

بالسنۃ المشہورۃ۔ یعنی دور صحابہ میں جس کی روایت حد تواتر کو پہونچ گئی ہو۔ مسح علی الخفین کی روایت بوجہ کثرت کے حد تواتر کو پہونچ گئی۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "الازہار المتناثرۃ فی الاخبار المتواترۃ" میں مسح خفین سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں جس سے حد تواتر کی نشان دہی ہوتی ہے۔

فیجوز الخ۔ اس میں اس اعتراض کے دور کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم میں دونوں پیروں کے دھونے کی فرضیت کا وضو میں حکم ہے۔ لہذا اس پر حدیث سے اضافہ کس طرح جائز ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ خبر احاد اور حدیث احاد سے تو اضافہ جائز نہیں مگر حدیث متواتر سے کتاب اللہ پر اضافہ از روئے اصول جائز ہے۔ اصول کتب میں اس کی صراحت ہے۔

فان الخ۔ فا یہاں تعلیل کے لئے نہیں بلکہ کتاب کا مقتضیٰ بیان کرنے کے لئے ہے۔

ودون من علیہ الغسل۔ یعنی یہ مسح خفین ان لوگوں کے لئے درست نہیں جن پر غسل واجب ہے، مثلاً حیض والی عورت اور وہ عورت جسے نفاس کا خون آیا ہو اور وہ جسے احتلام ہوا ہو۔

ترمذی میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں امر فرمایا کہ دوران سفر ہم تین دن تین رات اپنے موزے نہ اتاریں مگر جنابت پیش آجائے تو اتار دیں۔

نسائی اور ابن ماجہ میں اسی طرح کی روایت ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جنابت جس میں غسل کی ضرورت ہو عادتاً بار بار نہیں ہوتی لہذا انکا لئے بیں مضائقہ نہیں۔ اس کے برعکس حدث اصغر بار بار ہوتا ہے اور وضو کی ضرورت پیش آتی ہے تو شرعاً دفع حرج کی بناء پر اس میں مسح کا حکم ہوا۔

خطوطا باصابع منفرجۃ یبدأ من اصابع الرجل الی الساق هٰذا صفۃ المسح علی الوجہ المسنون فلو لم یفرج الاصابع لکن مسح مقدار الواجب جاز وان مسح باصبع واحدۃ ثم بلّها ومسح ثانیا ثم هکذا جاز ایضا ان مسح کل مرۃ غیر ما مسحہ قبل ذلک وان مسح بالابهام والمسبحۃ منفرجتین جاز ایضا ان ما بینهما مقدار اصبع اخریٰ وسئل عن محمدؒ عن صفۃ المسح قال ان یضع اصابع یدیہ علی مقدم خفیہ ویجافی کفیہ ویمدهما الی الساق او یضع کفیہ مع الاصابع ویمدهما جملۃ لکن ان مسح برؤس الاصابع وجافی اصول الاصابع والکف لا یجوز الّا ان یبتل من الخف عند الوضع مقدار الواجب وهو مقدار ثلث اصابع هکذا ذکر فی المحیط وذکر فی الذخیرۃ ان المسح برؤس الاصابع یجوز ان کان الماء متقاطرا الا انه اذا کان الماء متقاطرا فالماء ینزل اصابعه الی رؤسها فاذا مدّ کانه اخذ ماء جدیدا ولو مسح بظهر الکف جاز لکن السنۃ بباطنها وکذا ان ابتدا من طرف الساق۔

ترجمہ اور موزہ پر مسح میں مسنون یہ ہے کہ ہاتھ کی تین انگلیاں کشادہ کرکے پیر کی انگلیوں کے سرے سے پنڈلی کی طرف تین خط کھینچے۔ مسح کی یہ صفت وتعریف بطریقۂ مسنون ہے۔ اور اگر انگلیاں کھولے بغیر بقدر واجب (ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار) مسح کرلیا تو مسح درست ہوگیا۔ اگر ایک تر انگلی سے مسح کیا پھر اسے تر کرکے دوسری مرتبہ پھر اسی طرح تیسری بار مسح کیا تب بھی مسح درست ہوگیا۔ بشرطیکہ ہر مرتبہ اس کے علاوہ کا مسح کیا ہو جس کا پہلے کرچکا تھا۔ اور اگر انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے جو کشادہ ہوں مسح کرے تب بھی مسح درست ہوگیا کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایک اور انگلی کے بقدر فصل وبعد ہے۔ (تو گویا یہ تین انگلیوں سے مسح کرنا ہوا) امام محمدؒ سے موزہ پر مسح کی کیفیت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں موزوں کے اگلے حصوں پر رکھ کر ہتھیلیاں پیروں سے الگ رکھے اور دونوں ہاتھ پنڈلی کی طرف کھینچے یا ہتھیلیاں مع انگلیوں کے موزوں پر رکھ کر پنڈلی کی طرف سب کو کھینچے۔ لیکن اگر انگلیوں کے سروں سے مسح کیا اور انگلیوں کی جڑ میں اور ہتھیلی موزہ سے الگ رہیں تو مسح درست نہ ہوگا۔ البتہ اگر موزہ انگلیاں رکھتے وقت بقدر واجب تر ہوجائے یعنی تین انگلیوں کے بقدر تو مسح درست ہوجائے گا۔ محیط میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔ اور ذخیرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مسح انگلیوں کے سروں سے جائز ہے بشرطیکہ پانی کے قطرے ٹپکتے ہوں اس لئے کہ پانی قطرہ قطرہ ٹپکنے کی صورت میں انگلیوں سے ان کے سروں تک پہونچے گا اور اس کا کھینچنا پانی لینے کی مانند ہوگا۔ اور اگر ہتھیلی کی پشت سے مسح کرے تو جائز ہے مگر مسنون ہتھیلی کے اندرونی حصہ سے کرنا ہے۔ اسی طرح اگر پنڈلی کی طرف سے ابتداء کرے تو مسح درست ہے (مگر مسنون انگلیوں کی طرف سے مسح کی ابتداء ہے)۔

تشریح وتوضیح یبدأ الخ۔ بصیغۂ معروف پڑھا جائے تو اس کی ضمیر محدث (جس کا وضو ٹوٹ گیا ہو) یا ماسح (مسح کرنے والے) کی طرف لوٹے گی اور بصیغۂ مجہول پڑھنے کی صورت میں اس کی ضمیر "الخطوط" کی طرف لوٹے گی۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس سے مسح اور خطوط کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہے۔

علی الوجه المسنون۔ یعنی موزوں پر مسح کا مسنون طریقہ یہی ہے۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے پیشاب سے فراغت کے بعد وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا اور دایاں دستِ مبارک اپنے دائیں موزہ پر اور بایاں دستِ مبارک اپنے بائیں موزہ پر رکھا۔ اس کے بعد دونوں موزوں کے اعلیٰ (پنڈلی) کی طرف ایک بار مسح فرمایا حتیٰ کہ میں نے موزوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں دیکھیں۔ (یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے)

لا یجوز الخ۔ کیونکہ اگر تری اس قدر نہ ہو کہ قطرہ قطرہ ٹپکنے لگے تو وہ تری پہلی ہی دفعہ میں مستعمل ہوجائے گی۔ اور قطروں کی صورت میں پہلی استعمال کردہ تری دوسری دفعہ کے مسح میں باقی نہیں رہے گی بلکہ اس کی جگہ دوسری اور نئی تری لے لے گی۔

مقدار ثلث اصابع۔ یعنی ہاتھ کی تین انگلیاں۔ امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار

مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔
ثلث اصابع یعنی طولاً اور عرضاً۔ پس اگر کسی شخص نے تین انگلیاں رکھے بغیر انھیں کھڑی کر کے بغیر کھینچے مسح کیا، تو مسح درست نہ ہوگا۔ بحر میں اسی طرح ہے۔

ولو نسی المسح واصاب المطر ظاهر خفیه حصل المسح وکذا مسح الرأس وکذا لو مشی فی الحشیش فابتل ظاهر خفیه ولو بالطل هو الصحیح علی ظاهر خفیه الخف ما یستر الکعب کله او یکون الظاهر منه اقل من ثلث اصابع الرجل اصغرها اما لو ظهر قدر ثلث اصابع الرجل فلا یجوز لان هذا بمنزلة الخرق ولا بأس بان یکون واسعا بحیث یری رجله من اعلی الخف او جرموقیه ای علی خفیه یُلبَسان فوق الخفین لیکون وقایةً لهما من الوحل والنجاسة فان کانا من ادیم او نحوه جاز علیهما المسح سواء لبسهما منفردین او فوق الخفین وان کانا من کرباس او نحوه فان لبسهما منفردین لا یجوز وکذا ان لبسهما علی الخفین الا ان یکونا بحیث یصل بلل المسح الی الخف الداخل ثم اذا کانا من نحو ادیم وقد لبسهما فوق الخفین فان لبسهما بعد ما احدث ومسح علی الخفین لا یجوز المسح علی الجرموقین وان لبسهما قبل الحدث ومسح علیهما ثم نزعهما دون الخفین اعاد المسح علی الخفین الداخلین۔

ترجمہ اور اگر مسح بھول جائے اور پانی اس کے موزہ کے ظاہری (اوپر کے) حصہ پر پڑے تو مسح ہو گیا، اسی طرح سر کے مسح کا حکم ہے (کہ اگر سر کا مسح بھول جائے اور پانی سر پر پڑے تو مسح ہو گیا) اسی طرح اگر گھاس پر چلنے کی وجہ سے اس کے موزوں کا ظاہری (بالائی) حصہ بھیگ گیا خواہ شبنم سے ہی بھیگا ہو تو صحیح یہ ہے کہ مسح ہو گیا۔ اور مسح ظاہر موزوں (بالائی حصہ) پر کرے۔ موزہ اسے کہتے ہیں جو ٹخنے کو چھپالے یا پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کی مقدار سے کم پھٹا ہوا ہو۔ لیکن اگر پھٹن پیر کی تین انگلیوں کے برابر ہو تو مسح جائز نہیں۔ کیونکہ اس کا حکم زیادہ پھٹ جانے کا ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ موزہ کشادہ ہو اور موزہ پہننے والے کا پاؤں موزہ کے بالائی حصہ سے نظر آئے۔ یا جرموق پر مسح درست ہے۔ جرموق اسے کہا جاتا ہے جو موزہ کے اوپر پہنے جاتے ہیں تاکہ موزے کیچڑ اور نجاست سے محفوظ رہیں۔ پس اگر یہ چمڑے وغیرہ کے ہوں تو ان پر مسح جائز ہے خواہ صرف یہی پہنے ہوں یا انھیں موزوں کے اوپر پہن رکھا ہو۔ اور اگر کرباس (سفید روئی سے بنا ہوا کپڑا) وغیرہ سے بنے ہوئے ہوں اور صرف یہی پہنے تو ان پر مسح جائز نہیں۔ اسی طرح اگر یہ موزوں پر پہنے مگر یہ ایسے ہوں کہ ان کی تری اندرونی موزہ تک پہونچے تو اگر وہ چمڑے کے ہوں درانحالیکہ انھیں موزوں پر پہن رکھا ہو اور یہ جرموق حدث پیش آنے کے

بعد پہنے ہوں اور موزوں پر مسح کیا ہو تو جرموق پر مسح جائز نہ ہوگا۔ اور اگر انھیں حدث سے پہلے پہنا ہو اور دونوں پر مسح کیا ہو اور پھر انھیں نکالا ہو اور موزے نہ نکالے ہوں تو اندرونی موزوں پر مسح کا اعادہ کرے گا۔

تشریح وتوضیح

المطر الخ۔ یہ قید اتفاقی ہے اس لئے کہ ہر پانی خواہ بارش کا ہو اور خواہ نہر وغیرہ کا اس حکم میں برابر ہیں۔

وکذا ۔ اسی طرح اگر سر کا مسح رہ گیا اور پھر مثلاً بارش کے پانی سے چوتھائی سر کے بقدر بھیگ جائے تو کافی ہے اور مقدار فرض ادا ہو جائے گی

علی ظاہر خفیہ۔ اس میں اس کے رد کی طرف اشارہ ہے جو ایک ضعیف روایت کی بنیاد پر مسح باطن اور نیچے کے حصہ کے مسح کا بھی قائل ہو۔ ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد وغیرہ میں حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزہ کے بالائی اور نچلے حصہ پر مسح فرمایا۔ مشہور حافظ حدیث اور ماہر حدیث واسماء الرجال حضرت ابوزرعہؒ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے بکثرت روایات مروی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے موزہ کے بالائی حصہ کے مسح پر اکتفاء فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر دین رائے کی بنیاد پر ہوتا تو موزہ کے نچلے حصہ پر مسح بالائی حصہ کے مسح سے زیادہ بہتر تھا مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بالائی حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ "ابوداؤد" وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر محض نچلے حصہ یا ایڑی یا پنڈلی پر مسح کیا اور موزہ کے بالائی حصہ کو چھوڑ دیا تو مسح جائز نہ ہوگا۔ "درر" میں اس کی صراحت ہے۔

الخف ما یستر۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس پر مسح جائز ہے۔ اور موزہ وہ ہے جو پاؤں کو ٹخنہ سمیت چھپالے جس کی انتہاء پنڈلی تک ہو کہ اس میں پاؤں کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہ رہے۔

ولا باس الخ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ٹخنوں کو اطراف اور آس پاس سے چھپالے۔ اعلیٰ اور بالائی حصہ (جو پنڈلی کا حصہ ہے) چھپانا واجب نہیں۔ جمہور کا مسلک یہی ہے۔ البتہ صرف امام احمدؒ کی رائے اس کے خلاف ہے۔

او جرموقیہ۔ ابوداؤد اور ابن ابی خزیمہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جرموق پر مسح فرمایا طبرانی اور بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔

بخلاف ما اذا مسح علی خف ذی طاقین فنزع احد الطاقین لا یعید المسح علی الطاق الاٰخر وان نزع احد الجرموقین فعلیہ ان یعید المسح علی الجرموق الاٰخر وعن ابی یوسفؒ انہ یخلع الجرموق الاٰخر ویمسح علی الخفین او جوربیہ الثخینین ای بحیث یستمسکان علی الساق بلا شد منعلین او مجلدین حتی اذا کانا ثخینین غیر منعلین او مجلدین لا یجوز عند ابی حنیفۃؒ خلافاً

لهما وعنه انه راجع الى قولهما وبه يفتى ملبوسين على طهر تام وقت الحدث فلو توضأ وضوءً غير مرتب فغسل الرجلين ولبس الخفين ثم غسل باقى الاعضاء ثم احدث وتوضأ او توضأ وضوءً مرتبا فغسل رجله اليمنى وادخلها فى الخف ثم غسل رجله اليسرى وادخلها فى الخف ليست له طهارة تامة فى الصورة الاولى اذا لبس الخفين وفى الصورة الثانية اذا لبس اليمنى لكنهما ملبوسان على طهارة كاملة وقت الحدث

ترجمہ اور دو تہ والے موزہ پر اگر مسح کرے۔ اس کے بعد ایک تہ کو اتار دے تو دوسری تہ پر دوبارہ مسح کرنا واجب نہیں۔ اور اگر ایک پاؤں کا جرموق (مسح کے بعد) اتار دے (اور موزہ پر مسح کرے) تو اس پر دوسرے جرموق کے اوپر مسح کرنا واجب ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ دوسرا جرموق اتار کر دونوں موزوں پر مسح کرے۔ یا جورب پر اگر سخت ہو تو مسح درست ہے یعنی ایسے ہوں کہ باندھے بغیر رک سکیں۔ ان موزوں کے نچلے حصہ پر چمڑا لگا ہو یا پورے چمڑے کے ہوں۔ یہاں تک کہ اگر اتنے سخت ہوں کہ باندھے بغیر تھم سکیں مگر نہ ان کے نیچے چمڑا لگا ہوا ہو اور نہ وہ سارے چمڑے کے ہوں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان پر مسح کرنا جائز نہیں

امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے (بعد میں) امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا فتویٰ اسی قول پر ہے اور موزوں پر اس وقت مسح درست ہے کہ پوری طہارت کے ساتھ حدث کے وقت سے پہلے پہنے جائیں پس اگر کسی شخص نے ترتیب کی رعایت کے بغیر وضو کیا اور دونوں پاؤں دھو کر موزے پہن لے اس کے بعد باقی اعضاء دھوئے پھر حدث پیش آگیا اور اس نے وضو کیا یا ترتیب کے ساتھ وضو کرے پس اپنا دایاں پاؤں دھو کر موزہ میں داخل کرے۔ پھر بایاں پاؤں دھو کر اپنا پاؤں موزہ میں داخل کرے تو یہ طہارت مکمل نہیں ہوگی پہلی صورت میں موزہ پہننے کے وقت اور دوسری صورت میں دایاں موزہ پہننے کے وقت، لیکن دونوں موزے حدث کے وقت سے پہلے پوری طہارت پر پہنے گئے۔

تشریح وتوضیح بخلاف الخ۔ وجہ فرق یہ ہے کہ دونوں تہیں اتصال کی بنا پر ایک ہی کے حکم میں ہیں تو ایک پر مسح کرنا گویا دونوں پر مسح کرنا ہوا تو ایک تہ کا نکال دینا بقائے مسح پر اثر انداز نہ ہوگا اور مسح میں کوئی نقصان نہیں آئے گا رہے جرموق اور موزے تو دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ لہٰذا جرموق اتارنے کی صورت میں دونوں موزے بلا طہارت کے رہ گئے لہٰذا مسح کا اعادہ واجب ہوگا۔

انه يخلع الخ۔ یعنی تجدید مسح کافی نہیں ہوگی بلکہ اسے نکالنا واجب ہوگا اور موزہ میں سے ایک نکالنے کی صورت میں دوسرا موزہ نکال کر پاؤں دھونے واجب ہوں گے۔

اوجوربیه الخ یہ پاؤں میں سردی دور کرنے کے لئے پہنے جاتے ہیں یہ اگر سلا ہوا ہو تو جورب اور بغیر سلا ہوا ہو تو خف کہلاتا ہے۔ یہ کبھی بالوں کا اور کبھی چمڑے کا بنایا جاتا ہے اور کبھی کرباس وغیرہ کا اور شرائط کے

پائے جانے کی صورت میں ان سب پر مسح جائز ہے۔

طھرتام۔ یہ کہہ کر اس سے احتراز کی طرف اشارہ ہے کہ تیمم کرنے والا اور چھوارہ کی نبیذ سے وضو کرنے والا انھیں پہنے۔ اس لئے کہ وہ مسح نہیں کرے گا۔ اسی طرح صاحب عذر عذر کی موجودگی میں خارج وقت مسح نہیں کرے گا۔ وفی مسح الرموز وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

غسل باقی الاعضاء۔ غسل (دھونے) سے مراد عام ہے۔ خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً پس اس میں سر کا مسح بھی شامل ہے کیونکہ وہ حکماً غسل (دھونے) کے حکم میں ہے۔

فی الصورۃ الاولیٰ۔ یعنی اول پاؤں دھوکر دونوں موزے پہن لے پھر اپنا وضو پورا کرے۔

فی الصورۃ الثانیۃ الخ۔ یعنی ترتیب سے وضو کرے مگر مکمل نہ کرے بلکہ وضو کے اتمام سے قبل دائیں پاؤں میں موزہ پہنے تو اس صورت میں موزہ پہننے کے وقت طہارت کاملہ نہیں ہوگی۔

لکنھما یعنی دونوں صورتوں میں اس کی تصدیق ہوگی کہ دونوں وقت حدث سے پہلے کامل طہارت پر پہنے گئے۔

فعلم ان قولہ ملبوسین احسن من عبارتھم وھی اذا لبسھما علی طھارۃ کاملۃ وقت الحدث لان المراد الطھارۃ الکاملۃ وقت الحدث وھذا الوقت ھو زمان بقاء اللبس لازمان حدوثہ فیصح ان یقال ھما ملبوسان علی طھارۃ کاملۃ وقت الحدث ولا یصح ان یقال لبسھما علی طھارۃ کاملۃ وقت الحدث لان الفعل دال علی الحدوث والاسم دال علی الدوام والاستمرار لا علی عمامۃ وقلنسوۃ وبرقع وقفازین القفاز ما یلبس فی الکف لیکف عنھا مخلب الصقر والبازی ونحوہ وفرضہ قدر ثلث اصابع الید۔

ترجمہ | پس معلوم ہوا کہ مصنفؒ کا قول "ملبوسین" فقہاء کی بہترین عبارتوں میں سے ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں کو طہارت کاملہ پر پہنے اس لئے کہ مراد طہارت کاملہ سے حدث پیش آنے کے وقت طہارت کا کامل ہونا ہے اور یہ وقت موزوں کے پہنے رہنے کا وقت ہے حدث پیش آنے کا وقت نہیں پس یہ کہنا صحیح ہے کہ وقت حدث (سے) وہ کامل طہارت پر پہنے گئے ہوں۔ کیونکہ فعل دلالت کرتا ہے حدث پر اور اسم دوام و استمرار و ہمیشگی پر۔ مسح عمامہ اور ٹوپی اور برقعہ اور قفازین پر درست نہیں۔ قفاز ہتھیلی پر شکرہ اور باز موذی جانور وغیرہ کے ناخن سے حفاظت کے لئے پہنا جاتا ہے۔ اور ہاتھ کی تین انگلیوں کے بقدر مسح فرض ہے۔

تشریح و توضیح | فعلم الخ۔ یعنی احناف کے نزدیک بوقت حدث کمال طہارت شرط ہے اور یہ موزے پہننے کا زمانہ ہے۔ اس سے مراد پہننے کا ابتدائی وقت نہیں۔

لا علی عمامة۔ عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں۔ یہ عین کے زیر کے ساتھ وہ کپڑا کہلاتا ہے جو لوگ اپنے سروں پر لپیٹے ہیں۔ عمامہ کی طرح ٹوپی پر بھی مسح کرنا درست نہیں۔ قلنسوة۔ قاف کے فتحہ کے ساتھ اسے کہا جاتا ہے کہ جس سے سر ڈھانکا جائے۔ فارسی میں اسے کلاہ کہتے ہیں۔
القفاز۔ شکاری۔ شکار کرنے والے اور جنگل دار پرندوں سے حفاظت کی خاطر ہتھیلیوں میں جو کپڑا پہنتے ہیں اسے "قفاز" کہتے ہیں۔ فارسی زبان میں اسی کا نام "دستانہ" ہے۔ جمہور فقہاء کا یہی قول ہے۔
احمدؒ، اوزاعیؒ، اور اسحاقؒ عمامہ پر جواز مسح کے قائل ہیں۔ اور ان کی دلیل حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ پر مسح فرمایا۔ (بخاری) حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ جمہور فقہاء اس کا جواب دیتے ہیں کہ ان روایات سے صرف عمامہ کے مسح پر اکتفاء اور سر پر مسح نہ کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ مسلم وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ اس کی صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ (سر کے اگلے حصہ) اور عمامہ پر مسح فرمایا۔ اس کے برعکس موزوں کے مسح میں صرف موزوں پر مسح فرمانا بکثرت روایات سے ثابت ہے۔

فان مسح رسول الله صلى الله عليه وسلم كان خطوطا فعلم انها بالاصابع دون الكف و ما زاد على مقدار ثلث اصابع انما هو بماء مستعمل فلا اعتبار له فبقي مقدار ثلث اصابع ولا يفرض فيه شئ أخر كالنية وغيرها ومدته للمقيم يوم وليلة وللمسافر ثلثة ايام ولياليها من حين الحدث لان قوله عليه السلام يمسح المقيم يوما وليلة والمسافر ثلثة ايام ولياليها الحديث افاد جواز المسح في المدة المذكورة وقبل الحدث لا احتياج الى المسح فان الزمان الذى يحتاج فيه الى المسح وهو من وقت الحدث مقدر بالمقدار المذكور وينقضه ناقض الوضوء ونزع الخف ذكر لفظ الواحد ولم يقل نزع الخفين ليفيد ان نزع احدهما ناقض فانه اذا نزع احدهما وجب غسل احدى الرجلين فوجب غسل الاخرى اذ لا جمع بين الغسل والمسح

ترجمہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط (نشانات) کی شکل میں مسح فرمایا۔ پس اس سے انگلیوں کے ذریعہ ہتھیلی کے علاوہ مسح کرنا معلوم ہوا اور تین انگلیوں کی مقدار سے زیادہ مستعمل پانی کے ساتھ (مسح) ہوتو شرعاً وہ معتبر نہیں۔ لہذا تین انگلیوں کے بقدر ہی فرض مسح باقی رہا۔ مسح میں کوئی اور چیز نیت وغیرہ فرض نہیں۔ اور وقت حدث سے مقیم کے لئے مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات اور مسافر کے واسطے تین دن اور تین رات ہے۔ اس لئے کہ رسول علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کریگا

اور مسافر تین دن اور تین رات اس سے ذکر کردہ مدت میں مسح کا جواز معلوم ہوا، اور حدث سے پہلے مسح کی ضرورت ہی نہیں۔ لہٰذا وہ مدت جس میں مسح کی ضرورت ہوتی ہے وہ حدث کے وقت سے (مسافر ومقیم کے لئے) ذکر کردہ مدت ہے۔

اور جس چیز سے وضو ٹوٹتا ہے اسی سے مسح ٹوٹتا ہے۔ اور ایک موزہ کے نکالنے سے بھی مسح ٹوٹ جائیگا مصنفؒ نے "خف" (موزہ) ذکر کیا اور "نزع الخفین" (دونوں موزوں کا اتارنا) نہیں کہا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں موزوں میں سے ایک کا نکالنا بھی ناقض مسح ہے اور دونوں میں سے ایک کے نکالنے پر دونوں پیروں میں سے ایک کا دھونا واجب ہوا تو دوسرے کا دھونا بھی واجب ہوا۔ کیونکہ غسل (دھونا) اور مسح اکٹھے نہیں ہوسکتے۔

تشریح وتوضیح کان خطوطا الخ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ سنت موزوں پر خطوط (لکیروں ونشانات) کی شکل میں مسح کرنا ہے۔ اور حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے پیشاب سے فارغ ہو کر وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا اور دایاں دست مبارک دائیں موزہ پر رکھا اور بایاں دست مبارک بائیں موزہ پر رکھا پھر دونوں کے بالائی حصہ پر ایک مرتبہ مسح فرمایا گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں موزوں پر دیکھ رہا ہوں اور ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی انگلیوں سے پنڈلیوں کی طرف مسح فرمایا۔

طبرانیؒ نے "معجم اوسط" میں حضرت جابر رضی اللہ سے عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گذرے جو وضو کرکے موزے دھو رہا تھا۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ ہمیں اس طرح مسح کا حکم ہوا، پھر آپؐ نے موزوں کے اگلے حصہ سے پنڈلی کی طرف مسح فرمایا اور انگلیاں کشادہ رکھیں۔

فلا اعتبار الخ یعنی شرعاً اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ لہٰذا مسح میں تین انگلیوں کی مقدار فرض رہے گی۔

شیٔ اٰخر الخ یعنی ذکر کردہ مقدار کے علاوہ نیت اور ترتیب وغیرہ ان کی فرضیت پر دلیل نہ ہونے کی وجہ سے فرض نہیں۔ اگر کہا جائے کہ مسح بھی تیمم کی طرح غسل (دھونے) کا بدل ہے۔ لہٰذا اس میں بھی نیت لازم ہے جس طرح کہ تیمم شرط ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تیمم میں نیت کی شرط دلالت اور نص کی بنا پر ہے اور یہاں نیت وغیرہ شرط ہونے کی دلیل موجود نہیں۔ اس کی نظیر سر کا مسح ہے کہ جس طرح اس میں نیت شرط نہیں اسی طریقہ سے یہاں بھی نیت شرط نہیں ہے۔

للمقیم الخ۔ شیخ الاسلام نے "مبسوط" میں امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک مسح کی مدت مسافر کے حق میں غیر موقت ہے اور موزے طہارت کاملہ کی صورت میں پہننے بعد جب تک چاہے مسح کرے۔

ولیلۃ۔ یعنی مع رات سمیت۔ مثلاً اگر کسی شخص نے جمعہ کے دن بوقت طلوع آفتاب موزے پہنے تو اس کے لئے سنیچر کے دن طلوع آفتاب تک مسح کرنا جائز ہے۔

یمسح الخ طبرانی نے حضرت براءؓ کی حدیث اور ابو نعیم نے مالک بن سعدؓ اور مسلمؒ نے حضرت علیؓ کی حدیث اور ابو داؤد نے خزیمہؓ کی حدیث اور ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ کی حدیث اور ترمذی و نسائی وابن ماجہ وغیرہ نے صفوانؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

وهو من وقت الحدث الخ اس لئے کہ یہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں سابقہ طہارت کا ختم ہونا اور طہارت کے وجوب کا سبب پایا گیا۔

ونزع الخف حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک غزوہ میں تھے تو انہوں نے موزے نکال کر پاؤں دھوئے اور وضو کا اعادہ نہیں کیا۔ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے

وكذا ان دخل الماء احد خفيه حتى صار جميع الرجل مغسولاً وان اصاب الماء اكثرها فكذا عند الفقيه ابى جعفرؒ ومضىّ المدة وبعد احد هذين اى نزع الخف ومضئ المدة على المتوضئ غسل رجليه فحسب اى على الذى كان له وضوء لايجب عليه الا غسل رجليه اى لايجب غسل بقية الاعضاء وينبغى ان يكون فيه خلاف للمالكؒ بناءً على فرضية الولاء عنده وخروج اكثر العقب الى الساق نزع ولفظ القدورى اكثر القدم وما اختاره فى المتن مروى عن ابى حنيفةؒ ويمنعه خرق خف يبدو منه قدر ثلث اصابع الرجل اصغرها الا ما دونها فلو كان الخرق طويلا يدخل فيه ثلث اصابع ان اُدخلت لكن لايبدو ومنه هذا القدارُ جاز المسح ولو كان مضموما لكن ينفتح اذا مشىٰ ويظهر هذا القدر لا يجوز فعلم منه ان ما يُصنع من الغزل ونحوه مشقوق اسفل الكعب ان كان يستر الكعب بخيطا ونحوه يشد بعد اللبس بحيث لم يبد ومنه شئ فهو كغير المشقوق وان بدا كان كالخرق فيعتبر المقدار المذكور

ترجمہ اور اسی طرح اگر پانی موزوں میں سے کسی موزہ میں پہونچے حتیٰ کہ پاؤں بھیگ جائے تو مسح ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر پاؤں کا اکثر حصہ بھیگ جائے تو فقیہ ابو جعفرؒ کے نزدیک مسح ٹوٹ جائے گا اور مدت کے گذرنے اور ان دونوں میں سے ایک کے بعد یعنی موزہ اتارنے اور مدت گذرنے کے بعد باوضو شخص پر پیروں کا دھونا واجب ہوگا۔ یعنی وہ شخص جو باوضو ہو اس پر صرف پیروں کا دھونا واجب ہے باقی اعضاء کا دھونا واجب نہیں۔ اور قاعدہ کا تقاضہ ہے کہ اس میں امام مالکؒ کا اختلاف ہو کیونکہ ان کے نزدیک ولاء (پے در پے ہونا) فرض ہے۔ اور ایڑی کے اکثر حصہ کا موزہ سے موزہ کی پنڈلی میں نکلنا بھی ناقض مسح ہے۔ اور قدوری میں ہے کہ پاؤں کے اکثر حصہ کا نکلنا ناقض مسح ہے اور متن میں جس قول کو اختیار کیا ہے وہ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے اور موزہ اگر اتنا پھٹا ہوا ہو کہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلیاں (اس میں سے) ظاہر ہو جائیں تو اس پر مسح جائز نہیں۔

اس سے کم پھٹا ہوا ہو تو جائز ہے پس اگر اتنا لا نبا پھٹا ہو کہ اس میں تین انگلیاں اگر داخل کی جائیں داخل ہو سکتی ہوں مگر تین انگلیوں کے بقدر (چلتے ہوئے) کھلتا نہ ہو۔ تو اس موزہ پر مسح جائز ہے۔ اور اگر یہ پھٹن ملی ہوئی ہو اگر بظاہر غیر محسوس ہوا مگر چلتے ہوئے تین انگلیوں کے بقدر کھلاتی ہو تو اس پر مسح جائز نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جو موزہ سوت وغیرہ سے بُنا ہوا ہو اور ٹخنے کے نیچے سے کھلا ہوا ہو۔ (اس طرح پر) کہ اگر موزہ پہننے کے بعد ٹخنہ چھپا کر سوت وغیرہ سے باندھ دیا جائے تو پاؤں کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہ رہے تو غیر کھلے موزہ کی طرح اس پر مسح جائز ہے۔ اور اگر پاؤں کا کچھ حصہ کھلا ہوتا ہو تو اس کا حکم پھٹے ہوئے موزہ کا سا ہو گا۔ پس ذکر کردہ مقدار (تین انگلیوں کی مقدار) کا اعتبار کیا جائیگا

تشریح و توضیح جمیع الرجل الخ۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ موزہ پر مسح کرنے والے کے موزہ میں اگر پانی پہنچ کر اس کا پاؤں تین انگلیوں کی مقدار یا اس سے کم بھگو دے تو اس پر غسل (دھونے) کا اطلاق نہ ہونے کی بنا پر اس کا مسح بدستور برقرار رہے گا۔ البتہ اگر پورا پاؤں بھیگ جائے اور پانی ٹخنہ تک پہونچ جائے تو مسح ٹوٹ جائے گا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اسی طرح منقول ہے۔

ومضی المدۃ۔ یعنی مدت مذکورہ گذر جائے خواہ اس مدت کے اندر مسح نہ بھی کیا ہو مثلاً موزے پہننے کے بعد حدث لاحق ہو پھر حدث کے بعد مدت مسح گذر جائے اور وہ مسح نہ کرے تو اب اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا درست نہ ہو گا۔ فتاویٰ قاضی خاں اور مختارات النوازل، تاتارخانیہ اور ولوالجیہ وغیرہ میں ہے کہ اگر مسافر کی مدت مسح ختم ہو جائے لیکن سردی کی شدت کی وجہ سے پاؤں کے ضائع ہونے کا موزے اتارنے کی صورت میں خوف ہو، تو اس کے لئے مسح کرنا جائز ہے۔ نور الایضاح میں بھی اس کی تصریح ہے۔

وینبغی الخ۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس بارے میں کوئی تصریح نہیں ملی مگر قواعد کا تقاضا یہی ہے۔

وخروج اکثر العقب۔ اس میں اشارہ ہے کہ پاؤں کا اکثر حصہ کا نکلنا بھی ناقض مسح ہے۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ موزہ نکالنے ہی کی نیت ہو۔ لیکن اگر نیت نکالنے کی نہ ہو تو بالاتفاق مسح باطل نہ ہو گا۔

اکثر القدم۔ ہدایہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔

قدر ثلث اصابع الرجل الخ۔ نہایہ، شیخ الاسلامؒ کی مبسوط سے منقول ہے کہ پھٹن کے سلسلہ میں پاؤں کی تین انگلیوں کا اور مسح کے بارے میں ہاتھ کی تین انگلیوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

فعلم منہ یعنی مسح کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں اس متعین اور مقرر مقدار کا اعتبار ہو گا۔ اگر اتنی مقدار پھٹن کی ظاہر ہو تو مسح ناجائز ورنہ جائز ہو گا۔

ویجمع خروق خف لا خفین ای اذا کان علی خف واحد خروق کثیرۃ تحت الساق ویبدو من کل واحد شئ قلیل بحیث لو جمع البادی یکون مقدار ثلث اصابع یمنع المسح ولو کان ھذا

المقدار فی الخفین جاز المسح و یتم مدۃ السفر ما سح سافر قبل تمام یوم ولیلۃ ویتمھا ان اقام قبلھما وینزع ان اقام بعدھما فھٰھنا اربع مسائل لانہ اما ان یسافر المقیم او یقیم المسافر وکل اما قبل تمام یوم ولیلۃ او بعدھما وقد ذُکر فی المتن ثلث منھا ولم یذکر ما اذا سافر المقیم بعد تمام یوم ولیلۃ وحکمہ ظاھر وھو وجوبُ النزع

ترجمہ | اور مجموعی پھٹن ایک موزہ کی معتبر ہوگی دونوں موزہ کی نہیں۔ یعنی اگر ایک موزہ پنڈلی کے نیچے سے بہت سی جگہ سے پھٹ گیا ہو اور ہر جگہ سے تھوڑا سا کھل گیا ہو کہ اگر یہ پھٹن اکٹھی ہو تو تین انگلیوں کے بقدر ہو جائے تو مسح درست نہ ہوگا۔ اور اگر پھٹن کی یہ مقدار دونوں موزوں میں ہو تو ان پر مسح کرنا درست ہے۔ وہ مسح کرنے والا جس نے ایک دن اور رات پورے ہونے سے قبل سفر کیا وہ مدتِ سفر (تین دن تین رات) پوری کرے گا۔ اور اگر اس سے پہلے اقامت اختیار کرلی ہو تو ایک دن اور ایک رات پورے کرے۔ اور ایک دن و ایک رات پورے ہونے کے بعد اقامت اختیار کی ہو تو موزے اتار ڈالے۔ پس اس جگہ چار مسئلے ہیں اس لئے کہ یا تو مقیم مسافر ہو جائے گا یا مسافر مقیم۔ اور یہ سفر اور قیام یا ایک دن اور ایک رات پورے ہونے سے پہلے ہوگا یا بعد میں۔ متن میں تین صورتیں ذکر کی گئی ہیں۔ اور یہ صورت مصنف نے ذکر نہیں کی کہ جب مقیم ایک دن اور ایک رات مکمل ہونے کے بعد سفر کرے اور اس کا حکم ظاہر ہے۔ اور وہ یہ کہ موزے اتارنا واجب ہے۔

تشریح وتوضیح | لاالخفین یعنی اگر دونوں موزوں میں سے ہر موزہ میں تین انگلیوں کی مقدار سے کم پھٹن ہو البتہ اگر جمع کیا جائے تو مسح درست نہ ہو تو دونوں کی پھٹن اکٹھی نہیں کی جائے گی اور مسح درست ہوگا۔

تحت الساق۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ موزہ کی پنڈلی میں اگرچہ زیادہ پھٹن ہو مگر اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور مسح اس پر درست ہوگا۔

جاز المسح۔ یعنی دونوں موزوں کی پھٹن یکجا کر کے حکم نہیں لگایا جائے گا۔ یہ حکم نجاست کے حکم کے برعکس ہے۔ اس لئے کہ دونوں موزوں پر لگی ہوئی نجاست اکٹھی کر کے مجموعہ پر حکم لگایا جاتا ہے اسی طرح اگر بدن کا حصہ مختلف جگہوں سے کھل جائے تو مخالفتِ صلوٰۃ کے لئے مجموعہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

ویجوز علی جبیرۃ محدث ولا تبطلہ السقوط الا عن برءٍ المسح علی الجبیرۃ ان اضر جاز ترکہ وان لم یضر فقد اختلفت الروایات عن ابی حنیفۃ رح فی جواز ترکہ والماخوذ انہ لایجوز ترکہ ثم لایشترط کون الجبیرۃ مشدودۃ علی طھارۃ کاملۃ وانما یجوز المسح علی الجبیرۃ اذا لم یقدر علی مسح ذلک العضو کما لا یقدر علی غسلہ بان کان الماء یضرہ او کانت الجبیرۃ مشدودۃ یضر حلھا اما اذا کان قادرًا علی مسحہ فلا یجوز مسح الجبیرۃ واذا کان فی اعضائہ شقاق فان عجز عن

فسله يلزمه امرار الماء عليه فان عجز عنه يلزمه التسمح ثم ان عجز عنه يغسل ما حوله ويتركه و ان كان الشقاق في يده ويعجز عن الوضوء استعان بالغير ليوضيه فان لم يستعن وتيمم جاز خلافا لهما واذا وضع الدواء على شقاق الرجل امر الماء فوق الدواء فاذا امر الماء ثم سقط الدواء فان كان السقوط عن برء غسل ذلك الموضع والا فلا واذا فصد ووضع خرقة وشد العصابة فعند بعض المشائخ رح لا يجوز المسح عليها بل على الخرقة وعند البعض ان امكنه شد العصابة بلا اعانة احد لا يجوز عليها المسح وان لم يمكنه ذلك يجوز

ترجمہ محدث (بے وضو) کے لئے پٹی پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور پٹی کے گر جانے سے مسح باطل نہیں ہوتا البتہ اگر زخم اچھا ہونے کی وجہ سے گرے تو مسح ٹوٹ جائے گا۔ اگر پٹی پر بھی مسح کرنا زخم کے لئے نقصاندہ ہو تو اس کا ترک جائز ہے۔ اور نقصان نہ دے تو اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت کی رو سے اس کا ترک جائز ہے۔ اور مفتی بہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ترک کرنا جائز نہیں۔ پھر مسح صحیح ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ پٹی طہارت کی حالت میں باندھی گئی ہو۔ اور اگر وضو کرنے والے کو اس عضو کے مسح پر (بوجہ زخم کے) قدرت نہ ہو تو پٹی پر مسح جائز ہے (جیسے پانی ضرر رساں ہونے کی صورت میں) دھونے پر قادر نہ ہونا ثابت نہ ہونے کی شکل میں مسح جائز ہے باندھی ہوئی پٹی اس کی جگہ سے کھولنے پر نقصان پہونچتا ہو تو مسح جائز ہے۔ اور اگر اعضاء میں پھٹن پیدا ہو۔ پس اگر پھٹن دھونے سے (بوجہ تکلیف کے) عاجز و مجبور ہو تو اس پر سے پانی بہا دینا لازم ہے۔ اگر اس سے بھی مجبور ہو تو مسح لازم ہوگا۔ اور اگر مسح بھی ممکن نہ ہو تو اس کے ارد گرد کو دھو کر (حصۂ زخم) چھوڑ دے گا۔ اور اگر پھٹن ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے خود وضو نہ کر سکتا ہو تو دوسرے سے مدد لے کر وہ وضو کرا دے۔ اگر دوسرے سے مدد لئے بغیر تیمم کر لے، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درست ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک درست نہیں۔ اور اگر دوا پاؤں کی پھٹن میں رکھی ہوئی ہو تو پانی دوا پر بہا دیا جائے۔ پس اگر پانی بہا دیا گیا پھر دوا گر گئی۔ اگر دوا زخم اچھا ہونے کی وجہ سے گری ہو تو وہ جگہ دھوئی جائے گی ورنہ نہیں۔ اور اگر فصد لی گئی ہو اور وہاں کپڑا رکھ کر پٹی باندھ دی گئی ہو تو بعض مشائخ (فقہاء) کے نزدیک پٹی پر مسح جائز نہیں بلکہ اس رکھے ہوئے کپڑوں پر مسح کیا جائے۔ اور بعض کے نزدیک اگر پٹی باندھنا بلا کسی کی مدد کے ممکن ہو تو پٹی پر مسح جائز نہ ہوگا اور اگر ممکن نہ ہو تو مسح پٹی پر درست ہوگا۔

تشریح و توضیح ویجوز علی جبیرۃ۔ یعنی پٹی کے اوپر مسح کرنا جائز ہے۔ الجبیرۃ جیم کے زبر کے ساتھ، اس کی جمع جبائر آتی ہے۔ جبائر ان لکڑیوں کو کہا جاتا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جوڑنے کے لئے باندھی جاتی ہیں۔ اور اس کے جواز کی اصل ابو داؤد کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت ہے کہ ہم ایک سفر کے لئے نکلے تو ہم میں سے ایک شخص پتھر لگنے سے مجروح ہو گیا۔ تو اس نے رفقاء سے کہا کیا تم کی رخصت و اجازت

پاتے ہو تو انھوں نے کہا جب کہ تو پانی پر قادر ہے تو تیرے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے۔ انھوں نے غسل کیا (دھویا) تو ان کا انتقال ہو گیا۔ پھر ہم خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو اس واقعہ کے بارے میں عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا اسے قتل کر دیا اللہ انھیں ہلاک کرے جب واقف نہ تھے تو پوچھا کیوں نہیں۔ کیونکہ ناواقفیت کے مرض کا علاج پوچھ لینا ہے۔ اس کے لئے تیمم کافی تھا یا زخم پر پٹہ باندھ کر اس پر مسح کر کے باقی حصۂ جسم کو دھو لیتا۔

محدث الخ۔ اس قید سے یہ ظاہر ہوا کہ پٹی پر مسح جنبی (جس پر غسل واجب ہو) اور وہ عورت جسے ماہواری آرہی ہو یا جسے نفاس کا خون آرہا ہو اس کے لئے جائز نہیں۔

المسح علی الجبیرۃ۔ محیط میں ہے کہ اگر ان ہڈیوں کو جوڑنے والی پٹیوں پر مسح نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے تو اس صورت میں مسح کا ترک کر دینا جائز ہے۔

ثم لا یشترط الخ۔ یعنی جبیرہ میں طہارت کاملہ پر باندھی جانے کی شرط نہیں۔ اس کے برعکس موزوں پر مسح کا حکم ہے کہ ان کا طہارت پر پہننا اور ان کے پہننے کے وقت محدث نہ ہونا احادیث سے ثابت ہے۔

وانما یجوز الخ۔ یعنی اگر دھونے کے علاوہ مسح بھی زخم کے لئے نقصان دہ ہو تو بجائے زخم پر مسح کے جبیرہ اور پٹی پر مسح کرنا کافی ہے۔

شقاق۔ شین کے ضمہ کے ساتھ بہ شق کی جمع ہے یعنی وہ پھٹن جو جلد و کھال میں سردی وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔

استعان بالغیر۔ منیہ اور شرح غنیہ میں ہے کہ اگر ہاتھ یا پھٹا ہو سنے کی وجہ سے خود وضو کرنے سے عاجز و مجبور ہو تو دوسرے کی مدد سے وضو کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مستحب اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک واجب ہے۔ اگر دوسرے سے مدد لئے بغیر اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست ہو جائے گی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک درست نہ ہوگی۔

خلاف العمل۔ پس اگر وضو کرانے والا شرط یا بلا اور وہ تعاون طلب کرے تو وہ اعانت سے انکار کر دے اور وہ بعد انکار تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو یہاں بہر صورت عجز ثابت ہو گیا اس لئے بالاتفاق سب کے نزدیک اس کی نماز درست ہو جائے گی۔

اذا وضع الدواء۔ مثلاً پھٹن پر مرہم یا چربی وغیرہ رکھ دیں۔

خرقہ۔ خا کے زیر کے ساتھ کپڑے کا ٹکڑا۔

وقال بعضهم ان كان حل العصابة وغسل ما تحتها يضر الجراحة جاز المسح عليها والا فلا وكذا الحكم في كل خرقة جاوزت موضع الجراحة وان كان حل العصابة لا يضره لكن نزعها عن موضع الجراحة

يضرها يحلها ويغسل ما تحتها الى موضع الجراحة ثم يشدها ويمسح موضع الجراحة وعامة المشائخ على جواز مسح عصابة المفتصد واما الموضع الظاهر من اليد مما يلى بين العقدتين من العصابة فالصحيح انه يكفيه المسح اذ لو غسل تبتل العصابة وربما تنفذ البلة الى موضع الفصد ويشترط الاستيعاب فى مسح الجبيرة والعصابة فى رواية الحسن عن ابى حنيفة رح وهو المذكور فى الاسرار وعند البعض يكفى الاكثر واذا مسح ثم نزعها ثم اعادها فعليه ان يعيد المسح وان لم يعد اجزاه واذا سقطت عنها فبدلها باخرى فالاحسن اعادة المسح وان لم يعد اجزاه ولا يشترط تثليث مسح الجبائر بل يكفيه مرة واحدة وهو الاصح ويجب ان يعلم ان مسح الجبيرة يخالف مسح الخف فى انه يجوز على حدث ولا يتقدر له مدة واذا سقطت لا عن برء لا يبطل وان سقطت عن برء يجب غسل ذلك الموضع خاصة بخلاف ما اذا خلع احد الخفين حيث يلزمه غسل الرجلين

ترجمہ اور بعض کے نزدیک اگر پٹی کھولے اور اس کے نیچے مسح کرنے سے زخم کو نقصان پہونچے تو پٹی پر مسح کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور اسی طرح وہ کپڑا جو زخم کے مقام سے آگے بڑھا ہوا ہو۔ پس اگر اس کا کھولنا اور دھونا نقصان دہ ہو تو سب پر مسح کرے ورنہ زخم کے ارد گرد کو دھو کر زخم پر مسح کرے اور اگر پٹی کا کھولنا نقصان رساں نہ ہو مگر زخم کی جگہ سے پٹی ہٹانا نقصان پہونچاتا ہو تو پٹی کھول کر زخم کی جگہ تک دھوئے (مقام زخم چھوڑ دے) پھر اسے باندھ کر زخم کی جگہ مسح کرے۔ اور اکثر فقہا اسے جائز قرار دیتے ہیں کہ جس شخص نے فصد کرا رکھی ہو وہ پٹی پر مسح کرے۔ اور ہاتھ کا وہ کھلا ہوا حصہ جو پٹی کے دو گرہوں کے درمیان میں ہو زیادہ صحیح قول کے مطابق اس پر مسح کافی ہے اس لئے کہ اگر وہ جگہ دھوئے گا تو پٹی بھیگ جائے گی۔ اور بسا اوقات یہ پانی کی تری فصد کی جگہ تک پہونچ جاتی ہے۔ اور جبیرہ اور پٹی کی مسح میں استیعاب (کل پر مسح) شرط ہے حسنؒ کی روایت امام ابو حنیفہؒ سے کتاب "الاسرار" میں یہی بیان کی گئی ہے۔ اور بعض کے نزدیک اکثر پٹی پر مسح کر لینا کافی ہے۔ اگر پٹی یا جبیرہ پر مسح کے بعد پھر اسے اتارے اور پھر باندھے تو اس کو مسح کا اعادہ کر لینا چاہئے لیکن اگر اعادہ نہ کرے تب بھی وہ پہلا مسح کافی ہے۔ اور اگر پٹی یا جبیرہ گر جائے اور دوسری بدل دی جائے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ مسح کا اعادہ کرے اور اگر نہ کرے تب بھی کافی ہے۔ اور جبائر پر تین مرتبہ مسح کرنے کی شرط نہیں بلکہ زیادہ صحیح قول کی رو سے ایک بار ہی مسح کر لینا کافی ہے۔ اور یہ جاننا ضروری ہے کہ جبیرہ پر مسح کا حکم موزہ پر مسح کے حکم سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ جبیرہ پر مسح حدث لاحق ہونے پر بھی درست ہے۔ اور (پھر یہ کہ) اس کی (موزہ پر مسح کی طرح) مدت متعین نہیں۔ اور اگر جبیرہ زخم کے اچھے ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ویسے ہی گر جائے تو جبیرہ کا مسح باطل نہ ہوگا۔ اور اگر اچھا ہونے کی بنا پر گرے تو اس جگہ کا دھونا جہاں پر پٹی بندھی ہوئی تھی واجب ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک موزہ اتار لیا تو دونوں پاؤں کا دھونا واجب ہے۔

11/2

تشریح و توضیح وکذا الحکم الخ. اگر فصد کرانے والے کی پٹی زخم کی جگہ سے بڑھی ہوئی ہو اور اس کا کھولنا اور دھونا نقصان رساں ہو تو سب پر مسح کر لے۔ اور اگر مضر نہ ہو تو زخم کے ارد گرد کو دھوئے اور زخم پر مسح کرلے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ زخم پر مسح ضرر رساں نہ ہو۔ اور اگر نقصان کا اندیشہ قوی ہو تو پھر بجائے زخم کے اس کے اوپر رکھی ہوئی پٹی پر مسح کرلے۔

فالاصح۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک قول خواہ مرجوح ہی مگر یہ بھی ہے کہ دھونا واجب ہے۔

فی روایۃ الحسن۔ یہاں حسن سے مراد امام حسن ابن زیاد امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ ہیں۔

یکفی الاکثر۔ صاحب کنز نے کافی میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

اجزاہ۔ یعنی اگر اعادہ نہ کرے تب بھی وہ پہلا مسح کافی ہو جائے گا، کیونکہ مسح اس صورت میں ٹوٹتا ہے کہ پٹی زخم اچھا ہو جانے کی بنا پر گرے اور عجز و مجبوری کی صورت میں مسح کے ٹوٹنے کا حکم نہیں ہوگا۔ اور پٹی کے نیچے کے حصہ بدن کا دھونا واجب نہ ہوگا۔

ویجب ان یحلہ۔ شارح نے یہاں موزوں کے مسح اور جبیرہ کے مسح میں چار اعتبار سے فرق بتایا ہے۔ اولؔ یہ کہ جبیرہ پر مسح میں طہارت کاملہ پر باندھنے کی شرط نہیں، حالانکہ موزوں پر مسح میں اس کی شرط ہے۔

دومؔ یہ کہ جبیرہ پر مسح میں وقت کی تعیین و تحدید نہیں بلکہ زخم کے اچھا ہونے تک جبیرہ پر مسح جائز ہے اور موزوں پر ایک دن و ایک رات یا تین دن و تین رات کی تحدید ہے۔ سومؔ یہ کہ اگر جبیرہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو سابق مسح باطل نہیں ہوتا، اس کے برعکس موزہ میں اگر پاؤں بلا ارادہ بھی موزہ سے باہر نکل آئے تو مسح باطل ہو جاتا ہے۔

چہارمؔ یہ کہ جب پٹی زخم اچھا ہونے کی وجہ سے گرے تو محض اس حصہ کا دھونا واجب ہے، اس کے برعکس موزہ میں سے اگر ایک موزہ نکل جائے تو محض اسی پاؤں کا نہیں بلکہ دوسرے پاؤں کا بھی دھونا واجب ہے۔

پنجم یہ کہ ایک روایت کی رو سے نماز جبیرہ پر مسح کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے اور موزہ پر مسح کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ ششم یہ کہ مسح جبیرہ پر محدث اور جنبی دونوں کے لئے جائز ہے۔ اس کے برعکس مسح صرف محدث (بے وضو) کے لئے جائز ہے۔ نہم یہ کہ جبیرہ پر مسح اور پاؤں کا دھونا دونوں کا اجتماع درست ہے اور موزوں کے مسح میں ایسا نہیں۔

باب الحیض

الدماء المختصۃ بالنساء ثلثۃ حیض واستحاضۃ ونفاس فالحیض ھو دم ینفضہ رحم امرأۃ بالغۃ ای بنت تسع سنین لاداء بھا ولم تبلغ الایاس فالذی لایکون من الرحم لیس بحیض وکذا الذی قبل سن البلوغ ای تسع سنین وکذا ماینفضہ الرحم لمرض فاذا استمر الدم کان سیلان البعض طبعیا فکان حیضا وسیلان البعض بسبب المرض فلایکون حیضا وکما قیدہ بعدم الدم یجب ان یقیدہ بعدم الولادۃ ایضا احترازا عن النفاس ثم الاصح

ان الحیض موقت الی سن الایاس واکثر المشائخ رح قدروہ بستین سنۃ ومشائخ بخاری وخوارزم بخمس وخمسین سنۃ فما رأت بعدھا لایکون حیضا فی ظاھر المذھب

ترجمہ تین خون عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں حیض[1] استحاضہ[2] نفاس[3]۔ حیض بالغہ عورت کے رحم سے آنے والے خون کا نام ہے عورت کے بالغ ہونے کی عمر (کم از کم) نو سال ہے۔ کہ اسے نہ کوئی بیماری ہو اور نہ ناامیدی (خون بند ہونے) کی عمر ہوئی ہو پس رحم سے نہ آنے والا خون حیض نہ ہوگا اور اسی طرح وہ خون بھی حیض نہیں ہوگا جو بالغہ ہونے کی عمر یعنی نو سال سے قبل آئے۔ اور ایسے ہی بالغہ کے رحم سے بیماری کے باعث آنے والا خون۔ جب مسلسل آئے تو جتنے دن خون کا آنا طبیعت (اور عادت) کے مطابق ہو وہ حیض شمار ہوگا اور رحم سے (خلاف طبیعت) آنے والا بیماری کے باعث خون حیض شمار نہیں ہوگا اس جیسے کہ خون میں "بیماری کا نہ ہونے" کی قید لگائی ہے ضروری ہے کہ اس کی قید بھی لگائی جائے کہ یہ خون ولادت (بچہ کی پیدائش) کا نہ ہو تا کہ نفاس سے احتراز ہو جائے۔ پھر زیادہ صحیح قول کے مطابق حیض کی مدت ناامیدی کی عمر تک ہے۔ اکثر فقہاء کے نزدیک ناامیدی کی عمر ساٹھ سال اور بخاری وخوارزم کے فقہاء کے نزدیک پچپن سال ہے۔ اس مدت (عمر) کے بعد نظر آنے والا خون ظاہر مذہب ومسلک کی رو سے حیض شمار نہ ہوگا۔

تشریح وتوضیح باب الحیض یعنی اس باب میں احکام حیض کا بیان ہے۔ عنوان میں صرف "الحیض" لائے اور "الاستحاضۃ" اور "النفاس" چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مقابلہ میں "حیض" کا وقوع زیادہ ہے۔ اور ان دونوں کی بہ نسبت حیض کے احکام ومسائل زیادہ ہیں اس لیے اصل عنوان اسے قرار دے کر اس کے ذیل میں استحاضہ اور نفاس کو بھی ذکر کر دیا گیا۔

المختصۃ۔ یہ قید لگا کر نکسیر اور فصد کے خون سے احتراز مقصود ہے جس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

لا داء بھا۔ وہ خون جو رحم کے علاوہ سے آئے اسے حیض قرار نہ دیں گے۔

فاذا استمر یعنی بعض اوقات مدت کی تبدیلی کے ساتھ حیض اور استحاضہ ایک ہی خون میں اکٹھے ہو جاتے ہیں کہ اسی خون پر کبھی حیض اور کبھی استحاضہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

احترازا۔ یہ قید اس لئے لگائی تاکہ نفاس کے خون سے جو بچہ کی پیدائش کے بعد آتا ہے احتراز ہو جائے اگر کوئی کہے کہ کبھی حیض کا نفاس پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور احادیث میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ اور امام بخاری نے بخاری شریف میں مستقل الگ باب باندھا ہے۔ لہذا نفاس پر حیض کے اطلاق میں مضائقہ نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کے اطلاق میں کوئی مضائقہ نہیں مگر دونوں کے درمیان امتیاز اور فرق ظاہر کرنے کے لیے مصنف نے نفاس کا مستقل ذکر کیا ہے اس لیے اس کی ضرورت نہیں کہ نفاس پر حیض کا اطلاق کر کے سکوت اختیار کر لیا جائے۔

والمختار انها اذا رأت دما قويا كالاسود والاحمر القاني كان حيضا ويبطل الاعتداد بالاشهر قبل التمام وبعده لا وان رأت صفرة او خضرة او تربية فهي استحاضة واقله ثلثة ايام ولياليها واكثره عشرة وعند ابي يوسفؒ اقله يومان واكثر من اليوم الثالث وعند الشافعيؒ اقله يوم وليلة واكثره خمسة عشر ونحن نتمسك بقوله عليه السلام اقل الحيض للجارية البكر والثيب ثلثة ايام ولياليها واكثره عشرة ايام ثم اعلم ان مبدأ الحيض من وقت خروج الدم الى الفرج الخارج فاذا لم يصل الى الفرج الخارج بحيلولة الكرسف لا تنقطع الصلٰوة فعند وضع الكرسف انما يتحقق الخروج اذا وصل الدم الى ما يحاذي الفرج الخارج من الكرسف فاذا احمر من الكرسف ما يحاذي الفرج الداخل لا يتحقق الخروج الا اذا رفعت الكرسف فيتحقق الخروج من وقت الرفع وكذا في الاستحاضة والنفاس والبول ووضع الرجل القطنة في الاحليل والعلقة كالخارج ثم وضع الكرسف مستحب للبكر في الحيض وللثيب في كل حال۔

ترجمہ راجح اور مفتٰی بہ قول یہ ہے کہ اگر خون گہرا سیاہ اور گہرا سرخ نظر آئے تو وہ حیض ہے اور مہینوں سے شمار کی جانے والی عدت (خون نظر آنے پر) باطل ہو جائے گی خواہ مہینے پورے ہونے سے قبل خون نظر آئے اور بعد میں نظر آئے تو مہینوں سے شمار کی جانے والی عدت باطل نہ ہوگی اور اگر خون زرد یا سبز یا خاکی ہو تو وہ استحاضہ ہے۔ اور حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین رات اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کم سے کم مدت حیض دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کم سے کم مدت حیض ایک دن اور ایک رات ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہیں۔
ہمارا مستدل یہ ارشاد رسولؐ ہے کہ حیض کی کم سے کم مدت کنواری اور شادی شدہ (یا بکارت زائل شدہ) کیلئے تین دن اور تین رات اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں۔ پھر واضح رہے کہ حیض کی ابتدا اس وقت سے سمجھی جاتی ہے کہ خون شرمگاہ کے خارجی حصہ تک آجائے۔ اور (اگر) خون شرمگاہ کے داخلی حصہ تک پہونچا ہو اور کرسف (شرمگاہ پر رکھے ہوئے کپڑے) کے حائل ہونے کی وجہ سے خون شرمگاہ کے خارجی حصہ تک نہ پہونچا ہو تو نماز کو نہ توڑے (اور ترک نہ کرے) کرسف کے رکھتے وقت حیض اس وقت ثابت ہوگا جب کہ خون کرسف کے اس حصہ تک آجائے جو شرمگاہ کے خارجی حصہ کے بالمقابل ہو۔ پس اگر کرسف کا وہ حصہ خون سے سرخ ہو جائے جو شرمگاہ کے داخل و اندرونی کے محاذی و مقابل ہو تو تا وقتیکہ کرسف نہ ہٹا لیا جائے خروج و حیض کا نکلنا متحقق نہ ہوگا اور خروج کرسف اٹھا لینے کے وقت سے متحقق ہوگا۔ استحاضہ، نفاس اور پیشاب کا بھی یہی حکم ہے۔ اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ مرد اپنے آلۂ تناسل کے سوراخ میں روئی رکھ لے

اور قلفہ (مقام ختنہ) کا حکم خارج کا سا ہے۔ پھر باکرہ (کنواری) عورت کے لئے دوران حیض کرسف رکھنا اور ثیبہ کے لئے مستقل رکھنا مستحب ہے۔

تشریح و توضیح ویبطل الخ۔ یعنی اگر ایسی عورت کو طلاق دی جائے جسے حیض آنا زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے بند ہو گیا اور وہ تین ماہ عدت کے پورے کر رہی ہو لیکن ابھی تین ماہ پورے نہ ہونے ہوں کہ اسے خون آجائے تو یہ عدت ختم ہو کر از سر نو اس کی عدت تین حیض ہوگی۔ کیونکہ اب وہ آئسہ نہیں رہی لیکن اگر تین ماہ پورے ہونے کے بعد یہ صورت پیش آئے تو عدت باطل نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی دوسرا شخص تین ماہ پورے ہونے کے بعد اس سے نکاح کرے تو یہ نکاح فاسد نہیں ہوگا۔

وان رأت۔ یعنی اگر آئسہ مدت مذکورہ کے بعد زرد یا سبز یا خاکی رنگ کا خون دیکھے تو اسے حیض کا نہیں بلکہ استحاضہ (بیماری) کا خون قرار دیا جائے گا۔

لا تنقطع الصلوٰۃ۔ کیونکہ عورت خون شرمگاہ کے بیرونی حصہ تک نہ آنے کی وجہ سے حائضہ نہیں ہوتی اس لئے نماز ترک نہ کرے بلکہ حسب معمول پڑھتی رہے۔ البتہ جب خون کرسف کے اس حصہ تک آجائے جو شرمگاہ کے بیرونی حصہ کے محاذی ہو تو اب شرعاً حائضہ شمار ہونے کی بناء پر نماز ترک کر دے۔

من وقت الرفع۔ یعنی غیر حائضہ جب رات کے شروع میں کرسف رکھے اور صبح کو اس پر خون کا دھبہ دیکھے تو اس کے لئے حکم حیض ثابت ہو جائے گا اور وہ حائضہ قرار دی جائے گی۔ اسی طرح حائضہ اگر کرسف رکھے اور صبح کو اس پر کوئی خون کا دھبہ نظر نہ آئے بلکہ اس پر سفیدی دیکھے تو کرسف رکھنے کے وقت سے وہ پاک اور غیر حائضہ شمار ہوگی۔

القطنۃ۔ قاف کے ضمہ کے ساتھ روئی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ قطن فارسی زبان میں اسے پنبہ (روئی) کہا جاتا ہے۔

وموضعہ موضع البکارۃ ویکرہ فی الفرج الداخل فالطاھرۃ اذا وضعت اول اللیل وحین اصبحت رأت علیہ اثر الدم فالاٰن یثبت حکم الحیض والحائض اذا وضعت اول اللیل ورأت علیہ البیاض حین اصبحت حکم بطھارتھا من حین وضعت والطھر المتخلل ای بین الدمین فی مدتہ ای فی مدۃ الحیض وما رأت من لون فیھا ای فی المدۃ سوی البیاض حیض فقولہ والطھر مبتدأ وما رأت عطف علیہ وحیض خبرہ واعلم ان الطھر الذی یکون اقل من خمسۃ عشر یوما اذا تخلل بین الدمین فان کان اقل من ثلثۃ ایام لایفصل بینھما بل ھو کالدم المتوالی اجماعاً وان کان ثلثۃ ایام او اکثر فعند ابی یوسفؒ وھو قول ابی حنیفۃ رح اٰخراً لایفصل وان کان اکثر من عشرۃ ایام فیجوز بدایۃ الحیض وختمہ بالطھر علی ھذا القول فقط وقد ذکر ان الفتوی علی ھذا تیسیراً علی المفتی والمستفتی۔

ترجمہ اور کرسف رکھنے کی جگہ بکارت کا مقام ہے (جو بیرونی اور اندرونی شرمگاہ کے اندر ہوتا ہے) اور شرمگاہ کے بالکل اندرونی حصہ میں رکھنا مکروہ ہے۔ اگر کوئی پاک (غیر حائضہ) عورت رات کے اول حصہ میں کرسف رکھے اور بوقت صبح اسے کرسف پر خون کا اثر دکھائی دے تو اب وہ صبح کے وقت سے حائضہ شمار ہوگی۔ اور حائضہ جب رات کے اول حصہ میں کرسف رکھے اور بوقت صبح وہ سفیدی دیکھے تو کرسف رکھنے کے وقت سے وہ پاک شمار ہوگی۔ اور وہ طہر (خون نہ آنا) جو دو حیضوں کے درمیان ہو مدت حیض میں ہو تو حیض ہے اور سفیدی کے علاوہ جو رنگ بھی مدت حیض میں نظر آئے وہ حیض ہے۔ پس مصنف رح کا قول "والطھر" مبتدا ہے اور "ما رأت" اس پر عطف ہے اور "حیض" اس کی خبر ہے۔ واضح رہے کہ وہ طہر جس کی مدت پندرہ دن سے کم ہو اگر دو خونوں کے درمیان آئے۔ پس تین دن سے کم ہو تو اسے دونوں خونوں کے درمیان فصل قرار نہ دیں گے بلکہ بالاجماع اس کا حکم پے در پے مسلسل آنے والے خون کا سا ہوگا۔ اور اگر تین دن یا تین دن سے زیادہ ہو تو امام ابو یوسف رح کے نزدیک جو کہ امام ابو حنیفہ رح کا ہی دوسرا قول ہے اسے بھی فصل قرار نہ دیں گے (بلکہ حیض ہی میں داخل شمار کریں گے) خواہ یہ طہر فاصل دس دن سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ پس صرف اس قول کی رو سے حیض سے آغاز اور طہر پر اختتام جائز ہوگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ فتویٰ اسی قول پر ہے کیونکہ اس میں مفتی اور مستفتی دونوں کے لئے آسانی ہے۔

تشریح و توضیح ما رأت علیہ البیاض الخ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ایسی سفید رطوبت دیکھے جس میں کسی اور رنگ کی آمیزش نہ ہو۔ یہ رطوبت خون بند ہونے کے بعد سفید دھاگے سے مشابہ یعنی بالکل سفید عورت کی شرمگاہ سے نکلتی ہے۔

الطھر۔ طا کے ضمہ کے ساتھ۔ فقہاء کی اصطلاح میں دو حیضوں کے درمیان فصل اور پاکی کی مدت کو کہتے ہیں۔ اس کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی تحدید نہیں۔

حیض۔ یعنی خواہ حقیقتاً حیض ہو یا حکماً ہو۔

الذی یکون اقل۔ یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر دو خونوں کے درمیان پندرہ دن کا فصل ہو تو یہ بالاتفاق فاصل شمار ہوگا۔

وفی روایۃ محمد رح عنہ انہ لا یفصل ان احاط الدم بطرفیہ فی عشرۃ او اقل وفی روایۃ ابن المبارک عنہ انہ یشترط مع ذلک کون الدمین نصاباً وعند محمد رح یشترط مع ھذا کون الطھر مساویا للدمین او اقل ثم اذا صار دما عندہ فان وجد فی عشرۃ ھو فیھا طھر آخر یغلب الدمین المحیطین بہ لکن یصیر مغلوبا ان عُدّ ذلک الدم الحکمی دما فانہ یعد دما حتی یجعل الطھر الآخر حیضا ایضا الا فی قول ابی سھیل رح ولا فرق بین کون الطھر الآخر

مقدما علی ذلك الطهر او مؤخرا وعند الحسن بن زياد رحمهما الله الطهر الذي يكون ثلثة او اكثر يفصل مطلقا فهذا ستة اقوال۔

ترجمہ اور امام محمدؒ کی امام ابوحنیفہؒ سے منقول ایک روایت میں ہے کہ اگر خون طہر کے دونوں طرف ہو اور طہر درمیان میں ہو اور یہ مدت طہر دس دن یا دس دن سے کم ہو تو اسے فاصل قرار نہ دیں گے اور ابن المبارکؒ سے منقول امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ طہر متخلل اس صورت میں حیض شمار ہوگا کہ یہ دونوں دم (خون) مجموعی طور پر نصاب کو پہونچے ہوں (یعنی ان کی مدت تین دن تین رات یا ان سے زیادہ ہو) اور امام محمدؒ کے نزدیک ان شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ طہر دونوں دموں (خونوں) کے مساوی ہو یا کم ہو۔ پھر جب یہ طہر امام محمدؒ کے نزدیک حیض شمار ہو جائے۔ پس اگر اس کی مدت دس دن ہو تو یہ دوسرا طہر ہے جس کا دو خونوں نے احاطہ کر لیا۔ لیکن اگر دم حکمی کو بھی دم شمار کیا جائے گا تو یہ طہر مغلوب ہو جائے گا۔ اس صورت میں پہلے طہر کو دم (حیض) حکماً شمار کریں گے۔ حتیٰ کہ دوسرا طہر بھی حیض ہی قرار دیا جائے گا مگر ابی سہیل کے قول کی رو سے اگر دوسرا طہر ان کے نزدیک حیض شمار نہ ہوگا اور اس سے کوئی فرق واقع نہ ہوگا کہ دوسرا طہر اس حکمی دم پر مقدم ہو یا مؤخر۔ امام حسن بن زیاد کے نزدیک وہ طہر جس کی مدت تین دن یا تین دن سے زیادہ ہو مطلقاً (بلا قید) فاصل شمار کیا جائے گا۔ پس یہ کل چھے قول ہیں۔

تشریح و توضیح لا یفصل الخ۔ یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے کہ مدت طہر پندرہ دن سے کم ہو خواہ تین دن ہو یا تین سے زیادہ، اس سے حکم میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔

انه یشترط الخ۔ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ وہ طہر جس کی مدت تین دن یا تین دن سے زیادہ ہو اور پندرہ دن سے کم ہو وہ اس صورت میں حیض ہی شمار ہوگا جب کہ اس کے اول اور آخر دم (خون) ہو اور یہ طہر ان دو دموں کے درمیان میں ہو۔

وعند محمد الخ۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک طہر متخلل کے حیض شمار ہونے کی تین شرطیں ہیں (۱) دم طہر کے اول آخر ہو۔ یہ خواہ دس دن کی مدت میں ہو یا اس سے کم میں (۲) دونوں دموں کا مجموعہ نصاب تک پہونچتا اور نصاب کو مکمل کرتا ہو (۳) طہر متخلل کی مدت دونوں دموں کی مدت کے مساوی یا دونوں کے مجموعہ سے کم ہو۔

وقد ذكر ان كثيرا من المتقدمين والمتاخرين افتوا بقول محمد رحمه الله ونحن نضع مثالا لايجمع هذه الاقوال مبتدأة رأت يوما دما واربعة عشر طهرا ثم يوما دما وثمانية طهرا ثم يوما دما وسبعة طهرا ثم يومين دما وثلثة طهرا ثم يوما دما و

وثلثة طهرا ثم يوما دما ويومين طهرا ثم يوما دما فهذه خمسة واربعون يوما ففي رواية ابي يوسف رحمه الله العشرة الاولى والعشرة الرابعة حيض وفي رواية محمدؒ العشرة بعد طهر هو اربعة عشر وفي رواية ابن المبارك رح العشرة بعد طهر هو ثمانية وعند محمد رح العشرة بعد الطهر هو سبعة وعند ابي سهيل الستة الاولى منها وعند الحسن الاربعة الاخيرة وما سوى ذلك استحاضة۔

ترجمہ اور متقدمین اور متاخرین کی اکثر کتابوں میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے۔ ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں جس میں یہ ذکر کردہ سب اقوال اکٹھے ہو جائیں گے۔ ایسی عورت جس کے بلوغ کی ابتدا ہو (اور پہلی بار حیض آیا ہو) وہ ایک دن خون دیکھے اور چودہ دن تک رہے پھر ایک دن خون نظر آئے اور آٹھ دن طہر رہے۔ اس کے بعد ایک دن خون دکھائی دے اور سات روز طہر رہے پھر دو روز خون نظر آئے اور تین روز طہر رہے، پھر ایک دن خون دیکھے پس یہ پینتالیس دن ہو گئے۔ تو امام ابو یوسفؒ کی روایت کی رو سے پہلا عشرہ اور چوتھا عشرہ حیض کا شمار ہو گا۔ اور امام محمدؒ کی امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت کے اعتبار سے فقط چودہ روز طہر کے بعد والا عشرہ حیض کا قرار دیا جائے گا اور ابن المبارکؒ کی روایت کے لحاظ سے آٹھ دن طہر بعد والا عشرہ حیض کا شمار ہو گا اور امام محمدؒ کے نزدیک سات دن طہر کے بعد والا عشرہ حیض کا قرار دیا جائے گا اور ابو سہیلؒ کے نزدیک طہر کے بعد والا پہلا عشرہ حیض کا ہو گا۔ اور حسن ابن زیاد کے نزدیک اخیر کے چار دن حیض کے شمار ہوں گے اور باقی دن استحاضہ کے ہوں گے۔

تشریح و توضیح وقد ذکرا لخ یعنی محیط مبسوط اور فتاویٰ کی دیگر معتبر کتب میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ کہنا شارحؒ کے اس قول کے خلاف ہے کہ فتویٰ سہولت کی خاطر امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی منافات نہیں، کیونکہ بہت سے فقہاء نے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور بہت سوں نے امام محمدؒ کے قول پر تو دونوں قول نقل کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان میں ایک دوسرے کے درمیان تناقض نہیں۔

مبتدأۃ یعنی وہ عورت جسے بالغہ ہونے کے بعد پہلی بار حیض آیا ہو اور بلوغ کے آغاز ہی سے حیض کا نظم باقی نہ رہا ہو اور خلل واقع ہو گیا ہو۔ رہی معتادہ یعنی ایسی عورت جس کے ایام حیض مقرر و متعین ہوں، تو بقدر عادت مقدار حیض شمار ہو گی اور باقی استحاضہ کسی تکلف اور تفصیل کے بغیر۔

ففي كل صورة يكون الطهر الناقص فاصلا في هذه الاقوال سوى قول ابي يوسفؒ فان كان احد الدمين نصابا كان حيضا وان كان كل منهما نصابا فالاول حيض وان لم يكن شيء منهما

نصابا فالکل استحاضۃ وانما استثنیٰ قول ابی یوسفؒ لان ھذا الاتیانی علیٰ قولہ

ترجمہ ان سب اقوال میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے علاوہ ایک شکل ایسی پائی جاتی ہے کہ اس میں ناقص طہر (دونوں کے درمیان) فاصل ہوگا۔ پس اگر دونوں دموں میں سے ایک نصاب کو پہونچ جائے تو وہ حیض شمار ہوگا۔ اور اگر دونوں دموں میں سے ہر ایک نصاب کو پہونچے تو اول کو حیض قرار دیا جائے گا اور اگر دونوں دموں میں سے ایک بھی نصاب کو نہ پہونچے تو کل استحاضہ شمار کیا جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کو اس لئے مستثنیٰ کیا گیا کہ ان کے قول کے مطابق طہر ناقص فاصل نہیں ہوگا (کیونکہ وہ اس کے قائل ہیں کہ طہر ناقص غیر فاصل ہے)۔

تشریح و توضیح کل صورۃ الخ شارح نے طہر متخلل کی دو قسمیں کی ہیں۔ اول وہ طہر جس کی مدت تین دن سے کم ہو یہ بالاتفاق کسی کے نزدیک بھی دونوں کے درمیان فاصل اور بعد پیدا کرنے والا اور جدا امتیاز کھینچنے والا نہیں۔ دوسرے وہ طہر جس کی مدت تین دن یا تین دن سے زیادہ ہو اس کے بارے میں مختلف صورتیں اور مختلف رائیں بیان کردی گئیں۔

فان کان الخ یعنی جب یہ ثابت ہوگیا کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کے علاوہ سارے اقوال میں طہر ناقص فاصل ہوگا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اگر دونوں دموں میں سے ایک اس طہر کو گھیرے اور مقدار نصاب کو پہونچ جائے یعنی کم از کم تین دن یا اس سے زیادہ آئے تو یہ دم حیض شمار ہوگا اور یہ طہر بعض شرطیں نہ پائے جانے کی وجہ سے حیض شمار نہیں کیا جائے گا اور دوسرا دم استحاضہ ہوگا۔

واعلم ان الوان الحیض ھی الحمرۃ والسواد فھما حیض اجماعا وکذا الصفرۃ المشبعۃ فی الاصح والخضرۃ والصفرۃ الضعیفۃ والکدرۃ والتربیۃ عندنا وفرق ما بینھما ان الکدرۃ ما یضرب الی البیاض والتربیۃ الی السواد وانما قدم مسألۃ الطھر المتخلل علی الوان الحیض لانھا متعلقۃ بمدۃ الحیض فالحقھا بھا ثم ذکر الالوان ثم بعد ذلک شرع فی احکام الحیض فقال یمنع الصلوٰۃ والصوم ویقضی ھو لاھی ای یقضی الصوم لا الصلوٰۃ بناءً علی ان الحیض یمنع وجوب الصلوٰۃ وصحۃ ادائھا لکن یمنع وجوب الصوم فنفس وجوبہ ثابت بل یمنع صحۃ ادائہ فیجب القضاء اذا طھرت ثم المعتبر عندنا اٰخر الوقت

ترجمہ واضح رہے کہ حیض کے رنگ (یہ ہیں) سرخی اور سیاہی۔ یہ دونوں بالاتفاق حیض ہیں اور اسی طرح زیادہ صحیح قول کے مطابق گہرا زرد بھی حیض ہے اور سبز رنگ اور ہلکا زرد اور گدلا اور خاکی

ہمارے نزدیک یہ بھی حیض میں داخل ہیں۔ خاکی اور گدلے کے درمیان فرق یہ ہے کہ گدلا مائل بہ سفیدی اور خاکی مائل بہ سیاہی ہوتا ہے۔ اور طہر متخلل کا مسئلہ حیض کے رنگوں پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ مسئلہ طہر مدتِ حیض سے متعلق ہے لہٰذا اسے اس کے ذکر کے ساتھ ملا دیا۔ اس کے بعد الوان (رنگوں) کا ذکر کیا گیا اور اس کے بعد احکام حیض شروع کر دیئے گئے۔ پس مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حیض کے دوران نماز اور روزہ ممنوع ہے اور عورت پاکی کے بعد روزہ کی قضاء کرے گی نماز کی نہیں۔ یعنی عورت پر روزہ کی قضاء لازم ہوگی۔ اس فرق کی بنیاد یہ ہے کہ حیض وجوب صلوٰۃ اور صحتِ اداء سے روکتا ہے مگر روزہ کے وجوب کو نہیں روکتا پس نفسِ وجوب ثابت ہوگیا۔ البتہ صحتِ اداء سے روکتا ہے (کہ دورانِ حیض ادا صحیح نہ ہوگی) لہٰذا پاکی کے بعد قضاء واجب ہوگی۔ پھر ہمارے نزدیک نماز کا آخری وقت معتبر ہے۔

تشریح وتوضیح واعلم الخ مصنفؒ نے طہر متخلل کی تعریف سے فارغ ہوکر حیض کے رنگوں کے بارے میں تفصیل بیان کرنی شروع کی اور ان کے فرق کو بتانے کا آغاز کیا۔

هی الحمرة والسواد الخ۔ حمرت (سرخی) تو خون کا اصلی رنگ ہے۔ رہی سیاہی تو شدت احتراق اور شدید سرخی کی بناء پر پیدا ہو جاتی ہے۔

اجماعاً الخ۔ یعنی ان دونوں رنگوں کے حیض شمار ہونے پر احنافؒ اور دوسرے فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے۔

وکذا الصفرة الخ۔ صاد کے ضمہ کے ساتھ یعنی گہرا زرد۔ یہ بھی حیض میں شمار ہے۔

فی الاصح۔ یعنی اس میں ان لوگوں کے قول کے ضعف کی طرف اشارہ ہے جو صفرۃ (زردی) کو مطلقاً (بلا قید) حیض قرار نہیں دیتے۔

والکدرة۔ یعنی خون کا وہ رنگ جو مائل بہ خاکی ہو۔

والتربية۔ تا کے ضمہ (پیش) راء کے زبر اور باء کے زیر کے ساتھ۔ مٹی کا رنگ۔

احنافؒ کے نزدیک یہ سب مدتِ حیض میں حیض ہی شمار ہوتے ہیں۔ احنافؒ کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ وہ خالص سفیدی کے علاوہ ہر رنگ کو حیض قرار دیتی تھیں۔ موطا امام مالک میں یہ روایت موجود ہے۔

یمنع۔ یعنی ایام حیض کے روزوں کی قضاء ہے نمازوں کی قضاء نہیں۔ مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حیض آتا تو ہمیں روزہ کی قضاء کا حکم ہوتا۔ اور نماز کی قضاء کا حکم نہ ہوتا۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائیؒ، ابن ماجہ) اور راز وجوب صوم میں یہ ہے کہ وہ تو صرف ایک مہینہ کے رکھنے لازم ہیں۔ اس کے برعکس نماز کہ وہ ہر روز بار بار پڑھی جاتی ہے اس بناء پر نماز کی قضاء میں حرج عظیم ہے۔ خاص طور پر جب کہ مدتِ حیض دس روز ہو لہٰذا شریعت نے سہولت کی خاطر ان دونوں کی نماز معاف کر دی۔

فاذا حاضت فی اٰخر الوقت سقطت وان طهرت فی اٰخر الوقت وجبت فاذا كانت طهارتها لعشرة وجبت الصلوٰة وان كان الباقی من الوقت لمحة وان كانت لاقل منها فان كان الباقی من الوقت مقدار ما یسع الغسل والتحریمة وجبت والا فلا فوقت الغسل یعتبر ههنا من مدة الحیض والصائمة اذا حاضت فی النهار فان كان فی اٰخره بطل صومها فیجب قضاؤه ان كان صوماً واجباً وان كان نفلاً لا بخلاف صلوٰة النفل اذا حاضت فی خلالها فانها تبطل ویجب قضاؤها وان طهرت فی النهار ولم تاكل شیئاً لا یجزی صوم هذا الیوم لكن یجب علیها الامساك وان طهرت فی اللیل لعشرة ایام یصح صوم هذا الیوم وان كان الباقی من اللیل لمحة وان طهرت لاقل من عشرة یصح الصوم ان كان الباقی من اللیل مقدار ما یسع الغسل والتحریمة فان لم تغتسل فی اللیل لا یبطل صومها۔

ترجمہ پس جب نماز کے اخیر وقت میں حیض آئے تو نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر نماز کے آخر وقت میں پاک ہوئی ہو تو اس وقت کی نماز اس پر واجب ہوگی۔ لہذا اگر دس دن کے بعد پاک ہو تو اگرچہ نماز کے وقت کا ایک لمحہ باقی ہو نماز اس پر واجب ہوگی۔ اور اگر دس روز سے کم میں پاک ہوئی ہو اس صورت میں اگر نماز کا اتنا وقت باقی ہو کہ غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو نماز اس وقت کی واجب ہوگی ورنہ نہیں پس غسل کا وقت یہاں حیض کی مدت سے شمار ہوگا۔ روزہ دار عورت اگر دن میں حائضہ ہو جائے اگرچہ حیض اخیر وقت میں آئے اس کا روزہ باطل ہو جائے گا! اور واجب روزہ ہو تو اس کی قضاء لازم ہوگی اور نفل ہو، تو قضاء واجب نہ ہوگی۔ اس کے برعکس نمازِ نفل کے دوران اگر حیض آجائے تو نماز باطل ہو جائے گی اور اس کی قضاء واجب ہوگی۔ اور اگر حائضہ عورت دن میں پاک ہو گئی اور کوئی چیز نہیں کھائی تو روزہ کافی نہ ہوگا۔ مگر اس پر نہ کھانا (اور مفطرات سے بچنا) واجب ہے۔ اور اگر دس دن پورے ہونے کے بعد رات میں پاک ہوئی ہو تو اس کے لئے اس دن کا روزہ رکھنا صحیح (بلکہ واجب) ہوگا اگرچہ رات کا ایک لمحہ ہی باقی ہو۔ اور دس دن سے کم میں پاک ہوئی ہو تو اگر رات کا اتنا حصہ باقی ہو کہ اس میں غسل کر سکے تو روزہ رکھنا واجب ہوگا اور رات میں غسل نہ کرے (بلکہ دن میں کرے) تو اس کا روزہ باطل نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح فاذا حاضت الخ یعنی عورت نے نماز کے اول اور اوسط وقت میں جب کہ وہ پاک تھی نماز نہیں پڑھی۔ پھر اخیر وقت نماز میں وہ حائضہ ہو گئی تو یہ نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئی اور اس پر اس کی قضاء لازم نہیں ہوگی۔

وان كان الباقی الخ کیونکہ حیض کی مدت زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ اس لئے دس دن پورے ہونے پر حیض کا انقطاع یقینی ہے اور اس صورت میں ذرا سا وقت نماز بھی باقی رہنے پر وجوب نماز ظاہر ہے۔

مقدارما یسع الغسل ۔ یعنی جتنا غسل فرض ہے وہ کر لینے کا وقت باقی ہو۔
ان کان نفلاً الخ یعنی اگر مسنون و مستحب روزہ ہو مثلاً محرم کی دس تاریخ کا روزہ یا عرفہ کے دن کا روزہ یا ایام بیض (ہر ماہ کی تیرہ چودہ پندرہ کے) روزے وغیرہ تو اس کی قضاء واجب نہ ہوگی۔
ولا تاکل شیئاً یعنی اس نے طلوع فجر سے اس وقت تک کوئی چیز نہ کھائی ہو تب بھی یہ روزہ کافی نہیں اور اس کے بدلہ دوسرا رکھنا ہوگا۔
لکن ۔ یعنی رمضان شریف کے احترام کی خاطر اس پر کچھ نہ کھانا لازم ہے۔ جیسے اگر مسافر نصف النہار کے بعد مقیم ہو جائے یا پاگل کو افاقہ ہو گیا اور بیمار تندرست ہو گیا اور بچہ بالغ ہو گیا اور کافر مسلمان ہو گیا تو دن کے باقی حصہ میں احتراماً کچھ کھانا پینا نہ چاہیئے۔
یصم الخ یعنی اگر رمضان شریف یا نذر معین کا روزہ ہو تو اس دن کا روزہ رکھنا واجب ہے۔

ودخول المسجد والطواف لکونہ یُفعل فی المسجد فان طافت مع ھذا تحللت واستمتاع ماتحت الازار کالمباشرۃ والتفخیذ ویحل القبلۃ وملامسۃ ما فوق الازار وعند محمدؒ یتّقی شعار الدم ای موضع الفرج فقط ولا تقرأ القراٰن کجنب ونفساء سواء کان اٰیۃ او ما دونھا عند الکرخیؒ وھو المختار وعند الطحاویؒ تحل مادون الاٰیۃ ھذا اذا قصدت القراءۃ فان لم تقصدھا نحو ان تقول شکرا للنعمۃ الحمد للہ رب العٰلمین فلا بأس بہ ویجوز لھا التہجی بالقراٰن والمعلمۃ اذا حاضت فعند الکرخیؒ تعلّم کلمۃ کلمۃ وتقطع بین الکلمتین وعند الطحاویؒ نصف اٰیۃ وتقطع ثم تعلم النصف الاٰخر واما دعاء القنوت فیکرہ عند بعض المشائخ وفی المحیط لا یکرہ وسائر الادعیۃ والاذکار لا بأس بھا

ترجمہ اور حائضہ کے لئے مسجد میں داخل ہونا اور بیت اللہ کا طواف درست نہیں۔ کیونکہ طواف مسجد حرام میں کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے باوجود کر لیا تو حلال ہو جائے گی اور حائضہ سے ناف سے لیکر گھٹنہ تک فائدہ اٹھانا ممنوع ہے۔ مثلاً مباشرت (بدن کا بدن سے ملانا) یا ران میں آلہ تناسل لگانا۔ اور بوسہ لینا اور ازار (تہ بند) کے اوپر سے چھونا درست ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک محض شرمگاہ کے مقام سے اجتناب کرے۔ اور حائضہ عورت جنبی اور نفاس والی عورت کی طرح قرآن شریف نہ پڑھے۔ خواہ ایک آیت یا ایک آیت سے کم ہو۔ امام کرخیؒ کا مسلک یہی ہے۔ راجح قول اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ایک آیت سے کم کی تلاوت درست ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ تلاوت کا ارادہ ہو اور اگر بغرض تلاوت نہ ہو مثلاً بطور اظہار شکر نعمت کہے "الحمد للہ رب العٰلمین" تو اس میں کوئی مضائقہ

نہیں۔ اور قرآن کے ہجے اس کے لئے جائز ہیں۔ اور معلمہ (تعلیم دینے والی عورت) اگر حائضہ ہو جائے تو امام کرخیؒ کے نزدیک جائز ہے۔ کہ ایک کلمہ پڑھائے اور دو کلموں کے درمیان توقف کرے۔ اور امام طحاویؒ کے نزدیک نصف نصف آیت کی تعلیم دے۔ نصف آیت کے بعد ٹھہر کر پھر دوسری نصف پڑھائے اور دعائے قنوت تو بعض مشائخ کے نزدیک اس کے لئے اس کا پڑھنا مکروہ ہے اور محیط میں ہے کہ مکروہ نہیں۔ اور ساری دعائیں اور اذکار میں اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں۔

تشریح و توضیح لا یبطل صومھا الخ اس لئے کہ جب اتنا وقت مل جائے کہ اتنے وقت میں غسل کرنا ممکن ہو تو اس پر روزہ رکھنا واجب ہے اور جنابت روزہ کے منافی نہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے سرے سے روزہ ہی نہ ہو۔ لہذا اگر رات کو غسل نہ کرے بلکہ دن میں کرے تب بھی روزہ پر اس کا اثر نہ پڑے گا۔

دخول المسجد۔ یعنی بحالت حیض مسجد میں جانا بھی حائضہ کے لئے ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ میں مسجد میں داخلہ جنبی اور حائضہ کے لئے حلال قرار نہیں دیتا (ابوداؤد وغیرہ) اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ مسجد جنبی اور حائضہ کے لئے حلال نہیں اور اطلاق میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ داخلہ مطلقاً ممنوع ہے خواہ قیام کے طور پر ہو یا مسجد سے گذرا جائے اور تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے البتہ عیدگاہ اور جنازہ گاہ اس سے مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ ان میں جنبی کا داخل ہونا اور مساجد کی طرح ممنوع نہیں۔ بحر الرائق وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

والطواف الخ۔ اور طواف بھی ممنوع ہے خواہ فرض ہو جیسے طواف زیارت یا نفل۔

لکونہ الخ۔ اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ مصنفؒ نے مسجد میں داخلہ کی ممانعت کے ذکر کے بعد الگ سے طواف کا ذکر کیوں کیا۔ جب کہ ممانعت کے تحت وہ خود بخود آجاتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس وہم کو دور کرنے کے لئے علیحدہ ذکر کیا گیا کہ جس طرح اور ارکان حج اور مناسک حج مثلاً وقوف عرفہ وقوف مزدلفہ منیٰ وغیرہ جنبی اور حائضہ کے لئے جائز ہیں اسی طرح طواف بھی جائز ہے اس واسطے اس کی ممانعت کی صراحت کر دی گئی۔ دوسرے یہ کہ طہارت نفس طواف کے لئے مشروط ہے۔ ممانعت کی بنیاد صرف دخول مسجد ہی نہیں، حتیٰ کہ اگر وہاں مسجد بھی نہ ہو جیسے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تھا یا خدانخواستہ مسجد حرام شہید ہو جائے یا کوئی طواف کرنے والا خارج مسجد طواف کرے تب بھی طہارت ضروری ہے اور جنبی و حائضہ کے لئے طواف جائز نہ ہوگا۔

واستمتاع ماتحت الازار الخ۔ یعنی ناف کے نیچے سے گھٹنہ تک انتفاع جائز نہیں۔ البتہ اوپر سے انتفاع جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے حائضہ عورت سے انتفاع کے بارے میں دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ ازار کے اوپر سے نفع اٹھا سکتے ہو۔ مسند احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت

موجود ہے۔

کعل ما دون الآیۃ الخ۔ یہ اس بنیاد پر ہے کہ نماز میں فرض قرارت "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" کی رو سے تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت ہے۔ اور اس سے کم قرارت ہو تو نماز درست نہیں ہوتی پس اس سے کم قرارت جنبی کے لئے ممنوع نہیں لیکن امام طحاوی کا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے اور ممانعت کی احادیث اس قیاس کو رد کر دیتی ہیں۔

فلا بأس بھا۔ کیونکہ نیت کے ساتھ حکم بھی بدل گیا۔ اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ بطور دعاء پڑھ لے اور تلاوت قرآن کا ارادہ نہ ہو تو جائز ہے۔

لا یکرہ الخ۔ کیونکہ جمہور صحابہ رضی کے نزدیک دعائے قنوت قرآن میں سے نہیں اس لئے بحالت جنابت اسکے پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ولا بأس بھا۔ دوسرے اذکار اور دعاؤں کا بحالت جنابت پڑھنا درست ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر اللہ فرماتے تھے (ابوداؤد وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے) اگر جنبی شخص شکر اور افتتاح امر کے ارادہ سے بسم اللہ پڑھے تو بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ بارادۂ قرارت درست نہیں۔

ویکرہ قراءۃ التوراۃ والانجیل بخلاف المحدث متعلق بقولہ ولا تقرأ ولا تمس ھولاء ای الحائض والجنب والنفساء والمحدث مصحفا الا بغلاف متجاف ای منفصل عنہ واما الکتابۃ المصحف اذا کان موضوعا علی لوح بحیث لا یمس مکتوبہ فعند ابی یوسف رح یجوز وعند محمد رح لا یجوز وکرہ بالکم ولا درھما فیہ سورۃ الا بصرۃ اراد درھما علیہ آیۃ من القرآن وانما قال سورۃ لان العادۃ کتابۃ سورۃ الاخلاص ونحوھا علی الدراھم

وحل وطی من قطع دمھا لاکثر الحیض او النفاس قبل الغسل دون وطی من قطع لاقل منہ ای لاقل من الاکثر وھو ان ینقطع الحیض لاقل من عشرۃ والنفاس لاقل من اربعین الا اذا مضی علیھا وقت یسع فیہ الغسل والتحریمۃ فح یحل وطیھا وان لم تغتسل اقامۃ للوقت الذی یتمکن فیہ من الاغتسال مقام حقیقۃ الاغتسال فی حق حل الوطی

ترجمہ اور جنبی و حائضہ کو توراۃ و انجیل پڑھنا مکروہ ہے۔ بے وضو کو قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یہ مصنف کے قول "ولا تقرأ" سے متعلق ہے۔ اور قرآن شریف چھونا ان کے لئے یعنی حائضہ جنبی اور نفاس والی عورتوں اور بے وضو کے لئے جائز نہیں البتہ غلاف جو اس سے علیحدہ ہو اس سے چھونا

جائز ہے۔ اور قرآن شریف لکھنا جب کہ (مثلاً تختی پر اس طرح رکھا ہوا ہو کر لکھے ہوئے کو چھوا نہ جائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور آستین سے چھونا مکروہ تحریمی ہے اور نہ اس درہم کو چھونا جائز ہے جس میں سورت لکھی ہوئی ہو البتہ تھیلی میں ہو تو تھیلی کا چھونا درست ہے۔ درہم سے وہ مراد ہے جس پر قرآن شریف کی آیت لکھی ہو اور مصنفؒ نے "سورۃ" اس وجہ سے کہا کہ دراہم پر سورۂ اخلاص وغیرہ لکھنے کا رواج ہے۔ اور جس عورت کا خون حیض کی اکثر مدت (یعنی دس دن) اور نفاس کی اکثر مدت (چالیس دن) کے بعد بند ہوا غسل سے پہلے اس سے ہمبستری درست ہے اور جس کا خون اکثر مدت سے کم میں بند ہوا اس سے غسل سے قبل ہمبستری جائز نہیں یعنی اگر حیض دس دن سے کم اور نفاس چالیس روز سے کم میں بند ہوا ہو البتہ خون بند ہونے کے بعد اتنا وقت گذر گیا ہو جس میں غسل کرکے تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو اب غسل سے پہلے بھی اس سے ہمبستری جائز ہے۔ ہمبستری جائز ہونے کی علت اتنے وقت کا گذر جانا ہے جس میں غسل کرنا ممکن ہو۔

تشریح و توضیح

دیکرہ۔ الخ توراۃ جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور اسی طرح زبور جس کا نزول حضرت داؤد علیہ السلام پر ہوا اور دیگر صحائف جو انبیاء علیہ السلام پر نازل ہوئے ان کی تعظیم بھی واجب ہے اور ان کا پڑھنا اس حالت میں مکروہ ہے۔

بخلاف المحدث الخ۔ بے وضو شخص کے لئے زبانی تلاوت قرآن یا دیکھ کر اس صورت سے جائز ہے کہ قلم وغیرہ سے اوراق پلٹے یا کوئی باوضو شخص اوراق پلٹنے کا کام انجام دے۔

ولا تمس۔ بے وضو کے لئے بھی قرآن شریف کو چھونا جائز نہیں۔ ارشاد ربانی ہے "لا یمسه الا المطهرون" اور حدیث شریف میں ہے کہ قرآن شریف صرف پاک شخص چھوئے یہ حدیث نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند احمد اور مسند حاکم وغیرہ میں موجود ہے۔

مصحفاً الخ یعنی قرآن شریف کو بحالت حدث بھی نہ چھونا چاہئے۔ البتہ نابالغ بچوں کو قرآن شریف دینے میں جو کہ وضو کا اہتمام نہیں کرتے مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ان پر اس معاملہ میں سختی حفظ قرآن میں خلل انداز ہوگی۔

متجاف۔ یعنی قرآن شریف اور چھونے والے کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔

کتابۃ المصحف یعنی اگر جنبی وغیرہ کتابت کا ارادہ کرے۔

وکرہ الخ ک کے ضمہ اور ر تشدید کے ساتھ یعنی آستین سے قرآن شریف چھونا ان ذکر کردہ افراد کے لئے مکروہ تحریمی ہے۔ وحل وطی من قطع یعنی حیض و نفاس کی اکثر مدت میں اگر خون بند ہوا ہو تو شوہر کو غسل سے قبل بھی ہمبستری جائز ہے۔

واعلم انه اذا انقطع الدم لاقل من عشرة ایام بعد ما مضی ثلثة ایام او اکثر فان کان الانقطاع

فیما دون العادۃ یجب ان تؤخر الغسل الی اٰخر وقت الصلوٰۃ فاذا خافت الفوات اغتسلت وصلّت والمراد اٰخر الوقت المستحب دون وقت الکراھۃ وان کان الانقطاع علی راس عادتھا او اکثر او کانت مبتدأۃ فتاخیر الاغتسال بطریق الاستحباب وان انقطع لاقل من ثلثۃ ایام اخرت الصلوٰۃ الی اٰخر الوقت فاذا خافت الفوت توضأت وصلّت ثم فی الصور المذکورۃ اذا عاد الدم فی العشرۃ بطل الحکم بطھارتھا مبتدأۃ کانت او معتادۃ فاذا انقطع الدم لعشرۃ او اکثر فبمضی العشرۃ یحکم بطھارتھا و یجب علیھا الاغتسال وقد ذکر ان المعتادۃ التی عادتھا ان تری یوما دما ویوما طھرا ھکذا الی عشرۃ ایام فاذا رأت الدم تترک الصلوٰۃ والصوم فاذا طھرت فی الیوم الثانی توضأت وصلّت ثم فی الیوم الثالث تترک الصلوٰۃ والصوم ثم فی الیوم الرابع اغتسلت وصلّت ھکذا الی العشرۃ

ترجمہ واضح رہے کہ اگر عورت دس دن سے کم میں پاک ہوا اور تین دن یا تین دن سے زیادہ گذر گئے ہوں، پس اگر یہ خون اس کی خلاف عادت پہلے بند ہوا ہو تو نماز کے آخر وقت تک اس پر غسل مؤخر کرنا لازم ہے۔ پھر قضاء کا خوف ہو جائے تو غسل کرکے نماز پڑھ لے۔ آخر وقت سے مستحب وقت مراد ہے مکروہ وقت نہیں۔ اور اگر خون عادت کے مطابق یا عادت کے دنوں سے زیادہ میں بند ہوا ہو یا اسے پہلی ہی بار حیض آیا ہو تو اس صورت میں غسل آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے (واجب نہیں) اور اگر خون تین دن سے کم میں بند ہو تو نماز میں آخر وقت تک تاخیر کرے پھر وقت فوت ہونے (قضاء) کا اندیشہ ہو تو وضو کرکے نماز پڑھ لے۔ ان سب ذکر کردہ صورتوں میں اگر دس دن کے اندر پھر خون آجائے تو پاکی کا حکم باطل وکالعدم ہو جائے گا۔ خواہ مبتداۃ ہو (جسے پہلی بار خون آیا ہو) یا معتادہ (جسے متعدد بار خون آچکا ہو اور عادت معلوم ہو) اور بیان کیا گیا ہے کہ وہ معتادہ جو ایک دن خون دیکھے اور ایک دن پاک رہے اسی طرح دس دن تک ہو تو جب خون دیکھے نماز اور روزہ ترک کر دے اور اگلے دن پاک ہو تو وضو کرے اور نماز پڑھ لے۔ دس دن تک اسی طرح کرے

تشریح و توضیح بعد ما مضٰی الخ۔ اس میں "ما" مصدریہ ہے یعنی تین دن یا تین دن سے زیادہ گذرنے کے بعد خون بند ہو مثلاً سات یا پانچ روز میں خون بند ہوا ہو۔

فیما دون العادۃ الخ مثلاً عادت ہر ماہ سات دن خون آنے کی ہو اور چھٹے دن خون آکر بند ہو جائے۔

یجب الخ یعنی غسل کرنے میں عجلت سے کام نہ لے بلکہ غسل اور ادائیگی نماز میں تاخیر کرے۔ کیونکہ عادت کے مطابق خون کا لوٹنا زیادہ محتمل ہے اور خلاف عادت عموماً بہت کم ہوتا ہے البتہ اگر آخر وقت نماز تک نہ لوٹے تو احتیاطاً نماز پڑھ لے لیکن اس صورت میں اس سے ہمبستری شوہر کے لئے حلال نہیں۔

دون وقت الکراھۃ۔ مثلاً اگر خون عشاء کے وقت بند ہو تو عشاء غیر مکروہ آخر وقت تک یعنی نصف شب سے قبل تک مؤخر کرے۔ اس کے بعد غسل کر کے نماز پڑھ لے۔

کانت مبتدأۃ۔ یعنی ایسی عورت جسے پہلی بار حیض آیا ہو اور ابھی اس کی عادت کا کوئی علم نہ ہو۔

بطریق الاستحباب۔ یعنی اس کے لئے غسل میں آخر وقت تک تاخیر مستحب ہے۔ یہ حکم احتیاطاً ہے لہذا اگر بلا تاخیر غسل کر کے نماز پڑھ لے تب بھی گناہ نہیں، کیونکہ اس کے حق میں خون کے لوٹنے کا صرف احتمال ہے یقین نہیں۔

اخرت الخ۔ یعنی نماز مستحب وقت کے آخر وقت تک مؤخر کرے کیونکہ لوٹنے کا گمان ہے پس جب فوت ہونے کا خوف ہو تو وضوء کر کے نماز پڑھ لے۔

توضأت الخ۔ کیونکہ پچھلا خون تین روز سے کم ہونے کی بناء پر استحاضہ (بیماری) کا شمار ہوگا لہذا غسل نہیں بلکہ محض وضو لازم ہوگا۔

واقل الطھر خمسۃ عشر یوما ولا حد لاکثرہ الا لنصب العادۃ فان اکثر الطھر مقدر فی حقہ ثم اختلفوا فی تقدیر مدتہ والاصح انہ مقدر بستۃ اشھر الا ساعۃ لان العادۃ تقتضی نقصان طھر غیر الحامل عن طھر الحامل واقل مدۃ الحمل ستۃ اشھر فانتقص عن ھذا بشئ وھو الساعۃ صورتہ مبتدأۃ رأت عشرۃ ایام دما وستۃ اشھر طھرا ثم استمر الدم تنقضی عدتھا بتسعۃ عشر شھراً الا ثلث ساعات لانا نحتاج الی ثلث حیض کل حیض عشرۃ ایام والی ثلثۃ اطھار کل طھر ستۃ اشھر الا ساعۃ وما نقص عن اقل الحیض ای الدم الناقص عن الثلثۃ او زاد علی اکثرہ ای علی العشرۃ او علی اکثر النفاس وھو اربعون یوما او علی عادۃ عرفت لحیض وجاوز العشرۃ اونفاس وجاوز الاربعین ای اذا کانت لھا عادۃ فی الحیض وفرضناھا سبعۃ فرأت الدم اثنی عشر یوماً فخمسۃ ایام بعد السبعۃ استحاضۃ واذا کانت لھا عادۃ فی النفاس وھی ثلثون یوماً مثلاً فرأت الدم خمسین یوماً فالعشرون التی بعد الثلثین استحاضۃ ھذا حکم المعتادۃ

ترجمہ اور طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہیں اور زیادہ مدت کی کوئی تحدید نہیں، البتہ معتادہ کی مدتِ طہر اس کی عادت کے مطابق ہوگی۔ اس لئے کہ طہر کی اکثر مدت اس کے حق میں ہی متعین ہے، پھر طہر کی مدت کے اندر اختلاف ہے اور زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ چھ ماہ ایک گھڑی کم ہے، کیونکہ عادتاً غیر حاملہ کے طہر کی مدت حاملہ کی مدتِ طہر سے کم ہوا کرتی ہو اور حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے، پس غیر حاملہ کی مدتِ طہر ایک

ساعت کم چھے ماہ ہوگی۔ اس کی شکل یہ ہے کہ ایک عورت کو پہلی مرتبہ حیض آیا اور دس دن تک آیا اور چھے ماہ پاک رہی۔ پھر برابر اسے خون آتا رہا، تو اس کی عدت تین ساعت کم انیس ماہ ہوگی۔ کیونکہ تین حیض کا ایک مہینہ ہوا (ہر ماہ دس روز کے حساب سے) اور فی طہر چھے ماہ کے حساب سے تین ساعت کم اٹھارہ ماہ ہوئے اور جو خون حیض کی کم سے کم مدت سے کم ہو یعنی تین روز سے کم ہو اور اکثر مدت یعنی دس روز سے زیادہ ہو یا نفاس کی اکثر مدت یعنی چالیس دن سے گذر جائے یا حیض کی مقررہ عادت معلوم ہو اور یہ خون دس روز سے بڑھ جائے یا نفاس کی مقررہ مدت معلوم ہو اور چالیس روز سے زیادہ خون آئے یعنی جب کہ حیض کی عادت متعین ہو اور ہم سات دن فرض کرتے ہیں۔ بس خون بارہ دن دیکھے تو پانچ روز سات دن کے بعد استحاضہ کے شمار ہوں گے۔ اور مثلاً اس کی عادت نفاس تیس دن تھی بس خون اسے پچاس دن آیا تو تیس دن کے بعد بیس دن استحاضہ (بیماری کے خون) قرار دیئے جائیں گے۔ یہ حکم معتادہ کا ہے۔

تشریح وتوضیح ساعۃ الخ۔ اس سے مراد وقت کا کچھ حصہ ہے وہ ساعت مراد نہیں جو نجمین کے نزدیک معتبر ہے۔

تنقضی عدتھا یعنی معتدہ کی عدت طلاق تین ساعت کم ۱۹ ماہ میں پوری ہو جائے گی۔

عن اقل الحیض الخ۔ حیض اور نفاس کے احکام سے فارغ ہو کر استحاضہ اور اس کے احکام کا بیان شروع ہوا۔ استحاضہ کی ایک قسم دم ناقص ہے یعنی وہ خون جو حیض کی کم سے کم مدت تین روز سے بھی کم آئے عورت کی شرمگاہ سے نکلنے والے خون کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) حیض (۲) نفاس (۳) استحاضہ۔ حیض اور نفاس کی شرعاً مدت مقررہ سے یہ خون خارج ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر یہ تیسری قسم یعنی استحاضہ میں شمار ہوگا۔

او علی عادتھا یعنی حیض کی مقررہ عادت سے زیادہ آنے والا خون اور دس دن سے زیادہ آنے والا خون استحاضہ قرار دیا جائے گا۔

فرأت الدم اثنا عشر یوماً۔ اگر خون حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت یعنی دس دن تک آتا تو حیض کی مدت باقی رہنے کی بنا پر یہ حیض ہی شمار ہوتا۔ مگر بارہ دن آنے کی بنا پر معلوم ہوا کہ عادت نہیں بدلی اور عادت کے خلاف آنے والا خون استحاضہ کا ہے۔ بس یہ عادت کے مقررہ دنوں کے خون کو حیض اور اس کے بعد کے دنوں میں آنے والے خون کو استحاضہ شمار کریں گے۔

فرأت الخ۔ اگر خون بجائے تیس کے چالیس دن آکر ختم ہو جاتا تو یہ کل نفاس کا ہی شمار ہوتا جیسا کہ حیض کے بارے میں بیان کیا جا چکا۔

ثم اراد ان یبین حکم المبتدأۃ فقال او علی عشرۃ حیض من بلغت مستحاضۃ او علی اربعین نفاسھا المبتدأۃ التی بلغت مستحاضۃ حیضھا من کل شھر عشرۃ ایام دما

زاد علیها استحاضة فیکون طهرها عشرین یوماً واما النفاس فاذا لم یکن للمرأة فیه عادة فنفاسها اربعون یوماً والزائد علیها استحاضة فقوله حیض من بلغت بالجر عطف بیان لعشرة وقوله نفاسها بالجر عطف بیان لاربعین اوما رأت حامل فهو استحاضة ای الدم الذی تراه الحامل لیس بحیض بل هو استحاضة فقوله ومانقص مبتدأ وقوله فهو استحاضة خبره ثم بین حکم الاستحاضة فقال لا تمنع صلوٰة وصوماً ووطیاً ومن لم یمض علیه وقت الا وبه حدث ای الحدث الذی ابتلی به من مستحاضة اورعاف دائم او نحوهما یتوضأ لوقت کل فرض احترازا عن قول الشافعیؒ فان عنده یتوضأ لکل فرض ویصلی النوافل بتبعیة الفرض ویصلی به فیه ما شاء من فرض ونفل وینقضه خروج الوقت لا دخوله احترازا عن قول زفرؒ فان الناقض عنده دخول الوقت وعن قول ابی یوسف رح فان الناقض عنده کلاهما

ترجمہ پھر مصنفؒ نے مبتدأہ کا حکم بیان کرنے کا ارادہ کیا پس فرمایا۔ اور دس دن حیض کے شمار ہونگے اس عورت کے لئے جو بحالت استحاضہ ہی بالغ ہوا اور چالیس دن اس کے نفاس کے شمار ہونگے مبتدأہ یعنی وہ عورت جو مستحاضہ ہی بالغ ہو ہر ماہ کے دس روز اس کے حیض کے قرار دیئے جائیں گے اور اس سے زیادہ آنے والا خون استحاضہ قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا اس کی مدتِ طہر بیس دن ہوگی۔ اور نفاس پس اگر اس سلسلہ میں عورت کی مقررہ عادت نہ ہو تو اس کی مدتِ نفاس چالیس دن ہوگی اور اس سے زیادہ استحاضہ قرار دیا جائے گا۔ پس مصنفؒ کا قول "حیض من بلغت" زیر کے ساتھ عطف بیان ہے۔ عشرہ (دس روز) کے لئے۔ اور مصنفؒ کا قول "نفاسها" جر (زیر) کے ساتھ یہ "اربعین" (چالیس دن) کا عطف بیان ہے۔ اور حاملہ جو خون دیکھے وہ استحاضہ ہے یعنی وہ خون جو حاملہ کو نظر آئے وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔ پس مصنفؒ کا قول "ومانقص" مبتدا ہے اور مصنفؒ کا قول "فهو استحاضة" اس کی خبر ہے پھر مصنفؒ نے استحاضہ کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا مستحاضہ عورت نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور اس سے ہمبستری درست ہے اور جس پر کسی فرض نماز کا وقت اس عذر کے بغیر نہ گذرے (مسلسل رہے) یعنی وہ عذر جس میں مبتلا ہو خواہ استحاضہ (کا خون) ہو یا نکسیر وغیرہ ہو تو وہ ہر فرض کے وقت (تازہ) وضو کرے اس میں امام شافعیؒ کے قول سے احتراز ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر فرض کے لئے وضو کرے اور فرض کے تابع قرار دے کر نوافل پڑھے۔ اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنی چاہے فرض اور نفل نماز پڑھے۔ اور وضو وقت ختم ہونے سے ٹوٹ جائے گا دوسرے وقت کے آنے سے نہیں ٹوٹے گا۔ اس میں امام زفرؒ کے قول سے احتراز ہے کیونکہ ان کے نزدیک دوسرے وقت کا آنا ناقض وضو ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول سے احتراز ہے

کہ ان کے نزدیک وقت کا آنا اور جانا دونوں ناقض وضو ہیں۔

تشریح وتوضیح

المبتدأة الخ یعنی وہ عورت جسے اس سے قبل حیض آیا ہو اور یہ پہلا ہی اتفاق ہو۔

من بلغت مستحاضة۔ یعنی ابتداء ہی خون دس دن سے زیادہ آیا ہو جو کہ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ اس طرح اس کے خون کا آغاز ہی استحاضہ سے ہوا ہو۔

عشرة ایام الخ۔ کیونکہ یہ مبتدأہ ہے اور اس کی عادت معلوم ومقرر نہیں اس لئے حیض کی اکثر مدت اس کے واسطے متعین قرار دی جائے گی اور دس روز سے زیادہ جتنے دن بھی خون آیا ہوا سے استحاضہ کا قرار دینگے

وما رأت حامل الخ کیونکہ حمل کی وجہ سے رحم کا منھ ایام حمل میں بند ہوجاتا ہے اس لئے دوران حمل آنے والا خون لازمی طور پر استحاضہ کا شمار ہوگا۔

اس کی دلیل متعدد روایات ہیں مثلاً ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں آنے والی (قیدی) حاملہ عورتوں کے ساتھ (باندیوں کے ساتھ) تا وضع حمل ہمبستری سے منع فرمایا اور غیر حاملہ ہو تو ایک حیض آنے تک استبراء رحم کی شناخت کی خاطر ہمبستری سے منع فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیض ابتداء رحم کی علامت ہے اور یہ کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔

لا تمنع صلوٰة الخ۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایام حیض میں نماز مت پڑھ۔ اس کے بعد (اکثر مدت حیض گذرنے پر) غسل کرکے نماز پڑھ اور ہر نماز کے لئے وضو کر۔ اور ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ اگرچہ خون کا قطرہ چٹائی پر ہو (یہ روایت ابوداؤد، مسند احمد، ابن ماجہ، مسند اسحٰق بن راہویہ اور مسند بزار اور ابن ابی شیبہ وغیرہ میں موجود ہے) اور سنن ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ ام حبیبہ بنت جحش رضؓ کو استحاضہ کا خون آتا تھا اور ان کے شوہر ان سے ہمبستر ہوتے تھے۔

فیصلی به من توضأ قبل الزوال الی آخر وقت الظهر خلافا لابی یوسف وزفرؒ فانه حدث دخول الوقت لا الخروج۔ لا بعد طلوع الشمس من توضأ قبله ای من توضأ قبل طلوع الشمس لكن توضأ بعد طلوع الفجر خلافا لزفرؒ فانه وجد الناقض عندنا وعند ابی یوسفؒ وهو الخروج لا عند زفرؒ فان الناقض عنده الدخول ولم یحصل والنفاس دم یعقب الولد ولا حد لاقله واكثره اربعون یوما خلافا للشافعیؒ اذ اكثره ستون یوما عنده وهو لام التوأمین من الاول خلافا لمحمدؒ التوأمان ولدان من بطن واحد لا یكون بین ولادتهما اقل مدة الحمل وهو ستة اشهر وانقضاء العدة من الآخر اجماعا وسقط یری بعض خلقه ولد سقط مبتدأ یری صفته وولد خبره فتصیر هی به نفساء والامة ام الولد ویقع المعلق بالولد ای اذا قال ان ولدت فانت طالق بغروج سقط ظهر بعض خلقه وتنقضی العدة به

ای اذا طلقها زوجها تنقضی عدتها بخروج هذا السقط

ترجمہ | توجس نے زوال سے قبل وضو کیا وہ ظہر کے آخر وقت تک نماز پڑھے گا اور امام ابو یوسف اور امام زفرؒ کے نزدیک درست نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وقت کے دخول سے وضو باقی نہیں رہتا جس نے طلوعِ شمس سے قبل وضو کیا ہو وہ نہ اس وضو سے وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھے اور نہ طلوعِ آفتاب کے بعد لیکن وہ (از سرِ نو) طلوعِ صبح صادق کے بعد وضو کرے گا۔ امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لیے کہ ہمارے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک ناقضِ وضو پایا گیا اور وہ وقت کا نکلنا ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک ناقضِ وضو نہیں پایا گیا اس لیے کہ ان کے نزدیک دخولِ وقت ناقضِ وضو ہے اور وہ پایا نہیں گیا۔ اور بچہ کی پیدائش کے بعد آنے والے خون کا نام نفاس ہے اور اس کے کم کی کوئی حد نہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ اس کی مدت چالیس دن ہے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک اکثر مدت ساٹھ دن ہے۔ اور جڑواں بچوں میں یہ خون پہلے بچہ سے شمار ہوگا۔ امام محمدؒ کے نزدیک دوسرے بچہ سے نفاس کا اعتبار کیا جائے گا۔ جڑواں وہ دو بچے کہلاتے ہیں جن کی پیدائش کے درمیان اقل مدت حمل یعنی چھ ماہ سے کم ہو۔ اور عدت بالاتفاق دوسرے بچہ کی پیدائش پر پوری ہوگی اور وہ ناتمام بچہ جس کے بعض اعضا ظاہر ہوئے ہوں۔ (سقط مبتدا ہے "یری" اس کی صفت اور "ولد" اس کی خبر ہے۔) تو عورت کو اس کے بعد آنے والا خون نفاس کہلائے گا۔ اور ایسے بچہ کی پیدائش سے باندی ام ولد بن جائے گی۔ اور بچہ کی پیدائش پر معلق طلاق اس کی پیدائش سے پڑ جائے گی یعنی شوہر کہے کہ اگر تو بچہ جنے تو تجھ پر طلاق تو اس ناتمام بچہ کی پیدائش سے جس کے بعض اعضا ظاہر ہوئے ہوں طلاق پڑ جائے گی۔ اور اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ یعنی اس کے شوہر نے (بحالتِ حمل) طلاق دی ہو تو اس ناتمام بچہ کی پیدائش کے ساتھ عدت پوری ہو جائے گی۔

تشریح و توضیح | فیصلی الخ: حاصل اس کا یہ ہے کہ معذور اگر زوال سے قبل وضو کرے تو اس کے لیے اس وضو سے ظہر کے وقت کے آخر تک امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نماز جائز ہے پھر ظہر کا وقت ختم ہو جانے کے ساتھ اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور امام ابویوسفؒ و امام زفرؒ کے نزدیک اس کے لیے اس وضو سے قبل زوال نماز پڑھنا درست ہے اور زوال کے بعد اس وضو سے نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ دخولِ وقت امام ابویوسفؒ و امام زفرؒ دونوں کے نزدیک ناقضِ وضو ہے۔ اور اگر صاحبِ عذر شخص صبح صادق کے طلوع کے بعد اور طلوعِ آفتاب سے پہلے وضو کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ طلوعِ آفتاب سے قبل اس وضو سے جس قدر چاہے نماز پڑھے اور اس کے بعد درست نہیں۔ یہ تینوں ائمہ کے نزدیک ہے کیونکہ خروجِ وقت ان تینوں (امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ) کے نزدیک ناقضِ وضو ہے

اور امام زفرؒ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ دخول وقت پایا نہیں گیا جو کہ ان کے نزدیک ناقض وضو ہے۔
ولا حد الخ یعنی جانب اقل میں شرعاً کوئی تحدید نہیں۔ پس اگر تھوڑی دیر خون نظر آیا پھر پاک ہوگئی تو اس پر غسل کرکے نماز پڑھنا واجب ہے۔ اور دوسری جانب (حیض کی جانب) میں تحدید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے نفاس والی عورتوں کے لئے چالیس دن کی تحدید فرمائی لیکن اگر طہر اس سے قبل ہو جائے (تو اس کے مطابق عمل کرے)
والامۃ ام الولد الخ۔ یعنی وہ باندی جس سے اس کا آقا ہمبستر ہوا اور اس کے بچہ پیدا ہوا اور وہ اس سے اس کے نسب کا دعویٰ کرے۔ اس ام ولد کا حکم یہ ہے کہ وہ آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے پس اگر ناتمام بچہ پیدا ہو جس کے بعض اعضاء ہی ظاہر ہوئے ہوئے ہوں تب بھی وہ ام ولد ہو جائے گی۔
ویقع الخ یعنی وہ طلاق جو پیدائش پر معلق ہو اس ناقص بچہ کی پیدائش کے ساتھ واقع ہو جائے گی۔

باب الانجاس

یطہر بدن المصلی وثوبہ ومکانہ عن نجس مرئی بزوال عینہ وان بقی اثر یشق زوالہ بالماء متعلق بقولہ بزوال عینہ وبکل مائع طاہر مزیل کالخل ونحوہ وعما لم یر اثرہ عطف علی قولہ عن نجس مرئی بغسلہ ثلثا [illegible]رہ فی کل مرۃ ان امکن بشرط ان یبالغ فی العصر فی المرۃ الثالثۃ بقدر قوتہ والا یغسل ویترک الی عدم القطران ثم وثم هکذا وخفہ عن ذی جرم جف بالدلک بالارض وجوزہ ابو یوسفؒ فی رطبہ ای فی رطب ذی جرم اذا بالغ وبہ یفتی وعما لا جرم لہ بالغسل فقط ای یطہر الخف عما لا جرم لہ کالبول ونحوہ بالغسل فقط

ترجمہ پاک کیا جائے گا نماز پڑھنے والے کا بدن اور کپڑے اور نماز پڑھنے کی جگہ ایسی نجاست جو دکھائی دینے والی ہو عین نجاست کو دور کرکے۔ اگرچہ اس کا اثر باقی رہ جائے کہ اس کا زائل کرنا دشوار ہو۔ پانی کے ذریعہ (دور کریں گے) "بالماء" یہ متعلق ہے مصنف کے قول "بزوال عینہ" کے۔ اور (پانی نہ ہونے پر) ہر ایسی بہنے والی پاک چیز سے دور کریں گے جو نجاست زائل کرنے والی ہو مثلاً سرکہ (گلاب وغیرہ) اور وہ نجاست جو دکھائی نہ دے اس کا عطف مصنف کے قول "بنجس مرئی" (نظر آنے والی نجاست) پر ہے اسے تین بار دھونے اور ہر مرتبہ نچوڑنے سے اگر نچوڑنا ممکن ہو پاکی حاصل ہو جائے گی شرط یہ ہے کہ تیسری بار اچھی طرح زور سے نچوڑے ورنہ ہر بار دھوئے اور چھوڑ دے (تاکہ خشک ہو جائے خشک کا مطلب

یہ ہے کہ قطرے ٹپکنے بند ہو جائیں۔ اگر موزہ پر ذی جرم (دلدار) نجاست لگ کر خشک ہو جائے تو موزہ زمین پر رگڑ کر ملنے سے پاک ہو جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر دلدار نجاست تر ہو تب بھی رگڑ کر ملنے سے پاکی کا حکم ہو گا۔ اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور غیر دلدار نجاست کو صرف دھوتے ہی سے پاکی حاصل ہو گی یعنی غیر دلدار نجاست موزہ پر لگ جائے تو دھونے سے پاک ہو گا۔ مثلاً پیشاب وغیرہ لگ گیا تو محض دھونے سے پاکی حاصل ہو گی

تشریح و توضیح یطھر الخ مجہول کا صیغہ۔ تطہیر سے مشتق ہے۔ اور صیغہ معروف بھی ہو سکتا ہے الطہارۃ سے مشتق
بدن المصلی الخ یہاں بدن سے مراد جسم ہے "مغرب" اور "مجمع البحار" میں تصریح ہے کہ بدن سر اور اطراف کے علاوہ کا نام ہے اور جسد ان سب کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور نماز پڑھنے والے کی طرف اضافت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ ادائیگی نماز کے لئے نجاستوں سے پاکی مشروع ہے

وثوبہ الخ مصلی کے کپڑوں کا پاک ہونا ارشاد ربانی "وثیابك فطهر" (الآیۃ) سے ثابت ہے۔
وبکل مائع الخ یعنی نمازی کا بدن کپڑے اور جگہ پانی نہ ہو تو رقیق و بہنے والی چیز سرکہ، گلاب وغیرہ سے پاک کر سکتے ہیں۔ "بہنے والے" کی قید لگا کر نہ بہنے والی پاک چیزوں سے احتراز مقصود ہے مثلاً برف، اولہ۔ اور طاہر کی قید لگا کر ناپاک چیزوں سے احتراز ہے۔ مثلاً ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور "مزیل" کی قید لگا کر ان چیزوں سے احتراز مقصود ہے جن سے نجاست زائل نہ ہوتی ہو مثلاً دودھ اور تیل وغیرہ کہ ان میں چکناہٹ ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق طہارت صرف پانی سے حاصل ہو سکتی ہے دوسری بہنے والی اشیاء سے نہیں۔
عما لم یر الخ یعنی نظر نہ آنے والی نجاست تین مرتبہ پانی یا رقیق سیال پاک شئے سے پاک کریں گے اور ہر بار نچوڑیں گے تب کپڑا پاک ہو گا۔ اور ظاہر روایت کے مطابق محض دھونا کافی نہ ہو گا۔
بقدر قوتہ یعنی دھونے والا جس قدر قوت رکھتا ہو اس کے مطابق زور لگا کر نچوڑے۔

وعن المنی بغسله سواء كان رطباً اويابساً او فرك يابسه هذا اذا كان راس الذكر طاهرا بان بال ولم يتجاوز البول عن راس مخرجه او يتجاوز واستنجى ولا فرق بين الثوب والبدن في ظاهر الرواية وفي رواية الحسن عن ابي حنيفة رح لا يطهر البدن بالفرك والسيف ونحوه بالمسح والبساط يجرى الماء عليه ليلة والارض والآجر المفروش وذهاب الاثر للصلوٰة لا للتيمم اى يجوز الصلوٰة عليهما ولا يجوز التيمم بهما وكذ الخص في المغرب هو بيت من قصب والمراد ههنا السترة التي تكون على السطوح من القصب وشجر وكلأ قائم في الارض لو تنجس ثم جف طهر وهو المختار وما قطع منهما بغسله لا غير لما ذكر تطهير النجاسات شرع في تقسيمهما على الغليظة والخفيفة وبيان ما هو عفو منهما

ترجمہ اور جس چیز پر (رقیق) منی لگ جائے وہ دھونے (ہی) سے پاک ہوتی ہے خواہ تر ہو یا خشک یا خشک منی (کپڑے وغیرہ پر سے) کھرچ ڈالے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ منی نکلنے کے وقت آلۂ تناسل کا سر پاک ہو کہ پیشاب مخرج سے آگے نہ بڑھا ہو یا آگے بڑھا ہو اور اس نے استنجاء کر لیا ہو۔ اور ظاہر روایت کے مطابق بدن اور کپڑے کے (کھرچ کر طہارت حاصل کرنے کے) حکم میں کوئی فرق نہیں۔ اور حسن ابن زیاد کی امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت میں ہے کہ بدن پر منی لگ جائے تو کھرچنے سے بدن پاک نہ ہوگا۔ اور تلوار وغیرہ پونچھنے (اور کپڑے وغیرہ سے صاف کرنے سے) اور زمین وغیرہ پر ملنے سے پاک ہو جاتی ہیں۔ اور وہ فرش جس کا دھونا دشوار ہو ایک رات دن اس پر پانی بہانے سے پاک ہو جائے گا۔ اور زمین اور اینٹوں کا فرش خشک ہونے سے پاک ہو جائے گا اور نماز کے لئے اثر نجاست ختم شدہ شمار ہوگا (اور نماز اس پر جائز ہوگی) تیمم کے لئے ختم شدہ قرار نہ دیں گے یعنی نماز زمین اور اس فرش پر جائز ہوگی اور ان دونوں پر تیمم جائز نہ ہوگا۔ اور ایسا ہی خاص طور پر "مغرب" میں اس گھر کا حکم ہے جو نرکل کا ہو اور اس جگہ وہ سترہ اور آڑ مراد ہے جو گھروں کی چھتوں پر نرکل کی بنا لیتے ہیں اور درخت اور زمین پر اگی ہوئی گھاس اگر ناپاک ہونے کے بعد خشک ہو جائے تو راجح قول کے مطابق سوکھنے سے پاک ہو جائے گی۔ اور جو درخت اور گھاس کٹے ہوئے ہوں وہ صرف دھونے ہی سے پاک ہوں گے۔ مصنفؒ نے نجاستوں سے پاکی کا بیان کرتے ہوئے اس کی تقسیم غلیظہ اور خفیفہ سے کی اور یہ بیان کیا کہ ان دونوں کی کتنی مقدار معاف ہے۔

تشریح و توضیح او فرکہ یابسہ الخ یعنی خشک منی رگڑ کر صاف کرنے سے پاکی حاصل ہو جائے گی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھو دیتی تھی۔ (یہ روایت مسلم شریف میں موجود ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی تھی۔ (مسلم میں بھی یہ روایت ہے) دارقطنی اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی اس کے تر ہونے کی صورت میں دھوتی تھی اور خشک ہونے کی شکل میں رگڑ دیتی تھی۔

بان بال الخ یعنی اگر آلۂ تناسل کا سر پاک نہ ہو تو اس کی منی نجاست سے اختلاط ہونے کی بناء پر صرف رگڑنے سے پاکی حاصل نہ ہوگی۔

لا یطہر البدن الخ یعنی رگڑ کر نجاست (منی وغیرہ) دور کرنے سے بدن پاک نہ ہوگا کیونکہ حرارت بدن نجاست جذب کر لیتی ہے اور اس کا ازالہ پانی ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب ظاہر روایت کے مطابق یہ ہے کہ اتنی مقدار ضرورتاً اور آسانی کے پیش نظر معاف ہے۔

والسیف الخ یعنی تلوار وغیرہ مثلاً آئینہ اور ہڈی انھیں اگر پاک چیز سے رگڑ کر نجاست کا اثر زائل کر دیا جائے تو انھیں پاک قرار دیا جائے گا۔

والآجر۔ فارسی میں اسے خشت اور اردو میں اینٹ کہتے ہیں۔ مفروش کی قید اس لئے لگائی کہ اگر زمین پر اس کا فرش نہ ہو بلکہ اس طرح پڑی ہوئی ہوں کہ انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے تو ان کا حکم زمین کا سا نہ ہوگا اور یہ اس صورت میں خشک ہونے سے پاک نہ ہوگی۔

ولا یجوز التیمم الخ۔ جس چیز سے تیمم کر کے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے وہ نص (قرآن شریف) سے ثابت ہے۔ لہٰذا "صعیداً طیباً" کا حکم بلا کسی ترمیم و اضافہ کے اپنی جگہ برقرار رہے گا۔

فقال وقدر الدرهم من نجس غليظ كبول ودم وخمر وخرء دجاجة وبول حمار وهرة وفارة وروث وخثي وما دون ربع الثوب مما خف كبول فرس وما يؤكل لحمه وخرء طير لا يؤكل لحمه عفو وان زاد لا قيل المراد بربع الثوب ربع ادنى ثوب يجوز فيه الصلوٰة وقيل ربع الموضع الذي اصابته النجاسة كالذيل والكم والدخريص وقدره ابو يوسف رح بشبر في شبر ويعتبر وزن الدرهم بقدر مثقال في الكثيف ومساحته بقدر عرض كف في الرقيق المراد بعرض الكف عرض مقعر الكف وهو داخل مفاصل الاصابع ودم السمك ليس بنجس ولعاب البغل والحمار لا ينجس طاهرا لانه مشكوك فالطاهر لا يزول طهارته بالشك وبول ينضح مثل رؤس الابر ليس بشئ وماء ورد على نجس كعكسه اي كما ان الماء نجس في عكسه وهو ورود النجاسة على الماء لا رماد قذر وملح كان حمارا اي لا يكون شئ منهما نجسا وفي رماد القذر خلاف الشافعي رح

ترجمہ: پس فرمایا۔ اور ایک درہم (۳ ½ ماشہ) کے بقدر نجاست غلیظہ مثلاً پیشاب اور خون اور شراب اور مرغی کی بیٹ اور گدھے کا پیشاب اور بلی اور چوہے کا پیشاب اور لید اور گوبر معاف ہے (کہ اس کے لگے رہنے پر بھی نماز ہو جاتی ہے) اور نجاست خفیفہ مثلاً گھوڑے اور وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان پرندوں کی بیٹ جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا چوتھائی ¼ کپڑے پر لگی ہوئی ہو تو معاف ہے اور اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں۔ چوتھائی کپڑے سے اتنے کپڑے کی چوتھائی مراد ہے جتنے کپڑوں سے نماز درست ہو جاتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کپڑے کی چوتھائی مراد ہے جس پر نجاست لگی ہوئی ہو۔ مثلاً دامن اور آستین اور کلی۔ اور امام ابو یوسف رح نے اس کی مقدار طول میں بھی ایک بالشت اور عرض میں بھی ایک بالشت بیان کی ہے اور نجاست کثیف و گاڑھی ہو تو ایک درہم مثقال (۴ ½ ماشہ) برابر وزنی کا اعتبار ہے اور رقیق و پتلی ہو تو ہتھیلی کے گڑھے اور گہرائی کے بقدر معتبر ہے۔ ہتھیلی کی چوڑائی سے مراد ہتھیلی کے گڑھے کا عرض (چوڑائی) ہے اور وہ گہرائی انگلیوں کے جوڑوں میں داخل ہے۔ اور مچھلی

کا خون نجس نہیں۔ اور خچر کے اور گدھے کے لعاب سے پاک چیز ناپاک نہیں ہوتی کیونکہ ان کی پاکی مشکوک ہے اور پاک چیز کی پاکی مشکوک فی الطہارۃ چیز سے زائل نہیں ہوتی اور پیشاب سوئی کے ناکوں کے برابر پڑ جائے تو اس کا دھونا واجب نہیں، اور نجاست پر گرنے والا پانی نجس ہے جیسے اس کا عکس نجس ہے۔ یعنی پانی میں نجس چیز گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ نجس چیز کی راکھ نجس نہیں، اور گدھا نمکدان میں گر کر نمک بن جائے تو وہ پاک ہے۔ یعنی دونوں میں سے کوئی چیز ناپاک نہ ہوگی۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نجس کی راکھ بھی نجس ہے

تشریح و توضیح

قدر الدرھم الخ یہ مبتدا ہے اور "عفو" اس کی خبر ہے۔

کبول الخ۔ اس سے مراد آدمی کا پیشاب ہے خواہ بچہ ہی کا پیشاب کیوں نہ ہو کہ وہ بھی نجس ہے۔ اسی طرح آدمی کے جسم سے نکلنے والی ہر اس چیز کا حکم ہے جس سے وضو یا غسل واجب ہوتا ہو۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد ہر اس جانور کا پیشاب ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور "خفاش" (چمگادڑ) کے پیشاب کو مستثنیٰ کیا ہو کہ وہ پاک ہے۔ اسی طرح اس کی بیٹ بھی پاک ہے۔ درمختار میں اسی طرح ہے۔

دم الخ۔ یعنی بہنے والا خون خواہ کسی بھی جانور کا ہو، کیونکہ نہ بہنے والا خون نجس نہیں مگر اس حکم سے شہید کا خون مستثنیٰ ہے کہ وہ اس کے بدن پر ہوتے ہوئے پاک ہے۔ بحرالرائق میں اسے ثابت کیا ہے۔

وخمر۔ شراب بالاتفاق نجاست مغلظہ ہے۔ اسی طرح دوسری نشہ آور رقیق چیزوں کا حکم ہے اور غیر رقیق نشہ آور چیزیں مثلاً افیون اور زعفران وہ پاک ہیں۔ شامی میں اس کی صراحت ہے۔

لیس بنجس الخ۔ مچھلی کا خون دراصل خون نہیں بلکہ رقیق رطوبت ہے جو خون کے مشابہ ہوتی ہے۔

لانہ مشکوک الخ۔ یعنی اگر کپڑے اور بدن پر خچر اور گدھے کا لعاب لگ جائے تو نماز پڑھنا اس کے لگے رہنے پر بھی درست ہے کیونکہ یقینی طہارت شک کی بنا پر زائل نہیں ہوتی۔

لا رماد الخ۔ کیونکہ انقلاب عین سے نجاست کا وصف زائل ہو جاتا ہے کیونکہ زوال ذات زوال وصف کو مستلزم ہے تو جب نجاست کی ہیئت بدلی اور وہ راکھ میں تبدیل ہو گئی تو سابق حکم نجاست بھی باقی نہ رہا اور پاکی کے حکم سے بدل گیا۔

ویصلی علی ثوب بطانتہ نجس ای اذا لم یکن الثوب مضروبا وعلی طرف بساط طرف اٰخر منہ نجس یتحرک احدھما بتحریک الاٰخر اولا وانما قال ھذا احترازا عن قول من قال انما یجوز الصلوۃ علی الطرف الاٰخر اذا لم یتحرک احد الطرفین بتحریک الاٰخر وفی ثوب ظھر فیہ ندوۃ ثوب رطب نجس لف فیہ لا کما یقطر شیٔ لو عصر ای ظھر فیہ الندوۃ بحیث لا یقطر الماء لو عصر او وضع رطبا علی ما طین بطین فیہ سرقین ویبس او

تنجس طرف منه فنسیه وغسل طرفاً اٰخر بلا تحرٍّ ای لا یشترط التحرّی فی غسل طرف اٰخر من الثوب كحنطة بال علیها حُمُر تدوسها فقسم او وهب بعضها فطهر ما بقی اعلم انه اذا وهب بعضها او قسمت الحنطة یکون کل واحد من القسمین طاهراً اذ یحتمل کل واحد من القسمین ان یکون النجاسة فی القسم الاٰخر فاعتبر هذا الاحتمال فی الطهارة لمكان الضرورة

ترجمہ اور نماز اس کپڑے پر درست ہے جس کا بطانہ نجس ہو یعنی اگر استر سلا ہوا نہ ہو تو اس پر نماز درست ہے۔ اور ایسا فرش جس کا ایک کنارہ نجس ہو اس پر نماز صحیح ہے خواہ ایک کنارہ کو ہلانے سے دوسرا کنارہ ہلے یا نہ ہلے۔ مصنفؒ نے یہ فرما کر ان لوگوں کے قول سے احتراز کیا جو یہ کہتے ہیں کہ فرش اگر اتنا بڑا ہو کہ ایک کنارہ کے ہلانے سے دوسرا کنارہ نہ ہلے۔ تو نماز درست ہے (ورنہ نہیں) اور اگر ناپاک کپڑے کو پاک کپڑے میں لپیٹے اور پاک کپڑے پر اس کی تری آجائے مگر اس قدر تری نہیں کہ نچوڑنے پر قطرہ ٹپکے یعنی ایسا بھیگا ہو کہ نچوڑنے پر کوئی قطرہ نہ ٹپکے تو اس پر نماز درست ہے۔ یا تر کپڑا ایسی خشک زمین پر بچھا کر نماز پڑھی جائے جسے گوبر ملا کر لیپا گیا ہو تو اس پر نماز درست ہے۔ یا کپڑے کا ایک کنارہ نجس ہو جائے اور بھول کر دوسرا کنارہ بغیر تحری اور سوچ فکر کے دھوئے تو اس پر نماز جائز ہے اس لئے کہ کپڑے کے دھونے میں تحری و سوچ کی شرط نہیں۔ جیسے گندم (وغیرہ) کے روندتے وقت گدھا (یا بیل) گندم پر پیشاب کر دے اس کے بعد وہ گندم تقسیم ہو یا کچھ گندم کسی کو دیئے جائیں تو باقی کے پاک ہونے کا (ضرورتاً) حکم ہوگا۔ واضح رہے کہ جب گندم کا کچھ حصہ دیدیا جائے یا گندم تقسیم کر دیئے جائیں۔ تو گندم کے دونوں حصوں (تقسیم شدہ اور غیر تقسیم شدہ) کو پاک قرار دیا جائے گا اس لئے کہ دونوں حصوں میں یہ احتمال ہے کہ دوسرا ناپاک اور یہ حصہ پاک ہو لہذا اس احتمال کی بنا پر ضرورتاً سب کو پاک قرار دیں گے۔

تشریح و توضیح اذا لم یتحرك الخ کیونکہ اگر ایک کنارہ کے ہلانے سے دوسرا کنارہ ہلے تو فرش کے چھوٹا ہونے کی علامت ہوگی۔ اور دونوں کناروں کا حکم کنارہ کا سا ہوگا تو گویا نجس کپڑے پر نماز پڑھنا لازم آئے گا۔ یہ حکم ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جو فرش کے بڑے ہونے کی قید لگاتے ہیں اور جو قید نہیں لگاتے ان کے نزدیک فرش کا حکم زمین کا سا ہوگا کہ جس طرح زمین میں نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے اس میں بھی صرف نماز پڑھنے کی جگہ کے پاک ہونے کو کافی قرار دیں گے۔

ظهر الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر پاک کپڑا نجس تر کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور پاک کپڑے پر اس کا اتنا اثر آجائے کہ اگر نچوڑیں تو قطرے ٹپکنے لگیں، اس صورت میں اس کپڑے کے بھی ناپاک ہونے کا حکم کیا جائے گا اور اس پر نماز درست نہ ہوگی لیکن اگر صرف تری ظاہر ہوا اور اس قدر نہ بھیگے

کہ قطرے ٹپک سکیں تو اکثر مشائخ (فقہاء) کے نزدیک وہ کپڑا نجس نہ ہوگا اور اس پر نماز درست ہوگی
خلاصہ میں ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

لا یشترط الخ۔ حاصل یہ ہے کہ جب کپڑے کا ایک کنارہ اس یقین کے ساتھ دھوئے کہ یہی نجس کنارہ ہے اور متعین طور پر اسے معلوم نہ ہو یا معلوم ہو مگر بھول جائے تو تحری وظن غالب کے بغیر دھونے پر بھی سارے کپڑے کو پاک قرار دیں گے کیونکہ دھوئے نہ جانے والے کنارہ کی ناپاکی مشکوک ہے اور مشکوک سے یقینی حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

حمر۔ الخ۔ حمار کی جمع ہے۔ اس کا پیشاب بالاتفاق نجاست مغلظہ ہے۔

فصل ۔ الاستنجاء من كل حدث اى خارج من احد السبيلين غير النوم والريح فان قلت ان قيد الحدث بالخارج من احد السبيلين فاستثناء النوم مستدرك وان لم يقيد به ففي كل حدث غير النوم والريح يكون الاستنجاء منه سنة فيسن في الفصد ونحوه وليس كذلك قلت يقيد الحدث بالخارج من السبيلين واستثناء النوم غير مستدرك لانه من هذا القبيل لان النوم انما ينقض فيه لان فيه مظنة الخروج من السبيلين

بنحو حجر يمسحه حتى ينقيه بلا عدد سنة اى ليس فيه عدد مسنون عندنا خلافا للشافعي

وهي ثلثة احجار ويدبر بالحجر الاول ويقبل بالثاني ويدبر بالثالث صيفا ويقبل الرجل بالاول والثالث شتاءً الادبار الذهاب الى جانب الدبر والاقبال ضده ثم ان في المسح اقبالا وادبارا مبالغةً في التنقية وفي الصيف يدبر بالحجر الاول لان الخصية في الصيف مدلاة فلا يقبل احترازا عن تلويثها ثم يقبل ثم يدبر مبالغة في التنظيف وفي الشتاء غير مدلاة فيقبل بالاول لان الاقبال ابلغ في التنقية ثم يدبر ثم يقبل للمبالغة وانما قيد بالرجل لان المرأة تدبر بالاول ابدا لئلا يتلوث فرجها والصيف والشتاء في ذلك سواء

ترجمہ استنجاء کرنا ہر حدث یعنی دونوں راستوں میں سے کسی راستہ سے نکلنے والے حدث کی بناء پر ہے جو سونے اور ریح کے علاوہ ہو۔ اگر تو کہے کہ متن میں "بالخارج من احد السبیلین" کی قید سے "نوم" (سونا) خود مستثنیٰ ہوگیا اگرچہ اس کی قید نہ لگائی جائے۔ پس سونے اور ریح کے علاوہ ہر حدث میں استنجاء مسنون ہوگا۔ پس فصد وغیرہ میں بھی مسنون ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "حدث" کو "بالخارج من السبیلین" کے ساتھ مقید کرنا اور سونے کا استثناء بے فائدہ نہیں کیونکہ

یہ بھی اسی قبیل سے ہے اس لئے کہ نیند خود ناقض ہے اور اس میں حدث کے دونوں راستوں سے نکلنے کا گمان رہتا ہے۔ پتھر وغیرہ سے استنجاء کرنا یہاں تک کہ پاکی وصفائی حاصل ہو جائے کسی عدد کی قید کے بغیر مسنون ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک اس میں کوئی عدد مسنون نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تین کا عدد مسنون ہے۔ افضل یہ ہے کہ تین پتھر ہوں۔ پہلا پتھر آگے سے پیچھے کی طرف اور دوسرا پیچھے سے آگے کی طرف اور تیسرا آگے سے پیچھے کی جانب لیجائے گرمی کے موسم میں اور موسم سرما میں مرد پہلے اور تیسرے پتھر کو پیچھے سے آگے کی جانب لے جاکر استنجاء کرے۔ "ادبار" کے معنی ہیں آگے سے پیچھے کی جانب لے جانا اور "اقبال" اس کی ضد ہے استنجے میں اقبال اور ادبار سے مقصود صفائی میں مبالغہ کرنا ہے اور موسم گرما میں پہلے پتھر سے ادبار کا حکم اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس موسم میں خصیے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں تو اقبال تلویث سے احتراز کی خاطر نہیں کیا جاتا اور یہ اقبال وادبار پاکی وصفائی میں مبالغہ کی بناء پر ہوتا ہے۔ اور موسم سرما میں لٹکے ہوئے نہیں ہوتے لہذا پہلے پتھر سے اقبال کیا جاتا ہے کیونکہ پیچھے سے آگے کی طرف پتھر لانے سے زیادہ صفائی حاصل ہوتی ہے۔ پھر مزید صفائی کی خاطر (ایک پتھر سے) ادبار اور (ایک سے) اقبال کیا جاتا ہے اور یہ قید (وتفصیل) محض مرد کے استنجے میں ہے۔ کیونکہ عورت ہمیشہ پہلے پتھر سے ادبار کرے اس لئے کہ وہاں گرمی اور سردی کسی موسم میں شرمگاہ کے نجاست سے تلوث کا اندیشہ نہیں۔

تشریح وتوضیح غیر النوم الخ ریح کے نکلنے سے خروج کے راستہ پر کوئی نجاست نہیں لگتی۔ پس استنجاء بھی مسنون نہیں بلکہ ایک اعتبار سے بدعت ہے۔ کتاب "مجتبیٰ" میں اس کی صراحت ہے۔ اور رہی نیند تو وہ فی نفسہ نہ حدث ہے اور نہ نجس ہے۔

سنة الخ کیونکہ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت ثابت ہے۔ روایات کثیرہ اس کی نشاندہی کرتی ہیں۔

اى ليس الخ یعنی عند الاحناف عدد کی تعیین کے بغیر نفس استنجاء سنت مؤکدہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایک پتھر سے پاکی وصفائی حاصل ہو جائے تو کافی ہے۔ احنافؒ کا مستدل یہ حدیث ہے کہ "جو شخص استنجاء کرے وہ طاق عدد کا خیال رکھے۔ پس جس نے ایسا کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جو ایسا نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں یہ روایت ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد اور بیہقی وغیرہ میں موجود ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تین کا عدد مسنون ہے۔ ان کا مستدل مثلاً یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استنجے کے لئے تین پتھروں کا امر فرمایا کرتے تھے۔ یہ روایت نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد اور ابن حبان وغیرہ میں موجود ہے۔

مدلاة یعنی گرمی کے موسم میں خصیے حرارت کے سبب نیچے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور مخرج کے قریب پہونچ جاتے ہیں۔ اس صورت میں پہلے پتھر میں پیچھے سے آگے کی طرف لے جانے میں تلویث کا کافی احتمال ہے۔ اور دوسرے پتھر میں تلویث کا احتمال نجاست کم رہ جانے کی بناء پر بہت کم ہے۔

وانما قید الخ یعنی یہ حکم کہ گرمی کے موسم میں پہلے پتھر کو پیچھے سے آگے کی طرف لے جایا جائے صرف مرد کے ساتھ مخصوص ہے۔ عورت اس سے مستثنٰی ہے اور اس کے لئے ایک ہی حکم ہر موسم میں رہے گا۔

وغسله بعد الحجر ادب فيغسل يديه ثم يرخي المخرج مبالغة ويغسله ببطن اصبع او اصبعين او ثلث اصبعات لا برؤسها ثم يغسل يديه ثانيا ويجب في نجس جاوز المخرج اكثر من درهم هذا مذهب ابي حنيفة رح وابي يوسف رح وهو ان يكون ما تجاوز اكثر من قدر الدرهم وعند محمد رح يعتبر ما تجاوز المخرج مع موضع الاستنجاء ولا يستنجي بعظم وروث ويمين وكره استقبال القبلة واستدبارها في الخلاء ولا يختلف هذا عندنا في البنيان والصحراء

ترجمہ اور پتھر سے استنجے کے بعد پانی سے دھونا ادب ہے۔ تو اول دونوں ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد مخرج کو ڈھیلا چھوڑ کر خوب اچھی طرح ایک انگلی یا دو یا تین انگلیوں کے اندرونی حصوں سے دھوئے۔ انگلیوں کے سروں سے نہ دھوئے۔ اس کے بعد دوبارہ دونوں ہاتھ دھوئے۔ اور اگر نجاست مخرج سے درہم کے بقدر یا اس سے زیادہ بڑھ جائے گی تو دھونا واجب ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نجاست مخرج سے درہم کی مقدار بھی بڑھ جائے تو دھونا واجب ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مع مخرج کے اگر درہم کی مقدار سے بڑھ جائے تو دھونا واجب ہے۔ اور ہڈی اور لید اور داہنے ہاتھ سے استنجاء درست نہیں۔ اور بیت الخلاء میں قبلہ رخ بیٹھنا اور اس کی پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور جنگل اور مکان کا ہمارے نزدیک ایک ہی حکم ہے۔

تشریح وتوضیح ادب الخ یعنی پتھروں کے استعمال اور پاکی کے بعد مزید صفائی ونظافت کی خاطر پانی سے پاک کرنا مستحب ہے فرض یا سنت مؤکدہ نہیں۔ اہل مسجد قبا کے بارے میں ان کا طرز عمل پسند کرتے ہوئے کہ وہ پانی بھی بعد میں استعمال کرتے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ " فيه رجال يحبون ان يتطهروا " (الآیۃ) ان لوگوں کا معمول یہ تھا کہ پاخانہ سے فراغت کے بعد اول پتھر سے پاکی حاصل کرتے پھر پانی سے۔ یہ روایت ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، و مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے۔

فتح القدیر اور درمختار وغیرہ میں ہے کہ پتھر یا پانی سے پاکی حاصل کرنا سنت مؤکدہ ہے اور دونوں میں سے ایک پر اکتفاء بھی کافی ہے۔ صرف پانی کا طہارت کے لئے کافی ہونا تو ظاہر ہے کہ پانی پاک پیدا کیا گیا ہے اور اس کا کام نجاست زائل کرنا ہے اور رہا پتھر کا کافی ہونا تو وہ حدیث کی بنیاد پر ہے۔ ایک حدیث

میں ہے کہ "جب تم میں سے کوئی پاخانہ سے فارغ ہونے کے لئے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لیجائے کیونکہ یہ حصول طہارت کے لئے کافی ہو جائیں گے۔ یہ روایت مسند احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارقطنی میں موجود ہے۔ ——— اور رہا دونوں کے جمع کا مسنون ہونا تو یہ کثیر روایات سے ثابت ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے اور میں اور میرے ساتھ ایک غلام پانی کا برتن اٹھائے ہوتے۔ تو آپ پانی سے استنجاء فرماتے تھے جامع ترمذی، مسند احمد، سنن بیہقی، مسند بزار اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ عورتوں سے فرماتی تھیں کہ تم اپنے شوہروں کو حکم کرو کہ وہ پاخانہ یا پیشاب سے فارغ ہو کر پانی سے استنجاء کریں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے اور مجھے خود ان سے کہتے ہوئے حجاب آتا ہے۔

كتاب الصلوٰة

الوقت للفجر من الصبح المعترض الى طلوع ذُكاء احترز بالمعترض عن المستطيل وهو الصبح الكاذب وللظهر من زوالها الى بلوغ ظل كل شئ مثليه سوى فئ الظل لابد ههنا من معرفة وقت الزوال وفئ الظل وطريقه ان تسوى الارض بحيث لا يكون بعض جوانبها مرتفعا وبعضها منخفضا بصب الماء او ببعض موازين المقننين وترسم عليها دائرة وتسمى الدائرة الهندية وينصب فى مركزها مقياس قائم يكون بُعدُ راسه عن ثلث نقط من محيط الدائرة متساويا ولتكن قامته بمقدار ربع قطر الدائرة فراس ظله فى اول النهار خارج الدائرة لكن الظل ينقص الى ان يدخل فى الدائرة فتصنع علامة على مدخل الظل من محيط الدائرة۔

ترجمہ نماز فجر کے وقت کی ابتدا صبح صادق سے ہوتی ہے۔ صبح صادق وہ سفیدی کہلاتی ہے جو آسمان کے کنارہ پر سورج نکلنے تک پھیلتی رہتی ہے۔ مصنف رح نے یہ کہہ کر اس سفیدی سے احتراز کیا جو فقط طول میں نظر آتی ہے۔ اسے صبح کاذب کہتے ہیں۔ اور ظہر کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور ہر چیز کا سایہ اصل سائے کے علاوہ دوگنا ہونے تک باقی رہتا ہے۔ وقت زوال اور سایۂ اصلی کے پہچان کی صورت یہ ہے کہ ایک ہموار زمین میں (جس کی شناخت پانی بہا کر یا حساب دانوں کے حساب کے

مطابق کرلی جائے، ایک دائرہ کھینچا جائے اور اس کا نام دائرۂ ہندیہ رکھا جائے اور اس کے مرکز میں سیدھی لکڑی گاڑدی جائے۔ اس طور پر کہ اس مقیاس کی مسافت محیط دائرہ سے ہر طرف تین نقطے کے بقدر ہو اور اس کی لمبائی دائرہ کے قطر کی چوتھائی (مثلاً اگر دائرہ کا قطر چار گز ہو تو اس مقیاس کی لمبائی ایک گز ہو) تو اس مقیاس کے سائے کا منتہیٰ طلوع آفتاب کے وقت اس دائرہ سے باہر ہوگا مگر پھر مقیاس کا سایہ کم ہوتا جائے گا حتیٰ کہ دائرہ میں داخل ہوجائے گا، پس محیط دائرہ سے سایہ داخل ہونے کی جگہ پر کوئی علامت ونشانی رکھ دی جائے۔

تشریح وتوضیح (طریقہ الخ) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے اپنی مشہور فارسی کتاب "مالا بد منہ" میں سایۂ اصلی کی شناخت کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ ہموار زمین پر ایک دائرہ بنالو اور دائرہ کے بالکل بیچ میں قطر دائرہ کے چوتھائی سے بڑی نوکیلے سر کی ایک لکڑی گاڑدو۔ جب سورج طلوع ہوگا تو اس لکڑی کا سایہ دائرہ سے بالکل باہر ہوگا۔ جوں جوں سورج چڑھے گا سایہ کم ہوتا ہوا دائرہ کے اندر داخل ہونا شروع ہوجائے گا۔ دائرہ کے محیط پر جب سایہ پہونچے اور اندر داخل ہونا شروع ہو تو محیط پر اس جگہ ایک نشان لگادو جہاں سے سایہ اندر داخل ہورہا ہے۔ پھر دوپہر بعد یہ سایہ بڑھکر دائرہ کے محیط سے نکلنا شروع ہوگا جس جگہ محیط سے یہ سایہ باہر نکلے اس جگہ بھی محیط پر نشان لگالو پھر ان دونوں نشانوں کو ایک خط مستقیم کھینچ کر ملادو اور اب محیط دائرہ کے اس قوسی حصے کے نصف پر جو کہ دونوں نشانوں کے درمیان ہے ایک نشان قائم کرکے اس کو خط مستقیم کے ذریعہ جو مرکز دائرہ پر سے گذرے محیط تک پہونچادو۔ یہ خط نصف النہار کہلائے گا اور جو سایہ کہ اس خط پر پڑے گا وہ سایۂ اصلی کہلائے گا۔

ولا شك ان الظل ينقص الى حد ما ثم يزيد الى ان ينتهي الى محيط الدائرة ثم يخرج منها وذلك بعد نصف النهار فتضع علامة على مخرج الظل فتنصف القوس التي هي مابين مدخل الظل ومخرجه وترسم خطا مستقيما من منتصف القوس الى مركز الدائرة مخرجا الى الطرف الآخر من المحيط فهذا الخط هو خط نصف النهار فاذا كان ظل المقياس على هذا الخط فهو نصف النهار والظل الذي في هذا الوقت هو فيئ الزوال فاذا زال الظل من هذا الخط فهو وقت الزوال فذلك اول وقت الظهر وآخره اذا صار ظل المقياس مثلي المقياس سوى فيئ الزوال مثلا اذا كان فيئ الزوال مقدار ربع المقياس فآخر وقت الظهر ان يصير ظله مثلي المقياس وربعه هذا في رواية عن ابي حنيفة رح وفي رواية اخرى عنه وهو قول ابي يوسف رح ومحمد رح والشافعي رح اذا صار ظل كل شيئ مثله سوى فيئ الزوال

ترجمہ اور اس میں شک نہیں کہ سایہ سورج کے بلند ہونے اور بڑھنے کے ساتھ کم ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے محیط دائرہ تک اور پھر اس سے باہر نکل جاتا ہے۔ یہ انتہار اور خروج نصف النہار کے بعد ہوتا ہے۔ پس محیط سے سایہ کے نکلنے کی جگہ پر کوئی علامت رکھ دی جائے۔ پھر سایہ کے داخل ہونے اور نکلنے کے مقام کے نصف پر (مساوی طور پر) ایک لکڑی گاڑو اور قوس کے اس حصہ کے آدھے پر جو ان کے درمیان ہے ایک نشان لگا کر اسے خط مستقیم کے ذریعہ جو مرکز دائرہ پر سے گزرے محیط تک پہونچا دو۔ جب مقیاس کا سایہ اس خط پر ہوگا تو یہ وقت نصف النہار کہلائے گا۔ اور اس وقت جو سایہ ہوگا وہی سایۂ اصلی کہا جائے گا۔ پھر جب سایہ اس خط سے (مشرق کی طرف) ہٹ جائے گا تو یہی وقت زوال اور ظہر کا اول وقت ہوگا۔ اور ظہر کا آخر وقت اس وقت تک ہے کہ سایۂ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس چیز کے برابر رہے۔ مثلاً اگر سایۂ اصلی مقیاس کے ربع (چوتھائی) کے بقدر ہو تو ظہر کا آخری وقت مقیاس کا سایہ ایک مقیاس اور چوتھائی کے بقدر رہنے تک ہوگا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق ہے اور ان کی دوسری روایت جو کہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ و امام شافعیؒ کا قول ہے یہ ہے کہ سایۂ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو جائے۔

تشریح و توضیح هذا فی روایة الخ۔ اس روایت کی رو سے ظہر کا وقت اس وقت تک باقی رہے گا کہ سایۂ اصلی کے علاوہ ہر شئ کا سایہ اس کے برابر رہے اور اس سے بڑھ جانے پر ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔ صاحب بحر الرائق نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ "الغیاثیہ" میں ہے کہ یہ قول راجح ہے۔ اور بدائع و محیط میں ہے کہ یہ قول صحیح ہے۔

والعصر منه الى غيبتها فوقت العصر من اٰخر وقت الظهر على القولين الى ان تغيب الشمس وللمغرب منه الى مغيب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى وعند ابى حنيفة رح الشفق هو البياض وللعشاء منه وللوتر مما بعد العشاء الى الفجر لهما اى للعشاء والوتر ويستحب للفجر البداية مُسفرا بحيث يمكنه ترتيل اربعين اٰية او اكثر منهما ثم اعادته ان ظهر فساد وضوئه قال عليه السلام اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر

ترجمہ اور عصر کا وقت ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے پس دونوں قولوں پر عصر کا وقت ظہر کے آخری وقت سے غروب آفتاب تک ہے اور مغرب کا وقت غروب شفق تک ہے۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس سے مراد سرخی ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شفق سے مراد سفیدی ہے (جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے) اور عشاء کا

وقت سرخی (یا سفیدی) کے غائب ہونے کے بعد سے اور وتر کا عشاء کے بعد سے (دونوں کا وقت) صبح صادق کے طلوع تک ہے۔ اور اسفار ہونے پر فجر کی نماز کا آغاز مستحب ہے۔ وقت میں اتنی گنجائش ہو کر چالیس یا اس سے زیادہ آیات ترتیل کے ساتھ پڑھ سکیں۔ پھر اگر وضو ٹوٹ جائے تو اندرونِ وقت نماز دوبارہ پڑھی جاسکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نمازِ فجر میں اسفار کرو (روشنی ہونے پر پڑھو) کہ اس میں بہت زیادہ اجر (ثواب) ہے۔

تشریح وتوضیح لما بعد العشاء یہ حکم امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ہے کیونکہ وہ اسے توابع عشاء میں شمار کرتے ہیں۔ ان کا مستدل یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس نماز کا حکم فرماتا ہے جو تمھارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے اس کا وقت نمازِ عشاء کے درمیان مقرر فرمایا ہے طلوعِ صبح صادق تک۔ یہ روایت مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، دارقطنی اور حاکم وغیرہ میں موجود ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر مستقل واجب ہے اس کا وقت عشاء کا وقت ہے۔ لیکن وہ تاخیر اور بعد نمازِ عشاء پڑھنے کا حکم لزومِ ترتیب کی بناء پر فرماتے ہیں

البدایۃ الخ۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسفار کے آغاز کے ساتھ ہی نمازِ فجر شروع کردی جائے اور ایسے وقت ختم کی جائے کہ خوب اسفار ہوجائے۔ امام طحاویؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اندھیرے میں نماز شروع کی جائے اور لانبی قرارت کرکے بحالتِ اسفار نماز ختم کی جائے۔ امام محمدؒ نے کتاب الحج میں اس کی صراحت کی ہے۔

والتاخير لظهر الصيف في صحيح البخاري قال عليه السلام ابردوا بالصلوة فان شدة الحر من فيح جهنم وللعصر مالم يتغير وللعشاء الى ثلث الليل وللوتر الى اخره لمن وثق بالانتباه فحسب والتعجيل لظهر الشتاء والمغرب ويوم غيم يعجل العصر والعشاء ويؤخر غيرهما

ولا يجوز صلوة وسجدة تلاوة وصلوة جنازة عند طلوعها وقيامها وغروبها الا عصر يومه

فقد ذكر في كتب اصول الفقه ان الجزء المقارن للاداء سبب لوجوب الصلوة واخر وقت العصر وقت ناقص اذ هو وقت عبادة الشمس فوجب ناقصا فاذا اداه اداه كما وجب فاذا اعترض الفساد بالغروب لا تفسد وفي الفجر كل وقته وقت كامل لان الشمس تعبد قبل الطلوع فوجب كاملا فاذا اعترض الفساد بالطلوع تفسد لانه لم يؤده كما وجب

ترجمہ اور گرمی میں نمازِ ظہر میں تاخیر مستحب ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازِ ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کے جوش کے باعث

(ہوتی) ہے۔ اور عصر کی نماز اس وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے کہ آفتاب میں تغیر نہ آئے۔ اور عشاء کی نماز تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے۔ اور جسے جاگنے کا یقین ہو اسے وتر آخر شب تک مؤخر کرنا مستحب ہے (اور بیدار ہونے کا یقین نہ ہو تو عشاء کے ساتھ ہی پڑھ لے) سردی کے موسم میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور نماز مغرب میں تعجیل مستحب ہے۔ اور جس روز بادل ہو اسی دن نماز عصر اور عشاء میں تعجیل اور ان کے علاوہ نمازوں میں تاخیر مستحب ہے۔ (مقصود قلت وکثرت جماعت ہے) نماز، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ طلوع آفتاب اور عین نصف النہار اور غروب آفتاب کے وقت جائز نہیں۔ البتہ اس دن کی عصر کی نماز جائز ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ جز جو ادا کے وقت سے متصل ہو۔ وہ وجوب نماز کا سبب ہوتا ہے اور نماز عصر کا آخری وقت ناقص وقت ہے کیونکہ وہ آفتاب کی پرستش کا وقت ہے لہذا وجوب بھی ناقص ہو، لہذا ناقص وجوب کی ادائیگی وجوب کے مطابق ہوگی۔ لہذا غروب آفتاب کے فساد سے وہ فاسد نہیں ہوگی اور نماز فجر کا سارا وقت کامل ہے اس لئے طلوع آفتاب سے قبل اس کی پرستش نہیں کی جاتی پس وجوب کامل ہوا اور طلوع آفتاب کے حائل ہونے (اور اس کے فساد) سے نماز بھی فاسد ہوگی کیونکہ ادائیگی وجوب کے مطابق نہیں ہوئی۔

تشریح وتوضیح والتاخیر الخ یعنی موسم گرما میں گرمی کی اذیت سے بچنے اور سہولت سے نماز ظہر پڑھنے کی بنا پر تاخیر مستحب ہے، "جوہرہ" "سراج الوہاج" اور "شرح مختصر القدوری" میں تاخیر ظہر دو صورتوں میں مستحب قرار دی ہے۔ (۱) باجماعت نماز مسجد میں ادا کی جائے (۲) یہ کہ قیام گرم ملک میں ہو اور شدت گرمی کی بنا پر پریشانی ہو۔ لیکن صاحب بحر وغیرہ نے ان قیود کے بغیر مطلقاً موسم گرما میں نماز ظہر میں تاخیر مستحب قرار دی ہے۔ کیونکہ روایات مطلق و بلا قید ہیں۔

فی صحیح البخاری الخ مسلم، ابن ماجہ، نسائی اور ابن خزیمہ وغیرہ میں بھی اسی طرح کی روایت موجود ہے۔ صحیح بخاری شریف میں یہ بھی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گرمی شدید ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو اور سردی شدید ہو تو نماز (ظہر) جلدی پڑھو۔

وللعصر الخ یعنی عصر کی نماز خواہ سردی ہو یا گرمی دونوں موسموں میں مستحب یہ ہے کہ ذرا تاخیر کرکے پڑھی جائے۔ البتہ بادل ہو تو اس میں مستحب وقت کی تعیین میں مغالطہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کا احتمال ہے کہ کہیں مکروہ وقت نہ ہو جائے اس لئے تعجیل ہی بہتر ہے۔ امام محمدؒ کتاب الحج میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نماز عصر میں تاخیر تعجیل سے مستحب ہے، نماز ایسے وقت پڑھو کہ آفتاب صاف چمک رہا ہو اور اس میں تغیر نہ ہوا ہو، کوفہ میں اصحاب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اسی پر عمل تھا۔

حضرت امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کو نماز عصر تاخیر سے پڑھتے دیکھا۔

وللعشاء الخ۔ یعنی عشاء کی نماز میں تاخیر تہائی رات تک بلا رعایت موسم مستحب ہے کیونکہ حدیث شریف میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں انھیں نمازِ عشاء تہائی رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا اور ایک روایت میں نصف کے الفاظ ہیں۔ یہ روایت ترمذی، ابن ماجہ، ابو داؤد، بزار وغیرہ میں موجود ہے اور اس تاخیر کا راز یہ ہے کہ جماعت کثیر ہو اور یہ کہ نمازِ عشاء کے بعد دنیوی باتیں نہ کریں۔ صحاح ستہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشاء سے قبل سونے اور نمازِ عشاء کے بعد دنیوی گفتگو کو منع فرماتے تھے۔

وللوتر الخ۔ نمازِ وتر اگر خود پر اعتماد اور جاگنے کا اطمینان ہو تو آخر رات تک مؤخر کرنے کو مستحب قرار دیا ہے حدیث شریف میں ہے اپنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جسے آخر رات میں نہ اٹھنے کا اندیشہ ہو تو اسے رات کے اول حصہ میں نمازِ وتر پڑھنی چاہیے۔ اور جو آخر رات میں اٹھنے کا خواہشمند ہو (اور اٹھ سکتا ہو) تو رات کے آخر میں وتر پڑھے۔ اور اس طرح وتر پڑھنا افضل ہے۔ یہ روایت مسلم شریف اور مسند احمد میں موجود ہے۔

والتعجیل الخ۔ سردی کے موسم میں نمازِ ظہر میں تعجیل مستحب ہے۔ حدیث میں ہے، اعمال میں افضل یہ ہے کہ اول وقت میں نماز پڑھی جائے۔ یہ حدیث مسند حاکم اور ترمذی میں ہے۔

والمغرب الخ۔ مغرب کی نماز میں مطلقاً تعجیل مستحب ہے۔ حدیث میں ہے کہ میری امت اس وقت تک خیر پر رہے گی جب تک مغرب کی نماز مؤخر نہیں کرے گی۔

ولا یجوز الخ۔ ان اوقات میں کسی طرح کی نماز جائز نہیں خواہ نماز فرض ہو یا نفل اور خواہ نماز جنازہ ہو۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس سے منع فرماتے تھے کہ ہم تین اوقات میں نماز پڑھیں اور ہم اپنے مردوں کو دفن کریں۔ جب سورج طلوع ہو حتی کہ روشن و بلند ہو جائے اور نصف النہار کے وقت حتی کہ زوال ہو جائے اور غروب آفتاب کے وقت یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ سنن اربعہ اور مسلم شریف میں یہ روایت ہے۔ مراد "نقبر" سے نمازِ جنازہ پڑھنا ہے کیونکہ دفن ان اوقات میں مکروہ نہیں۔
علامہ ترمذیؒ نے جہاں یہ حدیث نقل کی ہے وہاں اس طرف اشارہ کیا ہے اور یہ باب باندھا ہے باب کراھۃ صلوٰۃ الجنازۃ عند طلوع الشمس وغروبھا۔ اور رہا سجدہ تلاوت کا ان اوقات میں عدم جواز وہ اس وجہ سے کہ یہ نماز کے حکم میں ہے اور عدم جواز سے مراد یہاں کراہت تحریمی ہے۔

الا عصر یومہ الخ۔ یعنی اسی دن کی نمازِ عصر بوقت غروب جائز ہے مگر اس کے علاوہ نہیں حتی کہ دوسرے دن کی قضاء بھی اس وقت جائز نہیں۔ کیونکہ کامل واجب ہوئی لہٰذا اس کی ناقص ادائیگی درست نہیں۔

فان قیل ھذا تعلیل فی معرض النص وھو قولہ علیہ السلام من ادرک رکعۃ من الفجر قبل

الطلوع فقد ادرك الفجر ومن ادرك ركعة من العصر قبل الغروب فقد ادرك العصر قلنا لما وقع التعارض بين هذا الحديث وبين النهي الوارد عن الصلوٰة في الاوقات الثلثة رجعنا الى القياس كما هو حكم التعارض والقياس رجح هذا الحديث في صلوٰة العصر وحديث النهي في صلوٰة الفجر واما سائر الصلوات فلا يجوز في الاوقات الثلثة لحديث النهي اذ لا معارض لحديث النهي فيها وكره النفل اذا خرج الامام لخطبة الجمعة وبعد الصبح الا سنته وبعد اداء العصر الى اداء المغرب وصح الفوائت وصلوٰة الجنازة وسجدة التلاوة في هذين اى بعد الصبح وبعد اداء العصر الى اداء المغرب لكنها يكره في الاول وهو ما اذا خرج الامام للخطبة ولا يجمع فرضان في وقت بلا حج وفيه خلاف الشافعي رح

ترجمہ پس اگر کہا جائے کہ یہ تعلیل نص کے مقابلہ میں ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جسے نمازِ فجر کی ایک رکعت طلوع سے قبل مل گئی تو اس نے (گویا پوری) نمازِ فجر پالی اور جسے عصر کی ایک رکعت مل گئی تو اسے (گویا پوری) نمازِ عصر مل گئی۔ ہم کہتے ہیں کہ جب اس حدیث اور اس حدیث میں جو تین اوقات کی نہی (ممانعت) سے متعلق ہے تعارض واقع ہوگیا تو ہم تعارض کے حکم (وطریقہ) کے مطابق (اب) قیاس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور قیاس حدیثِ ادراک کو نمازِ عصر میں حدیثِ ممانعت پر ترجیح دیتا ہے اور نمازِ فجر میں حدیثِ ممانعت کو حدیثِ ادراک پر راجح قرار دیتا ہے اور ساری نمازیں (اس دن کی نمازِ عصر اور اس روز کی نمازِ فجر کے علاوہ) ان تین اوقات میں حدیثِ ممانعت کی رُو سے جائز نہیں اس لئے کہ ان میں حدیثِ ممانعت کا کوئی معارض نہیں۔ اور امام خطبۂ جمعہ کے لئے نکلے تو (اس وقت) نفل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور طلوعِ صبح صادق کے بعد فجر کی سنتوں کے علاوہ (کوئی نفل) پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے اور نمازِ عصر کے بعد ادائے نمازِ مغرب تک نفل نماز مکروہ تحریمی ہے اور فوت شدہ نمازوں کی قضاء اور نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت ان دونوں وقتوں میں یعنی طلوعِ صبح صادق اور ادائے نمازِ عصر کے بعد ادائے نمازِ مغرب تک پڑھنا صحیح ہے۔ لیکن امام جب خطبہ کے لئے نکلے تو (یہ بھی) پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اوقاتِ حج کے علاوہ دو فرض جمع نہیں کئے جائیں گے اور اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے (ان کے نزدیک دورانِ سفر دو فرض مثلاً ظہر و عصر ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے)۔

تشریح و توضیح وکرہ النفل الخ۔ نفل نماز امام کے خطبۂ جمعہ کے لئے نکلنے کے وقت مکروہ ہے خواہ تحیۃ المسجد اور جمعہ کی سنتیں ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم امام کے خطبہ کے لئے نکلنے کے وقت نماز پڑھنے اور گفتگو کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے) اور موطا امام محمدؒ میں حضرت زہریؒ سے روایت ہے کہ امام کے خطبہ

جمعہ کے لئے نکلنا نماز کو منقطع کر دیتا ہے۔ اور اس کی گفتگو، گفتگو کو قطع کر دیتی ہے۔

الاسنته الخ۔ یعنی طلوع صبح صادق کے بعد فجر کی سنتوں کے علاوہ سنن ونوافل نہ پڑھنی چاہئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح صادق کے طلوع کے بعد صرف دو رکعات پڑھکر فرض پڑھا کرتے تھے (مسلم وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے)

الی اداء المغرب الخ۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب پڑھنے سے قبل نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

مکرہ فی الاول الخ۔ کیونکہ دوران خطبہ نماز پڑھنے سے خطبہ سننے میں خلل واقع ہوگا۔ دوران خطبہ معمولی خلل اندازی کی بھی ممانعت ہے۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ اگر دوران خطبہ تو نے اپنے رفیق سے کہا خاموش ہوجا تو تو نے لغو کام کیا۔

ومن طهرت في وقت عصر او عشاء صلتها فقط خلافاً للشافعي رح فان عنده من طهرت في وقت العصر صلت الظهر ايضا ومن طهرت في وقت العشاء صلت المغرب ايضا فان وقت الظهر والعصر عنده كوقت واحد وكذا وقت المغرب والعشاء ولهذا يجوز الجمع عنده في السفر ومن هو اهل فرض في اخر وقته يقضيه لا من حاضت فيه يعني اذا بلغ الصبي او اسلم الكافر في اخر الوقت ولم يبق من الوقت الا قدر التحريمة يجب عليه قضاء صلوٰة ذلك الوقت خلافاً لزفر رح ومن حاضت في اخر الوقت لا يجب عليها قضاء صلوٰة ذلك الوقت خلافاً للشافعي رحمه الله

ترجمہ اور جو عورت (حیض ونفاس سے) عصر یا عشاء کے وقت پاک ہوئی ہو وہ محض اسی وقت کی نماز پڑھے۔ امام شافعی رح کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک جو عورت عصر کے وقت پاک ہو وہ ظہر کی بھی نماز پڑھے اور جو عشاء کے وقت پاک ہو مغرب کی بھی پڑھے کیونکہ ظہر اور عصر کا وقت ان کے نزدیک ایک وقت کے مانند ہے اور اسی طرح مغرب وعشاء کا وقت ایک وقت کی طرح ہے۔ لہذا ان کے نزدیک دوران سفر دونوں کا جمع کرنا جائز ہے۔ اور جس شخص پر نماز کے آخر وقت میں نماز فرض ہوئی ہو؟ وہ اس کی قضاء کرے گا اور جو عورت نماز کے اخیر وقت میں حائضہ ہوئی ہو اس پر اس کی قضاء لازم نہ ہوگی یعنی بچہ اگر بالغ ہوجائے یا کافر مسلمان ہوجائے نماز کے آخر وقت میں اور نماز کا صرف اتنا وقت باقی ہو کہ تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو اس پر اس وقت کی نماز کی قضاء لازم ہوگی۔ امام زفر رح کے نزدیک واجب نہ ہوگی۔ اور جو عورت نماز کے اخیر وقت میں حائضہ ہوئی ہو اس پر اس وقت کی نماز کی قضاء واجب نہ ہوگی امام

شافعیؒ کے نزدیک واجب ہوگی۔

تشریح وتوضیح ومن ھو الخ یعنی جس کے لئے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے کہ وہ نماز کے آخر وقت میں ادائے فرض کا مکلف ہوگیا اور فرض کی ادائیگی اس پر واجب ہوگئی۔ اور وقت صرف اتنا ہو کہ تکبیر تحریمہ ہی کہی جاسکے تب بھی اس پر اس نماز کی قضاء واجب ہوگی۔ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے حد بلوغ کو پہونچ جانے والے اور حیض سے پاک ہونے والی ان سب کا حکم قضاء کے معاملہ میں یکساں ہوگا۔

خلافاً لزفرؒ الخ امام زفرؒ فرماتے ہیں کیونکہ وقت میں اتنی گنجائش نہیں، اس لئے قضاء کا وجوب بھی نہ ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گنجائش بطور خرق عادت ممکن ہے۔

باب الاذان

ھو سنة للفرائض فحسب فی وقتھا ھو سنة للفرائض الخمسة والجمعة لیس بسنة فی النوافل فقوله فی وقتھا احتراز عن الاذان قبل الوقت وعن الاذان بعد الوقت لاجل الاداء فاما الاذان بعد الوقت للقضاء فھو مسنون ایضاً ولا یراد اشکال لانه فی وقت القضاء ولا یضر کونه بعد وقت الاداء لانه لیس للاداء بل للقضاء فی وقته قال النبی علیه السلام من نام عن صلوٰة او نسیھا فلیصلھا اذا ذکرھا فان ذٰلك وقتھا وعند ابی یوسفؒ والشافعیؒ یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل

ترجمہ اذان پانچوں فرض نمازوں اور جمعہ کے لئے وقت کے اندر مسنون ہے اور نوافل کے لئے مسنون نہیں، مصنفؒ نے "فی وقتھا" (اندرون وقت) کہہ کر اس سے احتراز کیا کہ اذان وقت سے پہلے اور اذان وقت کے بعد ادا نماز کے لئے ہو کہ یہ دونوں درست نہیں، لیکن اذان ادا کے وقت کے بعد قضاء نماز کے واسطے بھی مسنون ہے اور اس پر اشکال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ قضاء کے وقت میں ہے اور اس صورت میں اذان کا ادا کے وقت کے بعد ہونا مضر نہیں اس لئے کہ یہ ادا کے لئے نہیں بلکہ قضاء کے وقت میں قضاء کے واسطے ہے۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کے وقت سو جائے یا بھول جائے تو جب یاد آئے نماز پڑھ لے کیونکہ یہی اس کا وقت ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک شب کے نصف اخیر سے فجر کے لئے اذان درست ہے۔

تشریح وتوضیح فھو سنة الخ اذان کی اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت

ہجرت فرمائی تو مسلمانوں کے لئے اوقات نماز پہچاننے کا کوئی ذریعہ نہ تھا کہ اس کے مطابق اوقات نماز پہچان کر نماز کے لئے حاضر ہوسکیں تو حضرت عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں ایک شخص کو اذان اور اقامت کے کلمات سکھاتے دیکھا۔ انھوں نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہوکر اپنا خواب بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خواب سچا ہے اور آنحضورؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم فرمایا تو انھوں نے اذان دی۔ یہ واقعہ طویل اور مختصر طور پر ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی اور طحاوی وغیرہ میں مذکور ہے۔

للفرائض الخ یعنی مردوں کے لئے پانچ نمازوں اور جمعہ کے واسطے اذان مسنون ہے عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے لئے اذان اور اقامت کا حکم نہیں خواہ وہ باجماعت ہی نماز کیوں نہ پڑھیں۔

فحسب الخ نماز عیدین، وتر اور نماز کسوف وخسوف، اور تراویح وسنن رواتب سے احتراز مقصود ہے کہ ان کے لئے اذان اور اقامت نہیں

وھو مسنون الخ یعنی جس طرح ادا نماز کے لئے اذان مسنون ہے اسی طرح قضاء کے واسطے بھی مسنون ہے۔ جیسے ثابت ہے کہ جب ایک سفر ان کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نماز فجر کے وقت سوگئے اور اس کی قضاء کا ارادہ کیا تو حضرت بلالؓ نے اذان دی اور اقامت کہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرمائی

یجوز للفجر الخ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کا اس بارے میں مستدل یہ حدیث ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ بلالؓ رات میں اذان دیتے ہیں بس جب تک ام مکتومؓ اذان نہ دیں کھاؤ پیو۔ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اذان دخول وقت کے اعلام اور نماز میں حاضری کی اطلاع کے لئے ہے تو پھر اذان قبل از وقت ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں۔ اور اس کے ثبوت میں بہت سی روایات ہیں۔ رہی یہ حدیث تو اسکا جواب شیخ اکبر نے "فتوحات مکیہ" میں یہ دیا ہے کہ حضرت بلالؓ کی اذان دراصل بصورت اذان ذکر ہوتا تھا اور اس سے اذان نماز فجر کے واسطے مقصود نہ ہوتی تھی اس لئے دوسری اذان کی ضرورت پڑتی تھی

فیعاد لو اذّن قبله ویؤذن عالما بالاوقات لینال الثواب ای الثواب الذی وُعد للمؤذنین مستقبل القبلة واصبعاه فی اذنیه ویترسّل فیه ای یتمهّل بلا لحن وترجیع لحن فی القراءة طرب وترنّم ماخوذ من الحان الاغانی فلا ینقص شیئا من حروفه ولا یزید فی اثناءه حرفا وکذا لا ینقص ولا یزید من کیفیات الحروف کالحرکات والسکنات والمدّات وغیر ذلك لتحسین الصوت واما مجرد تحسین الصوت بلا تغیر لفظه فانه حسن والترجیع فی الشهادتین ان یخفض بهما صوته ثم یرفع الصوت بهما ویحوّل وجهه فی

المیعلتین یمنة ویسرة ویستدیر فی صومعته ان لم یکن التحویل مع الثبات فی مکانه المراد به انه اذا کانت المیذنة بحیث لو حوّل وجهه مع ثبات قدمیه لایحصل الاعلام ثم یستدیر فیها فیخرج راسه من الکوّة الیمنیٰ ویقول حیّ علی الصلوٰة ثم یذهب الی الکوّة الیسریٰ ویخرج راسه ویقول حیّ علی الفلاح۔

ترجمہ پس اگر وقت سے قبل اذان کہے تو اس کا اعادہ کرے۔ اور ایسا شخص اذان دے جو اوقات سے آگاہ ہو تاکہ مؤذنین کے لئے وعدہ کردہ ثواب حاصل کرے۔ مؤذن قبلہ رخ رہے اور شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں میں دے لے اور کلمات اذان ٹھہر ٹھہر کر کہے نہ گائے اور نہ ترجیع کرے (کہ اول شہادتین کو آہستہ اور پھر زور سے کہے) لحن پڑھنے میں گانے اور ترنم کو کہتے ہیں یہ گانے والوں کے لب لہجہ سے ماخوذ ہے پس مؤذن نہ اذان کے حروف میں کمی کرے اور نہ اس کے درمیان میں اضافہ اور اسی طرح کیفیات حروف مثلاً حرکات وسکنات اور مدوں وغیرہ کو آواز کو دلکش بنانے اور تحسین صوت کے واسطے کم اور زیادہ نہ کرے اور الفاظ کے تغیر کے بغیر صرف تحسین صوت محمود ہے اور ترجیع یہ ہے کہ شہادتین کو اول آہستہ کہے پھر زور سے کہے۔ اور مؤذن حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح میں اپنا چہرہ دائیں اور بائیں جانب پھیرے اور مؤذن کے لئے اپنے صومعہ (اذان دینے کی جگہ) میں اگر اپنی جگہ کھڑے رہ کر چہرہ گھمانا ممکن نہ ہو تو گھوم کر حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح کہہ لے مراد یہ ہے کہ اگر میذنہ (اذان دینے کا مقام) ایسا ہو کہ مؤذن اپنی جگہ کھڑا رہے تو اعلام واطلاع نہ ہوسکے تو اس وقت دائیں بائیں گھوم کر مؤذن دائیں دریچہ سے سر نکال کر حیّ علی الصلوٰۃ اور پھر بائیں دریچہ سے سر نکال کر حیّ علی الفلاح کہے۔

تشریح وتوضیح فیعاد الخ یعنی جو اذان وقت سے پہلے دی گئی ہو اس کو لوٹانا واجب ہے اسی طریقہ اگر بعض کلمات اذان وقت سے قبل اور بعض اندرون وقت ادا کئے جائیں تب بھی اعادہ لازم ہے۔ اسی طرح وقت سے پہلے اقامت ہو تو اس کا اعادہ واجب ہے۔

ای الثواب الخ یعنی وہ ثواب حاصل ہو جس کا وعدہ مؤذنین کے لئے کیا گیا ہے مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں میں مؤذنوں کی گردنیں قیامت کے دن لانبی ہونگی (تاکہ دوسروں سے ان کا امتیاز ظاہر ہو) یہ حدیث مسلم شریف میں موجود ہے ایک حدیث میں ہے کہ جس نے احتساب نفس کے ساتھ سات سال اذان دی اس کے لئے دوزخ سے برات لکھ دی گئی اور ایک حدیث میں ہے کہ اے اللہ ائمہ کو رشد وہدایت پر قائم رکھ اور مؤذنین کی مغفرت فرما۔

مستقبل القبلة الخ قبلہ رخ اذان دینا مسنون ہے اگر کوئی شخص ترک کردے اور قبلہ رخ اذان نہ دے بلکہ سمت بدل جائے تب بھی مقصود حاصل ہونے کی بنا پر اذان تو درست ہو جائے گی مگر یہ عمل کراہت

سے خالی نہیں ہدایہ میں اسی طرح ہے اور قبلہ رخ اذان دینے کی اصل حضرت عبد اللہ ابن زید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ انھوں نے خواب میں ایک شخص کو اذان کی تعلیم دیتے دیکھا کہ وہ قبلہ رخ اذان دے رہا تھا۔ واصبعان فی اذنیہ۔ اذان دیتے ہوئے شہادت کی انگلیاں کانوں میں دے لینی چاہئیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کا امر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اس عمل سے تیری آواز زیادہ بلند ہوگی یہ روایت ابن ماجہ میں ہے یہ امر استحبابا ہے۔

ویترسل الخ ترسل کے معنی تمہل اور دو کلموں کے درمیان فصل کے آتے ہیں یعنی جلدی سے گریز کیا جائے اس کے برعکس اقامت میں اسراع اور جلدی مسنون ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب تو اذان دے تو اذان ٹھہر ٹھہر کر دے اور جب اقامت کہے تو جلدی کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد فرمایا (ترمذی میں یہ روایت موجود ہے)

فانہ حسن الخ کیونکہ تحسین صوت کے ساتھ ادائیگی رقت قلب پیدا کرتی اور قلوب کو متأثر کرتی ہے اسی لئے تلاوت قرآن کے بارے میں ارشاد ہے کہ اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت دو۔

والترجیع الخ۔ یہ امام شافعی کے نزدیک مسنون ہے۔ ان کا مستدل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اسی کیفیت سے اذان کی تعلیم فرمائی اور احناف کا مستدل حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان ہے۔ کیونکہ حضرت بلال سفر اور حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلا ترجیع کے اذان دیتے تھے حضرت عبد اللہ ابن زید رضی اللہ عنہ والی روایت سے بھی یہی ثابت ہے۔

ثم یذھب الخ بنایہ تبیین اور منیہ وغیرہ میں اسی قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

ویقول بعد فلاح الفجر الصلوٰۃ خیر من النوم مرتین والاقامۃ مثلہ خلافا للشافعی فان عندہ الاقامۃ فرادیٰ الا قد قامت الصلوٰۃ لکن یعدد فیھا ویقول بعد فلاحھا قد قامت الصلوٰۃ مرتین ولا یتکلم فیھما ای لا یتکلم فی اثناء الاذان ولا فی اثناء الاقامۃ واستحسن المتأخرون التثویب فی الصلوات کلھا التثویب ھو الاعلام بعد الاعلام ویجلس بینھما الا فی المغرب ویؤذن للفائتۃ ویقیم ای اذا صلی فائتۃ واحدۃ وکذا الاولی الفوائت ای اذا صلی فوائت کثیرۃ ولکل من البواقی یاتی بھما او بھا وجاز اذان المحدث وکرہ اقامتہ ولم یعادا وکرہ اذان الجنب واقامتہ ولا تعادھی بل ھو لانہ لم یشرع تکرار الاقامۃ لانھا لاعلام الحاضرین فیکفی الواحدۃ والاذان لاعلام الغائبین فیحتمل سماع البعض دون البعض فتکرارہ مفید۔

ترجمہ | اور فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" دو بار کہے اور اقامت بھی

اذان کی طرح کہے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ کے علاوہ ہے کہ وہ دو بار رہے باقی اقامت ایک ایک مرتبہ ہے (کہ بجائے دو دو بار کے کلمات ایک ایک بار کہے) مگر اقامت میں جلدی کرے اور حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے۔ اور اذان اقامت کہتے ہوئے گفتگو نہ کرے یعنی دورانِ اذان اور دورانِ اقامت بات چیت نہ کرے اور متاخرین نے تثویب (پکارنے) کو سب نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے (عند الاحناف اب ممنوع ہے) تثویب کہتے ہیں اطلاع کے بعد اطلاع کرنا اور ان دونوں (اذان و اقامت) کے درمیان بیٹھنا مگر مغرب میں نہ بیٹھے۔ اور فوت شدہ نماز کے لئے بھی اذان دی جائے گی اور اقامت کہی جائے گی یعنی جب ایک فوت شدہ نماز پڑھے اور فوت شدہ نمازوں میں پہلی کے لئے اذان اور اقامت کہے یعنی جب بہت سی نمازیں فوت شدہ ہوں اور باقی کے لئے اختیار رہے کہ اذان و اقامت دونوں کہے یا صرف اقامت پر اکتفاء کرے اور بے وضو شخص کا اذان دینا درست ہے (مگر خلافِ اولیٰ ہے عالمگیری میں صراحت ہے) اور اقامت بے وضو مکروہ ہے اور کہہ دیجائیں تو دونوں لوٹائی نہیں جائیں گی۔ اور جنبی شخص (جس پر غسل واجب ہو) کا اذان و اقامت کہنا مکروہ ہے اور وہ اقامت کہہ دے تو اس کا اعادہ نہ ہوگا اور اذان کہہ دے تو لوٹائی جائے گی کیونکہ اقامت کی تکرار مشروع نہیں اس لئے کہ وہ حاضرین کی اطلاع کے لئے ہوتی ہے پس ایک بار کافی ہوگی۔ اور اذان غائبین اور غیر حاضر لوگوں کی اطلاع کے واسطے ہوتی ہے اور اس میں یہ احتمال ہے کہ بعض نے سنی ہو اور بعض نے نہ سنی ہو لہٰذا اس کا اعادہ و تکرار مفید ہے۔

تشریح و توضیح بعد فلاح الفجر الخ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ «الصلوٰۃ خیر من النوم» کا محل اذان پوری کرنے کے بعد ہے مؤطا میں امام محمدؒ کے کلام کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے مگر یہ قول مرجوح ہے اور صحیح یہی ہے کہ اذانِ فجر میں حی علی الفلاح کے بعد اس کا محل ہے۔ اور یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فعل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے (ابن ماجہ اور طبرانی وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے)

والاقامۃ الخ آغازِ صلوٰۃ کے ارادہ کے وقت اس سے حاضرین کو اطلاع کرنی مقصود ہے اس لئے اذان کے برعکس اس میں یہ حکم نہیں کہ کانوں میں انگلیاں دی جائیں کیونکہ اس سے مقصود رفعِ صوت ہے اور اس کی یہاں احتیاج نہیں۔

«فرادیٰ» الخ مواہب لدنیہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار مؤذن تھے حضرت بلالؓ حضرت عمرو (یا عبد اللہ) ابن ام مکتومؓ حضرت سعد القرظ اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہم ابو محذورہؓ اذان میں ترجیع کرتے تھے اور اقامت (قد قامت الصلوٰۃ) میں تکرار کرتے تھے اور بلالؓ اقامت میں تکرار نہیں کرتے تھے اور اذان میں ترجیع بھی نہیں کرتے تھے۔ امام شافعیؒ نے بلالؓ کی اقامت کو اختیار کیا

اور اہل مکہ نے ابو محذورہ رض کی اذان اور بلال رض کی اقامت لی اور امام ابو حنیفہ رح نے اور اہل عراق نے حضرت بلال رض کی اذان اور ابو محذورہ رض کی اقامت کو اختیار کیا۔ اور امام احمد رح و اہل مدینہ نے بلال رض کی اذان و اقامت کو ترجیح دی۔

ولا یتکلم الخ مراد یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے الفاظ کے علاوہ اور کوئی بات نہ کی جائے خواہ مثلاً چھینکنے والے کا جواب ہی کیوں نہ دینا پڑے۔

واستحسن المتاخرون الخ تثویب کا معمول دور رسالت میں صرف نماز فجر میں تھا حضرت بلال رض فرماتے تھے کہ میں صرف نماز فجر میں تثویب کرتا تھا ابن ماجہ اور شرح معانی الآثار میں اس کا بیان ہے رہی اذان اور اقامت کے درمیان تثویب تو وہ دور رسالت میں نہیں تھی۔ جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ مؤذن مکہ مکرمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اذان کے بعد آئے اور کہا الصلوٰۃ الصلوٰۃ حضرت عمر رض نے فرمایا تیرا بُرا ہو کیا تو دیوانہ ہو گیا کیا اس پکار پر جس سے تو نے پکارا ہم نہیں آئے۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رض نے اذان و اقامت کے درمیان تثویب کا انکار کیا سنن ابی داؤد میں اس کی صراحت ہے۔

تکرار الاقامۃ الخ اس کے برعکس اذان میں تکرار مشروع ہے مثلاً جمعہ کی اذان

کاذان المرأۃ والمجنون والسکران ای یکرہ ویستحب اعادتہ ویاتی بھما المسافر والمصلی فی المسجد جماعۃ او فی بیتہ فی مصر وکرہ ترکھما للاولین لا للثالث ای کرہ ترک کل واحد منھما۔ سافر والمصلی فی المسجد جماعۃ اما ترک واحد منھما فلم یذکرہ فنقول اما المصلی فی مسجد جماعۃ فیکرہ لہ ترک واحد منھما واما المسافر فیجوز لہ الاکتفاء بالاقامۃ والمصلی فی بیتہ فی مصر ان ترک کلا منھما یجوز لقول ابن مسعود رض اذان الحی یکفینا وھذا اذا اذن و اتیم فی مسجد حیۃ واما فی القری فان کان فیھا مسجد فیہ اذان و اقامۃ فحکم المصلی فیھا کما مر والمصلی فی بیتہ یکفیہ اذان المسجد واقامتہ وان لم یکن فیھا مسجد کذا فمن یصلی فی بیتہ فحکمہ حکم المسافر ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ ویشرع عند قد قامت الصلوٰۃ۔

ترجمہ اذان عورت اور پاگل اور مست (جو شراب پیے ہو) کی مکروہ اور اس کا لوٹانا مستحب ہے اور مسافر اذان و اقامت دونوں کہے گا۔ اور مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے والا یا اندرون شہر و آبادی گھر میں نماز پڑھنے والا اذان اور اقامت کہیں گے۔ مسافر اور مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے والے کے لئے اذان و اقامت ترک کرنا مکروہ ہے اندرون شہر گھر میں نماز پڑھنے والے کے لئے مکروہ نہیں۔

یعنی مسافر اور مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے والے کے لئے اذان واقامت کا ترک مکروہ ہے لیکن اذان واقامت میں سے ایک کا ترک تو مصنف نے اسے بیان نہیں کیا ہم کہتے ہیں کہ باجماعت مسجد میں نماز پڑھنے والے کے لئے اذان واقامت میں سے ایک کا ترک مکروہ ہے۔ اور مسافر اس کے لئے اقامت پر اکتفاء جائز ہے اور اندرون شہر اپنے گھر میں نماز پڑھنے والا اگر اذان واقامت دونوں ترک کر دے تو جائز ہے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ محلہ کی اذان ہمارے لئے کافی ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ محلہ کی مسجد میں اذان و اقامت کہی جائے اور رہا دیہات تو اگر اس میں ایسی مسجد ہو جس میں اذان واقامت کہی جاتی ہو تو اس میں نماز پڑھنے والے کا حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ بیان ہوا اور اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کے لئے مسجد کی اذان و اقامت کافی ہوگی اور اگر وہاں ایسی مسجد نہ ہو تو وہاں اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کا حکم مسافر کا سا ہوگا اور امام اور قوم (مقتدی) حی علی الصلوٰۃ پر (لازماً) کھڑے ہوں گے اور امام قد قامت الصلوٰۃ پر نماز شروع کریگا

تشریح وتوضیح کاذان المرأۃ الخ کیونکہ عورت کی آواز بلند ہو تو اس میں فتنہ کا احتمال ہے اس لئے اس کی اذان مکروہ قرار دی گئی۔

والمجنون والسکران الخ جس طرح پاگل اور مست کی اذان مکروہ ہے اسی طرح غیر ذی شعور بچے اور ایسے شخص کی اذان مکروہ ہے جس کی عقل میں فتور ہو کیونکہ بلا فہم واختیار ان کی اذان پرندگی آواز کے مانند ہوگی بحر الرائق اور بنایہ میں اسی طرح ہے۔

ویستحب الخ یعنی پاگل اور مست کی اذان لوٹانا مستحب ہے اور ایک قول کے مطابق واجب ہے

المسافر الخ مسافر خواہ منفرد واکیلا ہو اور خواہ رفقاء کے ساتھ ہو دونوں کا ایک حکم ہے حضرت مالک ابن الحویرث رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب آنحضورؐ کے پاس سے انھوں نے اپنے وطن لوٹنے کا ارادہ کیا اور ان کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ بھی تھے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے کوئی اذان دے (یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے)

ترک واحد منھما الخ کیونکہ مسجدوں میں جماعت کے لئے اذان اور اقامت دونوں اسلام کے شعار میں سے ہیں لہٰذا ان دونوں کا ترک کرنا اس صورت میں مکروہ ہے۔

لقول ابن مسعودؓ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علقمہ ابن قیسؒ اور حضرت اسود ابن یزیدؒ کے ساتھ بلا اذان واقامت کے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور فرمایا کہ ہمارے اردگرد جو لوگوں کی اقامت ہوتی ہے وہ ہمارے لئے کافی ہو جائے گی۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وھذا الخ یعنی اس صورت میں اگر گھر میں نماز پڑھنے والا اذان واقامت ترک کر دے تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔

المسافر الخ یعنی اس کے لئے اذان واقامت کا ترک یا اذان پر اکتفاء مکروہ ہے البتہ اذان نہ دے

بلکہ صرف اقامت پر اکتفا کرے تو جائز ہے۔
عند حی الخ یعنی اہتمام نماز کی خاطر اگر تکبیر کے آغاز میں کھڑا نہ ہوا تو "حی علی الصلوٰۃ" پر کھڑا ہو جانا ہی چاہیئے۔ عند الخ امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نماز شروع کرے یہ اختلاف فقہا صرف افضلیت و اولویت میں ہے مباح ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

باب شروط الصلوٰۃ

ھی طھر بدن المصلی من حدث وخبث الحدث النجاسۃ الحکمیۃ والخبث النجاسۃ الحقیقیۃ وثوبہ ومکانہ وستر عورتہ واستقبال القبلۃ والنیۃ والعورۃ للرجل من تحت سرتہ الی ما تحت رکبتیہ وللامۃ مثلہ مع ظھرھا وبطنھا وللحرۃ کل بدنھا الا الوجہ والکف والقدم وکشف ربع ساقھا وبطنھا وفخذھا ودبرھا وشعر نزل من راسھا وربع ذکرہ منفردا والانثیین یمنع فالحاصل ان کشف ربع العضو الذی ھو عورۃ یمنع جواز الصلوٰۃ فالراس عضو والشعر النازل عضو اٰخر والذکر عضو والانثیان عضو اٰخر وعادم مزیل النجس صلّی معہ ولم یُعد فان صلّی عاریا وربع ثوبہ طاھر لم یجز وفی اقل من ربعہ الافضل صلوٰتہ فیہ ومن عدم ثوبا فصلّی قائما وقاعدا مؤمیا ندب وقبلۃ خائف الاستقبال جھۃ قدرتہ فان جھلھا وعدم من یسألہ تعری ولم یعد ان اخطأ

ترجمہ نماز کی شرط نماز پڑھنے والے کے بدن کا پاک ہونا ہے نجاستِ حقیقی اور حکمی سے۔ حدث سے مراد نجاستِ حکمیہ اور خبث سے مراد نجاستِ حقیقیہ ہے۔ اور شرط یہ ہے کہ کپڑا اور نماز پڑھنے کی جگہ پاک ہو اور جتنے حصہ بدن کا چھپانا واجب ہے اس کا چھپانا اور قبلہ رُخ ہونا اور نیت۔ اور مرد کے لئے ناف کے نیچے سے گھٹنوں تک چھپانا واجب ہے اور لونڈی کے واسطے بھی یہی حکم ہے البتہ اس کے لئے پیٹھ اور پیٹ کا چھپانا بھی ضروری ہے۔ اور آزاد عورت کا سارا بدن چہرہ اور ہتھیلیوں اور پاؤں کے علاوہ ستر میں داخل ہیں (کہ ان کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے) اور جو عضو کہ ستر میں داخل ہے اگر اس کا چوتھائی کھل جائے مثلاً عورت کی پنڈلی اور پیٹ اور ران اور دُبر (پاخانہ کا راستہ) اور سر سے لٹکنے والے بال اور صرف آلہ تناسل کا چوتھائی اور فوطوں کا چوتھائی حصہ کھل جانا تو نماز درست نہ ہوگی حاصل یہ ہے کہ اگر اس عضو کا چوتھائی حصہ کھل جائے جس کا چھپانا واجب ہے تو نماز درست نہیں ہوگی پس سر الگ عضو ہے اور لٹکنے والے بال الگ عضو ہیں اور آلہ تناسل الگ عضو ہے اور فوطے ایک الگ عضو ہیں اور جس شخص کے پاس نجاست کو دور کرنے والی چیز

حاصل نہ ہو تو وہ اسی طرح نماز پڑھ لے اور پھر اس کا اعادہ لازم نہیں۔ اگر وہ برہنہ نماز پڑھ لے درانحالیکہ چوتھائی کپڑا پاک موجود ہو تو نماز درست نہ ہوگی اور چوتھائی سے کم پاک ہو تو افضل یہ ہے کہ اسی کپڑے میں نماز پڑھ لے اور جس شخص کے پاس کپڑے نہ ہوں اور وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو جائز ہے اور بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا مستحب وافضل ہے۔ اور قبلہ رخ نماز پڑھنے میں (دشمن کا) خوف ہو تو جس طرف پڑھنے پر قادر ہو نماز ہو جائے گی۔ اور اگر جہت قبلہ معلوم نہ ہو اور ایسا شخص بھی نہ ہو جس سے پوچھ سکے تو تحری اور غور وفکر کرکے (جس طرف قبلہ کا یقین ہو) نماز پڑھ لے اور اگر نماز پڑھنے کے بعد غلطی کا علم بھی ہو تب بھی اعادہ نہیں کرے گا

تشریح وتوضیح ومکانه الخ یعنی قدمین اور موضع سجود کے بقدر جگہ پاک ہونی لازم ہے۔

وستر عورته الخ عَورۃ عین کے زبر کے ساتھ وہ عضو جس کا چھپانا واجب ہے وجوب ستر کے حکم کا مستدل یہ ارشاد باری ہے "خذ وا زینتکم عند کل مسجد" (الآیۃ) یہاں زینت سے مراد کپڑے ہیں۔

واستقبال القبلة الخ یعنی جہت کعبہ کا استقبال لازم ہے۔ ارشاد ربانی ہے "فول وجهك شطر المسجد الحرام" (الآیۃ) والنية الخ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قصد۔

نزل من راسها الخ یہ قید اس وجہ سے لگائی کہ ان بالوں میں اختلاف نہیں جو سر پر ہوں البتہ لٹکے ہوئے بالوں میں اختلاف ہے بعض فقہا ان بالوں کو ستر میں داخل قرار نہیں دیتے اور درست قول کے مطابق یہ ستر میں داخل ہیں۔

الافضل الخ یعنی اسے اختیار ہے کہ برہنہ نماز پڑھے یا انھیں نجس کپڑوں میں نماز پڑھ لے مگر افضل ستر ہے اس لئے یہ کپڑے پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

جهة قدرته الخ کیونکہ حسب استطاعت وطاقت مکلف بنایا گیا ہے ارشاد ربانی ہے "اینما تولوا فثم وجه الله" (الآیۃ)

وعدم الخ یعنی وہاں کوئی ایسا شخص نہ ملے جس سے پوچھا جا سکے اور یقینی طور پر جہت قبلہ معلوم ہوسکے تو تحری کرے۔ اور اگر ایسا شخص موجود ہو تو پھر تحری کرکے نماز پڑھنا درست نہیں بحر الرائق میں اسی طرح ہے

ولم يعد الخ یعنی تحری کرکے نماز پڑھنے کے بعد اس کی غلطی اس پر واضح ہو تو اس پر دوبارہ نماز پڑھنا واجب نہیں اور ثابت ہے کہ بعض صحابہؓ پر قبلہ کی تعیین میں اشتباہ ہو گیا پس ان میں سے ہر ایک نے تحری کرکے جہت تحری پر نماز پڑھ لی پھر معلوم ہوا کہ انھوں نے غلط رخ پر (قبلہ کی سمت کے علاوہ) نماز پڑھ لی یہ واقعہ خدمت نبوی میں عرض کیا تو آنحضورؐ نے اعادہ کا حکم نہیں فرمایا (ترمذی، حاکم، ابونعیم)

وان علم به مصليا او تحول رايه الى جهة اخرى وهو فى الصلوة استدار اى ان علم

بالخطاء فی الصلوٰۃ او تحول غلبۃ ظنہ الی جہۃ اخری وھو فی الصلوٰۃ استدار وان شرع بلا تحر لم یجز وان اصاب لان قبلتہ جہۃ تحریۃ ولم توجد فان تحری کل جہۃ بلا علم حال امامھم وھم خلفہ جاز لا لمن علم حالہ او تقدمہ ای صلی قوم فی لیلۃ مظلمۃ بالجماعۃ و تحروا القبلۃ و توجہ کل واحد الی جہۃ تحریہ ولم یعلم احد ان الامام الی ای جہۃ توجہ لکن یعلم کل واحد ان الامام لیس خلفہ جازت صلاتھم اما ان علم احدھم فی الصلوٰۃ جہۃ توجہ الامام ومع ذلک خالفہ لا یجوز صلوٰتہ

ترجمہ اگر دوران نماز اسے قبلہ کا علم ہو گیا یا اس کی رائے بدل کر دوسری سمت کے متعلق ہو گئی جب کہ وہ نماز میں ہی ہو تو گھوم جائے یعنی اگر نماز پڑھنے کے دوران غلطی کا علم ہو یا دوسری سمت کے قبلہ ہونے کا غالب گمان ہو جائے درانحالیکہ وہ نماز میں ہو تو گھوم جائے۔ اگر اس صورت میں بلا تحری کے نماز شروع کی تو خواہ صحیح سمت قبلہ میں کیوں نہ پڑھی ہو نماز درست نہ ہوگی کیونکہ اس کا قبلہ جہت تحری ہے اور جہت تحری پائی نہیں گئی۔ اگر ہر ایک نے (مقتدیوں میں سے) اپنے امام کے حال کے علم کے بغیر تحری کر کے نماز پڑھی درانحالیکہ وہ اس کے پیچھے ہی نماز پڑھ رہے ہوں (آگے نہ بڑھے ہوں) تو ان کی نماز درست ہوگی لیکن جسے امام کے حال کا علم ہو گیا (اور پھر امام کی سمت کی اقتدار نہیں کی) یا امام سے آگے بڑھ جانے کا علم ہو گیا تو نماز درست نہ ہوگی۔ یعنی ایک قوم نے اندھیری رات میں باجماعت نماز پڑھی اور قبلہ کے بارے میں تحری کی اور ہر ایک نے جہت تحری کے مطابق نماز پڑھی اور ان میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ امام کی جہت قبلہ کون سی ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کو یہ خبر ہے کہ امام اس کے پیچھے نہیں (بلکہ آگے ہے) تو ان سب کی نماز درست ہو جائے گی لیکن اگر ان میں سے کسی کو دوران نماز امام کی سمت قبلہ کا علم ہو جائے اور اس کے باوجود وہ امام کی سمت قبلہ کے خلاف کھڑا رہے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔

تشریح و توضیح وان علم الخ یعنی دوران نماز نماز پڑھنے والے کو اپنی غلطی کا علم ہو جائے جیسے تاریکی دور ہونے اور ستارے روشن ہو جانے کے سبب جہت قبلہ کی شناخت ہو جائے یا دوران نماز کوئی اطلاع دینے والا اطلاع دے تو اس کے بعد نماز پڑھنے والے پر صحیح جہت کی طرف گھوم کر باقی نماز ادا کرنا واجب ہے۔ البتہ اس پر از سر نو پوری نماز پڑھنا اور نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں کیونکہ عاجز اور ناواقف ہونے کی صورت میں جہت تحری فرض ہے۔ تحول اور گھوم جانے کی اصل یہ ہے کہ جب قبلہ بیت المقدس کی جگہ کعبہ مقرر ہوا تو صحابہ کرام رض دوران نماز جہت شام سے جہت مکہ کی طرف گھوم گئے، اور باقی نماز جہت کعبہ میں ادا کی (یہ روایت بخاری شریف اور مسلم شریف میں موجود ہے)

وھو فی الصلوٰۃ الخ کیونکہ نماز کے اختتام کے بعد علم پر پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا جیسا کہ نماز

پڑھنے کے بعد غلطی کے علم پر حکم ہے۔
اوتعول غلبة ظنه یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رائے سے مراد غالب رائے ہے ضعیف اور متردد رائے نہیں کیونکہ وہ ناقابل انکار ہوتی ہے۔
ای صلی قوم الخ یعنی با جماعت کچھ لوگ تاریک رات میں نماز ادا کریں اور تاریکی کی وجہ سے امام کی صحیح جہت کا علم نہ ہو البتہ آواز سے انکی شناخت ہو کہ امام ان لوگوں سے پیچھے نہیں بلکہ آگے ہے۔

وکذا اذا علم ان الامام خلفه فقوله وهم خلفه فيه تساهل لان كلامنا فيما اذا لم يعلم احد ان الامام الى اى جهة توجه فكيف يعلم انه خلف الامام فالمراد انه يعلم ان الامام امامه وهذا اعم من ان يكون هو خلف الامام اولا لانه اذا كان الامام قدامه يحتمل ان يكون وجهه الى وجه الامام او الى جنبه او الى ظهره وانما يكون هو خلف الامام اذا كان وجهه الى ظهر الامام وح يكون توجه الامام معلومة وكلامنا ليس فى هذا وعبارة المختصر ولا يضر جهله جهة امامه اذ علم انه ليس خلفه بل علم مخالفته اى اذا علم ان الامام ليس خلفه ويصلي قصد قلبه صلوته بتحريمتها هذا تفسير النية والقصد مع لفظه افضل وكفى للنفل والتراويح وسائر السنن نية مطلق الصلوة وللفرض شرط تعيينه لانية عدد ركعات وللمقتدى نيه صلوته واقتدائه

ترجمہ اور اسی طرح جب یہ معلوم ہو کہ امام اس کے پیچھے ہے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی مصنف کے قول، وهم خلفه، میں اغماض ہے اس لئے کہ ہمیں اس بارے میں کلام ہے کہ جب ان میں سے کسی کو امام کی جہت کا علم نہ ہوگا تو اسے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ وہ امام کے پیچھے ہے بس مراد اس سے یہ ہے کہ اسے اس کا علم ہو کہ امام اس سے آگے ہے اور اس میں عمومیت ہے کہ وہ امام کے پیچھے ہو یا نہ ہو اس لئے کہ امام اس سے آگے ہوگا تو اس کا احتمال ہے کہ مقتدی کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہو یا امام کے پہلو یا پشت کی طرف ہو اور امام کے پیچھے وہ اس وقت ہوگا جب کہ اس کا چہرہ امام کی پیٹھ کی جانب ہو اور اس وقت امام کی جہت معلوم ہوگی اور مختصر الوقایہ کی عبارت ہے کہ امام کی جہت سے مقتدی کی ناواقفیت اس کی صحت نماز پر اثر انداز نہ ہوگی بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ امام اس کے پیچھے نہیں بلکہ آگے ہے اور امام کی جہت سے مقتدی کی جہت کا مخالف ہونا اس صورت میں نماز کے لئے نقصان دہ ہوگا جب کہ اسے معلوم ہو کہ وہ امام کے پیچھے نہیں، اور نماز فرض میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ معین نماز کی نیت فرض ہے۔ یہ نیت اور ارادہ کی تفسیر ہے نیت قلبی کے ساتھ زبان سے کہنا افضل ہے اور نفل و تراویح اور ساری سنتوں کے لئے مطلق نماز کی نیت

کافی ہے۔ فرض نماز میں فرض کی تعیین شرط ہے رکعات کے عدد کی تعیین شرط نہیں۔ اور مقتدی کے لئے اپنی نماز اور امام کی اقتداء کی نیت شرط ہے۔

تشریح وتوضیح بتحریمتھا الخ یہ مستحب وقت کا بیان ہے اس لئے نیت کا تکبیر تحریمہ کے ساتھ اتصال مستحب ہے۔ اور نیت کا تحریمہ سے مقدم کرنا بھی درست ہے مگر شرط یہ ہے کہ درمیان میں ایسے کام میں مشغول نہ ہو جو نماز کی جنس سے نہ ہو لیکن نیت تکبیر تحریمہ سے مؤخر کرنا تو زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ جائز نہیں۔

النیۃ الخ۔ یعنی نیت کا یہ طریقہ نماز میں معتبر ہے۔

افضل الخ۔ یہاں تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ نیت قلب پر اکتفاء کیا جائے یہ بالاتفاق کافی اور طریقہ مشروع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں اور ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں اس کی صراحت کی ہے دوسرے یہ کہ نیت قلب کو چھوڑ کر فقط الفاظ پر اکتفاء کیا جائے یہ ناکافی ہے تیسرے یہ کہ نیت قلب بھی ہو اور الفاظ کے ذریعہ اس کا اظہار بھی کیا جائے یہ طریقہ مستحب ہے۔

سائر السنن الخ اس کے اطلاق میں سنت فجر بھی داخل ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص تہجد کی دو رکعات پڑھے پھر معلوم ہوا کہ اس نے یہ دو رکعات طلوع صبح صادق کے بعد پڑھی ہیں تو یہ دو رکعت سنت فجر میں شمار کر لی جائیں گی اور الگ سے مزید دو رکعات پڑھنے کی ضرورت نہیں بحر الرائق میں اسی طرح ہے۔

نیۃ مطلق الصلوٰۃ الخ نوافل میں بالاتفاق مطلق نماز کی نیت کافی ہے۔

تعیینہ الخ اس لئے کہ فرضیت یہ مطلق نماز پر وصف زائد ہے بس اگر نماز پڑھنے والا متعین نہیں کریگا تو تعیین نہ ہوگی لا نیۃ الخ یعنی تعداد رکعات کی تعیین شرط نہیں تو جب نماز متعین ہوگی تو رکعات کی بھی تعیین ہوگی۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

فرضها التحريمة وهي قوله الله اكبر اومايقوم مقامه وهو شرط عندنا لقوله تعالىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى وعند الشافعی رح انه ركن فاما رفع اليدين فسنة والقيام والقراءة والركوع والسجود بالجبهة والانف وبه اخذ يجوز عند ابی حنيفة رح الاكتفاء بالانف عند عدم العذر خلافا لهما والفتوىٰ على قولهما والقعدة الاخيرة قدر التشهد والخروج بصنعه۔

ترجمہ نماز میں فرض تحریمہ (اللہ اکبر کہنا) ہے اور وہ کلمہ جو اس کے قائم مقام ہو وہ ہمارے (احناف رح کے) نزدیک شرط ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے: وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى اور امام شافعی رح کے

نزدیک رکن ہے لیکن ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے اور قیام اور قرارت اور رکوع اور سجود پیشانی اور ناک سے فرض ہے مشائخ (فقہاء) کا مفتی بہ یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلاعذر بھی صرف ناک پرسجدہ جائز ہے مگر (بلاعذر) امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک درست نہیں اور فتویٰ امام ابویوسف رح وامام محمدؒ کے قول پر ہے۔ اور بقدر تشہد (التحیات کی مقدار) اخیر میں بیٹھنا اور قصداً نماز سے نکلنا فرض ہے۔

تشریح و توضیح فرضہا الخ مصنفؒ نے "فرضہا" کہا "رکنہا" نہیں کہا یہ اس طرف اشارہ ہے کہ احنافؒ کے نزدیک "تحریمہ" شرط ہے۔ "رکن" نہیں۔ اور فرق دونوں کے درمیان یہ ہے کہ شرط شئے کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے اور رکن داخل شئی ہوتا ہے۔ اور فرض سے مراد یہ ہے کہ فعل کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہے بس اس کا منکر کافر اور اس کا ترک کرنے والا مستحق عذاب ہوگا۔

"التحریمۃ الخ" نماز پڑھنے والے پر وہ فعل جو جنس نماز سے نہ ہو حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کی کنجی پاکی ہے اور اس کی تحریمہ (نماز کے علاوہ چیزوں کو حرام کرنے والی) تکبیر اور اس کی تحلیل (حلال کرنے والی چیز) سلام ہے۔ (یہ روایت ترمذی وغیرہ میں موجود ہے) اور تحریمہ کی فرضیت ارشاد ربانی وربك فكبر" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت سے ثابت ہے۔

وھی قولہ اللہ اکبر الخ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً اور تعلیماً اور فعلاً منقول ہے "معجم الطبرانی" صحیح ابن خزیمہ اور سنن ابن حبان وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اسی بناپر تصریح کی ہے کہ خاص طور پر اس لفظ کا اختیار کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ اگر کوئی شخص بجائے عربی کے فارسی میں کہے یا "سبحان اللہ" اور "الحمدللہ" کہے تو مکروہ ہے۔ ذخیرہ اور ظہیریہ میں اس کی صراحت ہے۔

وواجبها قراءة الفاتحة وضم سورة ورعاية الترتيب فيما تكرر في الهداية ومراعاة الترتيب فيما شرع مكررا من الافعال وذكر في حواشي الهداية نقلا عن المبسوط كالسجدة فانه لو قام الى الثانية بعد ما سجد سجدة واحدة قبل ان يسجد الاخرى يقضيها ويكون القيام معتبرا لانه لم يترك الا الواجب اقول قوله فيما تكرر ليس قيد ا يوجب نفي الحكم عما عداه فان مراعاة الترتيب في الاركان التي لا تتكرر في ركعة واحدة كالركوع ونحوه واجبة ايضاً على ماسياتي في باب سجود السهو ان سجود السهو يجب بتقديم ركن الى اخره واوردوا نظيرتقديم الركن الركوع قبل القراءة وسجدة السهو لا تجب الا بترك الواجب فعلم ان الترتيب بين الركوع والقراءة واجب مع انهما غير مكرر في ركعة واحدة وقد قال في الذخيرة اما تقديم الركن نحوان يركع قبل ان يقرأ فلان مراعاة الترتيب واجبة عند اصحابنا الثلثة خلافا لزفر فانها فرض عنده فعلم ان رعاية الترتيب واجبة مطلقا فلا

حاجة الی قوله فیما تکرر فلهذا لم اذکره فی المختصر وبخطر ببالی ان المراد بما تکرر ما تکرر فی الصدر احترازا عما لا یتکرر فی الصلوٰة علی سبیل الفرضیة وهو تکبیر الافتتاح و القعدة الاخیرة فان مراعاة الترتیب فی ذلک فرض

ترجمہ اور نماز کے واجبات یہ ہیں (۱) سورۂ فاتحہ کا پڑھنا (۲) اور سورۃ ملانا (۳) اور ان میں ترتیب کی رعایت جو نماز میں مکرر آتے ہیں (ہدایہ) اور ترتیب کی رعایت ان افعال میں جو مکرر مشروع ہیں حواشیٔ ہدایہ میں مبسوط سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ جیسے "سجدہ" پس اگر نماز پڑھنے والا دوسری رکعت کے لیے ایک سجدہ کرکے دوسرا سجدہ کرنے سے قبل کھڑا ہو جائے تو اس کی قضا کرے اور اس کا قیام (کھڑا ہونا) معتبر ہوگا کیونکہ صرف واجب کا ترک ہوا میں کہتا ہوں کہ مصنفؒ کا قول "فیما تکرر" یہ ایسی قید نہیں جو اس کے علاوہ کے حکم کی نفی کرتی ہو کیونکہ ترتیب کی رعایت ان ارکان میں بھی واجب ہے جو ایک رکعت میں مکرر نہیں آتے مثلاً رکوع وغیرہ جیسا کہ عنقریب باب سجود السہو میں آئے گا کہ سہو کے سجدے اس صورت میں بھی واجب ہیں کہ ایک رکن دوسرے سے مقدم ہو جائے اور شراح اور محشیین نے اس کی نظیر پیش کی ہے کہ رکوع کا رکن قرارت سے قبل ادا کیا جائے۔ اور سجدۂ سہو ترکِ واجب ہی کی صورت میں لازم ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ترتیب رکوع اور قرارت کے درمیان واجب ہے حالانکہ وہ دونوں ایک رکعت میں مکرر نہیں آتے۔ اور ذخیرہ میں (باب سجود السہو میں) ہے کہ رکن کو مقدم کرنا مثلاً قرارت سے قبل رکوع تو ہمارے تینوں اصحاب (امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ) کے نزدیک ترتیب کی رعایت واجب ہے امام زفرؒ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک ترتیب کی رعایت فرض ہے پس معلوم ہوا کہ ترتیب کی رعایت مطلق (بلا قید) واجب ہے پس مصنفؒ کے قول "فیما تکرر" کی احتیاج نہیں اسی بناء پر میں نے یہ قید "مختصر" میں بیان نہیں کی اور میرا قلبی میلان یہ ہے "ما تکرر فی الصلوٰۃ" کی قید سے لگا کر ان امور سے احتراز ہے جو نماز میں علی سبیل الفرض مکرر نہیں آتے اور وہ "تکبیر افتتاح" (تکبیر تحریمہ) اور قعدۂ اخیرہ ہیں کہ ان میں ترتیب کی رعایت فرض ہے۔

تشریح و توضیح وواجبها الخ یعنی جس کا لزوم دلیل ظنی سے ثابت ہو اور وہ بحق عمل فرض کے مساوی ہے البتہ اس کا منکر کافر قرار نہیں دیا جاتا اور اس کے سہواً ترک پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے

قراءة الفاتحة الخ حدیث میں ہے کہ ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے اس کے علاوہ اور روایات صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) میں موجود ہیں۔

وضم سورة الخ حدیث شریف میں ہے کہ اس کی نماز (کامل) نہیں ہوئی جس نے سورۂ فاتحہ کے ساتھ اور سورۃ نہیں پڑھی (ترمذی ابن ماجہ) اگر کسی نے تین چھوٹی آیات یا تین چھوٹی آیتوں کے بقدر

ایک آیت کی تلاوت کی تو ترک واجب کی کراہت تحریمی سے نماز پڑھنے والا نکل گیا۔
فعلم الخ یعنی وہ افعال جو نماز میں علی سبیل الفرضیت مکرر نہیں آتے ان میں بھی رعایت ترتیب واجب ہے مثلاً تکبیر افتتاح اور قعدہ جو دو رکعات والی نماز میں مکرر نہیں آتا ان میں بھی رعایت ترتیب لازم ہے حتیٰ کہ اگر کوئی تکبیر افتتاح کو قعدہ سے مؤخر کر دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

والقعدة الاولى والتشهد ان ذكر في الذخيرة ان القعدة الاولى سنة والثانية واجبة وفي الهداية ان قراءة التشهد في القعدة الاولى سنة وفي الثانية واجبة لكن المصنف لم ياخذ بهذا لان قوله عليه السلام لابن مسعود رض قل التحيات لله الخ يوجب الفرق في قراءة التشهد في الاولى والثانية بل يوجب الوجوب في كليهما ولما كانت القراءة في القعدة الاولى واجبة كانت القعدة الاولى ايضاً واجبة لا سنة ولفظ السلام خلافاً للشافعي فانه فرض عنده وقنوت الوتر وتكبيرات العيدين وتعيين الاولين للقراءة وتعديل الاركان خلافاً للشافعي رح وابي يوسف رح فانه فرض عندهما وهو الاطمينان في الركوع وكذا في السجود وقدر بمقدار تسبيحة وكذا الاطمينان بين الركوع والسجود وبين السجدتين

ترجمہ اور قعدۂ اولیٰ، اور دونوں قعدوں میں تشہد واجب ہے، ”ذخیرہ“ میں بیان کیا گیا ہے کہ تشہد قعدۂ اولیٰ میں سنت اور دوسرے میں واجب ہے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ تشہد پہلے قعدہ میں پڑھنا سنت اور دوسرے میں واجب ہے، مگر مصنف (ماتن) نے اس قول کو اختیار نہیں کیا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”التحیات پڑھو“ اس سے قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ کے تشہد میں فرق لازم نہیں آتا بلکہ دونوں میں وجوب ثابت ہوتا ہے اور جب قعدۂ اولیٰ میں پڑھنا واجب ہوگا تو قعدۂ اولیٰ بھی سنت نہیں واجب ہوگا، اور لفظ سلام کہنا واجب ہے امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک فرض ہے۔ اور وتر میں دعائے قنوت اور عیدین کی (زائد چھ) تکبیریں اور پہلی دو رکعات میں قرارت کی تعیین اور ٹھہر ٹھہر کر ارکان کی ادائیگی واجب ہے، امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ یہ ان دونوں کے نزدیک فرض ہے۔ اور وہ (تعدیل ارکان) رکوع اور سجدہ میں اطمینان ہے۔ اور اس کی مقدار ایک تسبیح بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح رکوع اور سجدوں اور دو سجدوں کے درمیان ٹھہرنا ہے۔

تشریح و توضیح الاولیٰ الخ یہاں ”اولیٰ“ سے مراد وہ قعدہ ہے جو آخری نہ ہو کیونکہ بعض وقت قعدے

واجب ہوتے ہیں مثلاً مسبوق چار رکعات والی نماز میں تین قعدے کرتا ہے جن میں اول کے دو قعدے واجب ہوتے ہیں اور آخری قعدہ فرض ہوتا ہے (بحرالرائق میں اسی طرح ہے) اور قعدۂ اولیٰ کے فرض نہ ہونے بلکہ واجب ہونے کی دلیل وہ روایت ابوداؤد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سہواً قعدۂ اولیٰ ترک فرمایا اور سہو کی بنا پر سجدۂ سہو کیا لہٰذا اگر قعدۂ اولیٰ فرض ہوتا تو سجدۂ سہو کافی نہ ہوتا اور نماز ہی باطل ہو جاتی۔

سنتہ الخ قعدۂ اولیٰ کے سنت ہونے کا قول امام کرخیؒ اور امام طحاویؒ کا ہے اور صحیح قول وجوب ہے جیسا کہ ظہیریہ اور منح الغفار میں صراحت ہے۔ بدائع میں ہے کہ اکثر مشائخ (فقہاء) اس وجہ سے اس کو سنت سے موسوم کرتے ہیں کہ اس کا وجوب فعلاً سنت سے ثابت ہے۔

لان الخ یہ حدیث بخاری شریف میں اس طرح ہے کہ "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے "التحیات للہ والصلوات الخ" کہنا چاہیے" اور "ابن ماجہ" کی روایت میں ہے کہ "جب تم بیٹھو تو "التحیات للہ" پڑھو" اور نسائی وطحاوی کی روایت میں ہے کہ "جب تم ہر دو رکعات میں بیٹھو تو "التحیات للہ" پڑھو"۔

بل یوجب الوجوب الخ سنن وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعات پڑھ کر کھڑے ہوگئے اور (درمیان میں) نہیں بیٹھے اور پھر سجدۂ سہو کیا اس سے تشہد کا فرض نہ ہونا ثابت ہوگیا۔

فرض عندہ الخ امام شافعیؒ اس حدیث سے فرضیت ثابت کرتے ہیں کہ "نماز کی کنجی پاکی ہے اور اس کی تحریم تکبیر اور اس کی تحلیل (مباح کرنے والی چیز) سلام ہے"۔ اور احناف اس حدیث سے وجوب ثابت کرتے ہیں کہ "جب امام قعدۂ اخیرہ میں ہو اور تکلم (سلام وغیرہ) سے قبل حدث پیش آجائے تو اس کی اور مقتدیوں کی نماز پوری ہوگئی" اس سے معلوم ہوا کہ خروج بصنعہ (ارادتاً نکلنا) فرض ہے اگر سلام فرض ہوتا تو اس کے بغیر نماز کے اتمام کا حکم نہ کیا جاتا۔

وتعیین الاولیین الخ یعنی چار رکعات اور تین رکعات والی فرض نماز میں پہلی دو رکعات کی قرارت کے لئے تعیین رہی دو رکعات والی فرض تو ان دونوں رکعتوں میں قرارت فرض ہے اسی طرح نوافل اور وتر کی تمام رکعات میں قرارت فرض ہے۔ بس اگر پہلی دو رکعات میں قرارت ترک کرکے اخیر کی دو رکعتوں میں قرارت کی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

والجھر والاخفاء فیما یجھر ویخفی وسُنّ غیرھما ونُدِب ای ماعدا الفرائض والواجبات اماسنة اومندوب وعند الشافعیؒ لا فرق بین الفرض والواجب علی ماعُرِف فی اصول الفقه فعندہ افعال الصلوٰۃ امّا فرائض اوسنن اومستحبات فاذا اراد الشروع کبّر حاذ فابعد رفع یدیه المراد بالحذف ان لایاتی بالمدّ فی ھمزۃ اللّٰہ ولا فی

باء اکبر غیر مفرج اصابعه ولا ضامّ بل یترکها علی حالها ماسًا بابهامیه شحمتی اذنیه والمرأة ترفع حذاء منکبیها فان ابدل التکبیر بالله اجلّ او اعظم او الرحمٰن اکبر اولا اله الا الله او بالفارسیة او قرأ بها بعذر او ذبح وسمی بها جاز و بالله اللّٰهمّ اغفر لی لا فالحاصل انه یجوز ان یبدل بذکر ما یدل علی مجرد التعظیم ولا یشوب بالدعاء

ترجمہ اور جس نماز میں زور سے پڑھتے ہیں اس میں زور سے اور جس میں آہستہ پڑھتے ہیں اس میں آہستہ پڑھنا اور ان فرائض و واجبات کے علاوہ اور چیزیں نماز میں مسنون ہیں یا مستحب یعنی فرائض نماز اور واجبات نماز کے سوا اور چیزیں اندرون نماز یا سنت ہیں یا مستحب ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض اور واجب کے درمیان کوئی فرق نہیں جیسا کہ اصول فقہ میں معروف ہے پس ان کے نزدیک نماز کے افعال یا فرائض ہیں یا سنتیں ہیں یا مستحبات ہیں جب نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو ہاتھ اٹھا کر بلا مد کے تکبیر کہے حذف سے مراد یہ ہے کہ نہ اللہ کے ہمزہ میں مد کرے (کھینچ کر پڑھے) اور نہ اکبر کی باء میں ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ نہ انگلیاں کشادہ ہوں اور نہ ملی ہوئی ہوں بلکہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دے اپنے انگوٹھے کانوں کے لوے ملائے اور عورت اپنے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے پس اگر تکبیر میں "اللہ اکبر" کے بجائے "اللہ اجل" یا "اعظم" یا "الرحمٰن اکبر" یا "لا الٰہ الا اللہ" کہے یا فارسی زبان (یا کسی اور زبان) میں کہے یا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں عذر کی وجہ سے پڑھے یا ذبح کرتے وقت فارسی زبان میں بسم اللہ کہے تو جائز ہے اور اگر دعاء کے الفاظ "اللّٰہم اغفر لی" (اے اللہ میری مغفرت فرما) کہے تو جائز نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جو کلمات مجرد تعظیم پر دلالت کرتے ہوں اور ان میں دعاء کی آمیزش نہ ہو ان سے تکبیر تحریمہ جائز ہے۔

تشریح و توضیح والجهر الخ پس اگر مثلاً نماز فجر میں بجائے جہراً کے سرّاً قرارت کی اور نماز ظہر میں بجائے سرّاً کے جہراً قرارت کی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

وعند الشافعیؒ اس کی توضیح کتب اصول میں اس طرح کی گئی ہے کہ فرض سے مراد یہ ہے کہ جس کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا منکر کافر ہے اور اس کا ترک کرنے والا مستحق عقاب و سزا ہوگا۔ اور واجب وہ ہے جس کا لزوم دلیل ظنی مثلاً خبر احاد سے ثابت ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا ترک کرنے والا مستحق عقاب و سزا اور اس کا منکر کافر قرار نہیں دیا جائے گا یہ فرق عند الاحناف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں۔

فاذا اراد الخ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ امام ہو یا منفرد (تنہا نماز پڑھنے والا) اور اگر مقتدی ہو تو امام کی تکبیر کا انتظار کرے گا افضل یہ ہے کہ امام کے بعد تکبیر کہے لیکن اگر امام کی تکبیر کے ساتھ ساتھ

کہہ لے تب بھی جائز ہے۔ ذخیرہ میں اسی طرح ہے۔

کبراً الخ یعنی "اللہ اکبر" کہے۔ اگر صرف اللہ کہے گا تو نماز شروع کرنے والا شمار نہ ہوگا۔

بعد رفع یدیہ الخ یعنی اول ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور مبسوط میں اسے ہمارے اکثر مشائخ (فقہائے احناف) کا قول قرار دیا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ ثابت ہے۔ یہ روایت "بخاری شریف" اور "سنن اربعہ" میں موجود ہے۔ یہ قول تین اقوال میں سے ایک ہے۔ دوسرا قول وہ ہے جس کی طرف قدوری نے اشارہ کیا اور قاضی خاں نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانے اور تکبیر دونوں ساتھ ساتھ ہوں۔ اس قول کی موافقت میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر کے ساتھ دست مبارک اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ یہ روایت مسند احمد ابو داؤد اور بیہقی میں ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اول تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے اس کی تائید ابو داؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر تک اٹھاتے پھر اس حال میں تکبیر کہتے کہ دونوں ہاتھ اسی طرح ہوتے تھے حاصل یہ کہ تینوں صورتیں درست ہیں مگر اولیٰ پہلا ہی قول ہے

غیر مفرج الخ یعنی ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیوں کے کشادہ کرنے یا ملانے کے تکلف میں نہ پڑے بلکہ جس طرح ہوں انھیں ان کے حال پر چھوڑ دے۔

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ انگلیاں کشادہ کرنا صرف ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی صورت میں مستحب ہے۔ اور صرف بحالت سجود انگلیاں ملائے اور ان دونوں کے علاوہ میں انگلیوں کو اپنے حال پر رکھے اور تکلف میں مبتلا نہ ہو۔

حذو اذنیہ الخ یعنی عورت صرف مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے کیونکہ اس میں زیادہ تستر ہے اور یہ شرعاً محمود و پسندیدہ ہے۔

ویضع یمینہ علی شمالہ تحت سرتہ کالقنوت وصلوٰۃ الجنازۃ ویرسل فی قومۃ الرکوع وبین تکبیرات العیدین فالحاصل ان کل قیام فیہ ذکر مسنون ففیہ الوضع وکل قیام لیس کذا ففیہ الارسال ثم یثنی ولا یوجہ اراد بالثناء سبحانک اللّٰھم الیٰ اٰخرہ والتوجیہ قراءۃ انی وجھت وجھی بعد التحریمۃ ویتعوذ للقراءۃ لا للثناء المختار ان التعوذ تبع للقراءۃ لا تبع للثناء فیقولہ المسبوق لا المؤتم بناءً علیٰ ان المسبوق یقرأ ولا یثنی فیتعوذ والمؤتم یثنی ولا یقرأ فلا یتعوذ واما من جعلہ تبعاً للثناء فالحکم عندہ علیٰ عکس ما ذکر ویؤخر عن تکبیرات العیدین لان التکبیرات بعد الثناء فینبغی ان یکون التعوذ متصلاً بالقراءۃ لا بالثناء

ترجمہ اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے (قنوت اور نماز جنازہ میں بھی ہاتھ باندھے اور رکوع کے بعد کھڑے ہو تو ہاتھ چھوڑے اور عیدین کی تکبیروں (چھ زائد تکبیرات میں ہاتھ چھوڑے حاصل یہ ہے کہ ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون (طویل) ہو تو اس میں ہاتھ رکھے اور ہر وہ قیام جس میں ایسا نہ ہو اس میں ہاتھ چھوڑے رکھے پھر تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کے ثناء پڑھے اور انی وجھت وجھی الخ نہ پڑھے ثناء سے مراد سبحانک اللھم الخ ہے اور توجیہ سے مراد انی وجھت وجھی الخ (الآیۃ) کا تحریمہ کے بعد پڑھنا ہے۔ اور ثناء کے بعد ثناء کے لئے نہیں بلکہ قراءت کے لئے تعوذ (اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم) پڑھے راجح قول کے مطابق تعوذ قراءت کے تابع ہے ثناء کے تابع نہیں پس مقتدی تعوذ نہ پڑھے (اور مسبوق تعوذ پڑھے یہ اس بناء پر ہے کہ مسبوق قراءت کرے گا اور ثناء نہیں پڑھے گا لہٰذا قراءت کے وقت تعوذ پڑھے گا اور مقتدی (جو اول سے امام کا شریک نماز ہو) ثناء پڑھے گا اور قراءت نہیں کرے گا پس تعوذ نہیں پڑھے گا۔ اور جن کے نزدیک تعوذ ثناء کے تابع ہے ان کے نزدیک حکم ذکر کردہ حکم کے برعکس ہوگا (یعنی مسبوق تعوذ نہیں پڑھے گا اور مقتدی پڑھے گا) اور تکبیرات عیدین کے بعد تعوذ پڑھے کیونکہ تکبیرات ثناء کے بعد ہیں لہٰذا مناسب ہے کہ تعوذ ثناء سے نہیں بلکہ قراءت سے متصل ہو۔

تشریح و توضیح ویضع یمینہ علی شمالہ الخ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دایاں دست مبارک بائیں دست مبارک پر رکھا (یہ روایت ابوداؤد ابن خزیمہ اور ابن حبان میں موجود ہے) اور بعض روایات میں ہے کہ دائیں دست مبارک سے بایاں دست مبارک پکڑا (یہ روایت نسائی میں ہے) اور بعض روایات میں ہے کہ بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ میں لیا۔ (یہ روایت ابوداؤد اور ابن حبان میں موجود ہے)

بعض فقہاء نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے اوپر رکھی جائے اور پہونچے پر خنصر (شہادت کی انگلی) اور انگوٹھے کا حلقہ بنا لیا جائے تاکہ پکڑنے اور رکھنے دونوں کا عملاً تحقق ہو جائے "بنایہ" میں ہے کہ یہ قول زیادہ صحیح ہے اور اس کی تائید حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ اور پہونچے اور کلائی پر رکھا۔

تحت سرتہ الخ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دایاں دست مبارک بائیں دست مبارک پر ناف کے نیچے رکھا یہ روایت عمدہ ہے اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

ولا یوجہ الخ یعنی یہ نہ پڑھے انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفاً وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین لا شریک لہ وبذٰلک امرت وانا

اول المسلمین" صحیح بخاری سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی وغیرہ میں اسی طرح روایت موجود ہے۔ المختار الخ یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثنا کے تابع ہے۔

ویسمی لا بین الفاتحة والسورة ویسرهن ای الثناء والتعوذ والتسمیة خلافاً للشافعیؒ فی التسمیة بناء علی انه اٰیة من الفاتحة عنده لا عندنا وکثیر من الاحادیث الصحاح وارد فی انه علیه السلام والخلفاء الراشدین یفتتحون بالحمد للّٰه رب العلمین ثم یقرء ویؤمن بعد ولا الضآلین سرا کالمؤتم ثم یکبر للرکوع خافضاً

ترجمہ اور اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے اور فاتحہ اور سورۃ کے درمیان میں نہ پڑھے اور ثنا اور تعوذ اور تسمیہ (بسم اللہ) آہستہ کہے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک تسمیہ جہراً پڑھے۔ اس بنا پر کہ ان کے نزدیک یہ سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے احنافؒ کے نزدیک یہ قرآن کا جزء نہیں اور بہت سی صحیح احادیث اس بارے میں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین قرارت کا آغاز "الحمد للہ رب العلمین" سے کرتے تھے (اس سے تسمیہ اور تعوذ کا سراً پڑھنا معلوم ہوا) پھر پڑھے سورۃ فاتحہ اور "ولا الضالین" کے بعد آمین آہستہ سے کہے اور مقتدی بھی جہری نماز میں آہستہ سے آمین کہے پھر تکبیر کہے اور جھک کر رکوع کرے۔

تشریح و توضیح ویسمی الخ یعنی قرارت کے آغاز میں تعوذ کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے یہ پہلی رکعت میں بالاتفاق سنت ہے اور باقی رکعات میں سنت ہے یا نہیں اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے بحوالہ حسنؒ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ یہ صرف پہلی رکعت میں مسنون ہے اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ بسم اللہ پڑھنا ہر رکعت میں اور تعوذ پہلی رکعت میں سنت ہے۔

لا بین الفاتحة والسورة۔ یعنی بسم اللہ سورۃ کے شروع میں نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ کے آغاز میں پڑھنی چاہیے۔ امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کا مشہور مسلک یہی ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک سورۃ کے شروع میں بھی پڑھے یہ فقہاء کا اختلاف اس کے مسنون ہونے میں ہے۔

"ذخیرہ" اور "مجتبیٰ" میں تصریح ہے کہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اچھا ہے خواہ سورۃ جہراً پڑھی جائے یا سراً۔ ابن الہمامؒ نے اسے راجح قرار دیا ہے۔ بحر الرائق اور منح الغفار میں اسی طرح ہے۔

ای الثناء الخ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبد اللہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور استعاذہ اور ربنا لک الحمد آہستہ پڑھتے تھے احکام القرآن میں روایت کی ہے کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرض نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھتے تھے اور نہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما

لاعندنا الخ قدماء کے نزدیک آمین کی طرح یہ بھی مطلقاً قرآن میں داخل نہیں۔

فی انہ الخ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی یہ قراءت کا آغاز الحمد للہ رب العلمین سے کرتے تھے اور نسائی، مسند احمد و ابن حبان کی روایت ہے کہ وہ "الحمد للہ رب العلمین" بہ جہر کرتے تھے طبرانی، ابن خزیمہ اور ابی نعیم کی روایت میں ہے کہ وہ بسم اللہ میں سر کرتے تھے

یفتتحون الخ امام ترمذیؒ "جامع ترمذی" میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین کرامؒ اور ان کے بعد کے اہل علم قراءت کا آغاز "الحمد للہ رب العلمین" سے کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ قراءت کا آغاز سورۂ فاتحہ سے کرتے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جہری قراءت میں بسم اللہ بھی جہراً پڑھنی چاہیئے

ثم یقرأ الخ یعنی واجب مقدار پڑھے خواہ امام ہو یا منفرد۔

ویؤمن الخ نماز پڑھنے والا امام ہو یا منفرد وہ آمین کہے۔

سراً الخ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دونوں بسم اللہ اور آمین میں جہر نہیں فرماتے تھے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ "آمین" دعاء ہے اور اصل دعاء میں اخفاء ہے ارشاد ربانی ہے ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ" مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی طبرانی دارقطنی اور حاکم وغیرہ میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہونچتے تو آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہراً آمین کہنا بھی متعدد روایات سے ثابت ہے یہ روایات سنن ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن حبان اور کتاب الام للشافعیؒ میں موجود ہیں۔

ثم یکبر الخ اس میں اشارہ ہے کہ رکوع کے وقت قراءت سے فراغت کے بعد تکبیر کہے۔

ویعتمد بیدیہ علی رکبتیہ مفرجاً اصابعہ باسطاً ظہرہ غیر رافع ولا منکس راسہ ویسبح ثلثا وہو ادناہ ثم یسمع ای یقول سمع اللہ لمن حمدہ رافعاً راسہ ویکتفی بہ الامام وبالتحمید المؤتم والمنفرد یجمع بینہما ویقوم مستویاً ثم یکبر ویسجد فیضع رکبتیہ علی الارض اولاً ثم یدیہ ثم وجہہ بین کفیہ ویدیہ حذاء اذنیہ ضاماً اصابعہ مبدیاً ضبعیہ مجافیاً بطنہ عن فخذیہ موجہاً اصابع رجلیہ نحو القبلۃ ویسبح فیہ ثلثا

ترجمہ | اور رکوع میں دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھے (اور) انگلیاں کشادہ رکھے۔ اور پیٹھ برابر

رہے اور سر نہ اٹھائے اور نہ جھکائے (بلکہ برابر رکھے) اور تین بار تسبیح پڑھے (سبحان ربی العظیم کہے) اور یہ ادنیٰ مقدار رہے۔ اس کے بعد "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے ہوئے سر کو اٹھائے اور امام محض سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے اور تنہا نماز پڑھنے والا دونوں کہے۔ اور سیدھا کھڑا ہو کر پھر تکبیر کہے اور سجدہ میں چلا جائے (اس طرح کہ) اول اپنے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کو ہاتھ دونوں کے بالمقابل رکھے۔ اور انگلیاں ملی ہوئی رکھے اور دونوں بازو پیٹ سے اور پیٹ رانوں سے الگ رکھے (اور) پیروں کی انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور سجدہ میں کم از کم تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔

تشریح و توضیح

باسطا ظھرہ الخ یعنی رکوع میں پیٹھ اس قدر برابر رہے کہ اگر پانی سے لبریز پیالہ پیٹھ پر رکھ دیا جائے تو وہ ٹھہر جائے۔ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک بحالت رکوع برابر رہتی تھی۔

ولا منکس الخ یعنی دوران رکوع سر کو زیادہ نہ جھکائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع فرماتے تو نہ سر مبارک کو زیادہ بلند کرتے اور نہ (زیادہ) جھکاتے تھے۔

وھو ادناہ الخ یعنی کم از کم تین بار پڑھنا یہ تسبیح کی ادنیٰ مقدار رہے اور افضل یہ ہے کہ تین سے زیادہ پانچ یا سات یا نو مرتبہ پڑھیں تین سے کم ہونے کی صورت میں سنت کا ترک لازم آئے گا سجدہ کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے، تو تین بار "سبحان ربی العظیم" کہے اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے۔ اور جب سجدہ کرے تو سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ کہے اور یہ اس کی ادنیٰ مقدار ہے (یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی میں موجود ہے) یہ امر استحبابی ہے فرض کے طور پر نہیں۔

فیضع الخ اس بارے میں حضرت کلیب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سجدہ کرتے ہوئے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور اٹھتے وقت گھٹنوں سے قبل اٹھاتے تھے (یہ روایت سنن اربعہ، مسند احمد، دارمی وغیرہ میں بسند قوی مروی ہے)

حذاء اذنیہ الخ حاء کے زیر کے ساتھ یعنی ہاتھ کانوں کے مقابل رہیں حضرت وائل رض کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے (یہ روایت مسلم، نسائی، طحاوی میں ہے) نیز ہاتھوں کا گھٹنوں کے مقابل ہونا بھی حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے۔ (یہ روایت ابوداؤد، ترمذی میں ہے)

ضاما اصابعہ الخ یعنی بحالت سجدہ ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رہنی چاہئیں حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رہتی تھیں۔ (ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں یہ روایت نقل کی ہے)

مجافیا الخ یعنی رانوں سے پیٹ الگ رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے

(یہ روایت مسلم، مسند حاکم اور مسند ابویعلیٰ میں اسی طرح ہے)
موجھا الخ یعنی ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں سجدہ میں قبلہ رخ رہنی چاہئیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات چیزیں سجدہ کرتی ہیں

فان سجد علیٰ کور عمامته او فاضل ثوبه او شئ یجد حجمه ویستقر جبهته جاز وان لم یستقر لا وکذا لو سجد للزحام علیٰ ظهر من یصلی صلوته لا من لا یصلیها ای لا علیٰ ظهر من لا یصلی صلوته وهو اما ان لا یصلی اصلا او یصلی ولکن لا یصلی صلوته والمرأة تخفض فی السجود وتلزق بطنها بفخذیها ویرفع راسه مکبرا ویجلس مطمئنا ویکبر ویرفع راسه اولا ثم یدیه ثم رکبتیه ویقوم مستویا بلا اعتماد علی الارض ولا قعود وفیه خلاف الشافعیؒ ویسمّٰی جلسة الاستراحة والرکعة الثانیه کالاولیٰ لکن لا ثناء ولا تعوذ ولا رفع یدیه فیها واذا اتمها افترش رجله الیسریٰ وجلس علیها ناصبا یمنا موجها اصابعه نحو القبلة واضعا یدیه علیٰ فخذیه موجها اصابعه نحو القبلة مبسوطة وفیه خلاف الشافعیؒ فان عنده یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطیٰ والابهام ویشیر بالسبابه عند التلفظ بالشهادتین ومثل هذا جاء عن علمائنا ایضا

ترجمہ پس اگر پگڑی کے پیچ پر فاضل کپڑے پر یا جم والی چیز پر سجدہ کیا اور پیشانی اس پر ٹھہرتی ہے تو سجدہ جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ اور اسی طرح اگر لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے ایک نماز پڑھنے والا نماز نہ پڑھنے والے کی پیٹھ پر نہیں بلکہ وہی نماز پڑھنے والے ہی کی پیٹھ پر سجدہ کرے تو جائز ہے (یعنی دونوں کی نماز ایک ہو) یعنی اس شخص کی پشت پر سجدہ نہ کرے جو وہی نماز نہ پڑھ رہا ہو جو وہ پڑھ رہا ہے۔ اور وہ (دو حال سے خالی نہیں) یا تو سرے سے نماز میں مشغول ہی نہ ہوگا یا یہ کہ نماز میں مشغول ہوگا مگر وہ نماز نہیں پڑھ رہا ہوگا جو سجدہ کرنے والا پڑھ رہا ہے۔ اور عورت اعضاء کو سمیٹے اور پیٹ رانوں سے ملائے۔ اور بعد سجدہ کے پھر سر اٹھا کر تکبیر کہے اور اطمینان سے بیٹھے اور پھر تکبیر کہے اور اطمینان سے سجدہ کرے اور (پھر) تکبیر کہتے ہوئے اول اپنا سر اٹھائے پھر دونوں گھٹنے اور زمین پر ہاتھ ٹکائے اور بیٹھے بغیر سیدھا کھڑا ہو جائے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بیٹھے، اسے جلسۂ استراحت کہتے ہیں۔ اور دوسری رکعت بھی پہلی کی طرح ہے مگر نہ اس میں ثناء اور تعوذ پڑھے اور نہ ہاتھ اٹھائے۔ اور جب دوسری رکعت پوری ہو جائے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پیر اس طرح کھڑا رکھے کہ اس کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں (اور) ہاتھوں کو رانوں پر رکھے (اس طرح کہ) انگلیاں قبلہ رخ پھیلی ہوئی ہوں۔ اس میں امام

شافعی رح کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک سب سے چھوٹی انگلی اور اس کے پاس کی انگلی کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بناتے ہوئے شہادتین کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ ہمارے علماء احناف رح سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

تشریح و توضیح

اوفاضل ثوبہ الخ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت گرمی میں نماز پڑھتے تھے۔ بس جب ہم میں سے کسی کے لئے گرمی کی شدت کے سبب چہرہ رکھنا ممکن نہ ہوتا تو اس پر کپڑا بچھا کر سجدہ کرتے۔

وکذ الخ یعنی مصلی کی پیٹھ پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب بھیڑ زیادہ ہو (اور زمین پر سجدہ نہ کر سکے) تو اپنے بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کرلے۔ (بیہقی میں یہ ارشاد موجود ہے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم کی تلاوت فرما کر سجدہ کیا پھر سجدوں میں طوالت کی اور لوگوں کی کثرت ہوگئی، تو بعضوں نے بعض کی پیٹھ پر سجدے کئے۔

بلا اعتماد الخ یعنی بوقت قیام ہاتھ زمین پر نہ ٹکائے ناتواں اور مجبور شخص کی طرح کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بلا عذر) ایسا کرنے سے منع فرمایا (یہ روایت ابوداؤد میں ہے)

ویسمی جلسۃ الاستراحۃ الخ امام شافعی رح جلسۂ استراحت کے قائل ہیں ان کا مستدل حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دکھاتا ہوں پھر انھوں نے نماز پڑھی اور دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھے۔ (یہ روایت بخاری شریف میں ہے) مگر یہ بنا برعذر تھا احناف رح کا مستدل یہ روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پنجوں کے بل سجدہ سے اٹھتے تھے۔ اس روایت کو تقویت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے پہونچتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود و حضرت عمر و حضرت علی و حضرت ابن عباس و حضرت ابن زبیر اور حضرت ابو سعید خدری وغیرہ رضی اللہ عنہم جلسۂ استراحت نہیں کرتے تھے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی میں ہے رہی حضرت مالک رض کی روایت وہ بیان جواز اور حالت عذر پر محمول ہے۔

لاثناء الخ یعنی دوسری رکعت میں سبحانک اللھم وبحمدک قرارت سے قبل نہیں پڑھتے تھے۔ اس لئے کہ یہ صرف پہلی رکعت کے ساتھ مخصوص ہے۔

ولا تعوذ الخ مسند احمد، مسند حاکم و ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرارت سے قبل تعوذ پڑھتے تھے۔

افترش رجلہ الخ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پیر بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے۔ (یہ روایت مسلم اور نسائی میں ہے) حضرت ابن عمر رض سے منقول ہے

کہ نماز کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھے

ویتشهد کابن مسعود رضی ولا یزید علیه فی القعدة الاولیٰ ویقرأ فیما بعد الاولیین الفاتحة فقط وهی افضل وان سبح اوسکت جاز ویقعد کالاولیٰ خلافا للشافعی رح فان السنة عنده فی التشهد الثانی التورك وهو هیأة جلوس المرأة فی الصلوٰة وهی هذه والمرأة تجلس علی الیتها الیسریٰ مخرجة رجلیها من الجانب الایمن فیهما ای فی التشهدین ویتشهد ویصلی علی النبی علیه السلام ویدعو بما یشبه القرآن والماثور من الدعاء لا کلام الناس فلا یسأل شیئا مما یسأل من الناس ثم یسلم عن یمینه بنیة من ثمة من البشر والملك ثم عن یساره کذلك والموتم ینوی امامه فی جانبه وفیهما ان حاذاه والامام بهما ای ینوی الامام بالتسلیمتین وعند البعض الامام لا ینوی لانه یشیر الی القوم والاشارة فوق النیة وعند البعض الامام ینوی بالتسلیمة الاولیٰ والمنفرد الملك فقط

ترجمہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد پڑھے اور قعدۂ اولیٰ میں اس سے زیادہ نہ پڑھے اور پہلی دو رکعات کے بعد (دوسری رکعات یا ایک رکعت میں) محض سورۂ فاتحہ پڑھے اور یہ پڑھنا (فرض نہیں بلکہ) افضل ہے اور اگر تسبیح کہے یا خاموش کھڑا رہے تو درست ہے اور پہلی دو رکعتوں کی طرح اب بھی بیٹھے امام شافعی رح کا اس میں اختلاف ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک دوسرے تشہد میں تورک ہے (یعنی بائیں سرین پر بیٹھ کر دونوں پاؤں دائیں جانب نکالنا) اور وہ نماز میں عورت کے بیٹھنے کی ہیئت ہے اور عورت اپنے بائیں سرین پر دونوں پاؤں دائیں جانب نکال کر بیٹھے عورت دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھے اور تشہد پڑھے اور (پھر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور وہ دعا مانگے جو قرآن کے مشابہ ہو یا اس دعا کے جو حدیث سے منقول ہو لوگوں کے کلام کے مشابہ دعا نہ مانگے یعنی ایسا سوال نہ کرے جیسا کہ لوگوں سے سوال کیا جاتا ہے پھر دائیں جانب دائیں طرف کے لوگوں اور فرشتوں کی نیت کرتے ہوئے سلام پھیرے، پھر اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرے اور مقتدی امام کی اس کی جانب میں نیت کرے اور امام سامنے ہو تو دونوں جانبوں میں امام کی نیت کرے اور امام دونوں سلاموں میں اس کی نیت کرے، اور بعض کے نزدیک کسی سلام میں امام نیت نہ کرے کیونکہ سلام خود قوم کی طرف اشارہ ہے اور اشارہ نیت سے بڑھ کر ہے اور بعض کے نزدیک فقط پہلے سلام میں نیت کرے اور اکیلا نماز پڑھنے والا دونوں سلاموں میں فقط فرشتوں کی نیت کرے

تشریح وتوضیح ویتشھد الخ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا کہ وہ جلسہ میں (یعنی بیٹھ کر) پڑھیں "التحیات للہ والصلوٰت والطیبات السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصٰلحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ" صحاح ستہ میں یہ روایت ہے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ تشہد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایات میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے اور اکثر اہل علم یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے اکثر علماء کا اس پر عمل رہا ہے۔

ولا یزید الخ یعنی قعدۂ اولی میں اس سے زیادہ نہ پڑھے اور قعدۂ اولی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے۔ اور نہ اس میں اور کوئی دعا کرے اس کی تائید میں مسند احمد کی یہ روایت ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی اول صلوٰۃ اور آخر صلوٰۃ میں تعلیم دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وسط صلوٰۃ میں تشہد پڑھکر اٹھ جاتے تھے اور آخر صلوٰۃ میں (تشہد کے علاوہ) دعاء فرماتے تھے جس قدر چاہتے تھے۔

فقط الخ یعنی اخیر کی دو رکعات میں سورۃ نہ ملانی چاہئے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر وعصر کی پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور اخیر کی دو رکعات میں (صرف) سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے مسنون یہی ہے موطا میں اس کی صراحت ہے۔ لیکن اگر کوئی سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۃ بھی ملالے تو زیادہ صحیح قول کے مطابق اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

جاز الخ موطا میں امام محمدؒ سے منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اخیر کی دو رکعات میں کچھ نہ پڑھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اخیر کی دو رکعات میں قرارت اور عدم قرارت میں اختیار منقول ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت موجود ہے ان روایات کا مطلب اظہار جواز ہے ورنہ مسنون اخیر کی دو رکعات میں قرارت ہی ہے۔

ویصلی علی النبی الخ احناف سے یہ درود پڑھنا منقول ہے اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید۔ اللھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید۔

فصل فی القراءۃ!

یجھر الامام فی الجمعۃ والعیدین والفجر واولی العشائین اداءً وقضاءً ولا غیر والمنفرد خیر ان ادی وخافت حتما ان قضی وادنی الجھر اسماع غیرہ وادنی المخافتۃ

اسماع نفسہ ھو الصحیح احترز عما قیل ان ادنی الجھر اسماع نفسہ وادنی المخافتۃ تصحیح الحروف وکذا ای کل ما یتعلق بالنطق کالطلاق والعتاق والاستثناء وغیرھا ای ادنی المخافتۃ فی ھذہ الاشیاء اسماع نفسہ حتی لو طلق او اعتق بحیث صحح الحروف لکن لم یسمع نفسہ لا یقع ولو طلق جھرا ووصل بہ ان شاء اللہ بحیث لم یسمع نفسہ یقع الطلاق ولم یصح الاستثناء۔

ترجمہ امام نماز جمعہ، عیدین، فجر اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعات میں خواہ اداءً ہوں یا قضاءً، جہر کرے (پکار کر پڑھے) ان نمازوں کے علاوہ نمازوں میں جہر نہ کرے۔ اور تنہا نماز پڑھنے والے کو ادا نماز ہو تو جہر اور سر دونوں کا اختیار ہے، اور منفرد قضاء نماز آہستہ ہی پڑھے۔ جہر کی ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ دوسرا سن لے اور آہستہ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود سن لے۔ یہ قول صحیح ہے مصنف نے یہ کہہ کر اس قول سے احتراز کیا ہے کہ جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود سن لے اور آہستہ (سر) کا ادنیٰ درجہ حروف کی تصحیح ہے اسی طرح ہر وہ بات جس کا تعلق نطق (بولنے) سے ہو مثلاً طلاق اور عتاق (آزادی) اور استثناء وغیرہ اگر اس طرح کہے کہ خود کو بھی سنائی نہ دے تو ان کا وقوع نہ ہوگا یعنی ان چیزوں میں آہستہ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود سن لے یہاں تک کہ اگر طلاق دے یا آزاد کرے اس طرح کہ حروف کی تصحیح ہو جائے مگر خود نہ سنے تو واقع نہ ہوگی۔ اور اگر جہراً طلاق دے اور اس کے ساتھ "ان شاء اللہ" اس طرح لگائے کہ خود نہ سنے تو استثناء صحیح نہ ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

تشریح وتوضیح فی الجمعۃ والعیدین الخ نماز جمعہ اور نماز عیدین میں جہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے نماز عیدین میں جہر ہے۔ (بیہقی میں یہ روایت موجود ہے) مصنف عبد الرزاق میں حضرت عمر بن عبد العزیز رح سے منقول ہے کہ انہوں نے نماز جمعہ کی دو رکعات پڑھائیں اور دونوں میں جہر کیا۔

والفجر الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ فجر کی دونوں رکعات اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعات میں جہر فرماتے تھے اور باقی رکعات میں سر فرماتے تھے۔ اور نماز ظہر وعصر میں سر فرماتے تھے

وخافت الخ یعنی نماز اگر قضاء ہے تو اس میں سر اور آہستہ پڑھنے کا حکم وجوبی ہے۔

لا یقع الخ کیونکہ وقوع طلاق اور عتاق (آزادی) میں نطق کی شرط ہے اور صرف تصحیح حروف پر نطق کا اطلاق نہیں ہوتا لہٰذا محض تصحیح حروف کی صورت میں دونوں کو صحیح قرار نہ دیں گے۔

فان ترك سورة اولى العشاء قرأها بعد فاتحة أخريَيه وجهر بهما ان امّ ولو ترك فاتحتهما لم يعد لانه يقرأ الفاتحة في الاخريين فلو قضى فيهما فاتحة الاوليين يلزم تكرار الفاتحة في ركعة واحدة وذا غير مشروع وفرض القراءة اية والمكتفى به بها مسئ لترك الواجب وسنتها في السفر عجلة الفاتحة واىّ سورة شاء وامنة نحو البروج وانشقت وفي الحضر استحسنوا طوال المفصّل في الفجر والظهر واوساطه في العصر والعشاء وقصاره في المغرب ومن الحجرات طوال المفصل الى البروج ومنها اوساطه الى لم يكن ومنها قصاره الى الأخر وفي الضرورة بقدر الحال وكره توقيت سورة للصلوة اى تعيين سورة للصلوة بحيث لا يقرأ فيها الا تلك السورة ولا يقرأ المؤتمّ بل يستمع وينصت قال الله تعالى واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا وقال عليه الصلوة والسلام اذا كبر الامام فكبروا واذا قرأ فانصتوا وقال عليه الصلوة والسلام من كان له امام فقراءة الامام قراءة له وقال عليه الصلوة والسلام مالى أنازع في القرآن وسكوت الامام ليقرأ المؤتمّ قلب الموضوع وان قرأ امامه اية ترغيب او ترهيب او خطب او صلى على النبي عليه الصلوة والسلام الا اذا قرأ قوله تعالى صلوا عليه فيصلى سرًّا

ترجمہ پس اگر عشاء کی پہلی دو رکعات میں سورۃ نہ پڑھے تو اخیر کی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھ لے اور دونوں میں جہر کرے اگر امام ہو۔ اور اگر عشاء کی پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھ لی ہو تو اخیر کی دو رکعات میں نہ پڑھے کیونکہ اخیر کی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ لہذا اگر ان رکعات میں پہلی دو رکعات کی فاتحہ کی قضاء کرے گا تو ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ دو مرتبہ پڑھنی لازم آئے گی اور یہ تکرارِ فاتحہ خلاف شرع ہے۔ اور فرض قرارت ایک آیت (بڑی آیت) ہے اور صرف ایک آیت پر اکتفاء کرنے والا ترکِ واجب کے سبب گناہگار ہوگا اور سفر میں مسنون یہ ہے کہ اگر جلدی کا وقت ہو تو سورۂ فاتحہ اور جو سورۃ چاہے پڑھ لے۔ اور اگر سکون و اطمینان کے وقت ہو تو سورۂ بروج اور وانشقت وغیرہ پڑھے اور حضر میں فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل اور عصر و عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار پڑھنا مستحسن ہے الحجرات سے البروج تک طوالِ مفصل اور البروج سے لم یکن تک اوساط اور لم یکن سے آخر تک قصار (چھوٹی سورتیں) ہیں اور بوقت ضرورت حال کے مطابق پڑھے اور نماز کے لئے کوئی سورت متعین کر لینا مکروہ ہے یعنی اس طرح نماز کے لئے سورۃ متعین کر لینا کہ نماز میں صرف یہی سورۃ پڑھے باعث کراہت ہے اور مقتدی کچھ نہ پڑھے بلکہ سنے اور خاموش رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور

خاموش رہو اور نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ امام جب اللہ اکبر کہے تو اللہ اکبر کہو اور جب قراءت کرے تو
خاموش رہو۔ اور نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس کے لئے امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔
اور نبی علیہ السلام کا فرمان ہے۔ میرے لئے قرآن میں جھگڑا کیا جاتا ہے اگر میرے پیچھے لوگ قرآن پڑھتے
ہیں) اور امام کا مقتدی کی قراءت کی وجہ سے سکوت قلب موضوع ہے اور اگرچہ اس کا امام کوئی ترغیب
کی آیت یا ڈرانے والی آیت یا خطبہ دے (خطبۂ جمعہ وغیرہ) یا نبی علیہ السلام پر درود پڑھے تب بھی
مقتدی خاموش رہے۔ البتہ جب وہ یہ آیت تلاوت کرے "صلوا علیہ" تو سراً درود پڑھ لے۔

تشریح و توضیح

آیۃ الخ ایک آیت اس کی کم سے کم مقدار چھ حروف ہیں۔ مفتی بہ قول کے مطابق کم
از کم ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات کی تلاوت فرض ہے۔

عجلۃ الخ یعنی اگر عجلت وجلدی کا وقت ہو تو بربنائے ضرورت چھوٹی سورتیں پڑھنے میں بھی مضائقہ نہیں
بربنائے ضرورت چھوٹی سورتوں کی بڑی سورتوں کے بجائے تلاوت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت
ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کے موقعہ پر نماز فجر میں سورۃ البروج اور سورۃ انشقت کی تلاوت
فرمائی اور یہ دونوں سورتیں اوساط مفصل میں سے ہیں۔ (نسائی اور ابوداؤد وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے)
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز فجر میں دوران سفر الم ترکیف اور لایلاف کی تلاوت فرمائی۔ اور ایک بار
قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد کی تلاوت کی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت موجود ہے)

نحو البروج الخ یعنی نماز فجر میں سورۂ بروج اور سورۂ انشقت وغیرہ اوساط مفصل میں سے تلاوت کرنی
چاہئیں۔ بحیث الخ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مطلق تعیین مکروہ نہیں بلکہ اس طرح کی دائمی تعیین
کہ دوسری سورتوں کی تلاوت ہی نہ کرے اور اسی سورۃ کی تلاوت کا التزام کرے مکروہ ہے۔

ولا یقرأ الخ یعنی مقتدی قرآن کریم کا کوئی حصہ تلاوت نہ کرے بلکہ مکمل سکوت اختیار کرے۔ ہمارے مشائخ
(احناف) مقتدی کے پڑھنے کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں۔

واذا قرئ القرآن الخ یہ آیت صحابہؓ کی قراءت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آواز میں بلند کرنے
کی مخالفت سے متعلق ہے۔ جیسا کہ دارقطنی اور بیہقیؒ اور ابن جریر وغیرہ میں روایت موجود ہے۔ اور یہ آیت
دلالت کرتی ہے کہ مقتدی کو خاموش رہ کر قرآن سننا فرض ہے۔

وقال علیہ السلام۔ یہ حدیث ابن ماجہ، ابوداؤد، بزار، نسائی اور طحاوی وغیرہ میں موجود ہے۔

وقال الخ مؤطا امام مالک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایسی نماز میں جس میں آپ کے ساتھ قراءت میں جہر کیا گیا تھا۔ مڑ کر فرمایا کیا تم میں سے کسی شخص نے میرے
ساتھ تلاوت کی۔ تو ایک شخص نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ میں نے تلاوت کی۔ تو آپ نے فرمایا
کہ میں کہہ چکا ہوں کہ میرے ساتھ قرآن میں نزاع نہ کیا کرو یعنی کوئی اور میرے ساتھ ساتھ تلاوت نہ کرے

تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تلاوت سے رک گئے۔
آیۃ ترغیب الخ یعنی کوئی ایسی آیت جو مومنوں کو جنت کی خوشخبری سنانے والی ہو۔
او ترھیب الخ یعنی ایسی آیت جس میں انذار اور عذاب وغیرہ سے ڈرانے والا مضمون ہو۔
الا اذا قرئ الخ یعنی سننے والا کچھ نہ پڑھے اگرچہ خطیب درود ہی کیوں نہ پڑھے البتہ "صلوا علیہ" یہ آیت خطیب پڑھے تو آہستہ اور دل ہی دل میں درود شریف پڑھ لینا چاہیئے۔ زبان سے نہ پڑھے تاکہ خلاف ممانعت بھی نہ ہو اور فضیلت جواب بھی حاصل ہو جائے۔

فصل فی الجماعۃ

الجماعۃ سنۃ مؤکدۃ وھو قریب من الواجب والاولی بالامامۃ الاعلم بالسنۃ ثم الاقرأ ثم الاورع ثم الاسن فان امّ عبد او اعرابی او فاسق او اعمٰی او مبتدع او ولد الزنا کرہ کجماعۃ النساء وحدھن و یقف الامام وسطھن لو فعلن لفظ الامام یستوی فیہ المذکر والمؤنث فلھذا لم تدخل تاء التانیث فیہ وکحضور الشابۃ کل جماعۃ والعجوز الظھر والعصر لا الباقیۃ ای لا باس للعجوزات بالخروج فی المغرب و العشاء والفجر ویقتدی المتوضی بالمتیمم لان التیمم طھارۃ مطلقۃ عند عدم الماء والخلیفۃ فی التراب عندنا

ترجمہ جماعت سنت مؤکدہ اور واجب کے قریب ہے۔ اور امامت کے لئے زیادہ بہتر وہ ہے جو مسائل نماز سے خوب واقف ہو پھر وہ جو زیادہ قاری (و مجوّد) ہو پھر وہ جو زیادہ پرہیزگار ہو پھر وہ جو عمر کے لحاظ سے بڑا ہو پس غلام گنوار یا فاسق (بد دین) یا نابینا (غیر محتاط) یا بدعتی یا ولد الزنا کی امامت مکروہ ہے جیسے تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ ہے اور اگر وہ جماعت کریں تو ان کا امام ان کے بیچ میں کھڑا ہو لفظ امام مرد امام اور عورت امام دونوں کے لئے مستعمل ہے لہٰذا مؤنث کی تا اس کے ساتھ نہیں لائی گئی جوان عورتوں کا ہر نماز میں جماعت کے لئے اور بوڑھی عورتوں کا ظہر اور عصر میں حاضر ہونا مکروہ ہے فجر مغرب اور عشاء میں بوڑھی عورتوں کا آنا مکروہ نہیں یعنی بوڑھی عورتوں کے لئے نماز مغرب وعشا اور فجر کی جماعت کی خاطر نکلنے (اور مسجد میں حاضر ہونے میں) مضائقہ نہیں (مگر اب مفتیٰ بہ عام حکم ممانعت ہے) وضو کرنے والے کو تیمم کرنے والے کی اقتدا درست ہے کیونکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم مطلق (اور کامل) طہارت ہے اور ہمارے (احناف کے) نزدیک مٹی پانی کے قائم مقام ہوتی ہے۔

تشریح و توضیح

سنة الخ یعنی جماعت سنت مؤکدہ ہے، اس پر عامل مستحق اجر و ثواب اور بلا عذر ترک کرنے والا قابل ملامت ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سے مسرور ہو کر بروز قیامت بحالت اسلام ملاقات کرے تو اسے چاہیئے کہ ان نمازوں کی حفاظت کرے جب کہ انھیں پکارا جائے اور اگر تم گھروں میں نماز پڑھو گے تو تم اپنے نبی کی سنت کے تارک ہو گے اور اپنے نبی کی سنت ترک کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

باجماعت نماز کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں۔

مسلم شریف اور بخاری شریف وغیرہ میں روایت ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ارادہ کرتا ہوں کہ نماز قائم کرنے کا حکم کروں پھر ایک شخص کو لوگوں کی امامت کا حکم کرکے لکڑیاں لے کر ایسے لوگوں کے گھروں پر جاؤں جو جماعت سے نماز (بلا عذر) نہیں پڑھتے اور ان کے گھروں میں آگ لگا دوں (یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے

الاعلم بالسنة الخ یعنی مسائل نماز اور نماز سے متعلق احکام شرعیہ سے وہ زیادہ واقف ہو خواہ اور مسائل اس قدر نہ جانتا ہو۔

ثم الاقرأ الخ یعنی اگر علم میں برابر ہوں تو باعتبار تجوید و ترتیل زیادہ اچھی طرح تلاوت کرنے والے کی امامت زیادہ بہتر ہے۔

ثم الاسن الخ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اگر مذکورہ بالا چاروں اوصاف میں مساوی ہوں تو ان میں سے جو زیادہ معمر ہو اس کی امامت اولی ہے۔

کحضور الشابة الخ یعنی جوان عورت کا مردوں کی جماعت میں شریک ہونے کے لئے بلا تخصیص ہر نماز میں مکروہ ہے کیونکہ اس کے آنے میں فساد و خرابی کا احتمال ہے بہت احادیث سے عورتوں کے اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

مسند احمد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے لئے بہترین مسجد ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔

ویقتدی الخ یعنی وضو کرنے والے کو تیمم کرنے والے کی اقتدا درست ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے تیمم کرکے وضو کرنے والے لوگوں کی امامت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر انکار نہیں فرمایا (ابوداؤد میں یہ روایت موجود ہے)

والغاسل بالماسح لان الخف مانع من سراية الحدث الى الرجل وما على الخف طهر

بالمسح والقائم بالقاعد بناءً علی فعل الرسول علیه السلام والمومی بالمومی والمتنفلُ بالمفترض لا رجل بامرأة او صبی او خنثی لان الواجب تاخیرهن بالنص وطاهر بمعذور وقارئ بامی ولابس بعار وغیر مؤم بمؤم ومفترض بمتنفل لان بناء القوی علی الضعیف لا یجوز ومفترض فرضاً آخر لان الاقتداء شرکة فیجب الاتحاد والامام لا یطیلها ولا قراءة الاولی علی الثانیة الا فی الفجر ویقیم مؤتما توحد عن یمینه

ای اذا کان المؤتم واحدا یامره الامام بان یقوم عن یمینه وفیه اشارة الی ان الامام آمر والماموم مامور یجب ان یکون منقادا له ویتقدم ان زاد اشارة الی ان القوم اذا کانوا کثیرا فالاولی ان یتقدم الامام لا ان یامرهم الامام بالتاخیر عنه فان ذلک ایسر ... ولو ظهر حدثه یعید المؤتم لان صلوٰة الامام متضمنة ... صلوٰة المقتدی ففساده یوجب فساده

ترجمہ اور دھونے والے کو مسح کرنے والے کی اقتداء درست ہے، کیونکہ موزہ پیر تک سرایت حدث کو روکنے والا اور حدث کا جو اثر موزہ پر ہو وہ مسح سے پاک ہو جاتا ہے اور سیدھا کھڑے ہونے والے کو بیٹھنے والے کی اقتداء درست ہے نبی علیہ السلام کے فعل کی بنا پر۔ اور اشارہ کرنے والے اشارہ کرنے والے کی اور نفل پڑھنے والے کو فرض پڑھنے والے کی اقتداء درست ہے مرد کو کسی عورت یا بچہ (یا خنثیٰ) کی اقتداء درست نہیں کیونکہ عورتوں کا مردوں سے مؤخر (اور مقتدی) ہونا نص سے ثابت ہے اور پاک (غیر صاحب عذر) کو معذور کی اور پڑھے ہوئے کو ان پڑھ کی اور کپڑے پہنے ہوئے کو برہنہ کی اور اشارہ نہ کرنے والے کو اشارہ سے ساتھ نماز پڑھنے والے کی اور فرض پڑھنے والے کو نفل پڑھنے والے کی اقتداء درست نہیں کیونکہ بنا قوی کی ضعیف پر (اور قوی کو شرعاً ضعیف کی اقتداء) جائز نہیں اور فرض پڑھنے والے دوسرا (اس کے علاوہ) فرض پڑھنے والے کی اقتداء درست نہیں کیونکہ اقتدا امام کے ساتھ شرکت کا نام ہے پس اتحاد واجب ہے اور امام قرأت (و نماز) زیادہ طویل نہ کرے اور نہ پہلی رکعت (دوسری سے زیادہ لانبی کرے۔ البتہ نماز فجر میں پہلی رکعت میں طول کرے اور مقتدی ایک ہو تو امام اسے اپنی دائیں جانب کھڑا کرے یعنی جب ایک مقتدی ہو تو امام اسے دائیں جانب کھڑا ہونے کا حکم کرے اور اس میں اشارہ ہے کہ امام آمر (حکم کرنے والا) اور مقتدی مامور (اور) اس پر امام کی اطاعت واجب ہے اور اگر ایک سے زیادہ مقتدی ہوں تو امام آگے بڑھ جائے اس میں اشارہ ہے کہ مقتدی زیادہ ہوں تو بہتر یہ ہے کہ امام انھیں پیچھے ہٹنے کا حکم نہ کرے بلکہ خود آگے بڑھ جائے کیونکہ یہ پیچھے ہٹنے کا حکم دینے (اور اس پر عمل سے) زیادہ سہل ہے اور اگر امام کے حدث (بے وضو ہونے یا وجوب غسل کا) علم ہو (اور

نماز فاسد ہوجائے تو مقتدی بھی نماز دوبارہ پڑھیں کیونکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کی ضامن ہوتی ہے پس امام کی نماز فاسد ہوتی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی۔

تشریح و توضیح بالقاعد الخ یعنی جو بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کرتا ہو اس کی اقتدار کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کو درست ہے۔

والمتنفل الخ کیونکہ امام مقتدی سے قوی حال میں ہے اور وہ فرض پڑھ رہا ہے لہٰذا نفل پڑھنے والے کے لئے بلا شبہ اس کی اقتدا صحیح ہے عہد رسالتؐ میں بعض صحابہؓ سے اس طرح اقتدار کرنا ثابت ہے۔ سنن ابوداؤد میں اس کی صراحت ہے۔

والامام الخ یعنی امام قرارت اور نماز اس قدر طویل نہ کرے کہ لوگوں کو اذیت ہونے لگے اور نماز میں خلل واقع ہونے لگے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص قوم کا امام بنے تو ان کے کمزور ترین کا لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں معمر بیمار اور ضرورت مند (سب طرح کے) ہوتے ہیں (بخاری ومسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی لوگوں کے ساتھ نماز پڑھے (امامت کرے) تو آسان نماز پڑھائے، کیونکہ نمازیوں میں کمزور، بیمار اور معمر لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اور جب خود تنہا پڑھے تو جسقدر چاہے طویل پڑھ لے (کہ اس طول میں کسی اور کو دقت کا سامنا نہیں ہوتا)

الافی الفجر الخ کیونکہ غفلت اور نیند کا وقت ہوتا ہے اور اس میں تاخیر کا کافی امکان ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر پہلی رکعت کی قرات طویل کردی جائے تو لوگ آسانی سے رکعت پالیں تو یہ شرعاً مستحسن ہے اسی طرح اور نمازوں میں بھی حسب ضرورت مقتدیوں کی رعایت مستحسن ہے۔

مسلم وغیرہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں تیس آیت کے بقدر تلاوت فرماتے تھے الخ۔

یامرہ الامام الخ یعنی امام مقتدی تنہا ہو تو اسے دائیں جانب کھڑے ہونے کا حکم کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ آپؐ کی بائیں جانب کھڑے ہوگئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دائیں جانب کھڑا کرلیا۔ یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے)

لو ظهر حدثه الخ خواہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر مقتدی پر بھی اعادۂ نماز واجب ہے حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے بحالت جنابت قوم کی امامت کی تھی کہ وہ نماز لوٹائے اور مقتدی بھی نماز کا اعادہ کریں۔

ويصف الرجال ثم الصبيان ثم الخناثى ثم النساء والخناثى بالفتح جمع الخنثى كالحبالى

جمع العبلی فان حاذته فی صلوٰۃ مشترکۃ تحریمۃً واداءً فسدت صلوٰتہ ان نوی
اما متھا والاصلوٰتھا ای ان صلت علی جنب رجل امرأۃ مشتہاۃ بحیث لاحائل بینھما
والصلوٰۃ مشترکۃ تحریمۃ واداءً فسدت صلوٰۃ الرجل ان نوی الامام امامۃ المرأۃ
وان لم ینو تفسد صلوٰۃ المرأۃ وفسر والاشتراک فی التحریمۃ بان یکونا بانیین تحریمتھا
علی تحریمۃ الامام والشرکۃ فی الاداء بان یکون لھما امام فیما یؤدیانہ اما حقیقۃ کالمقتدین
واما حکما کاللاحقین یعنی رجل وامرأۃ اقتدیا برجل فسبقھما حدث فتوضأ وبنیا وقد
فرغ الامام فحاذت المرأۃ الرجل فسدت صلوٰۃ الرجل فاللاحق وان لم یکن لہ اما حقیقۃ
فلہ امام حکما فانہ التزم ان یؤدی جمیع صلوٰتہ خلف الامام فاذا سبقہ الحدث توضأ
وبنی جعل کانہ خلف الا[illegible]تی یثبت لہ احکام المقتدین کحرمۃ القراءۃ ونحوھا بخلاف
المسبوق وھو الذ[illegible] رک اٰخر صلوٰۃ الامام فلم یلتزم اداء الکل خلف الامام فھو
فی اداء مالم یدرکہ مع الامام منفرد حتی یجب علیہ القراءۃ فالمسبوقان وان کانا
مشترکین فی التحریمۃ اذ بنیا تحریمتھا علی تحریمۃ الامام فلیسا مشترکین اداءً
فان حاذت امرأۃ رجلا فی اداء ما سبقا لم تفسد صلوٰۃ الرجل لعدم الشرکۃ فی التحریمۃ
ولاداء تساھل وینبغی ان یقال الشرکۃ فی التحریمۃ ان یبنی احدھما تحریمتہ علی تحریمۃ
الاٰخر او بنیا تحریمتھما علی تحریمۃ ثالث والشرکۃ فی الاداء بان یکون احدھما اماما
للاٰخر فیما یؤدیانہ او یکون لھما امام فیما یؤدیانہ حتی یشتمل الشرکۃ بین الامام والماموم

ترجمہ اور جماعت میں اول مردوں کی صف ہوگی پھر بچوں کی پھر خنثیٰ کی پھر عورتوں کی۔ الخناثیٰ خا کے زبر کے ساتھ "خنثیٰ" کی جمع ہے جیسے "الحبالیٰ" (حاملہ عورتیں) "الحبلیٰ" (حاملہ عورت) کی جمع ہے
پس اگر عورت ایسی نماز میں جو امام کے اور اس کے درمیان تکبیر تحریمہ اور اداء کے لحاظ سے مشترک ہو امام کے برابر کھڑی ہو جائے تو امام کی نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو ورنہ عورت کی نماز فاسد ہو گی پس اگر کوئی لائق شہوت [illegible] شخص کے برابر میں کھڑی ہو جائے اور ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو اور نماز تکبیر تحریمہ اور اداء میں مشترک ہو تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی بشرطیکہ امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو
اور اگر اس نے عورت کی امامت کی نیت نہ کی ہو تو عورت کی نماز فاسد ہو گی اور عورت و مرد کے تحریمہ میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے امام کی تحریمہ پر بنائی ہو اور تحریمہ امام کی اقتداء کی ہو، اور شرکت فی الاداء کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں جو نماز ادا کر رہے ہوں ان کا امام ہو خواہ حقیقتاً جیسے دونوں ابتداء سے مقتدی ہوں یا
اور یا حکماً مثلاً دونوں لاحق ہوں یعنی مرد اور عورت نے ایک شخص کی اقتداء کی پھر دونوں کو حدث پیش آ گیا

اور انھوں نے وضو کرکے بنا کی اور امام نماز سے فارغ ہوگیا اور عورت مرد کے برابر میں آگئی تو مرد کی نماز فاسد ہوگئی پس لاحق اگرچہ اس کے لئے حقیقتاً امام نہیں مگر حکماً اس کے واسطے امام ہے پس اس کے لئے لازم ہے کہ اپنی ساری نماز امام کے پیچھے ادا کرے پھر جب اسے حدث پیش آیا اور اس نے وضو کرکے بنا کرلی تو وہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے مانند ہوگیا حتیٰ کہ اس کے لئے مقتدین کے احکام مثلاً قرارت کا حرام ہونا وغیرہ ثابت ہوگئے اس کے برعکس مسبوق اور مسبوق وہ ہے کہ جس نے امام کے ساتھ آخری نماز (مثلاً ایک دو رکعات) پائی تو اس نے پوری نماز امام کے پیچھے ادا کرنے کا التزام نہیں کیا تو وہ ان رکعات میں جو امام کے ساتھ نہیں پڑھیں منفرد ہوگیا حتیٰ کہ اس پر قرارت واجب ہوگئی پس دونوں مسبوق اگرچہ دونوں تحریمہ میں مشترک ہوں جب انھوں نے امام کی تحریمہ پر بنا کی تو وہ دونوں ادار کے اعتبار سے مشترک نہیں رہے لہٰذا اگر کسی شخص کے برابر میں عورت چھوٹی ہوئی رکعات ادا کرتے ہوئے آگئی تو ادا میں عدم شرکت کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ تحریمہ میں اور ادار کی تفسیر میں تسامح ہے اور موزوں یہ ہے کہ اس طرح کیا جائے کہ تحریمہ میں شرکت یہ ہے کہ دونوں نماز پڑھنے والوں میں سے ایک دوسرے کی تحریمہ کی بنا کرے یا دونوں تیسرے کی تحریمہ پر بنا کریں اور ادار میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ ادا کی جانے والی نماز میں دونوں میں سے ایک دوسرے کا امام ہو یا اس ادار کی جانے والی نماز میں ان دونوں کا کوئی امام ہو حتیٰ کہ امام اور مقتدی کے درمیان شرکت ہوجائے۔

تشریح وتوضیح ثم الصبیان الخ کیونکہ مردوں کو امام سے قریب ہونے کا زیادہ حق ہے۔ اس لئے اول مردوں کی صف ہونی چاہئے پھر دوسرے نمبر پر بچوں کی مسند احمد میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کیا میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ دکھلاؤں پھر انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اول مردوں کی پھر بچوں کی اور پھر عورتوں کی صف قائم کی فسبقھما الخ یعنی دوران نماز حدث پیش آگیا اور وہ وضو کرکے لوٹے تو امام نماز سے فارغ ہوگیا اور ان میں سے ہر ایک نے باقی ماندہ نماز علیحدہ پڑھی۔

فان محاذاة المرأة الامام مفسدة صلوٰة الامام مع انه لا اشتراك بينهما تحريمة واداءً بالتفسير الذى ذكروا وايضا لا اجد فائدة فى ذكر الشركة فى التحريمة بل يكفى ذكر الشركة فى الاداء فان الامام اذا سبقه الحدث فاستخلف آخر فاقتدى احد بالخليفة فالشركة فى الاداء ثابتة بين الذى اقتدى بالخليفة و بين الامام الاول وكل من اقتدى به باعتبار ان لهما اماماً فيما يؤدونه وهو الخليفة ولا شركة بينهم فى التحريمة لان المقتدى بالخليفة بنى تحريمته على تحريمة الخليفة والامام الاول ومن اقتدى به لم يبنوا تحريمتهم على

تحریمۃ الخلیفۃ فلم توجد بینھم الشرکۃ فی التحریمۃ ومع ذلک لوکانت المرأۃ من احدی الطائفتین امامن المقتدین بالامام الاول او من المقتدین بالخلیفۃ فحاذت الطائفۃ الاخری تفسد الصلوۃ باعتبار الشرکۃ فی الاداء لا التحریمۃ ولوقیل الشرکۃ فی التحریمۃ ثابتۃ تقدیرا فاقول الشرکۃ فی الاداء لا توجد بدون الشرکۃ فی التحریمۃ والشرکۃ فی التحریمۃ قد توجد بدون الشرکۃ فی الاداء کما فی المسبوق فلاحاجۃ الی ذکر الشرکۃ فی التحریمۃ ھذا اذا نوی الامام امامۃ المرأۃ اما اذا لم ینو لم یصح اقتداء المرأۃ فتفسد صلوتھا لانھا لم تقرأ بناء علی ان قراءۃ الامام قراءۃ لھا ولم یکن کذلک فبقیت بلا قراءۃ وعلم من ھذہ المسألۃ ان المرأۃ اذا اقتدت بالامام محاذیۃ للرجل لایصح اقتداءھا الا ان ینوی الامام امامتھا اما اذا لم تقتد محاذیۃ ھل یشترط نیۃ الامام ففیہ روایتان

ترجمہ اس لئے کہ عورت کے امام کے برابر کھڑے ہوجانے سے امام کی نماز فاسد ہوجائے گی خواہ دونوں کے درمیان تحریمہ اور اداء میں شرکت نہ ہو۔ یہ حکم اس تفسیر کے مطابق ہے جو انھوں نے بیان کی نیز "شرکت فی التحریمہ" کے بیان کرنے میں کوئی فائدہ نہیں پاتا بلکہ شرکت فی الاداء کا بیان کافی ہے۔ کیونکہ امام کو جب حدث پیش آجائے اور دوسرا اس کا قائم مقام بن جائے پھر کوئی اس قائم مقام کی اقتداء کرے تو اداء میں شرکت اس کے درمیان جس نے قائم مقام کی اقتداء کی اور جس نے پہلے امام کی اقتداء کی ثابت ہے اور ہر وہ شخص جس نے پہلے امام کی اقتدی کی کہ ان (یعنی امام اول اور اس کے مقتدی اور قائم مقام کے پیچھے پڑھنے والے) کے لئے امام ہے جس کے پیچھے وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ قائم مقام ہے درآنحالیکہ ان کی (امام اور اس کے مقتدیوں کی) شرکت قائم مقام کے ساتھ تحریمہ میں نہیں ہے اس لئے کہ قائم مقام کے مقتدی نے تحریمہ کی بنا قائم مقام کی تحریمہ پر کی اور امام اول اور اس کے مقتدیوں نے اپنی تحریمہ کی بنا قائم مقام کی تحریمہ پر نہیں کی تو ان کے درمیان تحریمہ میں شرکت نہیں ہوئی۔ اور اس کے باوجود اگر ان دونوں لوگوں کی جماعتوں میں اگر کوئی عورت (بھی) ہو خواہ امام اول کے مقتدیوں میں سے یا اس کے قائم مقام کے مقتدیوں میں سے۔ پس عورت دوسری جماعت کے برابر کھڑی ہوجائے تو تحریمہ میں شرکت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اداء میں شرکت کے لحاظ سے نماز کو فاسد کردے گی۔ اور اگر کہا جائے کہ تحریمہ میں تقدیراً (اور پوشیدہ طور پر) شرکت ثابت ہے تو میں کہوں گا کہ اداء میں شرکت تحریمہ میں شرکت کے بغیر نہیں پائی جاتی۔ اور تحریمہ میں شرکت کبھی اداء میں شرکت کے بغیر پائی جاتی ہے جیسا کہ مسبوق میں لہٰذا تحریمہ میں شرکت کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ امام عورت کی امامت کی نیت کرے لیکن اگر امام اس کی نیت نہ کرے تو عورت کی اقتداء صحیح نہیں ہوئی پس اس کی نماز فاسد ہوجائے گی

اس لئے کہ اس کا نہ پڑھنا اس وجہ سے نہیں کہ امام کی قرارت اس کی قرارت ہے اور ایسا کیونکر ہے نہیں لہٰذا وہ بلا قرارت کے رہ گئی اور اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ عورت جب امام کی اقتدا کرے (اور) کسی شخص کے برابر میں کھڑی ہو جائے تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہو گی البتہ اگر امام اس کی امامت کی نیت کرے (تو اور بات ہے) اگر عورت سے مرد کے برابر کھڑے ہو کر اقتدا نہیں کی تو کیا امام کا نیت کرنا شرط ہے اس بارے میں دو قسم کی روایتیں ہیں۔

تشریح و توضیح مفسدۃ الخ یعنی اگر عورت امام کے برابر جا کر کھڑی ہو جائے تو امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام کی نماز فاسد ہو گی تو اس کی اقتدا کرنے والے لوگوں کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ مقتدین صرف مرد ہوں یا عورتیں اور بچے بھی ہوں۔

وھو الخلیفۃ الخ وہ لوگ جو پہلے امام کے مقتدی ہوں اور خود پہلا امام یہ سب اب اس خلیفہ اور قائم مقام کے مقتدی ہو گئے اور یہ سب اس قائم مقام کے ادا شریک ہوئے تحریمہ میں شریک نہیں ہوئے۔

ولو قیل الخ اس کی طرف اشارہ ہے کہ مراد شرکت سے عام ہے خواہ حقیقتاً ہو اور خواہ حکماً

صلی امّیٌّ بقاریٍٔ وامیٍّ او استخلف فی الاخریین امیا فسدت صلوٰۃ الکل ای ان امّ امّیٌّ قاریًا او امیا فسدت صلوٰۃ الکل اما صلوٰۃ القاریٔ فانہ ترک القراءۃ مع القدرۃ علیھا واما صلوٰۃ الامیّین فلا نھما لما رغبا فی الجماعۃ وجب ان یقتدیا بالقاریٔ لیکون قراءتہ قراءۃ لھما فترکا القراءۃ التقدیریۃ مع القدرۃ علیھا ولو استخلف القاریٔ فی الاخریین امّیا فسدت صلوٰۃ الکل خلافا لزفرؒ وابی یوسفؒ فان فرض القراءۃ قد ادّی فی الاولیین قلنا یجب القراءۃ فی جمیع الصلوٰۃ تحقیقا او تقدیرا ولم توجد

ترجمہ اگر امامت کی ان پڑھ نے قاری (پڑھے ہوئے) اور ان پڑھ کی یا اخیر کی دو رکعات میں ان پڑھ کو قائم مقام بنا دیا تو سب کی نماز فاسد ہو گئی یعنی اگر ان پڑھ شخص نے قاری اور امی کی امامت کی تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی قاری کی نماز تو اس وجہ سے کہ اس نے قدرت کے باوجود قرارت ترک کی اور ان پڑھوں کی نماز اس بنا پر کہ انھیں باجماعت نماز کی رغبت کی صورت میں قاری کو امام بنانا اور اس کی اقتدا ضروری تھی تاکہ اس کی قرارت ان دونوں کی قرارت ہو جاتی انھوں نے تقدیراً قرارت پر قدرت کے باوجود قرارت ترک کر دی اور اگر قاری اخیر کی دو رکعات میں امی (ان پڑھ) کو قائم مقام بنا دے تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی امام زفرؒ کا اس بارے میں اختلاف ہے کیونکہ فرض قرارت پہلی دو رکعات میں ادا ہو چکی (لہٰذا نماز فاسد نہ ہو گی) ہم کہتے ہیں کہ قرارت ساری نماز میں واجب ہے خواہ حقیقتاً ہو خواہ تقدیراً اور وہ نہیں

پائی گئی (اس بنا پر نماز فاسد ہو گئی)۔

تشریح وتوضیح فسدت الخ امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں کہ سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ امام ابو یوسفؒ وامام زفرؒ کے نزدیک ان پڑھ امام دوسرے نہ پڑھنے والے قاری مقتدی کی نماز درست ہو جائے گی کیونکہ یہاں معذور نے معذورین اور غیر معذورین کی امامت کی تو یہ ایسا ہو گیا جیسے برہنہ برہنہ لوگوں اور کپڑے پہنے ہوؤں کی امامت کرے۔

فان فرض الخ امام زفرؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل جواز یہ ہے کہ قرأت پہلی دو رکعات میں فرض ہے اور اس کی تکمیل ہو گئی لہذا نماز درست ہو گئی اسی بناء پر یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اخیر کی دو رکعات میں صرف سبحان اللہ کہے یا خاموش رہے تو اس کی نماز درست ہو جائے گی۔

بَابُ الحَدث فی الصَّلوٰة

مصل سبقه الحدث توضأ واتم خلافا للشافعیؒ ولو بعد التشهد خلافا لهما فانه اذا قعد قدر التشهد تمت صلوٰته وعند ابی حنیفةؒ لم یتم لان الخروج بصنعه فرض عنده والاستیناف افضل لما ذکر حکما اجمالیا شاملا لجمیع المصلین فصل حکم کل واحد من الامام والمنفرد والمقتدی فقال والامام یجر اٰخر الی مکانه هذا تفسیر الاستخلاف ثم یتوضأ ویتم ثمه او یعود ای ان شاء یتم حیث توضأ وان شاء عاد الی المکان الاول وانما خیر لان فی الاول قلة المشی وفی الثانی اداء الصلوٰة فی مکان واحد فیمیل الی ایهما شاء کالمنفرد ای ان شاء یتم حیث توضأ وان شاء عاد ان فرغ امامه متصل بقوله ویتم ثمه او یعود والضمیر فی امامه یرجع الی الامام الاول وامامه هو الذی استخلفه فان الخلیفة امام للامام الاول والقوم والاعادة وان لم یفرغ امامه وهو الخلیفة یعود الامام ویتم خلف خلیفته۔

ترجمہ نماز پڑھنے والا جسے حدث پیش آئے وہ وضو کرے اور نماز (باقی) پوری کرے۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے (ان کے نزدیک از سر نو پڑھے) اگرچہ حدث تشہد کے بعد لاحق ہو امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک جب نماز پڑھنے والا تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو اس کی نماز پوری ہو گئی اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پوری نہیں ہوئی اس لئے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعه (ارادتاً نماز سے باہر نکلنا) فرض ہے۔ اور حدث لاحق ہونے پر از سر نو نماز پڑھنا افضل ہے مصنفؒ نے اجمالی حکم بیان کر چکے

بعد جو تمام نمازیوں کو شامل ہے امام اور منفرد اور مقتدی میں سے ہر ایک کے حکم کی تفصیل بیان کی پس فرمایا کہ امام حدث پیش آنے پر کسی دوسرے کو کھینچ کر اپنی جگہ کھڑا کر دے۔ یہ قائم مقام بنانے کی تفسیر ہے پھر وضو کر کے اس جگہ (مقام وضو میں) نماز پوری کرے یا لوٹ جائے یعنی اگر چاہے تو جہاں وضو کیا ہو وہیں نماز پوری کرے اور اگر چاہے پہلی جگہ لوٹ جائے۔ اور اس بارے میں اختیار دیا گیا کیونکہ پہلی صورت میں کم چلنا پڑتا ہے اور دوسری صورت میں ایک ہی جگہ میں نماز کی ادائیگی ہے تو جو صورت چاہے اختیار کرے۔ اور اسی طرح منفرد (تنہا نماز پڑھنے والا) اگر چاہے تو وہیں وضو کرے جہاں نماز پڑھی ہے اور اگر چاہے پہلی جگہ لوٹ جائے اگرچہ اس کا امام (نماز سے) فارغ ہو گیا ہو۔ اس کا اتصال ہے "ویتمہ ثمہ او یعود" (اسی جگہ نماز پڑھے یا لوٹ جائے) سے اور ضمیر "امامہ" میں پہلے امام کی طرف لوٹتی ہے اور اس کی طرف بھی جسے قائم مقام بنایا ہے کیونکہ قائم مقام یہ امام اول اور قوم کا امام ہے۔ ورنہ لوٹ جائے یعنی اگر اس کا امام نماز سے فارغ نہ ہوا ہو اور وہ قائم مقام ہے تو امام لوٹے اور اپنی نماز اپنے قائم مقام کے پیچھے پوری کرے۔

تشریح وتوضیح سبقہ الخ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قائم مقام بنانے اور بنا کو جائز کرنے والا وہ حدث ہے جو دوران نماز بلا اختیار و بلا قصد لاحق ہو۔ کیونکہ حدث اگر عمداً اور ارادتاً ہو تو بنا کرنا جائز نہیں اسی طرح اگر کسی نماز پڑھنے والے کے زخم ہو اور دوران نماز اس کے کھجانے اور زخم کے چھل جانے کی وجہ سے خون بہنے لگے تو بنار درست نہ ہوگی اس لئے کہ یہاں بھی قصداً حدث واقع ہوا۔

توضأ الخ یعنی اس پر واجب ہے کہ لوٹ کر وضو کرے پھر اگر چاہے تو پڑھی ہوئی نماز کے علاوہ باقی ماندہ نماز پوری کرے اور اگر چاہے تو بجائے باقی ماندہ کے شروع سے نماز پڑھے بنار کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ حدث لاحق ہونے کے بعد اتنی دیر نہ ٹھہرے کہ ایک رکن ادا کیا جا سکے اگر اتنی دیر ٹھہر گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اس صورت میں نماز از سر نو پڑھنی واجب ہوگی نیز وضو کے لئے آمد و رفت کے دوران کوئی فعل منافی صلوٰۃ نہ کرے پس اگر گفتگو کر لی یا کشف ستر ہو گیا یا عمداً حدث کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور پھر بنا درست نہ ہوگی۔

خلافاً للشافعیؒ الخ امام شافعیؒ کے نزدیک بہر صورت استیناف اور از سر نو پڑھنا ضروری ہے اور نقض طہارت کے بعد دوبارہ وضو کر کے باقی ماندہ نماز پڑھنا اور پہلی پڑھی ہوئی نماز پر بنا کرنا درست نہیں ان کا مستدل یہ حدیث ہے کہ "جب تم میں سے کوئی نماز میں بھول جائے (حدث یاد نہ رہے) تو چاہیئے کہ لوٹ کر وضو کرے اور نماز کا اعادہ کرے" یہ حدیث مسند احمد اور دار قطنی میں موجود ہے عند الاحناف یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ جب بنار کے جواز کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے یا یہ کہ امر استحباب پر محمول کیا جائے کیونکہ بنار کا جواز متعدد روایات سے ثابت ہے۔

یجر الخ یعنی امام کو حدث لاحق ہو تو وہ اپنی جگہ دوسرے کو امام بنائے اور امام اس طرح بنائے کہ اس کا کپڑا کھینچے یا اشارہ کرے اور باقی ماندہ نماز پوری کرنے کا اشارہ کر دے زبان سے کچھ نہ کہے کیونکہ اگر زبان سے

کہہ کر قائم مقام بنائے گا تو خواہ قائم مقام بنائے یا نہ بنائے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔
عاد الخ ضرورتاً اس آمد و رفت کو شرعاً معاف کر دیا گیا اس لئے اسے اختیار رہے کہ اپنی پہلی جگہ پر لوٹ کر نماز پوری کر لے۔

وکذا المقتدی ای ان فرغ امامه یتم ثمه او یعود وان لم یفرغ یعود ولو جن او اغمی علیه او احتلم ای نام فی صلوته نوما لا ینقض به وضوءه فاحتلم او قهقه او احدث عمدا واصابه بول کثیر او شج فسال الدم او ظن انه احدث فخرج من المسجد او جاوز الصفوف خارجه ثم ظهر طهره بطلت ولو لم یخرج او لم یتجاوز بنی اعلم ان هذه الحوادث نادرة الوجود فلم تکن فی معنی ما ورد به النص وهو قوله علیه السلام من قاء او رعف فی صلوته فلینصرف ولیتوضأ ولیبن علی صلوته ما لم یتکلم ولو احدث عمدا بعد التشهد او عمل عملا ینافیها تمت لوجود الخروج بصنعه

ترجمہ اور مقتدی بھی اسی طرح کرے یعنی اگر اس کا امام فارغ ہو جائے تو اسی جگہ نماز پوری کر لے یا اپنی پہلی جگہ پر لوٹ جائے۔ اور اگر امام فارغ نہ ہوا ہو تو امام اپنی پہلی جگہ پر لوٹ جائے اور اگر کوئی شخص نماز میں پاگل یا بے ہوش ہو جائے یا اسے احتلام ہو جائے۔ یعنی اپنی نماز میں اس طرح سویا ہو کہ اس سونے سے اس کا وضو نہ ٹوٹا ہو اور اسے احتلام ہو جائے یا قہقہہ لگائے یا عمداً حدث لاحق ہوا ہو یا درہم سے پیشاب اور نجاست اس پر پڑ گئی یا اس کے زخم لگ کے خون جاری ہوا ہو یا نماز پڑھنے والے کو گمان ہو کہ میں نے حدث کیا اور مسجد سے نکل جائے یا صفوں سے آگے بڑھ جائے یا مسجد سے باہر نکل گیا پھر اسے معلوم ہوا کہ حدث لاحق نہیں ہوا تھا۔ تو ان سب صورتوں میں نماز باطل ہو گئی اور اگر مسجد سے باہر نہیں نکلا یا صفوں سے آگے نہیں بڑھا تو بنا کرنا درست ہے واضح رہے کہ یہ حوادث نادر الوجود ہیں پس نص کا حکم ان کو شامل نہ ہوگا اور نص نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ جسے دوران نماز قے ہو یا نکسیر آ جائے پس اسے چاہیے کہ لوٹ کر وضو کرے اور بنا کرے جب تک کہ گفتگو نہ کی ہو اور اگر تشہد کے بعد بالارادہ حدث کرے یا کوئی عمل منافی صلوٰۃ کرے تو خروج بصنعہ کی بنا پر اس کی نماز پوری ہو گئی۔

تشریح و توضیح ولو جن الخ یعنی درمیان نماز پاگل بن طاری ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی یا بے ہوشی طاری ہو گئی تو دونوں صورتوں میں نماز کے فساد کا حکم ہوگا۔

وھو الخ یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن ماجہ میں مروی ہے۔ نیز اس کا جواز حضرت ابوبکر و حضرت علی حضرت سلمان حضرت ابن عمر و حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ "موطا امام مالک"

میں بھی اس طرح کے آثار صحابہ رضی منقول ہیں۔

ویبطلها بعدہ ای بعد التشهد رویة المتیمم الماء ونزع الماسح خفه بعمل یسیر و انما قال بعمل یسیر لانه لو عمل هناك عملاً کثیراً یتم صلوٰته ومضی مدة مسحه وتعلم الامی سورة ونیل العاری ثوبا وقدرة المومئ علی الارکان وتذکر فائتة ای لصاحب الترتیب وتقدیم القاریٔ امیا وطلوع ذکاء فی الفجر ودخول وقت العصر فی الجمعة وزوال عذر المعذور وسقوط الجبیرة عن برء الخلاف فی هذه المسائل الاثنی عشر بین ابی حنیفة رح وصاحبیه مبنی علی ان الخروج بصنعه فرض لا عندهما وکذا قهقهة الامام وحدثه عمداً صلوٰة المسبوق ای یبطل بعد التشهد صلوٰة المسبوق لوقوعه فی خلال صلوٰته لا کلامه و خروجه من المسجد ای ان تکلم الامام بعد التشهد لا یبطل صلوٰة المسبوق لان الکلام کالسلام منه للصلوٰة

ترجمہ اور تشہد کے بعد اگر تیمم کرنے والے کو پانی پر قدرت حاصل ہو جائے یا وہ موزہ ایسے اور اتنے قلیل عمل سے اتارے جو منافی صلوٰۃ نہ ہو عمل یسیر (قلیل عمل) کی قید اس وجہ سے لگائی کہ اگر عمل کثیر سے اتارے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ یا مسح کرنے والے کی مدّتِ مسح پوری ہو گئی یا ان پڑھ کو سورۃ یاد آ گئی اور (یا) ننگے کو کپڑا مل گیا اور (یا) اشارہ کرنے والے کو ارکان پر قدرت حاصل ہو گئی اور (یا) صاحبِ ترتیب کو فوت شدہ نماز یاد آ گئی اور (یا) امام پڑھے ہوئے نے ان پڑھ کو قائم مقام بنا دیا اور (یا) نمازِ فجر میں سورج نکل آیا اور (یا) نمازِ جمعہ میں عصر کا وقت (تاخیر کی وجہ سے) ہو گیا اور (یا) معذور کا عذر جاتا رہا اور (یا) زخم سے پٹی زخم اچھا ہونے کے باعث گر گئی (ان بارہ صورتوں میں امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک نماز فاسد اور صاحبین کے نزدیک پوری ہو گئی) ان بارہ مسائل میں امام ابوحنیفہ رح اور امام ابویوسف رح و امام محمد رح کے نزدیک اختلاف اس پر مبنی ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک خروج بصنعہ فرض ہے اور امام ابویوسف رح و امام محمد رح کے نزدیک فرض نہیں۔ اور اسی طرح بعد تشہد کے اگر امام قہقہہ لگائے اور (یا) بالارادہ حدث کرے (وضو توڑ دے) تو مسبوق کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس کا وقوع اس کی نماز کے دوران ہوا لیکن اگر امام نے گفتگو کی اور (یا) مسجد سے نکل گیا تو باطل نہ ہوگی یعنی اگر امام نے تشہد کے بعد گفتگو کی تو مسبوق کی نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ کلام سلام کی طرح نماز کو (بعد تشہد) پورا کرنے والا ہے۔

تشریح و توضیح ویبطلها الخ تیمم کرنے والا اگر بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو پھر اسے پانی نظر آئے اور وہ اس کے استعمال پر سلام پھیرنے سے قبل قادر بھی ہو تو تیمم ٹوٹ جانے کے باعث اس کی نماز باطل

ہو جائے گی۔

ونزع الخ یعنی نماز پڑھنے والا اگر اپنا موزہ سلام سے قبل اتار دے تو اس کا مسح باطل ہو جائے گا اور اس پر پاؤں کا دھونا واجب ہو گا لہذا اس کی نماز بھی باطل ہو جائے گی۔

ومضی مدۃ مسحہ الخ یعنی موزوں پر مسح کرنے والا بقدر تشہد بیٹھا اور ابھی سلام نہیں پھیرا تھا کہ مسح کی مدت پوری ہو گئی مقیم ہو تو ایک دن اور ایک رات اور مسافر ہو تو تین دن اور تین رات تو اسکا مسح باطل ہو کر اس پر پاؤں دھونے واجب ہوں گے پس اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

وتعلم الامی الخ یعنی ان پڑھ شخص بلا قراءت نماز پڑھ رہا تھا مگر ابھی بقدر تشہد بیٹھا تھا کہ اسے ما یجوز بہ الصلوٰۃ ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات یاد آگئیں تو رفع عجز کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اب وہ فرض قراءت پر قادر ہو گیا۔

صلوٰۃ المسبوق الخ بعد تشہد امام کے قہقہہ یا حدث سے مسبوق کی نماز تو باطل ہو گی مگر مدرک کی جس نے کہ امام کے ساتھ کل رکعات پائی ہوں باطل نہیں ہو گی کیونکہ امام کی نماز کے اتمام کے ساتھ اس کی نماز بھی پوری ہو گئی اور رہا مسبوق تو اس کی نماز کے بیچ میں یہ امر پیش آیا لہذا اس کی نماز باطل ہونے کا حکم کیا گیا۔

امام حصر عن القراءۃ فاستخلف صح عند ابی حنیفۃ رح خلافا لھما وھذا اذا لم یقرأ قدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ اما اذا قرأ تفسد صلوٰتہ لان الاستخلاف عمل کثیر فیجوز حالۃ الضرورۃ کتقدیمہ مسبوقا ای کتقدیم الامام مسبوقا سواء احدث الامام او حصر فانہ ینبغی ان یقدم مدرکا لا مسبوقا ومع ذلک ان قدم مسبوقا یصح فیتم صلوٰۃ الامام ولا ویقدم مدرکا لیسلم بھم وحین اتمھا یضرہ المنافی والاول الا عند فراغہ لا القوم ای حین اتم المسبوق صلوٰۃ الامام لو وجد منہ منافی الصلوٰۃ کالقہقہۃ والکلام والخروج من المسجد تفسد صلوٰتہ وصلوٰۃ الامام الاول لانہ وجد فی خلال صلوتھما الا اذا فراغ الامام بان توضأ وادرک خلیفتہ بحیث لم یفتہ شئ واتم صلوٰتہ خلف خلیفتہ ولا تفسد صلوٰۃ القوم لانہ قد تمت صلوتھم من رکع او سجد فاحدث او ذکر سجدۃ فسجدھا یعید ما احدث فیہ ان بنی حتما وما ذکرھا فیہ ندبا ای من احدث فی رکوعہ او سجودہ وتوضأ وبنی فلا بد لہ ان یعید الرکوع والسجود الذی احدث فیہ وان تذکر فی رکوعہ او سجودہ انہ ترک سجدۃ فی الرکعۃ الاولی فقضاھا لا یجب علیہ اعادۃ الرکوع او السجود الذی تذکر فیہ لکن ان اعاد یکون مندوبا

امام قراءت سے رک گیا اور اس نے قائم مقام بنا دیا تو امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک جائز ہے اور	ترجمہ

امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں یہ جواز کا حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے مایجوز بہ الصلوٰۃ قرارت نہ کی ہو اگر اتنی قرارت کر لی تو قائم مقام بنانے پر اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ خلیفہ و قائم مقام بنانا عمل کثیر ہے جو بحالت ضرورت ہی جائز ہے جیسے کہ امام کا مسبوق کو قائم مقام بنانا درست ہے یعنی جائز ہے کہ امام مسبوق کو قائم مقام بنادے خواہ امام کو حدث لاحق ہوا ہو یا وہ قرارت سے رک گیا ہو۔ امام کے لئے موزوں یہ ہے کہ مدرک کو قائم مقام بنائے مسبوق کو نہ بنائے تاہم اگر مسبوق کو قائم مقام بنادے تب بھی صحیح ہے پھر مسبوق اول امام کی نماز پوری کرے اور پھر مسبوق کسی مدرک کو اپنا قائم مقام بنائے کہ وہ قوم کے ساتھ سلام پھیر دے اور نماز پوری کرنے پر قائم مقام مسبوق کے منافی صلوٰۃ عمل سے امام اول کی نماز فاسد ہو گی البتہ اگر مسبوق کے پیچھے امام نماز پوری کر چکا ہو تو امام اول کی بھی نماز فاسد نہ ہوگی اور مقتدیوں کی نماز کسی صورت میں فاسد نہ ہوگی یعنی مسبوق امام کی نماز پوری کر چکا ہو تو پھر اگر کوئی منافی صلوٰۃ عمل اس سے سرزد ہو مثلاً قہقہہ اور کلام اور مسجد سے باہر نکلنا تو خود اس کی اور امام اول کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ امر مفسد صلوٰۃ دونوں کی نماز کے دوران واقع ہوا البتہ اگر امام اول نماز سے فارغ ہو چکا ہو اس طرح کہ اس نے وضو کیا اور قائم مقام کے پیچھے اس نے اس طرح پوری نماز پالی کہ اس کا کچھ حصہ فوت نہیں ہوا اور اس نے اپنی نماز قائم مقام کے پیچھے پوری کر لی تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور قوم کی نماز بہرصورت فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ ان کی نماز پوری ہو گئی جیسے رکوع یا سجدہ میں حدث لاحق ہو یا سجدہ میں یاد آئے کہ اس نے ایک رکعت کا سجدہ نہیں کیا تھا اور اسی وقت وہ سجدہ کرے تو جس رکوع اور سجدہ میں حدث پیش آیا ہو اس کا لوٹانا واجب ہے اور جس رکوع و سجدہ میں یاد آیا ہو اسے بھی لوٹانا مستحب ہے یعنی جس رکوع یا سجدہ میں حدث پیش آئے اور وہ وضو کر کے بنا کرے تو اس کے لئے جس رکوع اور سجدہ میں حدث پیش آیا ہو اس کا لوٹانا واجب ہے اور اگر رکوع یا سجدہ میں یاد آئے کہ اس نے پہلی رکعت کا سجدہ ترک کر دیا پھر وہ اس کی قضا کرے تو اس پر اس رکوع یا سجدہ کا لوٹانا واجب نہیں جس میں کہ اسے چھوٹا ہوا سجدہ یاد آیا ہو لیکن اگر اعادہ کرے تو مستحب ہے۔

تشریح و توضیح

حصر الخ۔ بحر الرائق میں ہے کہ "حصر" تعب کے وزن پر ہے اس کے معنیٰ ہیں کہ قرارت سے رک گیا ہو۔

خلافاً لہما الخ کیونکہ اس طرح کا حصر اور قرارت سے اتنا رک جانا کہ بقدر فرض قرارت پر بھی قادر نہ رہے نادر الوقوع ہے اس لئے جواز استخلاف کے حکم کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا یہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کی رائے ہے فانہ ینبغی الخ یعنی بجائے مسبوق کے مدرک کو قائم مقام بنانا اولیٰ و افضل ہے کیونکہ مسبوق خود مدرک کو قائم مقام بنانے کا اتمام صلوٰۃ کے لئے اور سلام کے وقت اپنا قائم مقام بنانے کا محتاج ہے بخلاف مدرک کے کہ اسے اس کی احتیاج نہیں۔

مسبوقاً الخ یعنی امام کو چاہیئے کہ مسبوق اور لاحق کو نہیں بلکہ مدرک کو اپنا قائم مقام بنائے اسی طرح اگر

16
2

امام مسافر ہو تو مقیم کو اپنا قائم مقام نہ بنائے۔
ان بنی الخ یعنی اگر اداکردہ نماز پر بنا کرنے کا ارادہ ہے لیکن نئے سرے سے استیناف کا ارادہ ہو۔

وان امّ واحدا فاحدث فالرجل امام بلا نية ان كان رجلاً والا قيل تفسد صلوته اى ان امّ واحدا فاحدث الامام فان كان المؤتم رجلا يصير اماما من غير ان ينوى الامام امامته لان النية للتعيين وههنا هو متعين وان كان امرأة او صبيا قيل تفسد صلوة الامام لان المرأة او الصبى صار اماما له لتعينه وقيل لا تفسد لانه لم يوجد منه الاستخلاف و فى صورة الرجل انما يصير اماما لتعينه وصلاحيته وههنا لم يصلح فلم يصر اماما و الامام امام كما كان لكن المقتدى بلا امام فتفسد صلوته

ترجمہ اگر امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو اور امام کو حدث پیش آجائے تو وہ شخص بلا نیت اور قائم مقام بنائے بغیر قائم مقام ہو جائے گا اور اگر یہ ایک شخص بالغ مرد نہ ہو تو امام کی نماز فاسد ہو جائے گی یعنی امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو پس اگر وہ بالغ مرد ہو تو امام کے اس کی امامت کی نیت کئے بغیر ہی وہ امام بن جائے گا کیونکہ نیت تعین کے لئے ہوتی ہے اور یہاں وہ (خود بخود) متعین ہے اور اگر مقتدی عورت یا بچہ ہو تو بعض کے نزدیک امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ عورت یا بچہ اس کے متعین کرنے سے امام بن گیا اور بعض کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی کیونکہ یہاں امام کا انہیں قائم مقام بنانا نہیں پایا گیا بالغ مرد مقتدی ہونے کی صورت میں اپنی صلاحیت و تعین کی بنا پر امام متعین ہو گیا اور یہاں عورت و بچہ ہونے کی صورت میں عدم صلاحیت کی وجہ سے امام نہیں بنے اور امام امام تھا جیسا کہ تھا مگر (اب وہ) مقتدی بلا امام کے رہ گیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح و توضیح وان امّ الخ یعنی اگر ایک شخص صرف ایک مقتدی کے ساتھ نماز پڑھے اور اس کے علاوہ کوئی مقتدی نہ ہو اور امام حدث لاحق ہونے کی بنا پر وضو کے لئے چلا جائے اور اس نے اسے قائم مقام نہ بنایا ہو تو قائم مقام نہ بنانے کے باوجود وہ خود بخود امام بن جائے گا اس صورت میں باقاعدہ اس کی امامت کی نیت کی ضرورت نہیں۔
لان المرأة الخ اس صورت میں کیونکہ بچہ یا عورت قائم مقام قرار پاتے ہیں جن میں امامت کی صلاحیت نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں امام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

بابُ مَا یُفسد الصلوٰۃ وَمَا یکرہ فیھا

یفسد ھا الکلام ولو سھوا او فی نوم والسلام عمدا قید بالعمد لان السلام سھوا غیر مفسد لانہ من الاذکار ففی غیر العمد یجعل ذکرا وفی العمد کلاما ورده لم یقید الرد بالعمد ویخطر ببالی انہ انما اطلق لانہ مفسد عمدًا کان او سھوا لان رد السلام لیس من الاذکار بل ھو کلام ویخاطب بہ والکلام مفسد عمدًا کان او سھوا والانین والتأوہ والتافیف والبکاء بصوت من وجع او مصیبۃ وتنحنح بلا عذر وتشمیت عاطس وجواب خبر سوء بالاسترجاع وسار بالحمد للہ وعجب بالسبحلۃ والھیللۃ وفتحہ علی غیر امامہ انما قال علی غیر امامہ لان فتحہ علی امامہ لا یفسدُ قال بعض المشائخ اذا قرأ امامہ مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ او انتقل الی ایۃ اخری ففتح تفسد صلوٰۃ الفاتح وان اخذ الامام منہ تفسد صلوٰۃ الامام ایضا وبعضھم قالوا لا تفسد فی شئ من ذلک وسمعت ان الفتوی علی ذلک

ترجمہ کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اگرچہ بھول کر یا نیند میں ہو اور قصداً سلام کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی قصداً کی قید اس لئے لگائی کہ بھول کر سلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ سلام اذکار میں سے ایک ذکر ہے الہ بھول کر سلام کرنا ذکر پر اور قصداً سلام کلام پر محمول ہوگا اور سلام کا جواب دینے سے نماز فاسد ہو جائے گی مصنف نے سلام کے جواب میں عمداً کی قید نہیں لگائی اور میرے دل میں خیال گذرتا ہے کہ یہ مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے خواہ عمداً ہو یا بھول کر ہو اس لئے کہ سلام کا جواب اذکار میں سے نہیں ہے بلکہ وہ کلام ہے جس کے ذریعہ خطاب کیا جاتا ہے اور کلام مفسد صلوٰۃ ہے عمداً ہو یا بھول کر ہو اور آہ اوہ اف اور آواز کے ساتھ درد یا مصیبت و پریشانی کے باعث رونے اور بلا عذر کھانسنے اور چھینکنے والے کا جواب دینے اور بری خبر کے جواب میں انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے اور خوشی کے موقعہ پر الحمد للہ کہنے اور تعجب خیز خبر پر سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنے اور اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اپنے امام کے علاوہ کی قید اس لئے لگائی کہ اپنے امام کو لقمہ دینے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ امام اگر بقدر جواز الصلوٰۃ پڑھ چکا ہو یا امام نے ایک آیت کو چھوڑ کر دوسری آیت پڑھی اور اس نے لقمہ دیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام نے لقمہ لے لیا اور بعض کے نزدیک کسی صورت میں امام کی نماز فاسد نہ ہوگی اور میں نے (اپنے استاذ اور مشائخ سے) سنا کہ فتویٰ اسی پر ہے

تشریح وتوضیح یفسد بالکلام الخ اصل اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ

ہماری اس نماز میں لوگوں کے کلام کی گنجائش نہیں نماز صرف تسبیح و تکبیر اور قرارت قرآن ہے (یہ روایت مسلم، ابوداؤد، طبرانی وغیرہ میں موجود ہے) اور اطلاق کلام اور عام نفی سے معلوم ہوا کہ کلام کم ہو یا زیادہ مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے پس دو حرفوں کا تعلق ہو تب بھی نماز فاسد ہو جائے گی (بحر الرائق وغیرہ میں اسی طرح ہے)

یفسدھا الخ یعنی نماز اور اسی طرح سجدۂ تلاوت اور سجدۂ سہو بھی کلام سے فاسد ہو جائے گا کیونکہ ان دونوں کا حکم بھی نماز کا سا ہے۔

وردہ الخ یعنی زبان سے سلام کا جواب دینا مفسد صلوٰۃ ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دوران نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام (ہاتھ سے) کرتے تھے اور آنحضورؐ (اسی طرح) جواب دیا کرتے تھے پھر جب ہم نجاشی کے پاس سے (ہجرت حبشہ کے بعد) لوٹے اور ہم نے سلام کیا تو آنحضورؐ نے دوران نماز ایسا کرنے کی ممانعت فرمادی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا چاہے امر فرمادے اس نے اس کا امر فرمایا کہ دوران نماز گفتگو نہ کی جائے (ابوداؤد اور ابن حبان میں یہ روایت موجود ہے)

من وجع الخ یعنی درد یا کسی پریشانی کے باعث آواز سے رونا مفسد صلوٰۃ ہے یہ قید لگا کر اس طرف اشارہ کیا کہ اگر رونا ذکر جنت و دوزخ پر ہو تو یہ مفسد صلوٰۃ نہیں۔

وتشمیت عاطس الخ یعنی اگر چھینکنے والے کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی

وجواب خبر سوء الخ یعنی کوئی شخص نماز پڑھنے والے کو کسی مصیبت مثلاً موت کی اطلاع دے اور وہ سن کر "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ان مسائل میں امام ابویوسفؒ کا اختلاف ہے۔ وہ استرجاع اور حمدلہ وغیرہ کو اذکار میں شمار کرتے ہوئے مفسد صلوٰۃ قرار نہیں دیتے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ بطور جواب ہوں تو مفسد صلوٰۃ ہیں ورنہ نہیں۔

وفتحہ علی غیر امامہ الخ اپنے امام کو لقمہ دینا مفسد صلوٰۃ نہیں سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور قرارت میں (بعض آیات میں) التباس ہو گیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابی ابن کعبؓ سے فرمایا کیا تم نماز میں موجود تھے۔ انھوں نے عرض کیا ہاں ارشاد ہوا پھر تمھیں کس چیز نے بتانے سے روکا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تلاوت فرما رہے تھے تو آپؐ سے تلاوت میں ایک آیت چھوٹ گئی تو (بعد نماز) ایک شخص نے عرض کیا کہ آپؐ سے ایک آیت ایسی ایسی چھوٹ گئی ارشاد ہوا کہ تم نے نماز میں یاد دہانی نہ کرادی انھوں نے عرض کیا میں سمجھا کہ یہ آیت (شاید) منسوخ ہو گئی۔

وقراءته من مصحف وسجوده على نجس والدعاء بما يسأل عن الناس نحو اللهم زوجني فلانة او اعطني الف دينار و نحو ذلك و اكله وشربه وكل عمل كثير اختلف مشائخنا في تفسير العمل الكثير فقيل هو ما يحتاج فيه الى اليدين وقيل ما يعلم ناظره ان عامله غير مصل وعامة المشائخ على هذا وقيل ما يستكثره المصلي قال الامام السرخسي هذا اقرب الى مذهب ابي حنيفة رح فان دأبه التفويض الى رأى المبتلى به من صلى ركعة من صلوة ثم شرع صلى كملا ان شرع في اخرى والا اتم الاولى اى صلى ركعة من صلوة ثم شرع اى نوى وجدد التحريمة من غير رفع اليدين فان شرع في صلوة اخرى يتم هذه الاخرى ولا يحتسب منها الركعة التي صلاها وان شرع في الصلوة الاولى فالركعة التي صلاها محسوبة فيتم الاولى ولا يفسدها بكاؤه من ذكر الجنة او النار والعمل القليل وهو ضد الكثير على اختلاف الاقوال

ترجمہ اور قرآن شریف میں سے دیکھ کر پڑھنا اور ناپاک جگہ پر سجدہ کرنا اور ایسا سوال جو لوگوں سے کیا جاتا ہے کرنا مفسدِ صلوٰۃ ہے، مثلاً کہنا کہ اے اللہ میرا نکاح فلاں عورت سے کر دے یا مجھے ہزار دینار عطا کر دے وغیرہ اور کھانا اور پینا اور ہر عمل کثیر مفسدِ نماز ہے عمل کثیر کی تفسیر میں ہمارے مشائخ احناف کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک عمل کثیر وہ ہے جس میں دونوں ہاتھ لگانے کی احتیاج ہو اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ دیکھنے والا عمل کرنے والے کو نماز نہ پڑھنے والا خیال کرے اور عام و بیشتر فقہاء یہی فرماتے ہیں اور بعض کے نزدیک عمل کثیر وہ ہے کہ جسے نماز پڑھنے والا خود عمل کثیر جانے امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول امام ابو حنیفہؒ کے مسلک سے قریب ہے، اس لئے کہ عادتاً اسے مبتلیٰ بہ (اور عامل کی رائے پر چھوڑ دیا جاتا ہے جو شخص ایک رکعت پڑھ کر پھر نئے سرے سے نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہے (بغیر ہاتھ اٹھائے) اگر وہ دوسری نماز پڑھنا چاہتا ہو تو پہلی رکعت اس میں محسوب نہ ہوگی اور اگر دوسری شروع نہ کرنا چاہتا ہو تو یہ رکعت اسی میں محسوب ہوگی اور پہلی پوری کرے گا یعنی کسی نمازی کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد پھر از سر نو نیت کرے اور تکبیر تحریمہ کی تجدید کرے بلا ہاتھ اٹھائے پس اگر اس نیت و تکبیر تحریمہ کے ساتھ دوسری نماز شروع کی ہو تو دوسری پوری کرے اور یہ پڑھی ہوئی رکعت اس میں شمار نہ ہوگی اور اگر پہلی نماز کے علاوہ دوسری نماز کی نیت نہ ہو تو پڑھی ہوئی رکعت بھی اسی میں شمار ہوگی اور پہلی نماز ہی پوری کرے گا۔ اور اگر نماز پڑھنے والا جنت یا دوزخ کے ذکر سے روئے اور ایسا عمل قلیل کرے اور وہ علی اختلاف الاقوال کثیر کی ضد ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

تشریح و توضیح وقراءته الخ۔ یعنی اگر نماز پڑھنے والا قرآن شریف میں سے دیکھ کر پڑھنے تو خواہ وہ دیکھ کر پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور فساد کی وجہ یہ ہے کہ قرآن

سے دیکھ کر پڑھنا خارجِ نماز سے تلقین اور استفادہ ہے جو بنفسہٖ مفسدِ صلوٰۃ ہے چاہے قرآن شریف رکھا ہوا ہو یا لٹکا ہوا ہو اور خواہ نماز پڑھنے والا اوراق خود الٹتا ہو یا کوئی اور سب کا حکم یکساں ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ "کافی" میں اس کی صراحت ہے۔

وسجودہ الخ یعنی نجس زناپاک جگہ پر سجدہ کرنے سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ ناپاک جگہ پر کئے ہوئے سجدہ کا اعادہ پاک جگہ پر کیوں نہ کرے معلوم ہوا کہ صحتِ صلوٰۃ کے لئے سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے احناف کے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

گھٹنے اور ہاتھوں کے رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا بھی شرطِ صحتِ صلوٰۃ ہے یا نہیں اس بارے میں فقہاء کا اگرچہ اختلاف ہے مگر راجح یہی ہے کہ شرط ہے "منیہ" اور "نورالایضاح" اور "شرح منیہ" میں اس کی تفصیل ہے واکلہ وشربہ الخ خواہ یہ کھانا پینا عمداً ہو یا بھول کر ہو بہرصورت عملِ کثیر اور مفسدِ صلوٰۃ ہے۔

وم ور احد و یأثم ان مر فی سجدہ علی الارض بلا حائل المسجد من الالفاظ التی جاءت علی المفعل بالکسر و یجوز فیھا الفتح علی القیاس فالفقھاء اذا قالوا بالفتح ارادوا موضع السجود وان قالوا بالکسر ارادوا المعنی المشھور فانھم لم یجدوا الکسر وھو خلاف القیاس الا فی المعنی المشھور ففی المعنی الاول استمروا علی القیاس والمراد من المسجد ھٰھنا موضع السجود فان المرور فی موضع السجود یوجب الاثم وفی تفسیر موضع السجود تفصیل فاعلم ان الصلوٰۃ ان کانت فی المسجد الصغیر فالمرور امام المصلی حیث کان یوجب الاثم لان المسجد الصغیر مکان واحد فامام المصلی حیث کان فی حکم موضع سجودہ وان کانت فی المسجد الکبیر او فی الصحراء فعند بعض المشائخ ان مر فی موضع السجود یأثم والا فلا وعند البعض الموضع الذی یقع علیہ النظر اذا کان المصلی ناظرا الی موضع سجودہ لہ حکم موضع السجود فیأثم بالمرور فی ذٰلک الموضع واذا عرفت ھذا فان کان المصلی علی دُکّان ویمر الاٰخر امامہ تحت الدُّکّان فلا شک انہ لم یمر فی موضع سجودہ حقیقۃ فلا یأثم علی الروایۃ الاولیٰ واما علی الروایۃ الثانیۃ فالمارُّ تحت الدکان ان مرّ فی موضع النظر اذا نظر فی موضع السجود ثم ان حاذیٰ بعض اعضاء المارّ بعض اعضاء المصلی یأثم والا فلا

ترجمہ | اور نماز پڑھنے والے کے سامنے سے کوئی گذر جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور گذرنے والا گنہگار ہوگا۔ بشرطیکہ زمین پر سجدہ کی جگہ سے بلا حائل اور آڑ کے گذرے مسجد ان الفاظ کے

ساتھ جو منقول ہیں بالکسر (جیم کے زیر کے ساتھ) مفعل کے وزن پر ہے۔ اور جیم کے زبر کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے پس فقہاء جب جیم کے زبر کے ساتھ بولتے ہیں تو ان کی ہوتی ہے "سجدہ کی جگہ" اور اگر زیر کے ساتھ بولتے ہیں تو ان کی مراد مشہور معنیٰ سے ہوتی ہے یعنی وہ گھر جو نماز و جماعت ہی کے لئے وقف اور تیار کیا گیا ہو) اور فقہاء کے نزدیک اس مشہور معنیٰ کے علاوہ جو خلاف قیاس ہے (کسی اور معنیٰ میں) بالکسر پڑھنا لفظ "مسجد" کو ثابت نہیں پس معنیٰ اول (سجدہ کی جگہ) مراد لینا قیاس کے مطابق ہے اور متن میں مسجد سے مراد سجدہ کی جگہ ہی ہے کیونکہ سجدہ کی جگہ سے گذرنا باعث گناہ ہے اور سجدہ کی جگہ کی تفسیر میں تفصیل ہے واضح رہے کہ نماز اگر چھوٹی مسجد میں ہو تو نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گذرنا باعث گناہ ہوگا کیونکہ چھوٹی مسجد کا حکم ایک ہی جگہ کا ہے پس نمازی کے سامنے سے گذرنا اس کی سجدہ کی جگہ سے گذرنے کے حکم میں ہوگا اور اگر بڑی مسجد ہو یا جنگل میں نماز پڑھ رہا ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک اگر سجدہ کی جگہ سے گذرے گا تو گنہگار ہوگا ورنہ نہیں ہوگا اور بعض کے نزدیک جہاں تک اس کی نظر پہونچتی ہو اس کا حکم سجدہ کی جگہ کا ہے پس اس جگہ میں گذرنے والا گنہگار ہوگا جب اس تفصیل کا علم ہو گیا تو اگر نماز پڑھنے والا دوکان پر نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی شخص اس کے سامنے سے دوکان کے نیچے سے گذرے تو بلاشبہ وہ سجدہ کی جگہ سے نہیں گذرا لہٰذا روایت اولیٰ (موضع سجدہ) کے مطابق گنہگار نہیں ہوگا اور روایت ثانی کے مطابق دوکان کے نیچے سے گذرنے والا اگر حدِ نگاہ سے گذرے جب کہ وہ سجدہ کی جگہ سے گذرے تو اگر گذرنے والے اور نمازی کے بعض اعضاء مقابل ہو گئے تو گنہگار ہوگا ورنہ گنہگار نہ ہوگا

تشریح و توضیح ومرور الخ یعنی نمازی کے آگے سے گذرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت یا کوئی جانور، نماز پڑھنے والے کی نماز بہر صورت فاسد نہ ہوگی حدیث شریف میں ہے کہ نماز کو کوئی چیز (گذرنا) منقطع نہیں کرتی اور بحدِ امکان گذرنے والے کو گذرنے سے روکو (یہ روایت ابو داؤد میں موجود ہے) ("دار قطنی" اور "طبرانی" وغیرہ میں بھی اسی طرح کی روایت ہے)

ویاثم الخ نمازی کے آگے سے گذرنے والا یقیناً گنہگار ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو اس گذرنے کے گناہ کا علم ہو جائے تو اسے گذرنے کے مقابلہ میں چالیس سال تک ٹھیرے رہنا بہتر معلوم ہو (یہ روایت بخاری مسلم اور موطا امام مالک وغیرہ میں موجود ہے)

بلا حائل الخ یعنی یہ گناہ اس صورت میں ہے کہ نمازی اور گذرنے والے کے درمیان دیوار ستون وغیرہ کوئی چیز حائل نہ ہو۔

الصغیر الخ ایک قول کے مطابق مسجد صغیر کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو ساٹھ ہاتھ سے کم اور ایک قول کے مطابق جو چالیس ہاتھ سے کم ہو راجح قول دوسرا ہے "جامع الرموز" میں اسی طرح ہے۔

وعند البعض الخ اس قول کو تمرتاشی نے صحیح قرار دیا ہے اور صاحب نہایہ اور فتح القدیر نے ترجیح دی ہے۔

فلهذا قال وحاذى الاعضاءُ الاعضاء لوكان على دُكّان اخذا بالرواية الثانية ويغرز امامه في الصحراء سُترة بقدر ذراع وغلظ اصبع بقربه على احد حاجبيه ولا توضع ولا يخط ويدرأه بالتسبيح او بالاشارة لا بهما ان عدم سترة او مرّ بينه وبينها وكفى سترة الامام وجاز تركها عند عدم المرور والطريق وكُرِه سدلُ الثوب في المغرب هو ان يرسله من غير ان يضم جانبيه وقيل هو ان يلقيه على راسه ويرخيه على منكبيه اقول هذا في الطيلسان اما في القباء ونحوه فهو ان يلقيه على كتفيه من غير ان يدخل يديه في كمّيه ويضم طرفيه وكفه وهو ان يضم اطرافه اتقاء التراب ونحوه وعبثه به وبجسده وعقص شعره في المغرب هو جمع الشعر الى الراس وقيل لسّه وادخال اطرافه في اصوله.

ترجمہ پس مصنفؒ فرماتے ہیں اور نماز پڑھنے والے اور گذرنے والے کے اعضاء کے مقابل ہونے کی صورت میں اگر نماز پڑھنے والا دوکان پر ہو تو روایت ثانی (موضع سجدہ) لے جائے گی اور جنگل میں نماز پڑھنے والا بقدر ایک ہاتھ کے اپنے آگے سترہ کرلے جس کی موٹائی ایک انگل کے بقدر ہو یہ سترہ ابرؤوں میں سے کسی ابرو کے برابر ہو اور سترہ زمین پر نہ رکھے اور نہ خط کھینچے اور سترہ نہ ہو تو گذرنے والے کو تسبیح (سبحان اللہ وغیرہ) یا اشارہ سے روک دے، تسبیح اور اشارہ کو جمع نہ کرے، اور امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ ادھر سے کوئی نہ گذرے گا یا یہ گذرگاہ نہ ہو تو سترہ ترک کر دینا بھی جائز ہے اور کپڑا لٹکانا مکروہ ہے لغت کی معروف کتاب "مغرب" میں ہے کہ سدل (لٹکانا) یہ ہے کہ کپڑا جانبین (اطراف یا کناروں) کو ملائے بغیر چھوڑ دیا جائے اور بعض کے نزدیک سدل یہ ہے کہ کپڑا (مثلاً چادر) سر پر ڈال کر اس کے کناروں کو کاندھوں پر لٹکا دے میں کہتا ہوں کہ یہ صورت چادر میں ہے لیکن قبا وغیرہ (مثلاً قمیص) میں سدل یہ ہے کہ دونوں ہاتھ آستینوں میں داخل کئے اور اطراف کو ملائے بغیر کاندھوں پر ڈال لے اور کپڑے سمیٹنا مکروہ ہے اور وہ یہ کہ مٹی وغیرہ سے اجتناب کی خاطر کپڑے سمیٹے اور دوران نماز کپڑے اور بدن سے کھیلنا اور بالوں کو لپیٹنا مکروہ ہے "مغرب" میں ہے عقص شعرہ یہ ہے کہ بال سر پر یکجا کرے (جوڑا بنالے) اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ بالوں کے سرے بالوں کی جڑوں میں داخل کرے۔

تشریح وتوضیح سدل الثوب الخ دوران نماز سدل ثوب مکروہ تحریمی ہے درمختار میں اسی طرح ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل سے منع فرمایا اور اس سے منع فرمایا کہ دوران نماز آدمی اپنا منہ (کپڑے سے) ڈھانپ لے۔ (یہ روایت ابوداؤد حاکم میں موجود ہے اور ابن حبان وترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

فی المغرب الخ لغت کی مشہور کتاب یہ ناصر ابو المکارم ابن عبد السید المطرزی الحنفی الخوارزمی کی تالیف ہے یہ

۵۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۱۶ھ میں انتقال ہوا۔
وعبثہ الخ اس کا مستدل یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزیں ناپسند کرتا ہے دوران نماز کھیلنا اور روزہ کی حالت میں بے ہودہ گفتگو اور مقابر میں ہنسنا یہ حدیث اگرچہ زیادہ قوی نہیں مگر اسے مسلم شریف کی اس حدیث سے تقویت ملتی ہے کہ اسکنوا فی الصلوٰۃ (دوران نماز طمانیت اختیار کرو)
وعقص شعرہ الخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص جوڑا باندھے ہوئے نماز پڑھے (یہ روایت مصنف ابن عبد الرزاق، ابوداؤد، ابن ماجہ اور طبرانی میں ہے)

وفرقعة اصابعه هوان يغمزها او يمدّ ها حتّٰى تُصوّت والتفاته وهوان ينظر يمنة ويسرة مع لىّ عنقه واما النظر بمؤخر عينيه بلالىّ العنق فلا يكره وقلب الحصى ليسجد الامرّة و تخصّره اى وضع اليد على الخاصرة و تمطيه اى تمدّده واقعاؤه وهو القعود على اليتيه ناصبا ركبتيه وافتراش ذراعيه وتربّعه بلاعذر وقيام الامام فى طاق المسجد اى فى المحراب بان يكون المحراب كبيرا فيقوم فيه وحده اوعلى دكان اوعلى الارض وحده اى يقوم الامام على الارض والقوم على الدكان اوبالعكس والقيام خلف صفّ وجد فيه فرجة وصورة اى صورة حيوان امامه او بحذائه اى على احد جنبيه اوفى السقف اومعلقة فان كانت خلفه اوتحت قدميه لايكره وصلوته حاسرًا راسه للتكاسل اوللتهاون بها ليس المراد بالتهاون الاهانة بالصلوٰة فانها كفر بل المراد قلة رعايتها ومحافظة حدودها لا للتذلل وفى ثياب البذلة وهى مايلبس فى البيت ولا يذهب بها الى الكبراء

ترجمہ اور انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے وہ یہ کہ انھیں بند کرے یا کھینچے حتیٰ کہ آواز پیدا ہو اور التفات (توجہ) وہ یہ ہے کہ دائیں اور بائیں گردن گھما کر دیکھے البتہ گردن گھمائے بغیر گوشہ چشم سے دیکھ لینا مکروہ نہیں اور سجدہ کے لئے کنکریوں کا الٹنا پلٹنا ہٹانا مکروہ ہے البتہ ایک مرتبہ میں مضائقہ نہیں اور کوکھ پر ہاتھ رکھنا باعث کراہت ہے اور ہاتھوں کو کھینچ کر سینہ آگے کرنا مکروہ ہے اور کتے کی مانند بیٹھنا باعث کراہت ہے اور وہ یہ کہ دونوں سرینوں پر اس طرح بیٹھے کہ گھٹنے کھڑے کرلے اور سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو بچھانا اور بلاعذر چار زانو بیٹھنا اور امام کا تنہا محراب میں کھڑا ہونا اس طرح کہ محراب بڑی ہو اور اکیلا اس میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یا یہ کہ امام دکان یا زمین پر تنہا کھڑا ہو یعنی امام زمین پر کھڑا ہو اور مقتدی دکان پر ہوں یا اس کے برعکس ہو یہ مکروہ ہے اور یہ باعث کراہت ہے کہ صف میں جگہ ہوتے ہوئے ایک مقتدی صف کے پیچھے کھڑا ہو اور مکروہ ہے کہ کسی ذی روح کی تصویر نماز پڑھنے والے کے سامنے یا دائیں بائیں پہلو کے مقابل ہو یا چھت میں ہو یا لٹکی ہوئی

ہو پس اگر پیچھے یا زیر قدم ہو تو مکروہ نہیں اور برہنہ نماز پڑھنا سستی و کاہلی کے باعث مکروہ ہے تہاون سے مراد اہانت بالصلوٰۃ نہیں کیونکہ یہ تو کفر ہے بلکہ اس سے مراد حدود کی حفاظت و رعایت میں کوتاہی ہے اظہار عاجزی کی بنا پر ننگے سر نماز مکروہ نہیں اور خراب کپڑوں میں نماز مکروہ ہے اس سے مراد وہ کپڑے ہیں جو (صرف) گھر میں پہنے جاتے ہیں اور انھیں پہن کر بڑے لوگوں کے پاس نہیں جاتے۔

تشریح وتوضیح وفرقعہ اصابعہ الخ اس بارے میں یہ حدیث ہے کہ دوران نماز اپنی انگلیاں مت چٹخاؤ یہ روایت ابن ماجہ میں ہے اسی مفہوم کی روایت مسند احمد، طبرانی اور دارقطنی میں ہے "قنیہ" میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ عمل خارج نماز بھی (بلا ضرورت) مکروہ ہے۔

والتفاتہ الخ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ نماز میں ادھر ادھر توجہ سے احتراز کرو کہ نماز کے درمیان ادھر ادھر توجہ ہلاک کرنے والی (اور سخت نقصان رساں) ہے "بحر" میں ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے البتہ ضرورتاً گوشۂ چشم سے التفات مکروہ نہیں جیسا کہ ترمذی نسائی اور ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشۂ چشم سے گردن مبارک گھمائے بغیر التفات فرماتے تھے وقلب الحصیٰ الخ سجدہ کے لئے بار بار سنگریزے ہٹانا مکروہ ہے البتہ ایک بار اگر ضرورۃً ایسا کر لیا جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ مسلم شریف میں حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو سجدہ کے لئے مٹی ہموار کرے فرمایا اگر کرے تو ایک بار کر لے۔ نیز "صحاح ستہ" میں مرفوعاً روایت ہے کہ دوران نماز سنگریزے نہ ہٹاؤ اور اگر ہٹانا ضروری ہو تو صرف ایک بار ہٹاؤ۔

وتخصرہ الخ اس کے بارے میں نہی وممانعت کی روایات ابن ماجہ کے علاوہ بخاری ومسلم وغیرہ میں موجود ہیں واقعائہ الخ مسلم، ترمذی مسند احمد، بیہقی اور ابن ماجہ وغیرہ میں ممانعت کی روایات موجود ہیں۔

وتربعہ الخ اس طرح بیٹھنا قعدہ مسنونہ کے خلاف ہے اس لئے مکروہ تنزیہی ہے البتہ حالت عذر اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ قاعدۂ فقہیہ ہے الضرورات تبیح المحظورات "اور منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ درد کی بنا پر چار زانو بیٹھتے تھے مگر دوسروں کو (غیر معذورین کو) اس سے منع فرماتے تھے (یہ روایت مؤطا امام مالک میں ہے)

لا للتذلل الخ یعنی اظہار خشوع کی بنا پر برہنہ نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ خشوع امر مستحسن ہے جس کی مدح خود نص قطعی میں ہے ارشاد ربانی ہے "قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون" خشوع افعال قلب میں سے ہے اور اس کا اظہار درست ہے۔

فی ثیاب البذلۃ الخ کیونکہ ترک اہتمام نماز کا ابہام ہوتا ہے جو کہ افضل العبادات ہے اس لئے اسے مکروہ قرار دیا گیا۔

ومسح جبہتہ من التراب فیہا والنظر الی السماء والسجود علی کور عمامۃ وعد الآی والتسبیح

فيها ولبس ثوب ذى صور والوطي والبول والتخلي فوق المسجد وغلق بابه لا نقشه بالجص والساج وماء الذهب وقيامه فيه ساجدا فى طاقه وصلوته الى ظهر قاعد يتحدث وعلى بساط ذى صور لا يسجد عليها وصورة صغيرة لا تبدو للناظر وتمثال غير حيوان او حيوان محى راسه وقتل حية او عقرب فيها والبول فوق بيت فيه مسجد اى مكان أُعِدّ للصلوٰة وجعل له محراب وانما قلنا هذا لانه لم يعطه حكم المسجد

ترجمہ اور مکروہ ہے کہ پیشانی سے مٹی دور کرنے کے لیے دوران نماز زمین پر ملے اور آسمان کو دوران نماز دیکھنا اور عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنا اور آیتوں اور تسبیح کا گننا اور باتصویر کپڑا پہننا (پہن کر نماز پڑھنا) مکروہ ہے اور صحبت اور پیشاب و پاخانہ مسجد کی چھت پر کرنا مکروہ ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ مسجد کا دروازہ بند کیا جائے اور مسجد کو گچ اور ساج اور سونے کے پانی سے مزین کرنا مکروہ نہیں۔ اور امام کا محراب سے باہر (مسجد میں) کھڑے ہوکر محراب میں سجدہ کرنا بھی مکروہ نہیں اور یہ بھی مکروہ نہیں کہ بیٹھ کر باتیں کرنے والے کے پیچھے (کھڑے ہوکر) نماز پڑھ لے البتہ اگر اس کی آواز گفتگو میں بلند ہو تو اس کے پیچھے نہ پڑھے کیونکہ یہ بسا اوقات قطع صلوٰۃ کا سبب بن جاتا ہے (اور گفتگو کی وجہ سے دھیان بٹ جاتا ہے) اور وہ فرش جس میں تصویریں ہوں اگر تصویر پر سجدہ نہیں کرتا تو مکروہ نہیں اور ایسے فرش پر بھی مکروہ نہیں جس میں اتنی چھوٹی تصویریں ہوں کہ دیکھنے والے کو نظر نہ آئیں اور یا غیر ذی روح کی تصویر ہو یا ذی روح کی تصویر ہو مگر اس کا سر کٹا ہوا ہو تو نماز مکروہ نہیں اور دوران نماز سانپ یا بچھو کا مار ڈالنا مکروہ نہیں اور جس گھر میں کہ مسجد ہو اس گھر کی چھت پر پیشاب کرنا مکروہ نہیں یعنی وہ مکان جو نماز کے لیے تیار کرے اس میں محراب بنادی گئی ہو اور ہم کہتے ہیں یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اسے مسجد کا حکم نہیں دیا گیا۔

تشریح و توضیح ومسح جبهته الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوران نماز کنکریوں کو نہ ہٹاؤ (یہ روایت صحاح ستہ میں ہے)۔

والنظر الى السماء الخ کیونکہ اس کے اندر ترک خشوع اور بے ادبی ہے اس لیے اسے منع کیا گیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو کیا ہوگیا کہ دوران نماز آنکھیں آسمان کی طرف بلند کرتے ہیں اور فرمایا یا تو اس سے رک جائیں ورنہ (ممکن ہے) ان کی بینائی چھین لی جائے (بخاری و مسلم) ابوداؤد وغیرہ میں تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ یہ روایت موجود ہے۔

والسجود على كور عمامته الخ بلا عذر عمامہ کے پیچ پر مسح کرنا مکروہ ہے البتہ کسی عذر مثلاً گرمی اور سردی دفع کرنے کی خاطر ہو تو مکروہ نہیں کیونکہ اس طرح کمال خضوع میں کمی آتی ہے اور یہ کمی بھی شرعاً ناپسندیدہ ہے۔

وعد الآى الخ الآى ایۃ کی جمع ہے دوران نماز انگلیوں وغیرہ پر شمار کرنا مکروہ ہے اور اگر زبان سے ہو تو بالاتفاق مفسد صلوٰۃ ہے یہ انگلیوں پر گننا کیونکہ منافی خشوع ہے اس لیے یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے

اور اس کے اطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کراہت عام ہے خواہ نماز فرض ہو یا نفل۔

والوطی الخ مسجد کی چھت پر ہمبستری مکروہ تحریمی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کو پاک صاف رکھنے کا حکم فرمایا۔ اس قسم کی روایت ابو داؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے۔

وصلوته الی ظهر قاعد یتحدث الخ نماز نہ پڑھنے والے بیٹھے ہوئے شخص کے پیچھے جو گفتگو میں مشغول ہو نماز پڑھنا جائز ہے بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے سامنے اس طرح لیٹی رہتیں جیسے جنازہ سامنے ہوتا ہے

بَابُ صَلٰوةِ الوِترِ وَالنَّفل

الوتر ثلث رکعات وجبت هذا عند ابی حنیفة رح واما عندهما وعند الشافعی فهو سنة بسلام ای بسلام واحد خلافاً للشافعی رح ویقنت قبل رکوع الثالثة خلافاً للشافعی رح فان القنوت عنده بعد الرکوع ویکبر رافعاً یدیه ثم یقنت فیه ابداً خلافاً للشافعی رح فان قنوت الوتر عنده فی النصف الاخیر من رمضان فقط دون غیره خلافاً للشافعی رح فی الفجر ویقرأ فی کل رکعة منه الفاتحة وسورة ویتبع القانت بعد رکوع الوتر لا القانت فی الفجر بل یسکت ای ان قرأ الامام قنوت الوتر بعد الرکوع یتبعه المقتدی و ان قنت الامام فی الفجر لا یتبعه المقتدی بل یسکت والاصح انه یسکت قائماً

ترجمہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک وتر کی تین رکعات واجب ہیں اور امام ابو یوسف و امام محمد رح اور امام شافعی رح کے نزدیک سنت ہیں اور وتر کی تین رکعات ہیں ایک سلام سے امام شافعی رح کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک دو سلام سے تین رکعتیں ہیں اور تیسری رکعت سے پہلے قنوت پڑھے امام شافعی رح کے نزدیک تیسری رکعت کے رکوع کے بعد قنوت پڑھے اور ہمیشہ تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھے امام شافعی رح کے نزدیک صرف رمضان کی پندرہ کو وتر میں قنوت پڑھے (باقی اور ایام میں نہ پڑھے) وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں دعائے قنوت درست نہیں امام شافعی رح کے نزدیک فجر کی آخر رکعت میں بعد رکوع کے قنوت پڑھے اور وتر کی ہر رکعت میں فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے اور مقتدی (حنفی مقتدی) وتر کے رکوع کے بعد قنوت پڑھنے والے (شافعی امام) کی اقتدا کرے (خود بھی پڑھے) فجر میں قنوت پڑھنے والے کی اقتدا نہ کرے (بلکہ خاموش رہے) یعنی اگر امام قنوتِ وتر رکوع کے بعد پڑھے تو مقتدی اس کی اتباع کرے اور اگر امام فجر میں قنوت پڑھے تو مقتدی اس کے ساتھ نہ پڑھے بلکہ خاموش رہے اور زیادہ صحیح یہ ہے

کہ خاموش کھڑا رہے۔

تشریح و توضیح

ثلث رکعات الخ مغرب کی طرح وتر کی تین رکعات ہیں مسند حاکم" وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعات پڑھتے تھے اور اخیر میں سلام پھیرتے تھے اور صحیح بخاری وغیرہ میں اور روایات ہیں جن سے تین رکعات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

وجبت الخ وتر واجب ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ایسی نماز کا حکم فرماتا ہے جو تمھارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے پس تم اسے نماز عشاء و فجر کے درمیان پڑھو (ابو داؤد، ترمذی اور ابن وغیرہ میں یہ روایت ہے)

قبل الرکوع الثالثۃ الخ دعائے قنوت تیسری رکعت کے رکوع سے پہلے پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے سنن نسائی" اور "ابن ماجہ" میں اس کی صراحت ہے۔

فقط الخ سنن ابوداؤد وغیرہ میں وہ احادیث منقول ہیں جن سے دعاء قنوت کا پورے سال پڑھا جانا معلوم ہوتا ہے

فی الفجر الخ نماز فجر میں مستقل نہیں بلکہ عارضی طور پر کچھ دنوں کے لئے دعائے قنوت پڑھی جاتی مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتی ہے مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک قبائل کفار کے لئے بددعا فرمائی پھر ترک کر دی۔

وسورۃ الخ سورۃ کی تخصیص نہیں بلکہ جو سورۃ چاہے نماز وتر میں پڑھ لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات نماز وتر کی پہلی رکعت میں "سبح اسم ربك الاعلی" اور دوسری میں "قل یایھا الکافرون" اور تیسری میں قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے (ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ پہلی رکعت میں الھاکم التکاثر اور انا انزلنا و اذا زلزلت اور دوسری رکعت میں والعصر اذا جاء نصر اللہ انا اعطینا اور تیسری رکعت میں قل یایھا الکافرون تبت یدا اور قل ھو اللہ پڑھتے تھے (مسند احمد)

الامام الخ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔

مسلم شریف میں حضرت عاصم الاحول سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت فی الصلوٰۃ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا ہاں ثابت ہے میں نے عرض کیا رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد فرمایا رکوع سے پہلے میں نے عرض کیا کہ فلاں نے آپ کے متعلق بتایا کہ آپ رکوع کے بعد پڑھنے کے لئے فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے جھوٹ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ بعد

رکوع قنوت پڑھی۔

وسُنّ قبل الفجر وبعد الظهر والمغرب والعشاء ركعتان وقبل الظهر والجمعة وبعدها اربع بتسليمة وحبّب الاربع قبل العصر والعشاء وبعده وكره مزيد النفل على اربع بتسليمة نهارا وعلى ثمان ليلا والاربع افضل فى الملوين وفرض القراءة فى ركعتى الفرض وكل الوتر والنفل ولزم اتمام نفل شرع فيه قصدا احترازا عن الشروع ظنا كما اذا ظنّ انه لم يصل فرض الظهر فشرع فيه فتذكر انه قد صلاه صار ما شرع فيه نفلا لا يجب اتمامه حتى لو نقضه لا يجب القضاء ولو عند الطلوع والغروب وقضى ركعتان لو نقض فى الشفع الاول او الثانى يعنى شرع فى اربع ركعات من النفل وافسدها فى الشفع الاول يقضى الشفع الاول لا الثانى خلافا لابى يوسف رح لانه لم يشرع فى الشفع الثانى وان قعد على الركعتين وقام الى الثالثة وافسدها يقضى الشفع الاخير فقط لان الاول قد تم وهذا بناء على ان كل شفع من النفل صلوة على حدة

ترجمہ اور نماز فجر سے قبل اور نماز ظہر کے بعد اور مغرب و عشاء کے بعد دو رکعات اور نماز ظہر سے قبل اور نماز جمعہ سے قبل اور نماز جمعہ کے بعد چار رکعت ایک سلام سے مسنون ہیں اور چار عصر سے اور عشاء سے قبل اور عشاء کے بعد پڑھنا مستحب ہے اور دن میں چار رکعت سے زیادہ نفل ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے یا رات کی نفلیں آٹھ سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے اور افضل یہ ہے کہ دن ہو یا رات چار رکعات ایک سلام سے پڑھی جائیں فرض کی دو رکعتوں، ورتر و نفل کی تمام رکعات میں قرارت فرض ہے اور جو نفل قصداً شروع کی جائے اس کا پورا کرنا لازم ہے قصدا کہہ کر اس سے احتراز مقصود ہے کہ نفل گمان کی بنا پر شروع کی جائے جیسے یہ گمان ہو کہ اس نے ظہر کے فرض نہیں پڑھے اور شروع کر دے پھر یاد آئے کہ وہ پڑھ چکا ہے تو شروع کردہ نماز نفل ہو گی اور اس کا اتمام واجب نہ ہو گا حتیٰ کہ اگر وہ توڑ دے تو قضاء واجب نہ ہو گی اور اگرچہ یہ نفل نماز طلوع اور غروب کے وقت شروع کی گئی ہو (تب بھی لازم ہو جائے گی) اور دو رکعتوں کی قضاء لازم ہو گی اگر پہلے شفع یا دوسرے شفع میں توڑ دی ہو یعنی اگر چار رکعت نفل شروع کر کے پہلے شفعہ کو فاسد کر دیا تو صرف پہلے شفعہ کی قضاء کرے گا دوسرے شفعہ کی قضاء نہیں کرے گا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار کی قضاء کرے گا کیونکہ اس نے دوسرے شفعہ کی ابتداء ہی نہیں کی (لہٰذا چار کی قضاء لازم ہو گی) اور اگر دو رکعات پر بیٹھ کر تیسری کے لئے کھڑا ہوا اور تیسری فاسد کر دی تو محض آخری شفعہ (ثانی) کی قضاء کرے گا اس لئے کہ پہلا شفعہ پورا ہو گیا اس حکم کی بنیاد اس پر ہے کہ نفل کا ہر شفعہ علیحدہ نماز ہے۔

تشریح و توضیح رکعتان الخ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دن اور رات میں فرض نمازوں کے علاوہ بارہ رکعت پڑھے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنایا جائے گا چار رکعت ظہر سے قبل اور دو رکعت اس کے بعد اور دو رکعات مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر سے پہلے (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز ظہر سے قبل چار رکعات پڑھتے تھے پھر باہر تشریف لاکر ظہر پڑھتے تھے پھر گھر میں تشریف لاکر دو رکعات پڑھتے تھے پھر باہر تشریف لاکر لوگوں کو نماز عصر پڑھاتے اور پھر مغرب کی نماز پڑھتے اس کے بعد گھر تشریف لاکر دو رکعات پڑھتے پھر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاکر گھر تشریف لاتے اور دو رکعات ادا فرماتے اور جب طلوع فجر ہوتی تو دو رکعات پڑھتے (مسلم ابوداؤد، احمد)

اربع الخ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھتے تھے (ترمذی) ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد چھ رکعات پڑھتے تھے کبھی اول دو رکعات پھر چار اور کبھی اول چار رکعات، اور پھر دو رکعات۔

وحبب الاربع قبل العصر عصر سے قبل چار رکعات پڑھنا مستحب ہے حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے چار رکعات عصر سے قبل پڑھیں (ترمذی)

نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس نے ظہر سے قبل چار رکعات کی حفاظت کی (مداومت کی) اور نماز ظہر کے بعد چار رکعت کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کردی (یہ روایت ترمذی وغیرہ میں ہے)

وکرہ الخ یعنی دن کی نفلوں میں چار سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ اور رات کی نفلوں میں آٹھ سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے اور احیاناً اگر کہیں ان سے زیادہ رکعات ایک سلام سے پڑھنا منقول ہے جیسے مسلم کی ایک روایت میں ہے تو وہ صرف بیان جواز کے لئے ہے۔

ولزم الخ یعنی نفل شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا لازم ہے " ارشاد ربانی ہے " لاتبطلوا اعمالکم" جب لزوم اتمام ثابت ہوگیا تو فاسد کرنے پر قضا بھی لازم ہوگی نفلی روزہ کے بارے میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسد کرنے والے کو اس کی قضاء کا امر فرمایا (یہ روایت ابوداؤد، ترمذی نسائی ابن حبان، طبرانی اور بزار وغیرہ میں متعدد طرق سے مروی ہے۔

وان قعد الخ یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر دو رکعات کے بعد بیٹھے بغیر اخیر کی دو رکعات فاسد کردیں تو اس پر بالاجماع چار رکعات کی قضاء لازم ہوگی۔

کمالو ترك قراءة شفعیه او الاول او الثانی او احدی الثانی او احدی الاول او الاول مع احدی الثانی لا غیر ای قضاء الرکعتین لیس فی غیر هٰذه الصور واربع لو ترك القراءة فی احدی کل شفع او فی الثانی واحدی الاول فاعلم ان الاصل عند ابی حنیفة رح ان ترك القراءة فی رکعتی الشفع الاول لا یبطل التحریمة حتی لا یصح بناء الشفع الثانی علی الشفع الاول وفی رکعة واحدة لا یبطل بل یفسد الاداء فیصح بناء الشفع الثانی وعند محمد رح الترك فی رکعة واحدة یبطل التحریمة ایضا حتی لا یصح بناء الشفع الثانی وعند ابی یوسف رح الترك لا یبطل التحریمة اصلا بل یوجب فساد الاداء فقط فیصح بناء الشفع الثانی سواء ترك القراءة فی رکعة من الشفع الاول او فی رکعتیه اذا عرفت هٰذا فاعلم ان المسائل ثمانیة لان ترك القراءة اما مقتصرا علی شفع واحد وهٰذا فی اربع صور وهی ما قال فی المتن او الاول او الثانی او احدی الثانی او احدی الاول وفی هٰذه الاربع قضاء الرکعتین بالاجماع

ترجمہ جیسے اگر چار رکعت نفل کی نیت کرے اور دونوں شفعوں یا پہلے شفعہ یا دوسرے شفعہ یا پہلے شفعہ یا دوسرے شفعہ کی پہلی رکعت یا پہلے شفعہ اور دوسرے شفعہ کی پہلی رکعت میں قرارت ترک کردے تو دو رکعات کی قضاء لازم آئے گی یعنی دونوں رکعتوں کی قضا انھیں (مذکورہ صورتوں میں ہوگی اور چار رکعات میں سے اگر ہر شفعہ کی رکعت یا دوسرے شفعہ اور پہلے شفعہ کی پہلی رکعت میں قرات ترک کردے تو چار رکعات کی قضاء لازم ہوگی واضح رہے کہ اصل امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک یہ ہے کہ پہلے شفعہ کی دونوں رکعات میں قرارت کردینے پر تحریمہ باطل ہوجاتی ہے حتی کہ شفعہ ثانی کی بنا پہلے شفعہ پر صحیح نہ ہوگی اور قرارت ایک رکعت میں ترک کرنے سے تحریمہ باطل نہیں ہوگی بلکہ ادا باطل ہوگی پس دوسرے شفعہ کی بنا صحیح ہوگی اور امام محمد رح کے نزدیک ایک رکعت میں بھی ترک قرارت سے تحریمہ باطل ہوجائے گی حتی کہ دوسرے شفعہ کی بنا اس پر صحیح نہ ہوگی اور امام ابویوسف رح کے نزدیک ترک قرارت سے تحریمہ بالکل باطل نہیں ہوگی بلکہ محض ادا میں فساد لازم آئے گا لہٰذا شفعہ ثانی کی بنا صحیح ہوگی خواہ پہلے شفعہ کی ایک رکعت میں قرارت ترک کی ہو یا دونوں رکعات میں جب یہ معلوم ہوگیا تو واضح رہے کہ ان مسائل کی آٹھ صورتیں ہیں کیونکہ قرارت کا ترک یا تو صرف ایک شفعہ میں ہوگا اور اس کی چار صورتیں ہیں اور وہ وہی ہیں جن کا ذکر متن میں ہوا کہ یا تو ترک قرارت پہلے شفعہ میں ہو یا دوسرے میں یا دوسرے شفعہ کی پہلی رکعت میں یا پہلے شفعہ کی پہلی رکعت میں اور ان چاروں شکلوں میں بالاجماع دو رکعات کی قضاء لازم ہوگی۔

تشریح وتوضیح لا غیر الخ یعنی صرف ان ذکر کردہ صورتوں میں دو کی قضاء لازم آئے گی اور دوسری صورتیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے چار رکعت کی قضاء لازم ہوگی۔

فانہم الخ یعنی بعض صورتوں میں دو رکعات اور بعض شکلوں میں چار کی قضاء واجب ہوگی۔
بالاجماع الخ یعنی اس پر ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ رح امام ابویوسف رح اور امام محمد رح کا اتفاق ہے کیونکہ ہر شفعہ علیحدہ نماز ہے پس صرف دو رکعتوں کی قضاء واجب ہوگی۔

واما غیر مقتصر بل موجود فی الشفعین وهذا ایضا فی اربع مسائل لانه اما ان یکون الترك فی کل الاول مع کل الثانی وهو ما قال فی المتن کما لو ترك قراءة شفعیه او مع بعض الثانی وهو ما قال فی المتن او الاول مع احدی الثانی ففی هاتین المسألتین قضاء الرکعتین عند ابی حنیفة رح ومحمد رح لبطلان التحریمة عندهما فلا یصح الشروع فی الشفع الثانی فعلیه قضاء الشفع الاول فقط وعند ابی یوسف رح قضاء الاربع لانه صح الشروع فی الشفع الثانی وقد افسد الشفعین بترك القراءة فیقضی اربعا واما ان یکون الترك فی رکعة من الشفع الاول مع کل الثانی او مع رکعة منه وهما ما قال فی المتن واربع لو ترك فی احدی کل شفع او فی الثانی واحدی الاول وانما یقضی الاربع عند ابی حنیفة رح وابی یوسف رح لبقاء التحریمة عندهما اما عند ابی حنیفة رح فلانه ترك القراءة فی رکعة من الشفع الاول والتحریمة لا تبطل به واما عند ابی یوسف رح فلان التحریمة لا تبطل بالترك اصلا وقد افسد الشفعین بترك القراءة فیقضی اربعا۔

ترجمہ | اور اگر قرارت کا ترک ایک شفعہ میں نہیں بلکہ دونوں شفعوں میں ہو تو اس میں بھی چار صورتیں ہیں اس لئے کہ یا تو اس نے پورے پہلے اور دوسرے شفعہ میں قرارت ترک کی ہوگی اور وہ وہی ہے جو متن میں بیان کیا جیسے اگر دونوں شفعوں یا پہلے شفعہ اور دوسرے شفعہ کے بعض میں قرارت ترک کر دے اور وہ متن میں بیان کیا یا پہلے شفعہ میں مع دوسرے شفعہ کی پہلی رکعت کے قرارت ترک کر دے ان دونوں مسئلوں میں امام ابوحنیفہ رح و امام محمد رح کے نزدیک بطلان تحریمہ کے باعث دو رکعات کی قضاء لازم آئے گی پس شفعہ ثانی شروع کرنا صحیح نہ ہوگا لہٰذا اس پر صرف پہلے شفعہ کی قضاء واجب ہوگی اور امام ابویوسف رح کے نزدیک چار کی قضاء لازم ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک شفعہ ثانی شروع کرنا صحیح ہوا اور دونوں شفعوں میں ترک قرارت کی وجہ سے دونوں فاسد کر دیئے پس چار رکعات کی قضاء واجب ہوگی اور یا یہ کہ شفع اول کی ایک رکعت اور دوسرے پورے شفعہ میں یا دوسرے کی ایک رکعت میں قرارت ترک کی ہو اور ان دونوں کو متن میں بیان کر دیا اور چوتھے یہ کہ ہر شفعہ کی پہلی رکعت یا دوسرا شفعہ اور پہلے شفعہ کی پہلی رکعت میں قرارت ترک کر دے ان دونوں صورتوں میں امام ابوحنیفہ رح و امام ابویوسف رح کے نزدیک بقائے تحریمہ

کے باعث چار رکعات کی قضاء لازم ہوگی بہرحال امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کیونکہ اس نے پہلے شفعہ کی پہلی رکعت میں قرارت ترک کی۔ اور تحریمہ ایک رکعت میں قرارت ترک کرنے سے باطل نہیں ہوتی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرارت ترک کرنے سے تحریمہ باطل ہی نہیں ہوتی خواہ ایک رکعت میں ہو اور خواہ دو میں) اور دونوں شفعے ترک قرارت سے فاسد ہوگئے لہٰذا چار رکعات کی قضاء کرے گا۔

تشریح و توضیح وفی ھاتین المسئلتین الخ یہ دونوں مسئلے یعنی ایک تو یہ کہ ساری رکعات میں قرارت ترک کردے اور دوسرے یہ کہ پہلی دو رکعات اور دوسرے شفعہ کی پہلی یا دوسری رکعت میں قرارت ترک کردے دونوں صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک دو ہی رکعتوں کی قضاء واجب ہوگی۔

لبطلان التحریمۃ الخ کیونکہ اس صورت میں تحریمہ باطل ہو جائے گی لہٰذا شفعہ ثانی کا اسی تحریمہ سے شروع کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور شروع کرنا بوجہ بطلان کے کیونکہ صحیح نہیں اس لئے کوئی شروع کردے تو ان کی قضاء بھی لازم نہ ہوگی۔

وعند محمد رحؒ فی جمیع الصور لیس الا قضاء الرکعتین فظھر ما قال فی المختصر فیقضی اربعا عند ابی حنیفۃ رحؒ فیما ترک فی احدی الاول مع الثانی او بعضہ ای فی رکعۃ من الشفع الاول مع کل الشفع الثانی او رکعۃ منہ وعند ابی یوسف رحؒ فی اربع مسائل یوجد الترک فی الشفعین وفی الباقی رکعتین وھو ست مسائل عند ابی حنیفۃ واربع عند ابی یوسف رحؒ وعند محمد رحؒ رکعتین فی الکل ولا قضاء لو تشھد اولا ثم نقض ای نوی اربع رکعات من النفل وقعد علی الرکعتین بقدر التشھد ثم نقض لا قضاء علیہ لانہ لم یشرع فی الشفع الثانی فلم یجب علیہ او شرع ظانا انہ علیہ ھذہ المسئلۃ وان ذھبت مما سبق وھو قولہ ولزم اتمام نفل شرع فیہ قصدا فھھنا صرح بھا اولم یقعد فی وسطہ ای اذا صلی اربع رکعات من النفل ولم یقعد فی وسطہ کان ینبغی ان یفسد الشفع الاول ویجب قضاؤہ لان کل شفع من النفل صلوۃ علی حدۃ ومع ذلک لا یفسد الشفع الاول قیاسا علی الفرض

ترجمہ اور امام محمدؒ کے نزدیک (ان) ساری صورتوں میں صرف دو رکعات کی قضاء لازم ہوگی پس ظاہر ہوا تفصیل سامنے آگئی جو کچھ مختصر میں بیان ہوا۔ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چار رکعت کی قضاء کرے گا اس بنا پر کہ اس نے شفعہ اول کی پہلی رکعت اور شفعہ ثانی کی قرارت ترک کردی یا شفعہ

اول کی کوئی سی رکعت پورے شفعہ ثانی یا اس کی ایک رکعت میں قرارت ترک کردی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار صورتوں میں دونوں شفعوں میں (کلاً یا بعضاً) ترک قرارت پایا جائے گا اور باقی میں دو رکعات کے اندر ترک قرارت لازم آئے گا۔ اور وہ چھے مسئلے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور چار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک سب صورتوں میں دو رکعات کی (ہی) قضاء لازم ہوگی اور اگر اول تشہد پڑھکر پھر نماز فاسد کردی تو شفعہ (پڑھے ہوئے کی) قضاء لازم نہ ہوگی یعنی اگر چار رکعت نفل کی نیت کی اور دو رکعات پر بقدر تشہد بیٹھ کر پھر نماز توڑدی تو اس پر قضاء لازم نہ ہوگی کیونکہ اس نے شفعہ ثانی شروع ہی نہیں کیا پس اس پر اس کا وجوب نہ ہوگا یا یہ گمان کرتے ہوئے شروع کیا ہے کہ اس پر واجب ہے یہ مسئلہ اس سے قبل سمجھا دیا گیا اور وہ مصنف کا یہ قول ہے کہ نفل قصداً شروع کرنے کے بعد اس کا اتمام لازم ہوجاتا ہے پس اس جگہ مصنف نے اس کی صراحت کردی یا دو رکعات کے بعد نہیں بیٹھا یعنی نفل کی چار رکعت پڑھنا اور درمیان میں دو رکعت پر نہیں بیٹھا تو مناسب ہے اور قیاس کا تقاضا ہے کہ شفعہ اول فاسد ہوجائے اور اس کی قضاء واجب ہو اس لئے کہ نفل کا ہر شفعہ علیحدہ نماز ہے۔ اور اس کے باوجود فرض پر قیاس کرتے ہوئے شفعہ اول فاسد نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح الا قضاء الرکعتین الخ کیونکہ شفعہ اول میں مطلقاً قرارت ترک ہوئی ہے اگرچہ ایک ہی رکعت میں ہوئی ہو اور امام محمدؒ کے نزدیک تحریمہ باطل ہوگئی لہٰذا شفعہ ثانی کی بناء صحیح ہوگی اور نہ اس کی قضاء واجب ہوگی۔

وفی الباقی رکعتین الخ اس کا تعلق امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے قول سے ہے یعنی آٹھ مسائل میں سے باقی میں امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو رکعات کی قضاء واجب ہوگی۔

ولا قضاء الخ یعنی اگر دو رکعات کے بعد تشہد پڑھکر نماز فاسد کی ہو تو اس پر شفعہ کی قضاء واجب نہ ہوگی او شرع الخ اس صورت میں قضاء واجب نہ ہوگی شلاً نماز ظہر کے گمان میں نماز شروع کی پھر یہ چلا کر وہ پڑھ چکا تھا تو یہ نماز نفل سے بدل گئی پس اگر وہ اسے فاسد کردے تو اس پر قضاء واجب نہ ہوگی۔
اسی طرح اس پر بھی قضاء واجب نہ ہوگی جو نفل نماز گمان کرتے ہوئے اس کی اقتداء کرے۔

ویتنفل قاعدا مع قدرۃ قیامہ ابتداءً وکرہ بقاءً الابعذر ای ان قدر علی القیام یجوز ان یشرع فی النفل قاعداً وان شرع فی النفل قائماً کرہ ان یقعد فیہ مع القدرۃ علی القیام فاراد بحال الابتداء حال الشروع وبحال البقاء حال وجودہ الذی بعد الشروع وراکبا مومیا خارج المصر الی غیر القبلۃ انما قال خارج المصر لقول ابن عمرؓ رایت رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یصلی علی حمار وھو متوجہ الی خیبر یومی ایماءً ولما کان ھذا الفعل مخالفا

للقیاس اقتصر الی مورده فلو افتتحه راکبا ثم نزل بنی او بعکسه فسد لان فی الاول ما یؤدیه اکمل مما وجب علیه وفی الثانی انعقد التحریمة موجبة للرکوع والسجود فلا یجوز اداؤه بالایماء سنّ التراویح عشرون رکعة بعد العشاء قبل الوتر وبعده خمس ترویحات کل ترویحة بتسلیمتین وجلسة بعد هما قدر ترویحة والسنة فیها الختم مرّة ولا یترک لکسل القوم ولا یوتر بجماعة خارج رمضان وانما کانت التراویح سنة لانه واظب علیه الخلفاء الراشدون والنبی علیه الصلوٰة والسلام بین العذر فی ترک المواظبة وهو مخافة ان تکتب علینا

ترجمہ اور قیام پر قادر رہتے کے باوجود شروع نماز سے ہی بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے اور کھڑے ہو کر پڑھتے ہوئے بلا عذر بیٹھ جانا مکروہ ہے یعنی اگرچہ قیام پر قادر ہو بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے اور اگر نفل کھڑے ہو کر شروع کی ہو تو قیام پر قادر رہتے ہوئے بلا عذر بیٹھ جانا مکروہ ہے پس مصنف نے شروع کرتے وقت کے حال اور شروع کرنے کے بعد باقی رہنے کے حال کا ارادہ کیا اور سوار کے لئے شہر سے باہر اشارہ سے نفل درست ہے اگرچہ قبلہ رخ نہ ہو شہر سے باہر کی قید اس لئے لگائی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حمار (دراز گوش) پر اشارہ سے خیبر کے رخ پر (یعنی قبلہ کے علاوہ) نماز پڑھتے دیکھا اور یہ فعل خلاف قیاس ہونے کی بنا پر اپنے مورد ہی منحصر ہو گا پس اگر سواری پر نفل شروع کرے پھر اتر کر باقی ماندہ پوری کرے تو درست ہے اور اس کا عکس ہو تو نماز فاسد ہو جائیگی کیونکہ پہلی صورت میں جس طرح ادا کرنی (یعنی اشارہ سے) واجب تھی اس سے زیادہ مکمل طور پر ادا کی اور دوسری صورت میں ایسی تحریمہ منعقد ہوئی جو رکوع اور سجدہ کو واجب کرنے والی تھی پس اشارہ سے اس کا ادا کرنا جائز نہ ہو گا تراویح کی بیس رکعات عشاء کے بعد وتر سے پہلے اور وتر کے بعد مسنون ہیں اس میں پانچ ترویحے ہیں ہر ترویحہ میں دو سلام ہیں اور ہر چار رکعت کے بعد بقدر ترویحہ جلسہ ہے تراویح میں ایک بار ختم کرنا مسنون ہے اور قوم کی سستی کی وجہ سے یہ ختم ترک نہ کرنا چاہیئے اور رمضان کے علاوہ میں وتر باجماعت نہ پڑھیں تراویح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اس پر مواظبت کی بنا پہ مسنون ہے اور نبی علیہ السلام نے ترک مواظبت و ہمیشگی کا یہ عذر بیان فرمایا کہ آنحضور کو اندیشہ تھا کہ کہیں ہم (امت) پر فرض نہ ہو جائے۔

تشریح وتوضیح ویتنفل قاعدا الخ بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے لیکن بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے پر ثواب کم ملتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا اجر کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ہے۔ (بخاری)

الیٰ غیر القبلة الخ یعنی جس طرف سواری کا رخ ہو اسی طرف نماز نفل پڑھ لینا شہر سے باہر ہوتے ہوئے درست ہے۔

سن التراویح الخ صحیح اور راجح قول کے مطابق تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ عہد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں صحابہؓ کا اہتمام اور اس پر مواظبت ثابت ہے اور جس پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مواظبت ثابت ہو وہ مسنون ہے حدیث شریف ہے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین (ابوداؤد) قدر ترویحة الخ اگر مقتدیوں پر گراں نہ ہو تو چار رکعت کے بعد ایک ترویحہ کے بقدر بیٹھنا مستحب ہے ورنہ اگر مقتدیوں پر اتنا بیٹھنا بھاری ہو اور قرات بھی طویل کرنی ہو تو اس سے پہلے اٹھ جائے اور مختصر جلسہ میں بھی مضائقہ نہیں۔

فصل عند الکسوف یصلی امام الجمعة بالناس رکعتین کالنفل ای علی هیئة النافلة بلا اذان واقامة وعندنا فی کل رکعة رکوع واحد وعند الشافعیؒ رکوعان مخفیا مطولا قراء ته فیهما وبعدهما یدعو حتی تنجلی الشمس ولا یخطب وان لم یحضر ای امام الجمعة صلوا فرادی کالخسوف ولا جماعة فی الاستسقاء ولا خطبة وان صلوا وحدانا جاز وهو دعاء واستغفار ویستقبل بهما القبلة بلا قلب رداء وحضور ذمی

ترجمہ کسوف (سورج گہن) کے وقت امام جمعہ لوگوں کے ساتھ دو رکعات نفل کی مانند پڑھے یعنی نفل نماز کی ہیئت پر بلا اذان اور اقامت کے۔ اور ہمارے (احناف کے) نزدیک ہر رکعت میں ایک رکوع اور امام شافعیؒ کے نزدیک دو رکوع کرے۔ دونوں رکعات میں طویل قرات اخفاء کے ساتھ کرے اور نماز سے فارغ ہو کر (طویل) دعا مانگے حتی کہ سورج روشن ہو جائے۔ اور نماز کسوف کے بعد خطبہ نہ پڑھے۔ اور اگر امام جمعہ حاضر نہ ہو تو چاند گہن کی نماز کی طرح لوگ تنہا تنہا پڑھ لیں اور طلب باراں میں نہ جماعت ہے اور نہ خطبہ اگر لوگ تنہا تنہا پڑھ لیں تو درست ہے اور استسقاء دعا اور استغفار ہے اور چادر کو الٹے بغیر دعا و استغفار کے وقت رخ قبلہ کی طرف رہے اور ذمی (دارالاسلام کا غیر مسلم باشندہ) اس میں نہ آئے۔

تشریح وتوضیح فصل الخ کیونکہ نماز کسوف اور استسقاء کے مسائل گذشتہ مسائل سے ممتاز اور الگ ہیں اس لئے فصل کے عنوان سے انھیں علیحدہ بیان کیا۔

رکعتین الخ یہ اقل کا بیان ہے اگر چاہیں تو چار اور چار سے زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

بلا اذان واقامة الخ اگر اس موقعہ پر لوگوں کو اکٹھا کرنے کی خاطر الصلوٰة جامعة کہہ کر بلا لیا جائے

تب بھی مضائقہ نہیں عہد رسالت میں اسی طرح بلا ناغہ ثابت ہے "مسلم شریف" میں اسکی صراحت ہے
رکوع واحد الخ دوسری نمازوں کی طرح اس میں بھی ایک رکعت میں ایک رکوع ہے ایک ہی رکوع
ہونا حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہے بخاری شریف میں اس کا ذکر ہے
اور حضرت ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے
ابوداؤد ابن ماجہ نسائی اور ترمذی وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔

مطولا الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کسوف میں طویل قرارت ثابت ہے "صحاح ستہ" میں ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل قرارت کی اور سورۂ بقرہ وغیرہ کی تلاوت فرمائی اسی طرح رکوع اور سجدہ
اور دعا میں تطویل اذکار منقول ہے۔

یدعو الخ حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں سورج گہن ہوا تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات پڑھ کر دعا طویل مانگی حتی کہ سورج روشن ہو گیا یہ روایت
نسائی وغیرہ میں ہے۔

ولا یخطب الخ نماز کسوف کے بعد خطبہ مسنون نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ ارشاد اس موقعہ پر منقول
ہے کہ چاند سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں دو نشانیاں ہیں اور یہ کسی کی موت و حیات پر گہن نہیں ہوتے
یہ ان لوگوں کے رد کی بنا پر تھا جنھوں نے صاحبزادۂ رسول حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر
کہا تھا کہ ان کے انتقال کی وجہ سے سورج گہن ہو گیا۔

وحضور ذمی الخ طلب باراں کی دعا اور استغفار کے وقت ذمی کو وہاں موجود نہ ہونے چاہئیں کیونکہ
یہاں نزول رحمت کی دعا کی جائے گی اور کفار اس کا محل نہیں۔

باب ادراک الفریضۃ

من شرع فی فرض فاقیمت له ان لم یسجد للرکعة الاولی او سجد وهو فی غیر الرباعی

او فیه وضم الیها اخری قطع واقتدی ای من شرع فی فرض منفردا فاقیمت لهذا الفرض
والضمیر فی اقیمت یرجع الی الاقامة کما یقال ضرب ضربٌ فان لم یسجد للرکعة الاولی
قطع واقتدی وان سجد فان کان فی غیر الرباعی فکذا لانه ان لم یقطع وصلی رکعة اخری
یتم صلاته فی الثنائی ویوجد الاکثر فی الثلاثی وللاکثر حکم الکل فتفوته الجماعة ولانه یصیر
متنفلا برکعتین بعد الغروب فی المغرب والقطع وان کان ابطالا للعمل وهو منهی لقوله
تعالی ولا تبطلوا اعمالکم فالابطال لقصد الاکمال لا یکون ابطالا وان کان فی الرباعی یضم

رکعة اخری حتی یصیر رکعتان نافلة ثم یقطع ویقتدی فقوله وضم الیها حال من قوله او فیه تقدیره او سجد للرکعة الاولی وهو حاصل فی الرباعی وقد ضم الی الرکعة الاولی رکعة اخری فقطع واقتدی حتی لو لم یضم الیها اخری لا یقطع بل یضم فاذا ضم قطع واقتدی وان صلی ثلثا منه ای من الرباعی یتمه ثم یقتدی متنفلا لانه قد ادی الاکثر وللاکثر حکم الکل الا فی العصر ای لا یقتدی فان النافلة بعد اداء العصر مکروہ ــ

ترجمہ جو تنہا شخص فرض نماز شروع کرے پھر جماعت کے واسطے تکبیر کہی جائے تو اگر اس نے پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو یا سجدہ کر لیا ہو اور وہ رباعی (چار رکعات والی) نہ ہو (مثلاً فجر یا مغرب کی نماز) یا نماز رباعی ہو اور اس سے دوسری رکعت ملالی ہو تو نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے یعنی وہ شخص جس نے فرض نماز تنہا شروع کی پھر اسی فرض کی جماعت کے لئے تکبیر کہی گئی اور اقیمت میں ضمیر اقامت کی طرف لوٹ رہی ہے جیسے کہا جاتا ہے ضرب ضرب پس اگر پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر سجدہ کر چکا ہو اور نماز رباعی کے علاوہ (مثلاً نماز فجر و مغرب) تو اسی طرح کرے (توڑ کر شامل ہو جائے) کیونکہ اگر اس نے نماز نہیں توڑی اور دوسری رکعت پڑھ لی تو اس کی دو رکعات والی نماز پوری ہو جائے گی اور تین رکعات والی نماز (مغرب) اکثر ہو گی اور اکثر کا حکم کل کا سا ہوتا ہے لہذا اس کی جماعت فوت ہو جائے گی اور وہ غروب کے بعد مغرب سے پہلے دو رکعات نفل پڑھنے والا شمار ہوگا اور نماز کا توڑنا اگرچہ عمل کو باطل کرنا ہے اور ارشاد باری ولا تبطلوا اعمالکم میں سے اس سے روکا گیا ہے مگر ابطال کمال و اتمام کے قصد سے حقیقتاً ابطال نہیں ہوگا اور اگر یہ نماز رباعی ہو (مثلاً نماز عصر) تو دوسری رکعت ملائے تاکہ یہ دو رکعات نفل ہو جائیں پھر اس نماز کا سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو جائے پس مصنفؒ کا قول وضم الیھا یہ ان کے قول او فیه سے حال ہے۔ اس حال مقدر (پوشیدہ) کی تفصیل یہ ہے کہ یا وہ پہلی رکعت کا سجدہ کر چکا ہو اور وہ حاصل ہے رباعی میں اور رباعی کی صورت میں پہلی رکعت کے ساتھ دوسری رکعت ملا کر سلام پھیر کر نماز میں شامل ہو جائے حتی کہ رباعی نماز کی صورت میں وہ دوسری رکعت ملائے بغیر نماز ختم نہ کرے بلکہ ملانا (در مختار کی عبارت کی رو سے بھی) واجب ہوگا اور اگر چار رکعت میں سے تین پڑھ چکا ہو تو پوری کر کے نفل جماعت سے پڑھے گا کیونکہ وہ اکثر نماز پڑھ چکا اور اکثر کا حکم کل کا ہے مگر عصر میں امام کے ساتھ (اس طرح) شامل نہ ہو کیونکہ عصر کی فرض نماز کے بعد نفل نماز مکروہ ہے۔

تشریح و توضیح فاقیمت الخ یعنی امام نے نماز شروع کر دی یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اقامت اسی مسجد میں ہو جہاں وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہے لیکن اگر دوسری مسجد میں ہو تو وہ مطلقاً نماز

نہیں توڑے گا۔ بحر الرائق میں اسی طرح ہے۔

قطع و اقتدی الخ صاحب بحر فرماتے ہیں کہ نماز توڑنا کبھی حرام ہوتا ہے اور کبھی مباح اور کبھی مستحب بلا کسی عذر کے نماز توڑنا حرام ہے اور مال وغیرہ تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو مباح ہے۔ اور اکمال و اتمام کی غرض سے توڑنا مستحب ہے۔

یتمہ الخ تین رکعات پڑھ لینے کی صورت میں ایک رکعت اور پڑھ کر اپنی فرض نماز پوری کر کے نفل با جماعت پڑھے گا کیونکہ فرضوں میں تکرار نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آدمیوں سے جو اپنی فرض نماز پڑھ چکے تھے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے کجاووں میں نماز پڑھ کر آؤ اور لوگ با جماعت نماز پڑھ رہے ہوں تو ان کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤ، اور یہ ان لوگوں کے ساتھ تمہاری نماز نفل ہو جائے گی (ترمذی ابو داؤد وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے)

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نفل با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے، تو کہا جائے گا کہ یہ کراہت اس صورت میں ہے کہ امام اور مقتدی سب نفل پڑھنے والے ہوں۔ لیکن اگر امام فرض پڑھ رہا ہو اور پھر بعض لوگ شریک جماعت ہو جائیں تو کراہت نہیں۔

الا فی العصر الخ عصر کی اور فجر کی نماز میں اسی طرح اقتدا درست نہیں کیونکہ بخاری و مسلم کی روایات میں اس سے روکا گیا ہے۔

وکرہ خروج من لم یصل من مسجد اُذِّن فیه لا لمقیم جماعة اخری ای الذی ینتظم به امر جماعة اخری بان یکون مؤذن مسجد او امامه او من یقوم بامرہ جماعة یتفرقون او یقلون بغیبته ثم عطف علی قوله لا لمقیم جماعة قوله ولمن صلی الظهر والعشاء مرة الا عند الاقامة ای لا یکرہ له الخروج الا عند الاقامة فالاستثناء متعلق بقوله ولمن صلی الظهر والعشاء مرة ولا تعلق له بقوله لا لمقیم جماعة اخری فان مقیم الجماعة الاخری لا یکرہ له الخروج وان اقیمت والفرق بین مقیم جماعة اخری وبین من صلی الظهر والعشاء مرة ان هذا انما یکرہ له الخروج لانه ان خرج عند الاقامة یتهم بمخالفة الجماعة ولو لم یخرج ویصلی یحرز فضیلة الموافقة وثواب النافلة فایثار التهمة والاعراض عن الفضیلة والثواب قبیح جدا واما مقیم الجماعة الاخری فانه ان خرج عند الاقامة لا یتهم لانه یقصد الاکمال وهو الجماعة التی یتفرق بغیبته وان لم یخرج لا یحرز ما ذکرنا بل یختل امر الجماعة الاخری

ترجمہ | اور مسجد میں اگر اذان ہو گئی ہو تو نماز سے قبل مسجد سے نکلنا مکروہ ہے البتہ دوسری جماعت کے

منتظم کے لئے اذان کے بعد بھی نکلنا مکروہ نہیں یعنی وہ شخص جس کے سپرد دوسری جماعت کا انتظام ہو مثلاً دوسری مسجد کا موذن یا امام ہو یا وہ شخص جس کے امر سے منتشر لوگ اکٹھے ہوتے ہوں یا اس کی عدم موجودگی سے کم ہوجاتے ہوں پھر اس کا عطف ہوا مصنف کے قول لا لمقیم جماعۃ پر اور جو شخص ظہر یا عشاء کی نماز پڑھ چکا ہو اس کو اذان کے بعد مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں البتہ اقامت کے وقت یعنی ابتداء اقامت کے وقت نکلنا قبل نماز مکروہ ہے یعنی اس کے لئے صرف اقامت کے وقت نکلنا مکروہ ہے پس استثناء مصنف کے قول ومن صلی الظہر او العشاء مرۃ سے متعلق ہے مصنف کے قول لا لمقیم جماعۃ اخریٰ سے متعلق نہیں کیونکہ دوسری جماعت کے قائم کرنے والے (مثلاً امام) کے لئے اقامت شروع ہونے پر بھی مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں اور فرق دوسری جماعت کے قائم کرنے والے اور ایک بار ظہر و عشاء کی نماز پڑھنے والے کے درمیان یہ ہے کہ ایک بار نماز پڑھنے والا اگر اقامت کے وقت مسجد سے نکلے گا تو اسے لوگ باجماعت نماز نہ پڑھنے کا الزام دیں گے اور اگر نہیں نکلے گا اور نماز پڑھے گا تو موافقت کی فضیلت اور نفل نماز کا ثواب حاصل ہوگا پس مورد الزام بننا اور فضیلت و ثواب سے احتراز بے حد برا ہے۔ اور رہا دوسری جماعت کا قائم کرنے والا تو اگرچہ وہ عین اقامت کے وقت نکلے نشانۂ تہمت نہ بنے گا، کیونکہ اس کا مقصد اکمال ہے اور وہ اس جماعت کا اکمال ہے جو اس کی عدم موجودگی سے منتشر ہوجائے گی اور اگر وہ نہیں نکلے گا تو وہ فضیلت و ثواب حاصل نہ کرسکے گا جو ہم نے بیان کیا بلکہ دوسری جماعت میں خلل واقع ہوگا (اور اس کا شیرازہ بکھر جائے گا)

تشریح و توضیح — وکرہ الخ یعنی مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہوجائے پھر وہ بلا احتیاج (وعذر) مسجد سے نکل جائے اور اس کا ارادہ لوٹنے کا نہ ہو تو وہ منافق ہے (ابن ماجہ)

سنن اربعہ اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اذان کے بعد (بلا عذر شرعی) مسجد سے نکلا تو اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی (اور اس طرح گویا اللہ کی نافرمانی کی کیونکہ قرآن کریم میں ہے (من یطع الرسول فقد اطاع اللہ)

خروج الخ جس طرح نکلنا مکروہ ہے اسی طرح مسجد میں نماز میں شریک ہوئے بغیر ٹھہرنا بھی مکروہ ہے۔ "بحر الرائق" میں اس کی صراحت ہے۔

اذن فیہ الخ یہ حکم مطلقاً ہے خواہ اس کے مسجد میں داخل ہونے کے بعد اذان ہوئی ہو یا اس کے مسجد میں داخل ہونے سے قبل اذان ہوچکی ہو۔

ومن صلی الفجر او العصر او المغرب یخرج وان اقیمت لانہ ان صلی یکون نافلۃ والنافلۃ بعد الفجر والعصر مکروہ واما فی المغرب فان النافلۃ لا تشرع ثلث رکعات و یترک سنۃ

الفجر ویقتدی من لا یدرکہ ای الفجر والمراد فرضہ بجماعۃ ان اداھا ومن ادرک رکعۃ منہ صلاھا ولا یقضیہا الا تبعا الفرضہ ای ان فاتت سنۃ الفجر فان فاتت بدون الفرض لا یقضی قبل طلوع الشمس وکذا بعد الطلوع عند ابی حنیفۃ رح وابی یوسف رح واما عند محمد رح یقضیہا الی الزوال لا بعدہ وان فاتت مع الفرض فان قضی قبل الزوال یقضیہما جمیعا وکذا بعد الزوال عند بعض المشائخ رح وعند البعض لا بل یقضی الفرض وحدہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فاتہ الفجر لیلۃ التعریس قضاہ مع السنۃ قبل الزوال بالاذان والاقامۃ جماعۃ وجہر بالقراءۃ فعلم من فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام شرعیۃ القضاء بالجماعۃ والجہر فیہ والاذان والاقامۃ للقضاء وان السنۃ تقضی مع الفریضۃ فمن ہذہ الاحکام عُلِم عدم اختصاصہ بمورد النص فعُدّی عنہ الی غیرہ من الصلوات وہی ماعدا قضاء السنۃ فعُدّی عن مورد النص وہو قضاء الفجر الی قضاء سائر الصلوات واما قضاء السنۃ فقد علم ان سنۃ الفجر اٰکد من سائر السنن فلا یلزم من شرعیۃ قضائہا شرعیۃ قضاء سائر السنن ولا من قضائہا بتبعیۃ الفرض قضاؤہا بدون الفرض لکن یلزم من قضائہا بتبعیۃ الفرض قبل الزوال قضاؤہا بتبعیۃ الفرض بعد الزوال کما ہو مذہب المشائخ رح لان اختصاصہ بتبعیۃ الفرض بکونہ قبل الزوال لا معنی لہ

ترجمہ اور جو شخص نماز فجر یا عصر یا مغرب پڑھ چکا ہو اس کے لئے مسجد سے نکلنا جائز ہے اگرچہ اقامت شروع ہو چکی ہو کیونکہ اگر اس نے نماز پڑھی تو وہ نفل ہوگی اور نفل نماز فجر اور عصر کے بعد مکروہ ہے اور مغرب میں وہ اس لئے کہ تین رکعت نفل نماز مشروع نہیں اور جسے سنت فجر پڑھنے میں فرض فوت ہونے کا اندیشہ ہو وہ سنت چھوڑ کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور مراد یہ ہے کہ فرض نماز باجماعت ادا نہ ہو سکے اور جسے ایک رکعت امام کے ساتھ مل جانے کی توقع ہو وہ سنتیں پڑھ لے اور صرف سنتوں کی قضاء نہ کرے البتہ فرض فوت ہو جائیں تو تبعاً سنتوں کی بھی قضاء کرے یعنی اگر فجر کی سنتیں فوت ہو گئیں اور فرض کے بغیر صرف سنتیں فوت ہوئی ہوں تو طلوع آفتاب سے قبل قضاء نہیں کرے گا امام ابو حنیفہ رح و امام ابو یوسف رح کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد بھی قضاء نہ کرے اور امام محمد رح کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے قضاء کرے زوال کے بعد قضاء نہ کرے۔ اور اگر سنتیں فرضوں کے ساتھ فوت ہوں تو قبل الزوال دونوں کی قضاء کرے گا اور بعض مشائخ رح کے نزدیک اسی طرح زوال کے بعد بھی دونوں کی قضاء کرے اور بعض فرماتے ہیں کہ صرف فرضوں کی قضاء کرے گا اور لیلۃ التعریس میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر فوت ہوئی تو آپ نے زوال سے پہلے سنتوں سمیت اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت اس کی قضاء فرمائی

اور قرارت میں جہر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے اس کی باجماعت قضاء کی مشروعیت اور اس میں جہر اور قضاء کے لیے اذان واقامت کا علم ہوا اور یہ کہ فرض کے ساتھ سنت کی قضا بھی ہوگی پس ان احکام سے مورد نص کی عمومیت اور عدم اختصاص سے سنتوں کی قضاء کے علاوہ دوسری نمازوں کی قضاء کی مشروعیت کا علم ہوا اور وہ فجر کی (اور دوسری) نمازوں کی (مثلاً عشاء ظہر مغرب) کی قضاء ہے اور رہی سنتوں کی قضا تو معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں کی ساری سنتوں سے زیادہ تاکید ہے تو فجر کی سنتوں کی قضاء کی مشروعیت سے ساری سنتوں کی قضاء کی مشروعیت لازم نہیں آتی اور نہ یہ کہ اور نمازوں کی سنتوں کی قضاء فرض کی تبعیت کے بغیر تنہا کی جائے لیکن فجر کی سنتوں کی فرض کی تبعیت میں زوال سے قبل قضاء سے قضاء سے بعد زوال بھی فرض کی تبعیت میں ان کی قضاء لازم آتی ہے جیسا کہ بعض مشائخ رح فقہاء کا مسلک ومذہب ہے اس لیے کہ فرض کی تبعیت میں قبل زوال ان کی قضاء کی تخصیص بے معنی ہے۔

تشریح وتوضیح | یغرج الخ کیونکہ صحیح احادیث سے بعد نماز فجر اور عصر نوافل پڑھنا مکروہ ہے اس لیے جماعت میں شریک نہ ہوئے اور بوقت اقامت نکل جانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ویترک الخ یعنی اگر ابھی اس نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں کہ امام نے نماز شروع کر دی اور اسے قوی اندیشہ ہے کہ اگر سنتیں پڑھے تو با جماعت فرض نہ ملے گی تو اہتمام وحصول جماعت کی خاطر سنتیں ترک کر دے لیکن اگر ایک رکعت ملنے کا بلکہ تشہد بھی پا لینے کا یقین ہو تو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہونا چاہیے فتح القدیر میں اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

یقضیھا الخ امام محمد رح کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد سنت فجر کی قضاء کرے گا ان کا مستدل یہ حدیث ہے کہ جس نے فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) نہیں پڑھیں تو وہ طلوع آفتاب کے بعد ان کی قضاء کرے (ترمذی شریف میں یہ روایت موجود ہے)

لیلۃ التعریس الخ اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رض کے ساتھ دوران سفر رات کے اخیر میں کسی جگہ قیام فرمایا اور بعض اصحاب (حضرت بلال رض) کو اس پر مامور فرمایا کہ وہ آپ کو طلوع صبح کی اطلاع کریں اور پھر آپ اور صحابہ کرام رض سو گئے ان صحابی پر بھی نیند کا غلبہ ہوا اور سب سو گئے اور آفتاب کی کرنوں سے آنکھ کھلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو شیطان آ جانے کی جگہ قرار دے کر (کیونکہ یہ صورت پیش آئی تھی) کوچ کیا اور دوسرے قریبی مقام میں قیام فرما کر موذن کو اذان کا حکم دیا اور آپ اور آپ کے صحابہ رض نے باجماعت نماز فجر کی جہراً قرارت کے ساتھ قضاء کی (یہ واقعہ مسلم شریف ابوداؤد مسند حاکم نسائی بزار طبرانی اور بیہقی وغیرہ میں تقریباً ایک سے الفاظ کے ساتھ مروی ہے)

واما قضاء السنۃ الخ حاصل یہ ہے کہ وہ احکام جو لیلۃ التعریس کے قصہ میں منقول ہیں وہ عام ہیں

اور اسی نماز کے ساتھ مخصوص نہیں البتہ فجر کی سنتوں کی قضاء کا حکم صرف انہیں سنتوں کے ساتھ مخصوص ہے لا معنی لہ الخ یعنی صرف زوال سے پہلے پہلے فرض کے ساتھ سنت فجر کی قضاء کی تخصیص سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ قبل زوال اور بعد زوال اداء کے وقت کے علاوہ ہونے میں برابر ہیں۔ اور قضاء کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں

ویترک سنۃ الظھر فی الحالین ای سواء یدرک الفرض ان اداھا اولا ویاتم ثم قضاھا قبل شفعہ ای قبل الرکعتین اللتین بعد الفرض وغیرھما لا یقضی اصلا ومدرک رکعۃ من الظھر لم یصل جماعۃ بل ھو مدرک فضلھا ای ان حلف لیصلین الظھر بجماعۃ فادرک رکعۃ یحنث لانہ لم یصل جماعۃ لکن ادرک فضیلۃ الجماعۃ واتی مسجدا صلی فیہ یتطوع قبل الفرض الا عند ضیق الوقت ای من اتی مسجدا صلی فیہ فاراد ان یصلی فرضہ منفردا فھل یاتی بالسنن قال بعض مشائخنا ومنھم الکرخی رح لا فان السنن انما سنت اذا ادی الفرض بالجماعۃ اما بدونہ فلا وقال الحسن ابن زیاد رح من فاتتہ الجماعۃ فاراد ان یصلی فی مسجد بیتہ یبدأ بالمکتوبۃ لکن الاصح ان یاتی بالسنن فان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام واظب علیھا وان فاتتہ الجماعۃ لکن اذا ضاق الوقت یترک السنۃ ویؤدی الفرض حذرا عن التفویت من اقتدی بامام راکع فوقف حتی رفع رأسہ لم یدرک رکعۃ خلافا لزفر رح من رکع فلحقہ امامہ فیہ صح خلافا لزفر رح فان ما اتی بہ قبل الامام غیر معتد بہ فکذا ما بنی علیہ قلنا وجدت المشارکۃ فی جزء واحد

ترجمہ اور ظہر کی سنتیں دونوں حالتوں میں ترک کی جائیں گی یعنی خواہ ان کے ادا کرنے پر فرض پالے یا نہ پائے اور امام کی اقتداء کرے پھر فرض کے بعد دو رکعات سے قبل ان کی قضاء کرے اور ان دو (سنت فجر اور ظہر کے فرض سے قبل کی سنتوں) کے علاوہ کسی اور کی قضاء نہیں کی جائے گی اور جسے ظہر کی ایک رکعت ملی اس نے باجماعت نماز نہیں پڑھی بلکہ فضیلت جماعت حاصل ہوئی یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نماز ظہر جماعت سے پڑھوں گا تو وہ اپنی قسم میں حانث ہوگا کیونکہ اس نے جماعت سے نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف فضیلت جماعت پالی اور جو شخص نماز (باجماعت) ہو چکنے کے بعد مسجد میں آئے تو فرض سے قبل نفل سنتیں پڑھے البتہ اگر وقت تنگ ہو تو نفل نہ پڑھے یعنی جو شخص مسجد میں آئے وہاں نماز ہو چکی ہو پھر وہ تنہا فرض پڑھنے کا ارادہ کرے تو کیا وہ سنتیں (سنن مؤکدہ) بھی پڑھے گا بعض مشائخ جن میں کر

امام کرخیؒ بھی ہیں کہتے ہیں کہ نہیں پڑھے۔ کیونکہ سنتیں اس وقت کے لئے مقرر ہیں (پڑھی جاتی ہیں) جبکہ فرض باجماعت ادا ہوں اور فرض با جماعت نہ ہوں تو سنتیں نہ پڑھیں گے اور حسن ابن زیادؒ فرماتے ہیں کہ جس کی جماعت فوت ہو جائے پھر وہ اپنے گھر میں نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو فرض نماز سے شروع کرے گا لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ سنتیں (بھی) پڑھے گا اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے اس پر مواظبت وہمیشگی فرمائی اگرچہ اس کی جماعت فوت کیوں نہ ہو جائے لیکن جب وقت تنگ ہو تو فرض فوت ہونے کے خوف سے سنتیں ترک کر کے (صرف) فرض پڑھے گا جس شخص نے امام کی رکوع میں اقتدا کی پھر ٹھہرا حتی کہ امام نے سر اٹھالیا (اور یہ رکوع نہ کر سکا) تو اسے یہ رکعت نہیں ملی امام زفرؒ کے نزدیک مل گئی جو شخص امام سے قبل رکوع کرے پھر امام اس سے رکوع میں مل جائے (اس کے بعد امام رکوع کرے) تو اس کا رکوع صحیح ہو گیا امام زفرؒ کے نزدیک درست نہیں ہوا کیونکہ امام کے رکوع سے قبل کیا ہوا رکوع غیر معتبر ہے بس اسی طرح جس پر اس کی بنا رکی اس کا حکم ہے ہم کہتے ہیں کہ مشارکت ایک جزء میں پائی گئی (اور صحت کے لئے جزوی مشارکت ہی شرط ہے)

تشریح وتوضیح

فی الحالین الخ یعنی خواہ ظہر کی جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو بہرصورت جماعت میں شامل ہو جائے کیونکہ حدیث میں عموم ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے (اقامت شروع ہو جائے) تو فرض کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں (یہ روایت صحاح ستہ میں ہے)

قبل شفعه امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اول چار رکعت ترک شدہ پڑھے اور پھر دو رکعات پڑھے اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلی نماز ظہر کے بعد کی دو رکعات اور پھر چار رکعت پڑھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل کی چار رکعات چھوٹ جائیں تو ظہر کے بعد کی دو رکعات پڑھ کر یہ چار رکعات پڑھتے تھے۔

وغیرهما یعنی فجر کی سنتوں اور ظہر کے فرض سے قبل کی سنتوں کے علاوہ۔

ادراک الخ یعنی ایک رکعت ملنے پر اسے جماعت کا ثواب ضرور ملے گا حدیث شریف میں ہے جسے نماز کی ایک رکعت مل گئی تو اس نے (گویا) نماز پالی (یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے)

واظب علیها نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکہ ان سنتوں پر مواظبت فرمائی ہے لہٰذا بلا ضرورت و مجبوری ان کا ترک باعث ملامت ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تم نے اپنے نبی کی سنت (طریقہ) چھوڑ دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے (مسلم)

من رکع الخ مقتدی اگر امام سے قبل رکوع کر دے اور امام اس کے بعد رکوع میں جائے تو مشارکت فی الجزء کی بنا پر رکوع تو صحیح ہو گیا لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے حدیث شریف میں ہے (آپ نے فرمایا کہ) مجھ پر نہ رکوع میں سبقت کرو اور نہ سجدہ میں اور نہ قیام میں اور نہ لوٹنے میں مسلم شریف

باب قضاء الفوائت

فرض الترتیب بین الفروض الخمسۃ والوتر فائتا کلّھا او بعضھا ای ان کان الکل فائتا فلا بد من رعایۃ الترتیب بین الفروض الخمسۃ وکذا بینھا و بین الوتر وکذا ان کان البعض فائتا والبعض وقتیا لا بد من رعایۃ الترتیب فیقضی الفائتۃ قبل اداء الوقتیۃ فلم یجز فرض فجر من ذکر انہ لم یوتر ھٰذا تفریع لقولہ والوتر وھٰذا عند ابی حنیفۃ رح خلافا لھما بناء علی وجوب الوتر عندہ و یعید العشاء والسنّۃ لا الوتر من علم انہ صلّی العشاء بلا وضوء والاخریین بہ یعنی تذکّر انہ صلی العشاء بلا وضوء والسنۃ والوتر بوضوء یعید العشاء والسنۃ لانہ لم یصح اداء السنۃ مع انّھا ادّیت بالوضوء لانّھا تبعٌ للفرض اما الوتر فصلوٰۃ مستقلّۃ عندہ فصح اداؤہ لان الترتیب وان کان فرضاً بینہ و بین العشاء لٰکنہ ادّی الوتر بزعم انہ صلی العشاء بالوضوء فکان ناسیا ان العشاء کان فی ذمّتہ فسقط الترتیب و عندھما یقضی الوتر ایضا لانہ سنۃ عندھما۔

ترجمہ ترتیب پانچوں فرض نمازوں اور وتر کے درمیان فرض کی گئی ہے (خواہ) سب نمازیں فوت ہوں یا ان میں سے بعض یعنی اگر سب فوت ہوں تو ان میں ترتیب کی رعایت ضروری ہے پانچوں نمازوں اور اسی طرح ان کے اور وتر کے درمیان اور ایسے ہی اگر بعض فوت شدہ اور بعض وقتیہ ہوں تو ان میں ترتیب کی رعایت ضروری ہے پس فوت شدہ نمازیں وقتیہ سے پہلے قضاء کی جائیں گی پس جسے وتر نہ پڑھنا یاد ہو اسے فرض نماز پڑھنا جائز نہیں یہ متفرع ہے مصنفؒ کے قول "والوتر" پر یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نماز فجر جائز ہوگی اس کی بنیاد اس پر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز وتر واجب ہے (امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک سنت ہے) جس شخص کو معلوم ہو کہ اس نے عشاء کی نماز بلا وضو اور سنتیں و وتر باوضو پڑھے تو وہ عشاء اور سنتوں کا اعادہ کرے گا وتر کا اعادہ نہیں کرے گا یعنی اسے یاد آئے کہ اس نے نمازِ عشاء بلا وضو پڑھی اور سنت و وتر باوضو پڑھے تو فرض نمازِ عشاء اور سنتیں لوٹائیگا کیونکہ سنتیں فرض کے تابع ہیں اس لئے وہ باوجود باوضو پڑھنے کے صحیح ادا نہیں ہوئیں رہے وتر تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ مستقل نماز ہے (تابع فرض نہیں) پس اس کی ادائیگی صحیح ہوئی کیونکہ ترتیب اگرچہ وتر اور عشاء کے درمیان فرض ہے لیکن جب اس نے یہ سمجھ کر وتر ادا کئے کہ وہ عشاء کی نماز (فرض) باوضو پڑھ چکا ہے پس وہ بھول گیا کہ عشاء اس کے ذمہ باقی ہے لہٰذا ترتیب ساقط ہوگئی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وتر کی بھی قضاء کرے گا کیونکہ وہ ان کے نزدیک سنت ہے۔

تشریح وتوضیح

بین الفروض الخمسۃ۔ پانچوں نمازوں کے درمیان ترتیب فرض ہے اصل اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ جو شخص اپنی کوئی نماز بھول جائے اور اسے اس وقت یاد آئے جب کہ وہ امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ اول بھولی ہوئی نماز پڑھے اس کے بعد دوسری نماز پڑھے (یہ روایت موطا امام مالک دارقطنی اور بیہقی میں موجود ہے) "ترمذی میں ہے کہ غزوہ خندق میں مشغولیت اور کافروں کے مہلت نہ دینے کی بنار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نمازیں ظہر وعصر ومغرب قضا ہو گئیں تو آنحضور ؐ نے عشار کے وقت اول بالترتیب یہ نمازیں پڑھیں پھر نماز عشار پڑھی۔

فلم یجز یعنی اگر یہ یاد ہوتے ہوئے نماز فجر پڑھی کہ اس نے وتر ادا نہیں کئے تو اس پر لازم ہے کہ اول وتر پڑھے اور پھر فجر پڑھے۔

الا اذا ضاق الوقت الاستثناء متصل بقوله فرض الترتيب والمعنى انه ضاق الوقت عن القضاء والاداء وان كان الباقي من الوقت بحيث يَسَعُ فيه بعض الفوائت مع الوقتية فانه يقضي ما يسعه الوقت مع الوقتية كما اذا فات العشاء والوتر ولم يبق من وقت الفجر الا ان يسع فيه خمس ركعات يقضي الوتر ويؤدي الفجر عند ابي حنيفة رح وان فاتت الظهر والعصر ولم يبق من وقت المغرب الا ما يصلي فيه سبع ركعات يصلي الظهر و المغرب او نسيت او فاتت ستة حديثة كانت او قديمة قبل الستة وما دونها حديثة وما فوقها قديمة كذا في فوائد الجامع الصغير الحسامي قلت بعد الكثرة اولا فيصح وقتي من ترك صلوة شهر فندم واخذ يؤدي الوقتيات ثم ترك فرضاً هذا تفريع لقوله قديمة كانت او حديثة فانه اذا اخذ يؤدي الوقتيات صارت فوائت الشهر قديمة وهي مسقطة للترتيب فاذا ترك فرضا يجوز مع ذكره اداءُ وقتيّ بعده او قضى صلوة الشهر الا فرضا او فرضين هذا تفريع لقوله قلت بعد الكثرة اولا فانه لما قضى صلوات الشهر الا فرضا او فرضين قلت الفوائت بعد الكثرة فلا يعود الترتيب الا ان يقضي الكل وعند بعض المشائخ رح ان قلت بعد الكثرة يعود الترتيب و اختار الامام السرخسي الاول وقال صاحب المحيط وعليه الفتوى

ترجمہ

لیکن اگر وقت تنگ ہو (تو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے) یہ استثنار متصل ہے مصنف رح کے قول فرض الترتیب سے اور معنی اس کے یہ ہیں کہ ادار اور قضا دونوں ادا کرنے کا وقت

تنگ ہو جائے اور اگر وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ وقتیہ سمیت بعض فوت شدہ نمازیں پڑھی جا سکیں پس وہ وقتیہ کے ساتھ جتنی فوت شدہ پڑھنے کی گنجائش ہو ان کی قضاء کرے گا جیسے عشاء اور وتر فوت ہو جائیں اور فجر کے وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ پانچ رکعت پڑھی جا سکیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر اور فجر پڑھے گا اور اگر ظہر و عصر فوت ہوں اور مغرب کے وقت میں سات رکعات پڑھنے کی گنجائش ہو تو ظہر اور مغرب پڑھے گا یا بھول گیا (تب بھی ترتیب ساقط ہو گئی) یا چھ نمازیں فوت ہو گئیں تازہ فوت شدہ ہوں یا پرانی کہا گیا کہ چھ اور چھ سے کم حدیثہ (تازہ کہلاتی ہیں) اور ان سے زیادہ پر "قدیمہ" کا اطلاق ہوتا ہے حسامی کی فوائد الجامع الصغیر میں اسی طرح ہے زیادہ کے بعد کم ہو جائیں یا نہ ہوں پس اس شخص کی وقتیہ نماز صحیح ہے جس کی ایک ماہ کی نمازیں چھوٹ گئی ہوں پھر اس نے نادم ہو کر وقتیہ نمازیں پڑھنی شروع کر دیں پھر ایک فرض نماز چھوڑ دی یہ متفرع ہے مصنفؒ کے قول قدیمۃ کانت او حدیثۃ پر اس لئے کہ وہ جب وقتیہ نمازیں ادا کرے گا تو ایک ماہ کی فوت شدہ نمازیں قدیمۃ ہوں گی اور وہ ترتیب کو ساقط کرنے والی ہیں پس جب اس نے ایک فرض ترک کیا تو اس کے یاد ہوتے ہوئے وقتیہ نماز ادا کرنا جائز ہے یا اس نے ایک فرض یا دو فرضوں کے علاوہ پورے مہینہ کی فوت شدہ نمازیں پڑھ لیں (تب بھی ترتیب واجب نہ ہوگی) یہ متفرع ہے مصنفؒ کے قول قلت بعد الکثرۃ اولا پر اس لئے کہ جب اس نے ایک فرض یا دو فرضوں کے علاوہ ایک ماہ کی نمازیں پڑھ لیں فوت شدہ نمازیں زیادہ ہونے کے بعد کم ہو گئیں تو تا وقتیکہ سب نہ پڑھ لے ترتیب (جدید ترتیب) نہ لوٹے گی اور بعض مشائخؒ (فقہاء) کے نزدیک اگر زیادہ ہونے کے بعد کم ہو جائیں تو ترتیب لوٹ آئے گی امام سرخسیؒ نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے اور صاحب محیط فرماتے ہیں کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

تشریح و توضیح

اذا ضاق الخ یعنی نماز کے شروع کرتے ہوئے وقت تنگ ہو پس اگر فوت شدہ نماز یاد ہوتے ہوئے اول وقت میں شروع کر دے اور قراءت اس قدر طویل کرے کہ وقت تنگ ہو جائے تو جائز نہیں (فتاویٰ قاضی خاں میں اسی طرح ہے)

والمعنی الخ اگر وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ قضاء اور ادا دونوں پڑھ سکے بلکہ صرف ایک پڑھی جا سکتی ہو تو اس صورت میں قضاء چھوڑ کر صرف ادا نماز پڑھ لے کیونکہ فرضِ وقت فرض ترتیب سے زیادہ مؤکد ہے اور یہ کتاب و سنت و اجماع سے ثابت ہے اور "فرضیت ترتیب" یہ اخبار احاد سے ثابت ہے لہذا فرضِ وقت کو ترجیح حاصل ہوئی۔

یصلی الظھر الخ یعنی قضاء نمازوں میں جس قدر ترتیب ممکن ہو اس کا لحاظ رکھے مگر شرط یہ ہے کہ وقتیہ نماز فوت نہ ہو

فاتت ستۃ یعنی اگر فوت شدہ نمازوں کی تعداد چھ تک پہونچ جائے تو فوت شدہ نمازوں اور وقتیہ کے درمیان ترتیب لازم نہ رہے گی اور حکم ترتیب ساقط ہو جائے گا۔

فی فوائد الخ یہ جامع صغیر کی شرح ہے۔ اس کے مولف حسام الدین صدر الشہید عمر بن عبد العزیز متوفی ۵۳۶ھ ہیں۔

السرخسی سرخس خراسان کے شہروں میں سے ایک شہر ہے اسی کی طرف منسوب ہو کر سرخسی کہلاتے ہیں اصل نام شمس الائمہ محمد بن احمد ہے اونچے درجہ کے عالم اور شمس الائمہ عبد العزیز الحلوائی کے شاگرد ۵۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

صاحب المحیط۔ مشہور مستند و معتبر کتاب ذخیرہ کے مؤلف ہیں۔ اصل نام محمود بن الصدر الشہید احمد۔ یہ حسام الدین الصدر الشہید شارح "الجامع الصغیر" کے بھتیجے ہیں۔

من صلی خمسا ذاکرا فائتة فسد الخمس موقوفا فان ادّی سادسا ثم الکل وان قضی الفائتة بطل فرضیة الخمس لا اصلها رجل فاتته صلوٰة فادّی مع ذکرها خمسا بعدها فسدت هٰذہ الخمس لوجوب الترتیب لکن عند ابی یوسف رح ومحمد رح فسادا غیر موقوف و هو القیاس وعند ابی حنیفة رح فسادا موقوفا فان ادّی سادسا ثم الکل وان قضی الفائتة فالخمس التی ادّاها بطل وصف فرضیتها لا اصلها فانه لا یلزم من بطلان الفرضیة بطلان اصل الصلوٰة عند ابی حنیفة رح و ابی یوسف رح خلافا لمحمد رح وانما قال ابو حنیفة رح بالفساد الموقوف لانه ان فسد کل واحد منهما لوجوب رعایة الترتیب فسادا غیر موقوف فحین ادّی السادس تبین ان رعایة الترتیب کانت فی الکثیر وهٰذا باطل فقلنا بالتوقف حتی یظهر ان رعایة الترتیب ان کانت فی الکثیر فلا تجوز وان کانت فی القلیل فتجوز۔

ترجمہ جس شخص نے فوت شدہ نماز یاد ہوتے ہوئے پانچ وقتیہ نمازیں پڑھ لیں تو یہ سب فاسد موقوف ہوں گی اگر چھٹی نماز (بھی) پڑھ لی تو سب صحیح ہو جائیں گی (کیونکہ اب حکم ترتیب ساقط ہو گیا) اور اگر فوت شدہ نماز کی قضا کر لی تو پانچوں نمازوں کی فرضیت باطل ہو جائے گی اصل نمازیں باطل نہ ہوں گی (یعنی یہ سب بجائے فرض کے نفل بن جائیں گی) کسی شخص کی کوئی نماز فوت ہو گئی پس اس نے فوت شدہ نماز یاد ہوتے کے باوجود پانچوں نمازیں اس کے بعد پڑھ لیں تو ترتیب کے وجوب کے باعث یہ پانچ نمازیں فاسد ہو گئیں یعنی اعادہ لازم ہو گا لیکن امام ابو یوسف رح و امام محمد رح کے نزدیک ان کا فساد غیر موقوف ہے اور وہ ان کا قیاس ہے اور امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ ان کا فساد موقوف ہے اگر اس نے چھٹی نماز ادا کر لی تو سب صحیح ہو گئیں اور اگر فوت شدہ کی قضا کر لی تو پانچوں ادا کردہ نمازوں کی فرضیت کا وصف باطل ہو گیا

اصل نمازیں باطل نہیں ہوئیں (نفل سے بدل گئیں) تو امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ فرضیت کے بطلان کو اصل نماز کا بطلان قرار نہیں دیتے امام محمدؒ باطل قرار دیتے ہیں امام ابوحنیفہؒ کا "موقوف فساد" کہنا اس وجہ سے ہے کہ اگر ان میں سے ہر نماز کا فساد رعایت ترتیب کے وجوب کی وجہ سے غیر موقوف قرار دیا جائے تو جب چھٹی نماز ادا کی گئی تو ظاہر ہوا کہ ترتیب کی رعایت کثیر میں ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ کثرت مسقط ترتیب ہے پس ہم توقف کے لئے کہتے ہیں تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ترتیب کی رعایت اگر کثیر میں ہے تو جائز نہیں ہوگی اور اگر قلیل میں ہے تو جائز ہوگی۔

تشریح و توضیح ذاکرا الخ یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر یاد نہ رہے تو بھول کی وجہ سے ترتیب کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔

ان ادی الخ یعنی ان پانچوں نمازوں کی صحت چھٹی نماز کی ادائیگی پر موقوف ہے اور ابن ہمام "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں کہ ان کی صحت چھٹی نماز کا وقت داخل ہونے پر موقوف ہے۔

ان قضی الخ یعنی فوت شدہ نماز چھٹی نماز ادا کرنے سے قبل پانچویں نماز کا وقت نکلنے سے پہلے پڑھ لی۔

باب سجود السهو

يجب له بعد سلام واحد سجدتان وتشهد وسلام اذا قدم ركنا او اخره او كرره او غير واجبا او تركه ساهيا كركوع قبل القراءة وتاخير القيام الى الثالثة بزيادة على التشهد روى عن ابي حنيفة رح ان من زاد على التشهد الاول حرفا يجب عليه سجود السهو وقيل لا يجب عليه سجود السهو بقوله اللهم صل على محمد ونحوه وانما المعتبر مقدار ما يؤدى فيه ركن كالقيام والقعود وركوعين والجهر فيما يخافت وعكسه وترك القعود الاول وقيل كل هذا يؤل الى ترك الواجب ولا يجب بسهو المؤتم بل بسهو امامه ان سجد والمسبوق يسجد مع امامه ثم يقضي ما فات عنه ومن سها عن القعدة الاولى وهو اليها اقرب عاد ولا سهو والا قام وسجد للسهو وان سها عن الاخيرة عاد ما لم يقيد بالسجدة وسجد للسهو وان قيد تحول فرضه نفلا ويضم سادسة ان شاء انما قال ان شاء لانه نفل لم يشرع فيه قصدا فلم يجب عليه اتمامه

ترجمہ اگر ایک رکن کو دوسرے پر مقدم کر دیا یا مؤخر کر دیا یا ایک رکن مکرر کر دیا یا کسی واجب کو بدل دیا یا بھول کر چھوڑ دیا مثلاً رکوع قرات سے پہلے کر لے یا درمیان۔ تشہد میں زیادہ بیٹھنے کی

وجہ سے تیسری رکعت کے قیام میں تاخیر ہو جائے ان سب صورتوں میں ایک سلام کے بعد دو سجدے واجب ہیں اور (پھر) تشہد وغیرہ کے بعد سلام پھیرے امام ابو حنیفہ رح سے منقول ہے کہ پہلے تشہد پر ایک حرف کا اضافہ کرے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور بعض کے نزدیک اللّٰھم صل علی محمد وغیرہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا اور معتبر مقدار وہ ہے کہ ایک رکن کی مقدار زیادہ ہو جائے (مثلاً قیام اور قعود) یا دو بار رکوع کرے یا جہری نماز میں آہستہ اور سری نماز میں جہراً پڑھے یا پہلا قعدہ ترک کردے اور کہا گیا کہ ان سب کا مآل ترک واجب ہے اور مقتدی کے سہو سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا بلکہ امام کے سہو سے سجدۂ سہو کا وجوب ہوگا اگر وہ سجدہ کرے (امام سجدہ کرے تو مقتدی بھی کرے) اور مسبوق اپنے امام کے ساتھ سجدہ کرے پھر وہ باقی ماندہ نماز پڑھ لے اور جو قعدۂ اولیٰ بھول جائے اور وہ بیٹھنے (کی حالت) کے قریب ہو تو لوٹ جائے اور اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا اور قیام سے قریب ہو تو کھڑا ہو جائے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر قعدۂ اخیرہ میں بھول کر کھڑا ہو جائے تو اس رکعت کے سجدہ سے پہلے پہلے لوٹ جائے اور سجدۂ سہو کرلے اور اگر سجدہ کرلیا تو اس کے فرض نفل سے بدل جائیں گے اور وہ اگر چاہے تو چھٹی رکعت ملالے۔ ان شاء" کی قید اس لئے لگائی کیونکہ وہ ایسی نفل ہے جو قصداً شروع نہیں کی گئی لہٰذا اس کا اتمام اس پر واجب نہیں۔

تشریح و توضیح یجب له الخ- مصلی کے لئے دو سجدے صحیح و راجح قول کے مطابق واجب ہیں تاکہ جبر و تلافیٔ نقصان ہو جائے صحاح ستہ کی روایات اور "بحر الرائق" وغیرہ کی صراحت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر مواظبت ثابت ہے اور جب اس کا واجب ہونا ثابت ہوگیا تو ترک واجب ہی پر تلافیٔ نقصان واجب ہوگی۔ پس ترک تسمیہ و تعوذ و ثنا پر اس کا وجوب نہ ہوگا کیونکہ وہ خود بنفسہٖ واجب نہیں اسی طرح ترک رکن پر بھی سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا کیونکہ ترک رکن سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اگر واجب عمداً ترک کر دیا تب بھی سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے یہ سجدے سہو کی بنا پر ہیں عمداً ترک کی صورت میں نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔

بعد سلام الخ حدیث شریف میں ہے ہر سہو کے لئے سلام کے بعد دو سجدے ہیں (یہ روایت مسند احمد، ابن ماجہ اور ابو داؤد میں ہے) اور ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے۔ (بخاری و مسلم)

بعض ائمہ کے نزدیک سلام سے سجدۂ سہو سنت ہے امام شافعیؒ یہی فرماتے ہیں سلام سے پہلے بھی سجدۂ سہو جائز ہے اختلاف صرف اولویت میں ہے۔

وتشھد الخ کیونکہ سجدۂ سہو کی بنا پر پہلا تشہد نہ پڑھنے کے درجہ میں شمار ہوگا لہٰذا اس کے بعد اور درود شریف پڑھ اور دعا مانگ کر سلام پھیرے گا۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور اس میں سہو ہوا

تو دو سجدے کئے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا۔ (ابو داؤد ترمذی)

ولا یجب الخ مقتدی کے سہو سے نہ خود اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا اور نہ امام پر کیونکہ وہ امام کے تابع ہے اور تابع کی بھول سے اصل پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی نیز مقتدی کے لئے نہ قبل سلام اس کا ادا کرنا ممکن ہے! و نہ بعد سلام کیونکہ امام کی مخالفت لازم آتی ہے حدیث شریف میں ہے امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے (ابو داؤد) اس سے وجوب متابعت ثابت ہوتی ہے۔

وان قعد الاخیرة ثم قام سهوا عاد ما لم یسجد للخامسة وسلم وان سجد لها تم فرضه وضم سادسة وسجد للسهو والرکعتان نفل ولا قضاء لو قطع ولا تنوبان عن سنة الظهر فان قلت ثم قال قبل هذه المسألة وضم سادسة ان شاء وقال فی هذه المسألة وضم سادسة ولم یقل ان شاء مع ان الرکعتین نفل فی الصورتین بحیث لو قطع لا قضاء فیکون فی هذه المسألة ضم السادسة مقیدا ایضا بمشیته قلت ضم السادسة فی هذه المسألة اکد من ضم السادسة فی تلك المسألة مع انه لو قطع لا قضاء فی المسألتین وذلك لان فرضه قد تم فی هذه المسألة لکن بتاخیر السلام یجب سجود السهو فی هاتین الرکعتین فسجود السهو لتدارك نقصان الفرض واجب فی هاتین الرکعتین فلو قطع هاتین الرکعتین بان لا یسجد للسهو یلزم ترك الواجب ولو جلس من القیام وسجد للسهو لم یؤد سجود السهو علی الوجه المسنون فلا بد من ان یضم سادسة وجلس علی الرکعتین وسجد للسهو بخلاف تلك المسألة فان الفرضیة قد بطلت فما ذکرنا من تدارك نقصان الفرض غیر موجود ههنا علی ان اصل الصلوٰة باطل عند محمد رح فعلم ان ضم السادسة صیانة عن البطلان اکد فی هذه المسألة فلهذا لم یقل ان شاء وانما قال لا تنوبان عن سنة الظهر لان النبی علیه الصلوٰة والسلام واظب علیها بتحریمة مبتدأة

ترجمہ اور اگر قعدۂ اخیرہ کرے بھول کر کھڑا ہو جائے تو تا وقتیکہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ کر بیٹھ جائے اور سلام پھیرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو اس کا فرض پورا ہو گیا اور چھٹی رکعت ملا کر سجدۂ سہو کرے اور یہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور اگر انھیں توڑ ڈالے تو قضاء لازم نہ ہوگی اور یہ دو رکعت ظہر کی سنتوں کی قائم مقام نہ ہوں گی اگر تو کہے کہ مصنف رح نے اس سے پہلے مسئلہ میں (یعنی جب کہ قعدۂ اخیرہ ترک کرکے کھڑا ہو جائے) فرمایا چھٹی رکعت ملائے اگر چاہے۔ اور اس مسئلہ میں فرمایا

"اور چھٹی رکعت ملالے" "اگر چاہے" نہیں فرمایا۔ باوجودیکہ دونوں صورتوں میں یہ دو رکعات نفل ہیں اس طرح کہ اگر انہیں قطع کر دے اور توڑ دے تو قضاء لازم نہ ہوگی تو اس مسئلہ میں بھی چھٹی رکعت ملانے پر "اگر چاہے" کی قید لگانی چاہیئے تھی میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ صورت میں چھٹی رکعت ملانا اس مسئلہ (اور اس صورت) میں چھٹی رکعت ملانے سے زیادہ موکد ہے اس کے باوجود کہ اگر توڑ دے تو دونوں شکلوں میں قضاء لازم نہ ہوگی اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اس صورت میں قعدۂ اخیرہ کر لینے کی بناء پر اس کا فرض پورا ہو گیا لیکن ان دو رکعات میں تاخیر سلام کی بناء پر سجدۂ سہو واجب ہوا پس سجدۂ سہو فرض کے نقصان کی تلافی کے لئے ہے جو ان دو رکعات میں لازم آیا لہذا اگر یہ دو رکعات توڑ دے اور سجدۂ سہو نہ کرے تو واجب کا ترک لازم آئے گا اور اگر ان دو رکعات میں قیام ترک کر کے بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کرے تو سہو کے سجدے مسنون طریقہ پر ادا نہ ہوں گے پس ضروری ہے کہ چھٹی رکعت ملا کر دو رکعت پر بیٹھے اور سجدۂ سہو کرے بخلاف اس مسئلہ (اور صورت) کے کیونکہ فرضیت قعدۂ اخیرہ ترک کرنے کی بناء پر جو کہ رکن ہے باطل ہو گئی تو ہم نے (وہاں) فرض کے نقصان کی تلافی کی شکل بیان نہیں کی کیونکہ وہاں فرض ہی باطل ہو گیا علاوہ ازیں امام محمدؒ کے نزدیک (وہاں) اصل نماز ہی باطل ہو گئی (یعنی نہ فرض ہوئی اور نہ نفل) معلوم ہوا کہ چھٹی رکعت کا ملانا بطلان سے بچانے کی خاطر اس صورت مسئلہ میں زیادہ مؤکد ہے اس وجہ سے مصنفؒ نے دوسرے مسئلہ میں "اگر چاہے" نہیں کہا اور کہا کہ یہ دو رکعات ظہر کی سنتوں کی قائم مقام نہ ہوں گی کیونکہ نبی علیہ السلام نے ابتدائے تحریمہ سے سنت ظہر کی نیت کر کے پڑھنے پر مواظبت فرمائی۔

تشریح و توضیح ولا قضاء الخ یعنی اگر یہ دونوں رکعتیں توڑ دے اور مکمل نہ کرے تو ان دو رکعات کی بہر صورت قضاء لازم نہ ہوگی، کیونکہ یہ ایسی نفل ہے جو قصداً شروع نہیں کی گئی اور وہ نفل جو بالارادہ شروع نہ کی جائے اس کی قضاء بھی واجب نہیں ہوتی۔

ولا تنوبان یعنی اگر یہ صورت ظہر میں پیش آئے تو یہ دو رکعتیں ظہر کی سنتوں کی قائم مقام شمار نہ ہوں گی اور ان سے فارغ ہو کر ظہر کی دو سنتیں الگ پڑھے گا۔

قد تم الخ کیونکہ قعدۂ اخیرہ کر چکا تھا اس لئے اس کی نماز پوری ہو گئی تھی۔

ومن اقتدیٰ بہ فیہما صلاہما ولو افسد قضاہما لانہ شرع قصدا وعند محمدؒ یصلی ستا ولو افسد لایقضی کما ان الامام لا یقضی من تنفل رکعتین وسہا فسجد لایبنی لان سجود السہو یقع فی خلال الصلوٰۃ فان بنی صح ای ان صلی بہذہ التحریمۃ نافلۃ غیر ان یجدد التحریمۃ یجوز سلام من علیہ السہو یخرجہ عنہا موقوفا حتی یصح الاقتداء بہ ویبطل وضوءہ بالقہقہۃ ویصیر فرضہ اربعا بنیۃ الاقامۃ ان سجد بعدہ

والا فلا ای المصلی الذی علیہ سجدۃ السھو ان سلم فی اٰخر صلوٰتہ قبل ان یسجد للسھو یخرجہ عن الصلوٰۃ خروجا موقوفا فینظر انہ ان سجد للسھو بعد ذلک السلام یحکم بانہ لم یخرج عن الصلوٰۃ و ان لم یسجد بل رفض الصلوٰۃ یحکم بانہ قد کان خرج عنھا حتی ان سلم ثم اقتدی بہ انسان ثم سجد للسھو یکون الاقتداء صحیحا ولو لم یسجد بل رفض الصلوٰۃ لم یصح الاقتداء واذا سلم ثم قھقہ ثم سجد یحکم ببطلان وضوئہ اذا القھقھۃ وجدت فی خلال الصلوٰۃ ولو لم یسجد بل رفض لم یبطل وضوءہ ولو سلم ثم نوی الاقامۃ ثم سجد للسھو صار ھذا الفرض اربعا لان نیۃ الاقامۃ کانت فی خلال الصلوٰۃ ولو لم یسجد للسھو بل رفض لم یصر فرضہ اربعا لان نیۃ الاقامۃ وجدت بعد الصلوٰۃ

ترجمہ اور جو شخص ان دو رکعات میں امام کی اقتداء کرے گا اس پر ان دو رکعات کا پڑھنا لازم آئے گا اور اگر توڑ دے گا تو ان کی قضاء لازم ہوگی کیونکہ اس نے قصداً شروع کی ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ چھ رکعات پڑھے گا اور اگر فاسد کر دے گا تو قضاء واجب نہ ہوگی جیسے کہ امام پر قضاء واجب نہیں ہوگی جس شخص کو نفل کی دو رکعات میں سہو ہو تو سجدۂ سہو کرے اور دوسری نفل اس کے ساتھ نہ ملائے کیونکہ (اس طرح) سجدۂ سہو نماز کے درمیان ہوگا اگر ملائے تو درست ہے یعنی اگر پھر تو تحریمہ کے بجائے اسی تحریمہ سے (مزید) نفل نماز پڑھ لے تو درست ہے کسی کو نماز میں سہو ہو اور وہ سلام کی نیت سے سلام پھیرے تو اس کا نماز سے نکلنا موقوف رہے گا حتیٰ کہ اس کی اقتداء صحیح ہوگی اور وضو اس کا قہقہہ سے باطل ہو جائے گا۔ اور اقامت (مقیم ہونے اور ٹھہرنے کی) نیت سے اس کی فرض نماز چار رکعت ہو جائے گی۔ اگر وہ اس کے بعد سجدہ کرے (تو یہ مذکورہ تینوں احکام مرتب ہوں گے) ورنہ نہیں یعنی وہ نماز پڑھنے والا جس پر سجدۂ سہو واجب ہو اگر نماز کے اخیر میں سجدۂ سہو سے پہلے سلام پھیرے تو اس کا نماز سے نکلنا موقوف رہے گا پس یہ دیکھیں گے کہ اگر اس نے اس سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا تو اس کے نماز سے نہ نکلنے کا حکم ہوگا اور اگر سجدۂ سہو نہیں کیا بلکہ نماز چھوڑ دی تو اس کے نماز سے نکل جانے کا حکم کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر وہ سلام پھیرے پھر اس کی کوئی شخص اقتداء کرے پھر وہ امام سجدۂ سہو کرے تو اس کی اقتداء صحیح ہوگی اور اگر سجدہ نہ کرے بلکہ نماز چھوڑ دے تو اس کی اقتداء صحیح نہ ہوگی اور اگر سلام پھیرے پھر قہقہہ لگائے پھر سجدہ کرے تو اس کے وضو کے باطل ہونے کا حکم کیا جائے گا کیونکہ قہقہہ نماز کے درمیان پایا گیا اور اگر سجدہ نہیں کیا بلکہ چھوڑ دیا تو اس کا وضو باطل نہیں ہوا اور اگر سلام پھیر کر (مسافر نمازی نے) قیام و ٹھہرنے کی نیت کی پھر سجدۂ سہو کیا تو یہ فرض چار ہو گئے کیونکہ اقامت

وٹھہرنے کی نیت نماز کے درمیان واقع ہوئی اور اگر سجدۂ سہو نہ کرے بلکہ چھوڑ دے تو اس کی نماز فرض چار رکعات نہیں ہوئی کیونکہ اقامت وٹھہرنے کی نیت نماز کے بعد پائی گئی۔

تشریح و توضیح وعند محمد الخ امام محمدؒ کے نزدیک اس کا حال امام کی حالت کے اعتبار سے ہوگا تو کیونکہ امام نے چھ رکعات پڑھی لہذا وہ بھی چھ رکعات پڑھے گا اور اگر امام کی یہ دو رکعات اخیر کی فاسد ہوگئیں تو ان کی قضا اس پر واجب نہ ہوگی فتح القدیر میں ہے کہ مفتی بہ امام ابویوسفؒ کا قول ہے۔

فان بنی الخ یعنی اگر نماز پڑھنے والے نے بناء کو اختیار کیا اور دوسری نماز اس سابق تحریمہ کی بنیاد پر شروع کردی اور تحریمہ کی تجدید نہیں کی تب بھی اس کی نماز درست ہوجائے گی۔

بنیۃ الاقامۃ الخ یعنی سلام کے بعد سجدۂ سہو سے قبل اقامت وقیام کی نیت کرے اور اگر سلام سے پہلے نیت اقامت کی ہو تو بلا شک وشبہ بالاتفاق سب کے نزدیک اس کے فرض بجائے دو کے چار ہوجائیں گے اور وہ مسافر سے مقیم قرار دیا جائے گا کیونکہ وہ سب کے نزدیک ابھی نماز سے نہیں نکلا۔

سهى وسلم بنية القطع بطل نيته حتى يكون تحريمته باقية كما مر شك اول مرة انه كم صلى استانف وان كثر اخذ ما غلب على ظنه لانه اذا كثر كان فى الاستيناف حرج وان لم يغلب اخذ الاقل وقعد فى كل موضع ظنه اٰخر صلوٰته يعنى ان شك انه صلى ثلث ركعات او اربع ركعات ولم يغلب على ظنه احدهما اخذ بالاقل وهو الثلث لكن يقعد ثم يصلى ركعة اخرى وانما يقعد لانه يمكن ان يكون اٰخر صلوٰته والقعدة الاخيرة فرض وقوله ظنه اٰخر صلوٰته ليس المراد بالظن رجحان احد الطرفين بل المراد الوهم لان المفروض انه لم يغلب احد الطرفين على الاٰخر

ترجمہ اگر کسی واجب میں سہوا ہوا اور نماز قطع وختم کرنے کی نیت سے سلام پھیرا تو اس کی نیت باطل ہوگئی حتی کہ اس کی تحریمہ باقی رہے گی جیساکہ بیان ہوچکا کسی کو پہلی بار نماز میں شک ہوا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی تو وہ نماز لوٹائے گا اور اگر اکثر شک ہوتا ہو تو تحری کے بعد غالب گمان کی بنا پر عمل کرے گا کیونکہ بکثرت شک پیدا ہونے کی صورت میں نماز لوٹانا باعث حرج (وضیق) ہے اور اگر تحری وسوچنے میں ظن غالب نہ ہو تو احتیاطاً کم کو اختیار کرے اور جس کو نماز کا اخیر (قعدۂ اخیرہ) خیال کرے وہاں بیٹھ جائے یعنی اگر اسے شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھیں یا چار رکعت اور دونوں میں سے کسی صورت پر ظن غالب نہ ہو تو اقل یعنی تین رکعات کو اختیار کرے گا لیکن تین رکعات پر بیٹھ

کر پھر اور (چوتھی) رکعت پڑھے۔ اور یہ تیسری رکعت پر بیٹھنا اس وجہ سے ہے کہ ممکن ہے یہی نماز کا اخیر ہو اور قعدۂ اخیرہ بہرصورت فرض ہے۔ اور مصنف کے قول ظنه آخر صلوته میں اس ظن سے مراد دونوں پہلوؤں میں سے کسی پہلو کی طرف رجحان نہیں بلکہ اس سے مراد وہم ہے۔ اس لئے کہ یہاں فرض یہی کیا گیا ہے کہ دونوں پہلوؤں میں سے کوئی دوسرے پر غالب نہ ہو ورنہ غالب کو اختیار کرنا ہوگا۔

تشریح و توضیح بطل نیته الخ یعنی نماز قطع کرنے کی نیت باطل اور تحریمہ اس صورت میں باقی و برقرار رہے گی جب کہ نہ قبلہ سے پھرا ہو اور نہ گفتگو کی ہو اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کا صدور ہوا ہو تو سرے سے تحریمہ ہی باطل ہو جائے گی۔

اول مرة یعنی یہ سہو کی صورت پہلی بار پیش آئی ہو اور اس سے قبل کبھی سہو نہ ہوا ہو تو اس اتفاقی صورت میں استیناف اور نماز دہرانے کا حکم ہوگا مسلم ابوداؤد اور ابن ماجہ میں مرفوع روایت ہے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اور یہ یاد نہ رہے کہ تین رکعات پڑھیں یا چار رکعات تو شک کو دور کرے یقین یعنی اقل رکعات کو اختیار کرے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے اگر یاد نہ رہے کہ میں نے کتنی نماز پڑھی تو میں لوٹا دوں گا یہ حکم پہلی بار سہو کا ہے یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

لانه یمکن احتیاطاً تیسری رکعت پر بیٹھا جائے گا کیونکہ اس صورت میں اس کا امکان ہے کہ یہ واقعی آخری رکعت ہو اور قعدۂ اخیرہ کا ترک لازم آئے۔

باب صلوٰۃ المریض

ان تعذر القيام لمرض حدث قبل الصلوٰة او فيها صلى قاعدا يركع ويسجد وان تعذر اى الركوع والسجود اومأ براسه قاعدا وجعل سجوده اخفض من ركوعه ولا يرفع اليه شئ للسجود وان تعذر القعود اومأ مستلقيا ورجلاه الى القبلة او مضطجعا ووجهه اليها والاول اولى وان تعذر الايماء اخرت ولا يومئ بعينيه وحاجبيه وقلبه وان تعذر الركوع والسجود لا القيام قعد واومأ وهو افضل من الايماء قائما لان القعود اقرب من السجود وهو المقصود لانه غاية التعظيم ومرض في الصلوٰة استأنف اى ابتدأ وقاعد يركع ويسجد وصح فيها بنى قائما صلى قاعدا اسنه فلك جاز بلا عذر وصح وفي المربوطة لا الا بعذر رجن او اغمى عليه يوما وليلة قضى ما فات وان زاد ساعة لا هذا عند ابى حنيفة رح وابى يوسف رح واما عند محمد رح فالمعتبر الاوقات اى ان استوعب وقت ست صلوٰة يسقط وقوله ان زاد ساعة اى

زماناً الا ما تعارفه المنجمون وعبارة المختصر هكذا وان تعذر مع القيام اومأ براسه قاعدا ان قدر ولا معه فهو احب وجعل سجوده اخفض من ركوعه ولا يرفع اليه شيئ ليسجد عليه والا فعلى جنبه متوجها الى القبلة او ظهره كذا وذا اولى والايماء بالراس فان تعذر اخرت وسؤم صح الى آخره اى ان تعذر الركوع والسجود مع القيام اومأ قاعدا ان قدر على القعود ولا معه اى لا مع القيام اى تعذر الركوع والسجود لا القيام فالايماء قاعدا احب وقوله والا فعلى جنبه اى وان لم يقدر على القعود اومأ على جنبه متوجها الى القبلة او على ظهره متوجها بان يكون رجلاه الى القبلة وقوله والايماء مبتدأ او بالرأس خبره —!

ترجمہ | اگر کوئی شخص دوران نماز کوئی مرض پیش آجانے یا پہلے سے مریض ہونے کے باعث کھڑا نہ ہوسکے تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع و سجدہ کرے اور اگر قیام کے ساتھ ساتھ رکوع و سجدہ بھی نہ ہوسکتا ہو تو سر کے اشارہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکے اور سجدہ کی خاطر کوئی اونچی چیز نہ رکھے اور اگر بیٹھنے پر قدرت نہ ہو تو چت لیٹ کر اور پیر قبلہ رخ کرکے یا کروٹ سے لیٹ کر منہ قبلہ کی طرف کرکے سر کے اشارہ سے نماز پڑھے اور پہلی صورت (چت لیٹ کر پاؤں قبلہ رخ کرکے نماز پڑھنا) اولیٰ ہے اور اگر اشارہ سے پڑھنا بھی ممکن نہ ہو تو نماز مؤخر کردے اور آنکھوں، بھووں اور دل سے اشارہ نہ کرے اور اگر رکوع و سجدہ پر قادر نہ ہو قیام پر قدرت ہو تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھ لے اور یہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا کھڑے ہوکر پڑھنے سے افضل و بہتر ہے کیونکہ بیٹھنا سجدہ سے زیادہ قریب ہے اور وہ سجدہ مقصود ہے کیونکہ اس میں انتہائی تعظیم ہے اور اشارہ سے نماز پڑھنے والا اگر نماز کے دوران اچھا ہوگیا تو وہ از سر نو نماز پڑھے گا۔ اور بیٹھ کر رکوع و سجدہ کرنے والا اچھا ہوگیا تو (صرف) باقی نماز کھڑے ہوکر پڑھے گا رواں کشتی میں بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا صحیح ہے اور کشتی بندھی ہوئی ہو تو بیٹھ کر بلا عذر نماز پڑھنا صحیح نہیں جو شخص ایک دن اور ایک رات پاگل رہے یا بے ہوش رہے تو وہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرے اور اگر ایک دن ایک رات سے ایک گھڑی بھی زیادہ دیوانگی یا بے ہوشی طاری رہے تو فوت شدہ نمازوں کی قضاء نہ کرے یہ حکم امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں نمازوں کا اعتبار ہوگا یعنی اگر بے ہوشی و پاگل پن پانچ نمازوں تک طاری رہے، تو قضاء لازم ہوگی اور چھٹی نماز کے وقت تک یا اس سے زیادہ) رہے تو قضاء ساقط ہونے کا حکم کیا جائے گا (اور اگر ایک گھڑی یعنی زمانہ دو وقت بڑھ جائے تو قضاء واجب نہ ہوگی) مصنفؒ کے قول وان زاد ساعة سے مراد وہ زمانہ نہیں جو نجومیوں کے یہاں متعارف ہے اور مختصر کی عبارت اسی طرح ہے اور اگر قیام کے دوران

رکوع وسجدہ پر (بھی) قادر نہ ہو تو سر کے اشارہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے اگر قدرت بیٹھنے پر ہو اور کھڑے ہو کر اشارہ سے پڑھنا زیادہ (میرے نزدیک) پسندیدہ ہے اور سجدہ رکوع سے زیادہ جھکا ہوا کرے اور سجدہ کرنے کے لئے کوئی چیز نہ رکھے اور اگر بیٹھنے پر قادر نہ ہو تو کروٹ سے قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے یا چت لیٹ کر قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے اور یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے اور سر سے اشارہ کرے پس اگر سر سے اشارہ ممکن نہ ہو نماز موخر کردے اور نماز کرنے والا اچھا ہو جائے (الی آخرہ) یعنی اگر قیام کے ساتھ ساتھ رکوع وسجدہ ممکن نہ رہے تو بیٹھ کر سر سے اشارہ کرے بشرطیکہ بیٹھنے پر قادر ہو اور کھڑے ہو کر سر سے اشارہ نہ کرے یعنی اگر رکوع وسجدہ پر قادر نہ ہو (اور) قیام پر قادر ہو تو بیٹھ کر اشارہ کرنا زیادہ پسندیدہ ہے اور مصنفؒ کا قول والا فعلی جنبہ یعنی اگر بیٹھنے پر قادر نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر اور منہ قبلہ کی طرف کرکے اشارہ سے نماز پڑھ لے یا چت لیٹ کر پیر قبلہ رخ کرکے نماز پڑھے اور مصنفؒ کا قول "والایماء" مبتدا ہے اور بالراس اس کی خبر ہے

تشریح وتوضیح

ان تعذر الخ خواہ عذر حقیقی ہو کہ اگر کھڑا ہو جائے تو گر جائے گا اور خواہ حکمی ہو کہ قیام کی صورت میں ضرر ونقصان وازدیاد مرض کا قوی اندیشہ ہو "نہایہ" میں اسی طرح ہے

صلی قاعدا الخ یعنی اگر کھڑے ہونے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھ پس اگر کھڑے ہو کر پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو کروٹ سے اشارہ کے ساتھ پڑھ" یہ روایت بخاری شریف میں موجود ہے)

وجعل الخ اگر رکوع وسجود پر قدرت ہو تو رکوع وسجدہ کرے ورنہ اشارہ سے پڑھے حدیث شریف میں ہے" اگر رکوع وسجدہ پر قادر ہو ورنہ اشارہ سے نماز پڑھے اور سجدہ رکوع سے زیادہ جھکا ہوا کرے (یہ روایت مسند بزار وغیرہ میں ہے)

ولا یرفع الخ اور سجدہ کرنے کے لئے کوئی چیز سامنے نہ رکھے کیونکہ یہ نہی وممانعت کی بنا پر مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر تکیہ زمین پر رکھا ہوا ہو اور اس پر سجدہ کرے تو جائز ہے ذخیرہ میں اسی طرح ہے

وان تعذر القعود الخ یعنی بیٹھنا نہ خود بغیر ٹیک لگائے ممکن ہو اور نہ دیوار وغیرہ کے سہارے سے لیکن اگر ٹیک لگا کر بیٹھ سکتا ہو تو سہارے سے بیٹھنا لازم ہوگا غنیہ میں اسی طرح ہے۔

یعنی دائیں پہلو پر لیٹے یا بائیں پہلو پر لیکن دائیں پہلو پر لیٹنا اولیٰ ہے "امداد الفتاح" میں اس کی صراحت ہے۔

اخرت الخ اگر اشارہ سے ادائیگی بھی دشوار ہو تو تاوقتیکہ اتنی طاقت آئے کہ کسی صورت سے ادا کر سکے نماز موخر کردے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفس کو بقدر استطاعت ہی مکلف بنایا ہے

صلی قاعدا الخ یعنی بیٹھ کر رکوع وسجدہ سے نماز پڑھنے والا اگر دوران نماز اچھا ہو جائے تو اسی پڑھی ہوئی نماز پر باقی نماز کی بنا اور باقی ماندہ نماز کھڑے ہو کر پڑھنا درست ہے اسی طرح قائم کی اقتدار

قاعد (بیٹھنے والے) کے پیچھے جائز ہے اور یہ جواز حدیث سے ثابت ہے۔
سنن میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگوں نے کھڑے ہو کر آپ کی اقتداء کی۔
المنجمون۔ فن نجوم کے ماہر اور اس پر دسترس و عبور رکھنے والے۔
وبالراس۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ سر کے علاوہ ابرو وغیرہ سے اشارہ درست نہیں۔

باب سجود التلاوۃ

هو سجدة بين تكبيرتين بشروط الصلوٰة بلا رفع يد وتشهد وسلام وفيها سبحة السجود وتجب على من تلا اية من اربع عشرة التى فى اخر الاعراف والرعد والنحل وبنى اسرائيل ومريم واولى الحج احتراز عن الثانية وهى قوله تعالىٰ واركعوا واسجدوا فانه لا سجدة عندنا خلافا للشافعى ففى كل موضع من القران قرن الركوع بالسجود يراد به السجدة الاتية والفرقان والنمل والٓمٓ السجدة وصٓ وحٰمٓ السجدة والنجم وانشقت واقرأ وعند الشافعى فى اربع عشرة ايضا ففى صٓ ليس عنده سجدة وفى الحج عنده سجدتان واختلف فى موضع السجدة فى حٰمٓ السجدة فعند على رضى الله تعالىٰ عنه هو قوله تعالىٰ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ وبه اخذ الشافعى وعند ابن مسعود رضى الله عنه هو قوله تعالىٰ وَهُمْ لَا يَسْاَمُوْنَ فاخذنا بهذا احتياطا فان تاخير السجدة جائز لا تقديمه او سمعها وان لم يقصده اى السماع تلا الامام يسجد المؤتم معه وان لم يسمع وان تلا الماموم لم يسجد اصلا اى لا فى الصلوٰة ولا فى بعدها وسجد السامع الخارجى سمع المصلى ممن ليس معه سجد بعدها ولو سجد فيها اعادها لا الصلوٰة سمعها من امام ولم يدخل معه او دخل فى ركعة اخرى سجد بعدها لا فيها

ترجمہ سجدۂ تلاوت ایک سجدہ ہے دو تکبیروں کے درمیان نماز کی ساری شرطوں (کی رعایت) کے ساتھ بغیر ہاتھ اٹھائے اور تشہد وسلام کے بغیر اور سجدۂ تلاوت میں وہی پڑھے جو نماز کے سجدہ میں پڑھتا ہے (یعنی ماثور تسبیحات) اور سجدۂ تلاوت اس پر واجب ہوگا جو ان چودہ آیات میں سے کسی آیت کی تلاوت کرے سورۂ اعراف کی اخیر آیت اور سورۂ رعد ونحل وبنی اسرائیل ومریم کی آیات اور سورۂ حج کی سجدہ کی پہلی آیت پہلی آیت کہہ کر دوسری آیت یعنی ارشاد باری واركعوا واسجدوا سے احتراز

مقصود ہے کیونکہ ہمارے نزدیک اس آیت پر سجدہ نہیں امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری آیت پر سجدہ ہے پس قرآن شریف میں ہر وہ جگہ جہاں رکوع کا سجدہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد سجدۂ صلاتیہ ہے اور سورۂ فرقان نمل الم السجدۃ ص حم السجدۃ النجم انشقت اور سورۂ اقرأ میں سجدہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک بھی چودہ جگہ سجدہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ ص میں سجدہ نہیں اور سورۂ حج میں ان کے نزدیک دو سجدے ہیں اور حم السجدہ میں سجدہ کی جگہ میں اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ان کنتم ایاہ تعبدون پر سجدہ ہے امام شافعیؒ کا مستدل یہی ارشادِ حضرت علیؓ ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارشادِ خداوندی وھم لایسئمون پر سجدہ ہے ہم نے احتیاطاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو لیا ہے کیونکہ تاخیر سجدہ جائز ہے تقدیم سجدہ (آیت سجدہ سے پہلے سجدہ) جائز نہیں یا کسی سے سجدہ کی آیت سنے اگرچہ یہ سننا بلا ارادہ ہو امام نے آیت سجدہ تلاوت کی تو مقتدی نے خواہ وہ آیت نہ سنی ہو (مگر) اس کے ساتھ سجدہ کرے اور اگر مقتدی نے تلاوت کی تو امام و مقتدی دونوں میں کسی پر نہ نماز میں سجدۂ تلاوت واجب ہوگا اور نہ نماز کے بعد اور نماز میں شریک نہ ہونے والا اگر نماز پڑھنے والے سے آیت سجدہ سنے تو سجدہ کرے نماز پڑھنے والا اس شخص سے آیت سجدہ سنے جو اس کے ساتھ شریک نماز نہ ہو تو وہ نماز کے بعد سجدہ کرے اور اگر وہ نماز کے اندر سجدہ کرلے تو بعد میں پھر سجدہ کرے نماز کو نہ لوٹائے کسی نے امام سے آیت سجدہ سنی درانحالیکہ وہ اس کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہو یا اس کے ساتھ دوسری رکعت میں شریک ہو تو وہ بعد میں سجدہ کرے اندرونِ نماز نہ کرے۔

تشریح و توضیح ھوالخ یعنی سجدۂ تلاوت صرف ایک سجدہ ہے اگرچہ بیٹھ کر بھی جائز ہے مگر مستحب یہ ہے کہ کھڑے ہوکر کرے۔

بشروط الصلوٰۃ الخ جگہ کی کپڑے کی اور جسم کی پاکی اور استقبالِ قبلہ وغیرہ جتنی نماز کی شرطیں ہیں وہ اس میں بھی مطلوب ہیں۔

بلا رفع سجدۂ تلاوت کے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں کیونکہ اس موقعہ پر ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے

سبحۃ سین کے ضمہ کے ساتھ سجدۂ تلاوت اور دوسرے تمام سجدوں میں ماثورہ منقول تسبیحات کا پڑھنا مسنون ہے۔

وتجب الخ آیت سجدہ تلاوت کرنے والے پر یہ سجدہ واجب ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب ابن آدم سجدہ کرتا ہے تو وہ اس سے اشکبار یہ کہہ کر جدا ہوتا ہے ہائے افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا پس اس نے سجدہ کیا اور وہ جنت کا حقدار ہوگیا اور مجھے سجدہ کا حکم کیا گیا میں نے انکار کیا اس لئے دوزخ ہے (یہ حدیث مسلم وغیرہ میں موجود ہے) اس حدیث کی تائید میں کفار کی مذمت کرتے

ہوئے یہ ارشاد باری ہے "واذا قرئ علیھم القرآن لا یسجدون الآیۃ"
تلا آیۃ الخ یعنی ایک آیت پوری تلاوت کرے یا حرف سجدہ کے ساتھ اکثر آیت تلاوت کرے سجدہ واجب ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ اگر حرف سجدہ کے ساتھ اس سے پہلے ایک کلمہ یا اس کے بعد ایک کلمہ تلاوت کرے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا ورنہ نہیں سراج الوہاج میں اسی طرح ہے۔
فی آخر الاعراف یعنی ارشاد ربانی ان الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادتہ ویسبحونہ و لہ یسجدون سورۂ اعراف میں آیت سجدۂ تلاوت ہے۔
والرعد الخ سورۂ رعد کی یہ آیت "وللہ یسجد من فی السموات والارض طوعا وکرھا وظلالھم بالغدو والآصال" آیت سجدہ ہے۔
وبنی اسرائیل سورۂ بنی اسرائیل آیت یخرون للاذقان یبکون ویزیدھم خشوعا آیت سجدہ ہے
ومریم سورۂ مریم کی یہ آیت اذا تتلی علیھم آیات الرحمن خروا سجدا وبکیا آیت سجدہ ہے
واولی الحج سورۂ حج کی آیت "الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات والارض (الی قولہ) ان اللہ یفعل ما یشاء" آیت سجدہ ہے۔
والفرقان سورۂ فرقان کی آیت واذا قیل لھم اسجدوا للرحمن قالوا وما الرحمن انسجد لما تامرنا وزادھم نفورا آیت سجدہ ہے۔
والنمل سورۂ نمل کی یہ آیت الا یسجدوا للہ الذی یخرج الخبء فی السموات والارض ویعلم ما تخفون وما تعلنون اللہ لا الہ الا ھو رب العرش العظیم آیت سجدہ ہے۔
والم السجدۃ اس سورۃ کی یہ آیت انما یؤمن بآیاتنا الذین اذا ذکروا بھا خروا سجدا وسبحوا بحمد ربھم وھم لا یستکبرون آیت سجدہ ہے۔
ص۔ اس سورۃ کی آیت وخر راکعا واناب آیت سجدہ ہے۔
النجم سورۂ النجم کی آیت فاسجدوا للہ واعبدوا آیت سجدہ ہے۔
وانشقت اس سورۃ کی یہ آیت فما لھم لا یؤمنون واذا قرئ علیھم القرآن لا یسجدون آیت سجدہ ہے۔
واقرأ اس سورۃ کی آیت "واسجد واقترب" آیت سجدہ ہے۔

وان دخل فی تلک الرکعۃ ان کان ای الدخول قبل سجود امامہ سجد معہ والا لم یسجد والسجدۃ الصلوتیۃ لا تقضی خارجھا ای سجدۃ التلاوۃ التی محلھا الصلوۃ لا تقضی خارج الصلوۃ وانما قلت محلھا الصلوۃ ولم اقل التی وجبت فی الصلوۃ

احترازا عما وجبت فی الصلوٰۃ ومحل ادائھا خارج الصلوٰۃ کما اذا سمع المصلی ممن لیس معہ او سمع من امامہ واقتدی بہ فی رکعۃ اخری تلاھا ثم شرع فی الصلوٰۃ واعادھا کفتہ سجدۃ وان تلاھا وسجد ثم شرع فیھا واعاد سجد اخری لان فی الصورۃ الاولی غیر الصلوٰتیۃ صارت تبعا للصلوٰتیۃ وان لم یتحد المجلس وفی الصورۃ الثانیۃ لما سجد قبل الصلوٰۃ لایقع عما وجبت فی الصلوٰۃ فقط ولفظ المختصر وان اعاد فی مجلس او فی صلوٰۃ کفی سجدۃ ای قرأ فی غیر الصلوٰۃ ثم اعادھا فی الصلوٰۃ وفھم من تخصیص المعاد بکونہ فی الصلوٰۃ ان الاولی فی غیر الصلوٰۃ

ترجمہ اور اگر اس رکعت میں شریک ہو جس میں امام نے آیت سجدہ پڑھی ہو اگر امام کے سجدہ سے پہلے شریک ہوا ہو تو اس کے ساتھ سجدہ کرلے ورنہ نہیں اور سجدۂ صلوٰتیہ کی قضاء خارج نماز نہیں کی جائے گی یعنی وہ سجدۂ تلاوت جس کی ادائیگی کا محل (دموقعہ) نماز ہو اس کی قضاء نماز سے باہر نہ ہوگی میں نے محلھا الصلوٰۃ (اس کی ادائیگی کا محل نماز ہو) کہا التی وجبت فی الصلاۃ (جو نماز میں واجب ہو) نہیں کہا یہ اس سجدہ سے احتراز مقصود ہے جو نماز میں واجب ہو اور خارج نماز ادا کیا جائے جیسے نماز پڑھنے والا اس شخص سے سنے جو اس کے ساتھ شریک نماز نہ ہو یا اپنے امام سے سنے اور اس کی اقتدار اس کے علاوہ میں کرے جس میں اس نے آیت سجدہ تلاوت کی ہو (یعنی وہ خارج نماز اس سے آیت سجدہ سنے اور پھر اس کے سجدۂ تلاوت کر چکنے کے بعد شریک نماز ہو) کوئی شخص خارج نماز آیت سجدہ پڑھے پھر نماز شروع کرے اور اس میں وہی آیت پڑھے تو اس کے لئے ایک سجدہ کافی ہے اور اگر آیت سجدہ پڑھکر سجدہ کرے پھر نماز شروع کرے اور وہی آیت نماز میں پڑھے تو دوبارہ سجدہ کرے کیونکہ پہلی صورت میں غیر صلوٰتیہ صلوٰتیہ کے تابع ہو گیا اگرچہ مجلس متحد نہ ہو اور دوسری صورت میں جب نماز سے پہلے سجدہ کرلیا تو یہ نماز میں واجب ہونے والے سجدہ کیلئے بالکل کافی نہ ہوگا اور "مختصر" کے لفظ یہ ہیں کہ اگر آیت سجدہ ایک مجلس میں دہرائی گئی یا نماز میں تو ایک سجدہ کافی ہے یعنی خارج نماز آیت سجدہ تلاوت کی پھر دو) آیت نماز میں پڑھی اور نماز میں لوٹائے جانے کی تخصیص سمجھا گیا کہ پہلی صورت (یعنی ایک مجلس میں مکرر آیت سجدہ پڑھنا) نماز کے علاوہ کی ہے

تشریح وتوضیح لاتقضی الخ قضاء بمعنی اداء بھی استعمال کرتے ہیں یعنی نماز میں واجب ہونے والا سجدہ خارج نماز ادا نہ کیا جائے قضاء بمعنی اداء استعمال کئے جانے کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض (الآیہ)

واعاد الخ یعنی اگر یہی آیت دوبارہ نماز میں تلاوت کرے تو دوسرا سجدہ واجب نہ ہوگا لیکن اگر اس

آیت کے علاوہ دوسری آیت سجدہ تلاوت کی تو اس صورت میں دوسرا سجدہ واجب ہو جائے گا۔

کررھا فی مجلس کفتہ سجدۃ ولا فرق بین ما قرأ مرتین ثم سجد وقرأ وسجد ثم قرأھا فی ذلک المجلس فعلیٰ ھذا ان کررھا فی رکعۃ واحدۃ تکفی سجدۃ واحدۃ سواء سجد ثم اعاد او اعاد ثم سجد وھکذا ان کرر فی رکعۃ اخریٰ ھذا عند ابی یوسف خلافاً لمحمد رح وان بدل لھا ای اٰیۃ السجدۃ او المجلس لا ای قرأ اٰیتین فی مجلس واحد او اٰیۃ واحدۃ فی مجلسین لا تکفی سجدۃ واحدۃ واسداء الثوب والانتقال من غصن الیٰ غصن اٰخر تبدیل اسداء الثوب ان یغرز الحائک فی الارض خشبات لیسوی فیھا سدی الثوب فی ذھابہ ومجیئہ فان مجلسہ یتبدل بالانتقال من مکان الیٰ مکان وتجب اخریٰ ای علی السامع لو تبدل مجلس السامع دون التالی لا فی عکسہ ای لا تجب سجدۃ اخریٰ علی السامع ان تبدل مجلس التالی دون السامع واعلم ان المجلس ھٰھنا یتبدل بالشروع فی امر اٰخر وبالانتقال من مکان الیٰ مکان لا یتعدان حکما امازوایا البیت والمسجد ففی حکم مکان واحدۃ بدلالۃ صحۃ الاقتداء واغصان شجرۃ واحدۃ امکنۃ مختلفۃ فی ظاھر الروایۃ وفی روایۃ النوادر مکان واحد وبالقیام ھٰھنا لا یتبدل المجلس بخلاف المخیرۃ فان القیام ثمہ دلیل الاعراض

تشریح و توضیح اگر ایک مجلس میں کئی بار آیت سجدہ پڑھے تو ایک سجدہ کافی ہے۔ اور اس کے حکم میں کوئی فرق نہ پڑے گا کہ دو بار پڑھے پھر سجدہ کرے اور تلاوت کرے اور سجدہ کرے پھر اسی مجلس میں یہ آیت تلاوت کرے پس اس بنیاد پر اگر ایک رکعت میں مکرر آیت سجدہ پڑھے تو ایک سجدہ کافی ہوگا خواہ سجدہ کرکے پھر آیت سجدہ پڑھے یا آیت سجدہ کا اعادہ کرکے پھر سجدہ کرے اور اگر دوسری رکعت میں یہی آیت سجدہ پڑھے تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک ایک سجدہ کافی ہوگا۔ امام محمدؒ کے نزدیک دو سجدے کرے گا اور اگر آیت سجدہ بدل دے یا مجلس بدل دے تو ایک سجدہ کافی نہ ہوگا یعنی دو سجدہ کی آیتیں ایک مجلس میں یا ایک آیت سجدہ دو مجلسوں میں پڑھے تو ایک سجدہ کافی نہ ہوگا اور چرخی پر تانا تننے اور ایک شاخ سے دوسرے شاخ پر منتقل ہونے سے مجلس بدل جائے گی اور اسداء ثوب یہ ہے کہ کپڑا بننے والا زمین میں لکڑیاں آمد و رفت میں تانا برابر کرنے کی خاطر گاڑے تو اس کی مجلس ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے باعث بدل جائے گی اور اگر تلاوت کرنے والے کی مجلس ایک رہے اور سننے والے کی مجلس بدل جائے تو اس پر دوسرا واجب ہوگا لیکن اس کے عکس

کی صورت میں سننے والے پر ایک (ہی) سجدہ لازم ہوگا یعنی تلاوت کرنے والے کی مجلس بدل جانے اور سننے والے کی نہ بدلنے سے سننے والے پر دوسرا سجدہ واجب نہیں ہوگا اور واضح رہے کہ مجلس یہاں دوسرے کام کے شروع کرنے سے بدل جائے گی اور ایک مکان (جگہ) سے دوسرے مکان (جگہ) میں منتقل ہونے سے جو حکماً متحد نہ ہوں مجلس بدل جائے گی رہے گھر کے کونے اور مسجد کے کونے پس وہ اقتداء صحیح ہونے کی بنیاد پر ایک جگہ کے حکم میں ہوں گے اور ایک درخت کی شاخیں ظاہر روایت کے مطابق متعدد مکان ہیں اور نوادر کی روایت کی رو سے ایک مکان ہے اور بیٹھے سے کھڑا ہو جائے تو مجلس نہیں بدلے گی۔ اس کے برعکس وہ عورت جسے طلاق کا اختیار دیا ہو وہ بیٹھے سے اس جگہ سے کھڑی ہوگئی تو مجلس بدل جائے گی کیونکہ اس کا کھڑا ہونا اعراض کی دلیل وعلامت ہے۔

تشریح وتوضیح المجلس الخ مجلس نہ بدلنے کی صورت میں ایک ہی سجدہ واجب ہوگا حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی علیہ السلام کے سامنے تلاوت فرماتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے تلاوت فرماتے تھے اور صرف ایک مرتبہ سجدہ کرتے تھے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابو عبدالرحمن سلمی رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے (ہدایہ اور بنایہ میں اس کی صراحت ہے۔)

فعلی هذ الخ ایک رکعت میں اگر متعدد بار ایک آیت سجدہ پڑھی گئی تو بالاتفاق سب کے نزدیک ایک سجدہ کافی ہوگا۔

فی رکعة الخ اگر شفع اول کے بعد شفع ثانی میں آیت سجدہ پڑھے تو بالاتفاق دوسرا سجدہ لازم ہوگا "قنیہ" میں اسی طرح ہے۔

وبالقیام الخ یعنی بیٹھ کر آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدہ کرے پھر اسی جگہ کھڑا ہو جائے اور جگہ نہ بدلی ہو تو صرف کھڑے ہونے پر تبدل مجلس کا اطلاق نہ ہوگا اور دوسرے سجدہ کا وجوب نہ ہوگا۔

لیکن اگر ایسی عورت جسے طلاق کا اختیار دیا گیا ہو بیٹھی سے کھڑی ہو جائے۔ تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا کیونکہ اس کا قیام اعراض وپہلوتہی کی علامت ہے۔

وكره ترك السجدة اى ترك اٰية السجدة وقراءة باقى السور لانه يشبه الاستنكاف لا عكسه اى لايكره قراءة اٰية السجدة وترك باقى السورة وندب ضم اٰية او اٰيتين قبلها اليها دفعا لتوهم التفضيل واستحسن اخفاؤها عن السامع لئلا تجب على السامع فانه ربما يكون السامع غير متوضئ

ترجمہ اور پوری سورۃ پڑھکر صرف آیت سجدہ چھوڑنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں سجدہ کے انکار

سے مشابہت ہو جاتی ہے بخلاف اس کے عکس کے یعنی (صرف) آیت سجدہ پڑھنا اور باقی سورت چھوڑ دینا مکروہ نہیں اور مستحب ہے کہ اس سے پہلے ایک یا دو آیتیں ملا لے تاکہ فضیلت دینے کا وہم نہ ہو اور آہستہ پڑھنا بھی مستحب ہے تاکہ سننے والے پر سجدہ واجب نہ ہو کیونکہ بسا اوقات سننے والا باوضو نہیں ہوتا۔

تشریح و توضیح وکرہ الخ شان و اخلاق مؤمن سے یہ بات بعید ہے کہ قرآن شریف کے کچھ حصہ کی تلاوت سجدہ سے گریز کی بنا پر چھوڑ دی جائے کیونکہ اس طرح صرف آیت سجدہ کا ترک گریز کے ابہام کو تقویت دیتا ہے اس لئے شرعاً اسے ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے مکروہ تحریمی کہا گیا لاعکسہ الخ کیونکہ صرف آیت سجدہ پڑھنے میں سجدہ ریزی اور اطاعت کیشی کے جذبہ کا اظہار ہوتا ہے جو عند اللہ محمود ہے اس لئے اس میں کسی طرح کی کراہت نہیں بلکہ مبادرت الی الطاعۃ کی بنا پر مستحسن ہے لتوھم التفضیل کلام اللہ ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں رہی بعض کی بعض پر فضیلت تو وہ دوسرے لحاظ سے ہے اور امر آخر ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْمُسَافِر

هومن قصد سيرا وسطا ثلثة ايام ولياليها وفارق بيوت بلده واعتبر في الوسط للبر سير الابل والراجل وللبحر اعتدال الريح وللجبل ما يليق به وله رخص تدوم كالقصر في الصلوٰة والافطار في الصوم وان كان عاصيا في سفره حتى يدخل بلده حتى يدخل متعلق بقوله تدوم او ينوى اقامة نصف شهر ببلدة او قرية منها اى من الرخص قصر فرضه الرباعى فيقصر ان نوى اقل من نصف شهر او نوى مدتها اى مدة الاقامة وهى نصف شهر بموضعين او دخل بلدا عازما خروجه غدا او بعده وطال مكثه وكذا عسكر دخل ارض حرب او حاصر حصنا فيها او اهل البغى فى دارنا فى غير مصر وان نووا اقامة مدتها اى يقصر الجماعة المذكورون وان نووا اقامة نصف شهر لانهم لم يصيروا مقيمين بنية الاقامة لا اهل اخبية نووها فى الاصح اى لا يقصر اهل اخبية نووا اقامة نصف شهر فى اخبيتهم لان نية الاقامة تصح منهم فى الصحراء لان الاقامة اصل فلا تبطل بانتقالهم من مرعىً الى مرعىً هذا هو الصحيح وقيل لا تصح نيه اقامتهم فان الاقامة لا تتم الا فى الامصار والقرىٰ ولفظ المختصر وبصحراء دارنا وهو خبائى لا بدار الحرب او البغى محاصرا كمن طال مكثه

بلا نیة ای یقصر الراعی الی ان ینوی الاقامة بصحراء دارنا والحال انه خبائی ای من اهل الخباء وهو الخیمة فانه لا یقصر فان نیة الاقامة منهم فی صحراء دارنا صحیحة واما غیر اهل الخباء لو نوی الاقامة فی صحراء دارنا لا تصح فعلم منه ان من حاصر اهل البغی فی دارنا لا یصح منه نیة الاقامة اذا کان فی الصحراء وقوله لا بدار الحرب عطف علی قوله بصحراء دارنا فانه جعل نیة الاقامة فی صحراء دارنا غایة للقصر وحکم الغایة مخالف لحکم المغیا فیکون حکمه عدم القصر ثم قوله لا بدار الحرب محاصرا نفی لذلک النفی فیکون حکمه القصر ای یقصر ان نوی اقامة نصف شهر بدار الحرب او البغی محاصرا وقوله کمن طال مکثه بلا نیة لما فهم من قوله لا بدار الحرب حکم القصر قال لمن طال مکثه ای یقصر کمن طال مکثه فی بلدة او قریة بلا نیة المکث

ترجمہ جو شخص تین دن اور تین رات کی مسافت کا متوسط رفتار سے ارادہ کرے اور شہر کے گھروں سے نکل جائے وہ (شرعاً) مسافر ہے اور خشکی میں متوسط رفتار اونٹ کی اور پاپیادہ شخص کی قابل اعتبار ہوگی ۔ اور سمندر میں ہوا کا معتدل و موافق ہونا اگر کشتی اس کے ذریعہ معتدل رفتار سے چلے) معتبر ہے اور پہاڑی سفر میں جو کچھ اس کے مناسب ہو (اس کا اعتبار کیا جائے گا اور مسافر کو دوران سفر مستقل رخصت (ورعایت) دی جائے گی مثلاً نماز میں قصر اور روزہ کا افطار کرنا اور اگرچہ اس کا سفر بارادہ گناہ ہو حتی کہ وہ اپنے سفر میں داخل نہ ہو جائے حتّٰی یدخل مصنف رح کے قول ' تدوم ' سے متعلق ہے یا کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن رہنے کی نیت نہ کرلے اس کے واسطے رخصت و اجازت ہے (یعنی وہ مسافر رہے گا) کہ چار رکعات فرض نماز میں قصر کرے (دو پڑھے) پس وہ قصر کرے گا اگر نصف ماہ سے کم قیام کی نیت کی ہو یا پندرہ دن دو جگہ رہنے کی نیت کی ہو یا کسی شہر میں داخل ہوا اور کل یا پرسوں وہاں سے چلے جانے کا ارادہ ہوا اور اسی طرح قیام طویل ہو جائے اور اسی طرح اسلامی لشکر دار الحرب میں داخل ہو یا دار الحرب کے قلعہ کا محاصرہ کرلے یا باغیوں کو دار الاسلام میں بیرون شہر گھیرلے اگرچہ وہ سب اقامت کی مدت کی نیت کریں گے لیکن مقیم نہ ہوں گے یعنی بہ ذکر کردہ جماعت نصف ماہ کی نیت کرنے کے باوجود قصر کرے گی کیونکہ وہ نیت اقامت کی وجہ سے مقیم شمار نہ ہوں گے لیکن خیموں میں رہنے والے زیادہ صحیح قول کے مطابق پندرہ دن اقامت کی نیت سے مقیم ہو جائیں گے یعنی خیموں میں اندرون صحراء رہنے والے اپنے خیموں اور اقامت کی جگہ میں پندرہ دن اقامت کی نیت کرلیں تو قصر نہیں کریں گے کیونکہ ان کی نیت اقامت صحراء میں صحیح ہے اس لئے کہ اقامت اصل ہے پس صحیح قول کی رو سے ان کے ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ میں منتقل ہونے کے باعث اقامت باطل نہ ہوگی اور بعض کے نزدیک

ان کی نیت اقامت صحیح نہ ہوگی کیونکہ اقامت شہروں یا دیہاتوں میں صحیح ہوتی ہے اور مختصر کے لفظ یہ ہیں کہ اس سے مراد دار الاسلام کے جنگل میں خیموں میں رہنے والے ہیں دار الحرب کے جنگل میں مقیم یا دار البغاوت کا وہ محاصرہ کرنے والے نہیں جن کا بلانیت قیام طویل ہو گیا ہو یعنی چار رکعت فرض میں قصر اس صورت میں ہوگا کہ دار الاسلام کے صحرا میں اقامت کی نیت ہو در انحالیکہ وہ خیموں میں رہنے والے لوگ ہوں پس وہ قصر نہیں کرینگے۔ کیونکہ دار الاسلام میں ان کی نیت اقامت صحیح ہے اور ان خیموں میں اقامت گزینوں کے علاوہ اگر دار الاسلام کے صحرا میں اقامت کی نیت کرے تو صحیح نہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ دار الاسلام میں باغیوں کا محاصرہ کرنے والے کی نیت اقامت صحرا میں درست نہیں ہوگی اور مصنف رح کا قول "لا بدار الحرب" کا عطف مصنف رح کے قول بصحراء دارنا پر ہے۔ اور مصنف رح نے دار الاسلام کے صحرا میں نیت اقامت کو قصر کی غایت قرار دیا ہے اور غایت کا حکم مغیا کے حکم کے مخالف ہے پس عدم قصر کا حکم ہوگا پھر مصنف رح کا قول "لا بدار الحرب محاصرا" اس نفی کی نفی ہے یعنی اگر دار الحرب میں پندرہ دن باغیوں کے محاصرہ کی صورت میں پندرہ روز اقامت کی نیت کرے تو قصر کرے گا اور مصنف رح کا قول "کمن طال مکثه بلانية" جب کہ اس کے قول لا بدار الحرب سے حکم قصر سمجھا گیا تو کہا "کمن طال مکثه" یعنی وہ شخص قصر کرے گا جس کا قیام کسی شہر یا گاؤں میں قیام (پندرہ روز قیام) کی نیت کے بغیر طویل ہو جائے۔

تشریح وتوضیح صلوٰۃ المسافر الخ اس باب میں مسافر کے احکام کا ذکر ہے السفر زبر کے ساتھ اس کے معنی ہیں "الکشف" سفر میں کیونکہ مسافر کے اخلاق کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور لوگوں پر اس کے اخلاق کا حسن وقبح کھلتا ہے اسی طرح مسافر پر لوگوں کے مزاج وحالات واضح ہوتے ہیں اور زمین کے عجائبات عیاں ہوتے ہیں اس لئے سفر کو سفر کہا جاتا ہے۔

قصد سفر میں دو امر معتبر ہیں (۱) ارادہ ونیت سفر (۲) شہر سے باہر نکلنا لہٰذا اگر کوئی بلا نیت سفر شہر سے باہر نکل جائے یا مسافت سفر سے کم کا قصد کرے تو وہ شرعی سفر نہ ہوگا "بنایہ" میں اسی طرح ہے۔

نصف شہر یعنی اگر مسافر نے کہیں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرلی تو وہ نماز پوری پڑھے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تو بحالت سفر کسی شہر میں آئے اور وہاں پندرہ روز قیام کی نیت کرے تو وہاں اپنی نماز پوری پڑھ (طحاوی نے شرح معانی الآثار میں یہ ارشاد نقل کیا ہے) اسی طرح کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

فرضه الرباعی یہ کہہ کر دو رکعات اور تین رکعات والے فرض مثلاً مغرب اور فجر سے احتراز مقصود ہے کہ ان میں قصر نہیں کرے گا۔

فلوا تم مسافر وقعد فی الاولیٰ تم فرضه واساء لتاخیر السلام وشبهة عدم قبول صدقة

اللہ تعالیٰ وما زاد نفل وان لم یقعد بطل فرضہ لترک القعدۃ وھی فرض علیہ مسافر امّہ مقیم یُتِمّ فی الوقت وبعدہ لا یؤمّہ اذ فی الوقت یصیر فرضہ اربعا بالتبعیۃ وبعد الوقت لا یتغیّر فرضہ اصلا وفی عکسہ ای فی امامۃ المسافر المقیم قصر المسافر واتمّ المقیم ویقول ندبا اتمّوا صلٰوتکم فانی مسافر ویُبطل الوطن الاصلی مثلہ لا السفر ووطن الاقامۃ مثلہ والسفر والاصلی الوطن الاصلی ھو المسکن ووطن الاقامۃ ھو موضع نوی ان یستقر فیہ خمسۃ عشر یوما او اکثر من غیر ان یتخذہ مسکنا فاذا کان للانسان وطن اصلی ثم اتخذ موضعاً أخر وطنا اصلیا سواء کان بینھما مدۃ السفر اولم یکن یبطل الوطن الاصلی الاول حتی لو دخلہ لا یصیر مقیما الا بنیۃ الاقامۃ لکن لا یبطل الوطن الاصلی بالسفر حتی لو قدم المسافر الوطن الاصلی یصیر مقیما بمجرّد الدخول وامّا وطن الاقامۃ فانہ یبطل بوطن الاقامۃ فانہ اذا کان لہ وطن الاقامۃ ثم اتخذ موضعا أخر وطن الاقامۃ ولیس بینھما مدۃ سفر لم یبق الموضع الاول وطن الاقامۃ حتی لو دخلہ لا یصیر مقیما الا بالنیۃ وکذا ان سافر عنہ وکذا ان انتقل الی وطنہ الاصلی والسفر وضدہ لا یغیران الفائتۃ ای اذا قضی فائتۃ السفر فی الحضر یقصر وان قضی فائتۃ الحضر فی السفر یتم ——

ترجمہ پس اگر مسافر نے چاروں رکعات پوری پڑھیں اور پہلے قعدہ میں بیٹھا تو اس کا فرض پورا ہوگیا اور گناہگار رہا تاخیر سلام اور صدقہ خداوندی قبول نہ کرنے کے شبہ کے باعث اور اس کی زیادہ پڑھی ہوئی رکعات نفل ہو جائیں گی اور اگر پہلا قعدہ نہیں کیا تو اس کا فرض قعدہ ترک کرنے کی وجہ سے جو مسافر پر فرض ہے اس کا فرض باطل ہوگیا مقیم نے مسافر کی وقت میں امامت کی، تو مسافر چار رکعت پوری کرے گا اور وقت کے بعد مقیم مسافر کا امام نہ بنے کیونکہ اندرون وقت امام کی متابعت کی وجہ سے مسافر بھی چار رکعتیں فرض ہو جاتی ہیں اور وقت کے بعد مسافر کے فرض میں بالکل تغیر نہیں ہوتا اور اس کے عکس میں کہ امام مسافر اور مقتدی مقیم ہو مسافر قصر کرے اور مقیم (اپنی) نماز پوری کرے اور مستحب مسافر کا یہ کہہ دینا ہے کہ "میں مسافر ہوں تم لوگ اپنی نماز پوری کرلو" وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے وطن اصلی سفر سے باطل نہیں ہوتا اور وطنِ اقامت وطنِ اقامت اور سفر اور وطنِ اصلی سے باطل ہو جاتا ہے وطنِ اصلی وہ ہے جو اس کا اصل مسکن ہو، اور وطنِ اقامت وہ کہلاتا ہے جہاں مسکن بنائے بغیر (اور مستقل رہائش اختیار کئے بغیر) پندرہ روز سے زیادہ قیام کی نیت کرے پس اگر کسی شخص کا وطنِ اصلی ہو پھر وہ دوسری جگہ کو وطنِ اصلی بنالے خواہ ان دونوں کے درمیان مدّت سفر (سفر کی شرعی مدت) ہو یا نہ ہو پہلا وطنِ اصلی باطل ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر پھر وطنِ اصلی میں داخل ہو

تو وہ محض نیت کی صورت میں مقیم ہوگا لیکن وطن اصلی سفر کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر مسافر وطن اصلی میں آئے تو محض آنے سے مقیم ہو جائے گا (چاہے اقامت کی نیت نہ کرے) اور وطن اقامت وطن اقامت سے باطل ہو جائے گا پس اگر اس کا وطن اقامت ہو پھر وہ دوسری جگہ کو وطن اقامت بنالے درانحالیکہ ان دونوں کے درمیان مدت سفر نہ ہو (تب بھی) پہلی جگہ وطن اقامت نہیں رہے گی حتیٰ کہ اگر وہ وہاں جائے گا تو صرف نیت اقامت کی صورت میں مقیم ہوگا اسی طرح اگر وہاں سے سفر کرے گا تو وطن اقامت باطل ہو جائے گا ایسے ہی اگر وہ وطن اصلی کی طرف منتقل ہو جائے یا وطن اقامت سے سفر کرے یا وہاں مقیم ہو تو وطن اقامت باطل ہو جائے گا (تا وقتیکہ وطن اقامت میں دوبارہ پندرہ روز قیام کی نیت نہ کرے قصر کرے گا)۔

تشریح و توضیح فلو اتم الخ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ دوران سفر نماز میں قصر رخصت ہے یا عزیمت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسافر پر چار رکعات فرض ہیں اور قصر رخصت ہے۔ اور احنافؒ اس طرف گئے ہیں کہ مسافر کے حق میں دو رکعتیں فرض ہیں اور قصر عزیمت ہے پس امام شافعیؒ کے نزدیک اتمام اور قصر دونوں جائز ہیں اور افضل اتمام ہے۔ اور احنافؒ کے نزدیک قصر کرنا مسافر پر ضروری ہے لہٰذا اگر وہ چار رکعت نماز پڑھے گا تو گناہگار ہوگا۔

اس اختلاف کا فائدہ قعدہ کے افتراض میں دو رکعات پر ظاہر ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص چار رکعات والی نماز میں تیسری رکعت پر کھڑا ہو گیا تو احنافؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی جو لوگ قصر کو رخصت قرار دیتے ہیں انھوں نے اس ارشاد ربانی سے استدلال کیا ہے "واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ" انھوں نے قصر کی تشریح "لاجناح" سے کی ہے پس معلوم ہوا کہ قصر مباح وجائز ہے واجب نہیں اور ہمارے احنافؒ کا مستدل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نماز (اول) دو رکعات فرض کی گئی پس سفر میں وہی دو رکعات برقرار رہیں اور حضر و مقیم ہونے کی صورت میں ان پر اضافہ ہو گیا (چار ہو گئیں) (یہ روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبیؐ کی زبانی حضر میں چار رکعات اور سفر میں دو رکعات فرض کیں۔ نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سفر کی دو رکعات ہیں اور نماز عید اضحیٰ کی دو رکعات ہیں اور نماز فطر کی دو رکعتیں ہیں اور نماز جمعہ کی دو رکعتیں ہیں مکمل بلا قصر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اور جواب اس آیت واذا ضربتم الخ کا یہ ہے کہ (اس فعل) کا گناہ نہ ہونا اس آیت سے لازم نہیں آتا دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں فرمایا ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما حالانکہ صفا و مروہ کا طواف بالاتفاق واجب ہے یا رکن۔

وشبهة الخ یہ حضرت یعلی رض کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو "مسلم" اور اصحاب سنن نے روایت کی ہے حضرت یعلی رض کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رض سے کہا ارشاد ربانی ہے فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا۔ اور اب کفر کا غلبہ اور فتنہ کا اندیشہ جاتا رہا لوگ مامون ہوگئے (لہٰذا یہ حکم قصر اب کیوں باقی رہے) حضرت عمر رض نے فرمایا تمھیں اس بات سے تعجب ہوا جس سے میں متعجب ہوں پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آنحضور ص نے ارشاد فرمایا یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا پس صدقہ قبول کرو۔

یبطل الوطن الاصلی الخ اس کی دلیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر اور حجۃ الوداع کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رض مکہ مکرمہ پہونچے تو مکہ مکرمہ جائے پیدائش اور مسکن رہ چکنے کے باوجود وہاں انھوں نے قصر کیا اور یہ وطن اصلی کا بطلان اس وجہ سے تھا کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کو وطن بنالیا تھا

بَابُ صَلٰوۃِ الْجُمُعَۃِ

شرط الوجوبها لا لادائها الاقامة بمصر والصحة والحرية والذكورة والعقل والبلوغ وسلامة العين والرجل فتقع فرضا ان صلاها فاقدها وان لم تجب عليه قوله فتقع فرضا تفريع لقوله لا لادائها وشرط لادائها المصر او فناؤه واختلفوا في تفسير المصر فعند البعض هو موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وعند البعض هو موضع اذا اجتمع اهله في اكبر مساجده لم يسعهم فاختار المصنف رح هذا القول فقال وما لا يسع اكبر مساجده اهله مصر وانما اختار هذا القول دون التفسير الاول لظهور التواني في احكام الشرع لاسيما في اقامة الحدود في الامصار وما اتصل به معدّ المصالحه فناؤه مصالح المصر كركض الخيل وجمع العساكر والخروج للرمي ودفن الموتى وصلوٰة الجنازة ونحو ذلك وجازت بمنى في الموسم للخليفة او لامير الحجاز لا لامير الموسم ولا بعرفات والسلطان او نائبه ووقت الظهر والخطبة نحو تسبيحة قبلها في وقتها هذا عند ابي حنيفة واما عندهما فلا بد من ذكر طويل يسمى خطبة وعند الشافعي رح لا بد من خطبتين يشتمل كل واحد منهما على التحميد والصلوٰة والوصية بالتقوى والاولى على القراءة والثانية على الدعاء للمؤمنين

ترجمہ | نماز جمعہ فرض ہونے کے لئے چند امور شرط ہیں اس کی ادائیگی کے لئے شرط نہیں (وہ امور یہ

ہیں شہر میں مقیم ہونا تندرست ہونا آزاد ہونا مرد ہونا عاقل ہونا بالغ ہونا آنکھ کا سالم ہونا پاؤں کا سالم ہونا پس وہ شخص جس پر جمعہ فرض نہیں اگر حاضر ہو کر پڑھ لے تو درست ہے (اور اس کا ظہر کا فرض ادا ہو جائے گا) مصنف کا قول فتقع فرضا اس کے قول لا لادائها پر متفرع ہے (کہ ادائیگی کے لئے مذکورہ بالا امور شرط نہیں) اور جمعہ کی ادائیگی کے لئے شہر یا فنائے شہر ہونا شرط ہے اور تعریف شہر میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک شہر اس جگہ کا نام ہے جہاں امیر ہو اور قاضی ہو کر احکام شریعت کا نفاذ کرتا اور حدود قائم کرتا ہو اور بعض کے نزدیک شہر وہ جگہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے اگر وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں سما نہ سکیں مصنف (صاحب وقایہ) نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور وہ جگہ جہاں کے باشندے اس کی سب سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں وہ مصر (شہر) ہے۔ مصنف نے شہر کی پہلی تفسیر کے بجائے یہ قول لوگوں کی احکام شریعت میں غفلت خاص طور پر شہر دں میں حدود قائم کرنے میں غفلت و سستی کی بنا پر اختیار کیا۔ اور فنائے شہر وہ ہے جو شہر سے متصل شہر کے فائدہ کی خاطر مقرر (و متعین) ہو مثلاً گھوڑا دوڑانے اور لشکر اکٹھا کرنے (واتارنے) اور تیر اندازی کے لئے نکلنے اور مردے دفن کرنے اور نماز جنازہ وغیرہ کے لئے ہو اور موسم حج میں خلیفہ یا امیر حجاز کے واسطے منیٰ میں جمعہ پڑھنا درست ہے۔ (اقامت جمعہ) امیر موسم (امیر حج) کے لئے درست نہیں (بلکہ ظہر ہی پڑھے گا) اور عرفات میں جمعہ درست نہیں اور (قیام جمعہ کے لئے) بادشاہ یا اس کا نائب و قائم مقام ہونا شرط ہے اور ظہر کا وقت ہونا شرط ہے اور نماز سے پہلے (کم از کم) ایک تسبیح کے بقدر خطبہ ظہر کے وقت میں شرط ہے۔ امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ذکر طویل جسے خطبہ کہا جائے پڑھنا ضروری ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دو خطبے ضروری ہیں ان میں سے ہر خطبہ حمد اور درود و دعا اور وصیت تقویٰ پر مشتمل ہو۔ اور پہلا خطبہ قرارت (قرارت قرآن) کے طور پر اور دوسرا مؤمنین کے لئے دعا کے طور پر ہو۔

تشریح و توضیح

لوجوبها الخ یہاں وجوب سے مراد وجوب اصطلاحی نہیں بلکہ فرض ہے۔ کیونکہ نماز جمعہ کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہے دلیل ظنی سے نہیں اور اسی پر اجماع ہے

الاقامة بمصر الخ یہ اس حدیث کی بنیاد پر ہے کہ جمعہ واجب ہے مگر بچہ یا غلام یا مسافر پر واجب نہیں (یہ روایت بیہقی میں ہے) اور اسی پر ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اجماع ہے پس اگر مسافر نماز جمعہ ادا کرے تو جائز ہے مگر اس پر واجب نہیں۔

والصحة تندرست ہونا بھی شرط ہے لہٰذا ایسے مریض پر واجب نہیں جو جامع مسجد میں جانے پر قادر نہ ہو یا قادر تو ہو مگر مرض میں اضافہ کا اندیشہ ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جمعہ ہر مسلمان پر واجب حق ہے مگر چار اس سے مستثنیٰ ہیں غلام یا عورت یا بچہ یا مریض (یہ روایت ابوداؤد میں ہے

اور غنیہ میں بھی اسی طرح ہے۔

والعقل والبلوغ۔ پاگل اور بچہ پر جمعہ واجب نہیں۔

وسلامۃ العین اندھے پر جمعہ واجب نہیں البتہ یک چشم پر واجب ہے۔

والخطبۃ۔ یعنی صحت جمعہ کے لیے خطبہ شرط ہے جمہور امت کا اس پر اجماع ہے بیہقی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بغیر خطبہ کے نماز جمعہ نہیں پڑھی۔

نحو تسبیحۃ یہ اس مقدار کا بیان ہے جو خطبہ میں شرط ہے حاصل یہ ہے کہ نیت خطبہ ایک تسبیح یا تحمید یا تہلیل کی مقدار مقدار واجب کی ادائیگی کے لیے کافی ہو جائے گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ مطلق ہے مگر صرف اتنی مقدار پر اختصار کراہت سے خالی نہیں درمختار اور جامع الرموز میں اس کی صراحت ہے کیونکہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے اور دونوں خطبوں کے درمیان ذرا دیر کے لیے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کی ثنا کرتے وعظ و تذکیر کرتے مناسب احکام بیان کرتے اور آیات قرآن تلاوت فرماتے تھے صحاح ستہ وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔

فلابد الخ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک خطبہ کے لیے ذکر طویل شرط ہے کیونکہ صرف تسبیح و تحمید پر بلحاظ عرف خطبہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔

والجماعۃ وھم ثلثۃ رجال سوی الامام عندھما وعند ابی یوسف رح اثنان سوی الامام فان نفروا قبل سجودہ بدأ بالظھر وان بقی ثلثۃ رجال او نفروا بعد سجودہ اتمھا والاذان العام ومن صلی اماما فی غیرھا صلی فیھا ای ان ام المسافر والمریض او العبد فی الجمعۃ صحت خلافا لزفر رح لانھا لیست بواجبۃ علیھم قلنا اذا حضروا وادوا صلوٰۃ الجمعۃ صارت فرضا علیھم وکرہ ظھر معذور ومسجون بجماعۃ فی مصر یومھا لان الجامعۃ جامعۃ للجماعات فلا یجوز الاجماعۃ واحدۃ ولھذا لا تجوز الجمعۃ عند ابی یوسف رح بموضعین الا اذا کان مصر لہ جانبان فیصیر فی حکم مصرین کبغداد فیجوز حینئذ فی موضعین دون الثلثۃ وعند محمد رح لا باس بان یصلی فی موضعین او ثلثۃ سواء کان للمصر جانبان او لم یکن وبہ یفتی و لما ذکر حکم المعذور وعلم منہ کراھۃ ظھر غیر المعذور بالطریق الاولی وظھر من لا عذر لہ نیہ قبلھا قولہ فیہ ای فی المصر ثم سعیہ الیھا الامام والامام فیھا یبطلہ ادرکھا اولا ھذا عند ابی حنیفۃ واما عندھما فلا یبطل ظھرہ الا ان یقتدی

ومدرکھا فی التشھد او سجود السھو یتمھا واذا اذن الاول ترکوا البیع وسعوا
واذا خرج الامام حرم الصلوٰۃ والکلام حتی یتم خطبتہ واذا جلس علی المنبر اذن
ثانیا بین یدیہ واستقبلوہ مستمعین ویخطب خطبتین بینھما قعدۃ قائما طاھرا
واذا تمت اقیمت وصلی الامام بالناس رکعتین

ترجمہ اور نماز جمعہ کی شرط یہ بھی ہے کہ با جماعت ہو اور وہ یہ کہ امام کے علاوہ (کم از کم) تین مرد ہوں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ (کم از کم) دو مرد ہوں پس اگر لوگ امام کے سجدہ کرنے سے قبل بھاگ جائیں تو وہ (جمعہ ترک کر کے) ظہر شروع کر دے اور اگر تین مرد (مقتدی مرد) باقی رہ جائیں یا امام کے سجدہ کرنے کے بعد بھاگیں تو اس شکل میں امام نماز جمعہ پوری کرے اور اذنِ عام (بلا روک لوگوں کو مسجد میں جانے کی اجازت) شرط ہے اور جو شخص جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں امامت کی صلاحیت رکھتا ہو وہ جمعہ میں بھی امام بننے کے لائق ہے یعنی اگر مسافر یا مریض یا غلام جمعہ میں امامت کرے تو درست ہے امام زفرؒ کے نزدیک درست نہیں کیونکہ ان پر ان مذکورہ لوگوں پر) جمعہ واجب نہیں (لہٰذا ان کی امامت بھی صحیح نہ ہوگی) ہم کہتے ہیں کہ جب انھوں نے حاضر ہو کر نماز جمعہ ادا کی تو وہ ان پر فرض ہو گئی۔ اور معذور یا قیدی کے لئے جمعہ کے دن شہر میں با جماعت ظہر ادا کرنا مکروہ ہے کیونکہ جمعہ جماعتوں کا جمع کرنے والا اور سب کو یکجا اکٹھا کرنے والا ہے پس ایک ہی جماعت جائز ہوگی اسی لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمعہ دو جگہ جائز نہیں لیکن اگر ایسا شہر ہو کہ اس کی دو جانبیں ہوں (مثلاً درمیان میں نہر حائل ہو) تو یہ دو شہروں کے حکم میں ہوگا مثلاً شہر بغداد اس صورت میں تین نہیں بلکہ صرف دو جگہ جمعہ جائز نہیں ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شہر میں دو یا تین جگہ جمعہ پڑھا جائے خواہ شہر کی دو جگہ نہیں ہوں یا نہ ہوں اور اسی پر فتویٰ ہے اور جب معذور کا حکم بیان ہوا تو بدرجہ اولیٰ غیر معذور کے (جمعہ کے دن ظہر پڑھنے (با جماعت پڑھنے) کی کراہت معلوم ہوئی اور غیر معذور شخص اگر جمعہ سے پہلے نماز ظہر پڑھ کر پھر جمعہ کے لئے دوڑے درانحالیکہ امام نماز جمعہ میں مشغول ہو تو اسے خواہ نماز جمعہ ملے یا نہ ملے اس کی نماز ظہر باطل ہو جائے گی امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس کی ظہر باطل نہیں ہوگی البتہ اگر وہ امام کی اقتدا کرے (اور جمعہ پالے) تو ظہر باطل ہو جائے گی اور جو شخص امام کو تشہد یا سجدۂ سہو میں پائے تو وہ نماز جمعہ پوری کرے گا۔ اور جب جمعہ کی پہلی اذان ہو تو لوگ خرید و فروخت ترک کر دیں اور جمعہ کے لئے چلیں۔ اور امام کے خطبہ کے لئے نکلنے پر نماز اور گفتگو حرام ہو جاتی ہے حتیٰ کہ وہ خطبہ پورا کر لے اور جب امام منبر پر بیٹھے تو دوسری مرتبہ اس کے سامنے اذان دی جائے اور لوگ امام کی جانب رخ کر کے خطبہ سنیں۔ اور امام با طہارت کھڑا ہو کر دو خطبے

پڑھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک مرتبہ بیٹھے اور جب خطبہ پورا ہو جائے تب اقامت کہی جائے اور امام لوگوں کے ساتھ دو رکعات پڑھے۔

تشریح وتوضیح

والجماعة الخ نماز جمعہ کے لئے جماعت کی شرط ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ قنیہ میں اس کی صراحت ہے۔ اصل اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "فاسعوا الیٰ ذکر اللہ" اسی سے امام محمدؒ استدلال کرتے ہیں کہ جماعت میں مع امام کے چار آدمی ہونے چاہئیں کیونکہ آیت میں سعی کا امر جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے اور اس کی اقل مقدار تین ہے۔

رجال الخ رجال (مردوں) کی قید لگا کر عورتوں اور بچوں سے احتراز مقصود ہے اور اطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین کا ان لوگوں میں سے ہونا ضروری نہیں جو بوقت خطبہ حاضر ہوں بلکہ اگر ان کے علاوہ ہوں تب بھی نماز جمعہ صحیح ہو جائے گی۔

والاذن العام یعنی جہاں جمعہ ادا کیا جا رہا ہو وہاں بلا تخصیص ہر ایک کو نماز پڑھنے کے لئے جانے کی اجازت ہو پس اگر قلعہ کا امیر قلعہ کا دروازہ بند کر کے اپنے رفقاء کے ساتھ نماز جمعہ پڑھے تو جمعہ منعقد نہ ہوگا کافی میں اسی طرح ہے۔

لا بأس شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ ایک شہر میں دو یا دو سے زیادہ جگہ جمعہ جائز ہے کیونکہ "لا جمعة الا فی مصر" مطلق حکم ہے اس میں ایک جگہ کی قید نہیں بلکہ حسب ضرورت تعدد کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ عہد رسالتؐ اور عہد صحابہؓ میں تعدد جمعہ کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا بلکہ عہد صحابہؓ میں تعدد کا جواز ثابت ہوتا ہے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نماز عید کا تعدد ثابت ہے جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں صراحت کی ہے اور جمعہ کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ومن ادرکھا الخ یعنی وہ شخص جو امام کے ساتھ نماز جمعہ کا کچھ حصہ پالے مثلاً تشہد یا سجدۂ سہو میں شریک ہو جائے تو جتنی نماز امام کی باقی ہو وہ اس کے ساتھ پڑھے اور باقی پوری کرلے اور ظہر نہ پڑھے کیونکہ حدیث شریف میں مطلق ہے کہ جتنی نماز تم امام کے ساتھ پاؤ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے پوری کرلو (یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے)

واذا اذن الاول حاصل یہ ہے کہ جمعہ کے لئے چلنا اور خرید و فروخت وغیرہ ترک کرنا اذان اول کے ساتھ ضروری ہے ارشاد ربانی ہے "اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع (الآیۃ)

قعدہ۔ دو خطبوں کے درمیان ہلکا قعدہ مثلاً تین آیات کی مقدار اور محض اتنی مقدار کہ ہر عضو اپنی جگہ ٹھہر جائے اور قرار پکڑ لے۔

قائماً۔ یعنی خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیئے لہٰذا اگر بلا عذر بیٹھ کر خطبہ دے تو مکروہ ہے۔
طاھراً حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں سے پاک ہو۔
رکعتین جمعہ کی دونوں رکعات جہراً پڑھائے اور بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں اذا جاءك المنافقون یا هل اتاك حديث الغاشية پڑھے یا پہلی رکعت میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور دوسری رکعت میں هل اتاك حديث الغاشية" کی تلاوت کرے اصحاب سنن نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی ان سورتوں کے علاوہ تلاوت کرے تب بھی مضائقہ نہیں۔

بَابُ العِيدَيْن

حبّب يوم الفطر ان ياكل قبل صلوته ويستاك ويغتسل ويتطيب ويلبس احسن ثيابه ويؤدى فطرته ويخرج الى المصلى غير مكبر جهراً فى طريقه نفى التكبير بالجهر حتى لو كبر من غير جهر كان حسنا ولا يتنفل قبل صلوة العيد وشرط لها شروط الجمعة وجوبا واداءً الا الخطبة افاد هذه العبارة ان صلوة العيد واجبة وهو رواية عن ابى حنيفة رح وهو الاصح وقد قيل انها سنة عند علمائنا فان محمدا رح قال عيدان اجتمعا فى يوم واحد فالاول سنة والثانى فريضة فاجيب بان محمدا انما سماها سنة لان وجوبها ثبت بالسنة

ترجمہ مستحب ہے کہ عید الفطر کے دن نماز سے پہلے (کچھ) کھائے۔ اور مسواک کرے اور غسل کرے اور خوشبو لگائے اور اپنے کپڑوں میں جو سب سے اچھے ہوں وہ پہنے اور صدقۂ فطر ادا کرے اور عید گاہ کے راستہ میں تکبیر آہستہ آہستہ کہتا ہوا عیدگاہ کی طرف جائے۔ جہری تکبیر کی نفی کی حتیٰ کہ اگر آہستہ (غیر جہری) تکبیر کہے تو اچھا ہے۔ اور نماز عید سے قبل نفل نہ پڑھے۔ جو شرطیں وجوب اور ادا کی جمعہ کی ہیں وہی عید کی (بھی) ہیں۔ البتہ خطبہ عیدین میں سنت ہے۔ اس عبارت سے مستفاد ہوا کہ نماز عید واجب ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رح سے منقول ہے۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے بعض کہتے ہیں کہ نماز عید ہمارے علماء کے نزدیک سنت ہے۔ کیونکہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب دو عیدیں ایک دن میں جمع ہوجائیں تو پہلی (نماز عید) سنت ہے اور دوسری (یعنی نماز جمعہ) فرض ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام محمدؒ سنت سے اس کا وجوب ثابت ہونے کی بنا پر اسے سنت قرار دیتے ہیں۔

تشریح وتوضیح ان یاکل قبل صلوٰتہ۔ نماز عید سے پہلے تین یا پانچ یا سات یاکم وبیش کھجوریں کھانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ "بخاری شریف" میں اس کی صراحت ہے اگر کھجوریں موجود نہ ہوں تو اور کوئی میٹھی چیز کھالینا مستحب ہے۔

یستاک۔ الخ ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے تو نمازِ عیدین کے لئے یہ بطریق اولیٰ مسنون ہوگی

ویغتسل۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ عیدین کے موقعہ پر غسل فرماتے تھے ابن ماجہ میں یہ روایت موجود ہے۔

ویؤدی نطرتہ۔ مسنون یہ ہے کہ صدقۂ فطر نماز عید سے قبل دیدیا جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم صدقۂ فطر لوگوں کے نماز کیلئے نکلنے سے قبل ادا کردیں۔ (بخاری اور مسلم میں یہ روایت موجود ہے۔

ویخرج الی المصلیٰ۔ عیدگاہ یا میدان میں نکل کر نماز عیدین پڑھنا سنت مؤکدہ ہے خواہ شہر کی مساجد میں گنجائش ہی کیوں نہ ہو لہٰذا اگر بلا عذر شہر کی مسجدوں میں نماز پڑھی گئی تو نماز درست ہوجائے گی لیکن ترکِ سنت کا گناہ ہوگا۔ اصل اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں نماز عیدین کیلئے نکلتے تھے اور مسجد نبوی کے شرف کے باوجود اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے البتہ ایک مرتبہ بارش کے عذر کی بنا پر مسجد میں نماز عید پڑھی۔ ابن قیمؒ نے زاد المعاد اور قسطلانیؒ نے "مواہب لدنیہ" میں اسکی تفصیل کی ہے

کان حسناً الخ دارقطنی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں گھر سے تشریف لاتے تو تکبیر عیدگاہ تک پڑھتے تھے۔

ولا یتنفل۔ اصل اس باب میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید پڑھتے تھے اور نہ اس سے قبل کوئی نفل نماز پڑھتے تھے۔ اور نہ اس کے بعد "صحاح ستہ" میں یہ روایت موجود ہے۔

عید ان الخ حاصل یہ ہے کہ جب عید الفطر یا عید الاضحیٰ جمعہ کے دن ہو تو اول یعنی نماز عید الفطر یا عید الاضحیٰ سنت اور ثانی یعنی جمعہ فرض ہے۔

ووقتها من ارتفاع ذكاء الى زوالها ويصلى بهم الامام ركعتين يكبر للاحرام ويثني ثم يكبر ثلثا ويقرأ الفاتحة وسورة ثم يركع مكبرا وفي الثانية يبدأ بالقراءة ثم يكبر ثلثا واخرى للركوع ويرفع يديه في الزوائد ويخطب بعدها خطبتين يعلم فيهما احكام الفطرة ومن فاتته مع الامام لم يقض اى ان صلى الامام ولم يصل رجل معه لا يقضي ويصلى غدا بعذر لا بعده والضحى كالفطر احكاما لكن هٰهنا ندب الامساك الى ان يصلى ولا يكره الاكل قبلها وهو المختار ويكبر جهرا في الطريق ويعلم في الخطبة تكبيرات

التشریق والاضحیۃ ویصلی بعذر او بغیرہ ایامھا لابعدھا والاجتماع یوم عرفۃ تشبھا بالواقفین لیس بشئ ای لیس بشئ معتبر یتعلق بہ الثواب فان الوقوف فی مکان مخصوص وھو عرفات قد عرف قربۃ ای مافی غیرھا فلا وتجب تکبیرات التشریق وھو قولہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد من فجر عرفۃ عقیب کل فرض ادی بجماعۃ مستحبۃ احترازعن جماعۃ النساء وحدھن علی المقیم بالمصروالمقتدیۃ برجل ومسافر مقتد بمقیم الی عصر العید وقالا الی عصر اخر ایام التشریق وبہ یعمل ولا یدعہ المؤتم ولو ترک امامہ

ترجمہ اور عید کی نماز کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے پر شروع ہو کر زوال تک رہتا ہے۔ اور امام لوگوں کے ساتھ دو رکعات پڑھے گا (امامت کرے گا) اس طرح کہ اول تکبیر تحریمہ کہے گا اور ثنا پڑھے گا پھر تین تکبیریں کہہ کر سورۃ فاتحہ اور سورۃ پڑھے گا لہٰذا تکبیر کہتا ہوا رکوع کریگا اور دوسری رکعت میں اول قرارت کرے گا۔ پھر تین تکبیریں کہہ کر رکوع کے لئے تکبیر کہے گا اور زائد (چھ) تکبیروں میں دونوں ہاتھ اٹھائے گا۔ اور نماز کے بعد دو خطبے پڑھے گا جن میں صدقۂ فطر کے احکام بتائے گا اور جسے امام کے ساتھ نماز عید نہ ملے وہ قضاء نہ کرے یعنی اگر امام نے نماز پڑھی اور اس کے ساتھ کسی نے نماز نہیں پڑھی تو قضاء نہیں کرے گا۔ اور نماز عذر کی وجہ سے اگلے دن پڑھی جائے گی (اگر پہلے دن نہ پڑھی گئی ہو) اس کے بعد نہ پڑھیں گے (اگر اگلے دن بھی نہ پڑھی جا سکی ہو) اور عید الاضحیٰ کے احکام عید الفطر کے سے ہیں لیکن عید الاضحیٰ میں نماز سے قبل نہ کھانا مستحب ہے اور راجح قول کے مطابق نماز سے قبل کھانا مکروہ نہیں۔ اور عید الاضحیٰ میں راستہ میں جہراً تکبیر کہے گا اور خطیب خطبہ میں تکبیرات تشریق اور قربانی کے احکام بتائے گا۔ اور عذر کی وجہ سے اس عید کے دن کے علاوہ دو دن بعد تک نماز درست ہے۔ اس کے بعد درست نہیں اور عرفہ کے دن وقوف عرفہ کرنے والوں کی مشابہت کے خیال سے اکٹھا ہونا غیر معتبر ہے یعنی کوئی قابلِ اعتبار چیز نہیں کہ اس سے ثواب متعلق ہو کیونکہ وقوف مخصوص جگہ میں جس کا نام عرفات ہے اس کا عبادت (اور باعث ثواب) ہونا معلوم ہو چکا ہے لیکن عرفات کے علاوہ کسی اور جگہ کا یہ حکم نہیں۔ اور تکبیرات تشریق یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کا کہنا نویں تاریخ کی فجر سے ہر فرض نماز کے بعد جو جماعت مستحبہ سے ادا کی گئی ہو واجب ہے جماعت مستحبہ کہہ کر صرف عورتوں کی جماعت سے احتراز مقصود ہے یہ تکبیریں شہر کے مقیم پر واجب ہیں اور واجب ہیں اس عورت پر جس نے مرد کی اقتداء کی ہو اور اس مسافر پر جس نے مقیم کی اقتداء کی ہو یہ تکبیریں عید کے دن کی عصر تک ہیں اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک ہیں اور اسی پر

عمل (اور فتویٰ) ہے اور مقتدی تکبیر ترک نہ کرے اگرچہ امام (بھول کر یا عمداً) ترک کر دے۔

تشریح و توضیح

الیٰ زوالہا الخ یعنی نصف النہار سے پہلے تک اس کا وقت ہے۔
الامام امام سے مراد بادشاہ یا اس کا نائب ہے یا وہ شخص جسے بادشاہ کی طرف سے اجازت حاصل ہو بس اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو لوگ جس پر راضی ہوں وہ امام بنے اور نماز عید پڑھائے۔

للاحرام یعنی اور نمازوں کی طرح یہاں بھی اول افتتاح صلوٰۃ کے لئے تکبیر تحریمہ کہے پھر ثنا سبحانک اللّٰھم (الخ) کہے پھر زائد تین تکبیریں کہہ فاتحہ اور سورۃ جو بھی سورۃ چاہے پڑھے پھر رکوع کے لئے تکبیر کہے یہ پہلی رکعت میں کرے اور دوسری رکعت میں اول فاتحہ اور سورۃ پڑھے پھر تین زائد تکبیریں کہے پھر رکوع کے لئے تکبیر کہے، یہ کیفیت نماز حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق اور کتاب الآثار میں یہ کیفیت منقول ہے۔)

ویخطب یعنی امام خطبہ دے، یہ اس طرف اشارہ ہے کہ امام ہی کا خطیب ہونا افضل اور اولیٰ ہے

ویصلی بعذر یعنی اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن فوت ہو جائے مثلاً شدت باراں کی وجہ سے نکلنا ممکن نہ ہو تو اگلے دن نماز پڑھی جائے گی اصل اس بارے میں یہ روایت ہے کہ عہد رسالت میں چاند (۲۹ کو) نظر نہیں آیا تو صبح کو لوگوں نے رمضان کی تکمیل کے لئے روزہ رکھا پھر رویت ہلال کی زوال کے بعد اطلاع آنے پر اعلان ہوا کہ نماز اگلے دن پڑھی جائے گی (یہ روایت مختلف الفاظ سے ابن ماجہ نسائی ابوداؤد اور ابن حبان وغیرہ میں موجود ہے)

لا بعدہ یعنی اگر دو دن تک کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھی جا سکی تو پھر تیسرے دن نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ جمعہ کی طرح اس میں بھی قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی قضا نہ ہو لیکن صرف اگلے دن تک پڑھنے کی اجازت حدیث شریف میں صراحت آجانے کی بنا پر دی جاتی ہے اور اس کے بعد گنجائش دینے کا ثبوت نہیں ملتا۔

باب صلوٰۃ الخوف

اذا اشتد خوف عدو جعل الامام امۃ نحو العدو وصلی باخری رکعۃ ان کان مسافرا و رکعتین ان کان مقیما و مضت ہذہ الیہ ای الی العدو وجاءت تلک وصلی بہم ما بقی و سلم وحدہ و ذہبت الیہ ای ذہبت ہذہ الطائفۃ الی العدو وجاءت الاولیٰ واتمت بلا قراءۃ ثم الاخریٰ بقراءۃ وفی المغرب یصلی بالاولیٰ رکعتین وبالاخریٰ رکعۃ اعلم انہ لم یذکر الفجر لکنہ یفہم حکمہ من حکم المسافر

فالعبارۃ الحسنۃ ما حررت فی المختصر وھو قولہ صلی باخری رکعۃ فی الثنائی ورکعتین فی غیرہ فالثنائی یتناول الفجر وظھر المسافر وعصرہ وعشاءہ وغیر الثنائی یتناول الثلاثی ای المغرب وظھر المقیم وعصرہ وعشاءہ وان زاد الخوف صلوا رکبانا فرادی بایماء الی ما شاؤا ان عجزوا عن التوجہ ویفسدھا القتال والمشی والرکوب

ترجمہ جب دشمن کا خوف زیادہ ہو تو امام ایک گروہ کو دشمن کی جانب کرے (کہ وہ ان سے لڑیں) اور دوسرے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اگر مسافر ہو یا اگر مقیم ہو تو دو رکعات پڑھے اور یہ گروہ دشمن کی طرف چلا جائے اور وہ دشمن سے لڑنے والا گروہ آئے اور امام ان کے ساتھ باقی نماز پڑھے اور امام تنہا سلام پھیر دے اور یہ جماعت دشمن کی جانب چلی جائے اور پہلی جماعت آکر نماز بلا قرارت پوری کرے پھر دوسری جماعت آکر قرارت سے نماز پوری کرے اور مغرب کی نماز میں امام پہلی جماعت کے ساتھ دو رکعات اور دوسری کے ساتھ ایک رکعت پڑھے واضح رہے کہ یہاں فجر کا حکم بیان نہیں کیا لیکن اس کا حکم مسافر کے حکم سے سمجھ میں آتا ہے پس وہ عمدہ عبارت جو میں نے مختصر میں لکھی ہو یہ ہے کہ امام ثنائی دو رکعت والی نماز میں دوسری جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور ثنائی کے علاوہ میں دو رکعات پڑھے پس ثنائی فجر اور مسافر کی ظہر وعصر وعشاء سب کو شامل ہے اور غیر ثنائی ثلاثی یعنی مغرب کو اور مقیم کی ظہر وعصر وعشاء کو شامل ہے اور اگر دشمن کا خوف زیادہ ہو اکہ گھوڑے سے اترنا ممکن نہ ہو تو تنہا سواری ہی پر اشارہ سے جس طرف کو چاہیں نماز پڑھیں اگر قبلہ رخ ہونے سے عاجز و مجبور ہوں اور نماز لڑنے اور چلنے اور نماز شروع کرنے کے بعد سوار ہونے سے باطل ہو جاتی ہے۔

تشریح وتوضیح اذا اشتد الخ بنایہ میں ہے کہ احناف کے نزدیک شدت خوف شرط نہیں بلکہ دشمن کا قریب ہونا سبب جواز ہے۔

جعل الامام الخ یہ کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوداؤد میں اور صحاح ستہ میں حضرت ابن عمر سے ثابت ہے۔

ثم الاخری یہ اس طرف اشارہ ہے کہ دوسری جماعت کے ساتھ پہلی جماعت کے بعد ادا کریگا پس اگر امام ہر جماعت کے ساتھ اکیلی ادا کرے تو جائز ہے۔

بَابُ الجنائز

سُنَّ للمحتضران یوجّہ الی القبلۃ علی یمینہ واختیرالاستلقاء ویلقن الشہادۃ

فان مات یشدّ لحیاہ ویغمض عیناہ ویجمر تختہ وکفنہ وترا ویوضع علی التخت ویجرد ویستر عورتہ ویوضأ بلا مضمضۃ واستنشاق خلافا للشافعیؒ ویفاض علیہ ماء مغلی بسدر او حرض والا فالقراح ای وان لم یکن فالماء القراح ویغسل راسہ ولحیتہ بالخطمی ثم یضجع علی یسارہ ویغسل حتی یصل الماء الی التخت ثم علی یمینہ کذلک وانما قدم الاضجاع علی الیسار لتکون البدایۃ فی الغسل بجانب یمینہ ثم یجلس مستندا او یمسح بطنہ برفق وما خرج یغسل ولم یعد غسلہ ثم ینشف بثوب ولا یقص ظفرہ ولا یسرح شعرہ خلافا للشافعیؒ ویجعل الحنوط علی راسہ ولحیتہ والکافور علی مساجدہ وسنۃ الکفن لہ ازار وقمیص ولفافۃ واستحسن المتاخرون العمامۃ ولہا درع وازار وخمار ولفافۃ وخرقۃ یربط بہا ثدیاہا وکفایۃ لہ ازار ولفافۃ ولہا ثوبان وخمار والثوبان اللفافۃ والازار وتبسط اللفافۃ ثم الازار علیہا ثم یقمص ویوضع علی الازار ثم یلف ازارہ ثم یمینہ ثم اللفافۃ کذلک وھی تلبس الدرع ویجعل شعرہا ضفیرتین علی صدرہا فوقہ ثم الخمار فوقہ ثم الازار تحت اللفافۃ ویعقد الکفن ان خیف انتشارہ وصلاتہ فرض کفایۃ ای ان ادی البعض سقط عن الباقین وان لم یؤد احد یاثم الجمیع

ترجمہ مسنون ہے کہ قریب المرگ کو قبلہ رخ دائیں کروٹ سے لٹایا جائے اور (متاخرین فقہا نے) اختیار کیا ہے چت لٹانا (کہ منھ اور پاؤں اس کے قبلہ رخ رہیں) اور اسے کلمۂ شہادت کی تلقین کی جائے گی۔ اور مرنے پر اس کے دونوں جبڑے باندھے جائیں گے اور آنکھیں بند کی جائیں گی اور طاق عدد (مثلاً ایک بار یا تین بار) کا خیال رکھتے ہوئے اس کے تخت اور کفن کو (خوشبو کی) دھونی

دی جائے گی۔ اور تخت پر رکھ کر اس کے کپڑے اتارے جائیں گے اور اس کی شرمگاہ چھپائیں گے اور کلی وناک میں پانی دیئے بغیر اسے وضو کرایا جائے گا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اسے کلی کرائی جائے گی اور ناک میں پانی دیا جائے گا (زندہ شخص کی طرح) اور میت پر بیری کے پتوں یا اشنان (ایک قسم کی گھاس کا جوش دیا ہوا پانی بہایا جائے گا۔ اور جوش دیا ہوا پانی نہ ہو تو سادہ پانی بہائیں گے۔ اور اس کا سر اور داڑھی خطمی (گل خیرو) سے دھوئیں گے۔ پھر اسے بائیں کروٹ پر لٹا کر غسل دیں گے حتیٰ کہ پانی تخت سے ملے ہوئے حصۂ بدن تک پہونچ جائے پھر داہنی کروٹ پر لٹا کر اسی طرح کیا جائے۔ بائیں کروٹ پر لٹانے کو اس وجہ سے مقدم رکھا گیا تاکہ غسل کا آغاز دائیں جانب سے ہو جائے۔ پھر ٹیک لگا کر بٹھا کر آہستہ آہستہ پیٹ ملیں گے اور جو کچھ نکلے اسے دھویا جائے گا اور غسل کا اعادہ نہ ہوگا۔ پھر کپڑے سے پانی پونچھ دیا جائے اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ اس کے بالوں میں کنگھی کی جائے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ناخن کاٹے جائیں اور کنگھی کی جائے اور اس کے سر اور داڑھی پر خوشبو ملیں اور سجدوں کی جگہ پر کافور اور مرد کے لئے مسنون کفن ازار (تہبند) اور قمیص اور لفافہ ہے۔ اور متاخرین فقہاء نے عمامہ کو بھی مستحب قرار دیا ہے۔ اور عورت کے لئے مسنون کفن درع (زنانہ قمیص) اور ازار (تہبند) اور اوڑھنی، لفافہ اور سینہ بند ہے جس سے اس کی چھاتیاں باندھی جائیں۔ اور مرد کے لئے (اگر تین کپڑے نہ ہوں تو) لفافہ اور ازار اور اوڑھنی کافی ہے۔ اور اول لفافہ پھیلا جائے پھر اس کے اوپر ازار، پھر میت کو قمیص پہنا کر ازار پر رکھیں پھر ازار اول بائیں جانب اور پھر دائیں جانب سے لپیٹیں۔ اس کے بعد اسی طرح لفافہ لپیٹا جائے اور عورت کو اول درع (زنانہ قمیص) پہنائیں اور اس کے بالوں کے دو حصے کر کے اس کے سینہ پر قمیص کے اوپر ڈال دیں۔ پھر اس کے اوپر اوڑھنی رہے پھر لفافہ کے نیچے ازار۔ اگر کفن کے کھل جانے کا اندیشہ ہو تو اسے باندھ دیا جائے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر بعض لوگ پڑھ لیں تو باقی کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اور اگر کوئی نہ پڑھے تو سب گناہگار ہوں گے۔

تشریح و توضیح الجنائز: احکام نماز اور اس کے متعلقات سے فارغ ہو کر میت کے غسل، دفن اور نماز جنازہ کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ الجنائز زبر کے ساتھ جنازہ کی جمع ہے اور جنازہ میت کو کہتے ہیں اور زیر کے ساتھ وہ تخت یا چارپائی کہلاتی ہے جس پر میت کو اٹھاتے ہیں۔

ویلقن الخ یعنی حاضرین قریب المرگ کو کلمۂ شہادت کی تلقین کریں گے۔ اور یہ تلقین کرنا مستحب ہے۔ "نہر" میں مستحب ہی لکھا ہے۔ اور "قنیہ" میں ہے کہ تلقین واجب ہے۔ اور ان کا مستدل یہ حدیث ہے کہ اپنے موتیٰ (قریب المرگ) کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ یہ روایت مسلم اور سنن میں موجود ہے تلقین کی شکل یہ ہے کہ لوگ بلند آواز سے خود یہ کلمہ پڑھیں تاکہ وہ سن کر اسے دہرانے لگے۔ خود نہ پڑھنا اور قریب المرگ سے پڑھنے کے لئے کہنا مناسب نہیں۔ کیونکہ تکلیف اس پر غالب ہوتی ہے۔

ویجرد الخ یعنی میت کے کپڑے اتار کر غسل دیا جائے۔ اگر کپڑوں سمیت غسل دیا جائے تب بھی مضائقہ نہیں (بشرطیکہ کپڑے پاک ہوں)۔ اصل اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ جب صحابہ کرام رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے کپڑے اتاریں جس طرح ہم اپنے موتیٰ کے اتارتے ہیں یا کپڑوں سمیت آپ کو غسل دیں۔ جب صحابہ رضؓ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کردی پھر سب گھر کے گوشہ سے یہ کہتے ہوئے آئے کہ آنحضور کو کپڑوں سمیت غسل دو بس آنحضور کو آپکے کپڑوں میں غسل دیا گیا۔ (یہ روایت ابو داؤد میں موجود ہے)

مساجد۔ مسجد کی جمع جیم کے زبر کے ساتھ۔ یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں قدم۔ ان اعضاء کی خصوصیت ان کی کرامت وعظمت کی بنار پر ہے۔ "درر" میں اسی طرح ہے۔

العمامة الخ زاہدیؒ نے مجتبیٰ میں بیان کیا ہے کہ زیادہ صحیح قول کے مطابق میت کے عمامہ باندھنا مکروہ ہے۔ اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ اگر میت کے عمامہ باندھنا بہتر ہوتا تو مساوات کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باندھا جاتا۔

وهي ان يكبر را فعايديه ثم لا يرفع بعدها خلافا للشافعي رح ويثني ثم يكبر ويصلي على النبي عليه الصلوٰة والسلام ثم يكبر ويدعو ثم يكبر ويسلم ولا قراءة فيها خلافا للشافعيؒ ولا تشهد ويقول في الصبي بعد الثالثة اللهم اجعله لنا فرطا اللهم اجعله لنا ذخرا اللهم اجعله لنا شافعا ومشفعا اى اجرا يتقدمنا واصل الفارط والفرط فيمن يتقدم الواردة كذا في المغرب المشفع الذى يعطى له الشفاعة والدعاء للبالغين هذا اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا وكبيرنا وذكرنا وانثانا اللهم من احييته منا فاحيه على الاسلام ومن توفيته منا فتوفه على الايمان انما قال في الاول الاسلام والثاني الايمان لان الاسلام والايمان وان كانا متحدين فالاسلام ينبئ عن الانقياد فكانه دعاء في حال الحيوٰة بالايمان والانقياد واما عند الوفاة فقد دعى بالتوفي على الايمان وهو التصديق والاقرار واما الانقياد وهو العمل فغير موجود في حال الوفاة وبعدها

ترجمہ | اور جنازہ کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ اٹھائے، پھر اس کے بعد کسی تکبیر پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائے

اور ثنا پڑھے، پھر تکبیر کہے اور نبی علیہ السلام پر درود بھیجے۔ پھر تکبیر کہے اور دعا پڑھے، پھر تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔ اور اس میں قرأت نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قرأت بھی ہے۔ اور نہ اس میں تشہد ہے اور بچہ (نابالغ) ہو تو تیسری رکعت کے بعد کہے "اللّٰھم اجعلہ لنا فرطاً" (اے اللہ اسے ہمارے لئے پیش رو بنا دے) اللّٰھم اجعلہ لنا ذخرا (اے اللہ ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دے) اللّٰھم اجعلہ لنا شافعا ومشفعاً (اے اللہ اسے ہماری شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت بنا دے) یعنی وہ اجر و ثواب جو ہم سے پہلے آخرت میں پہونچ جائے۔ اور فارط اور فرط کی اصل وہ شخص جو اترنے والے مسافروں کے لئے پانی اور منزل کی جستجو میں ان سے آگے بڑھ جائے۔ "مغرب" نامی کتاب میں اسی طرح ہے۔ مشفع وہ ہے جس کی شفاعت قبول کی جائے۔ اور بالغین کے لئے یہ دعا ہے۔ اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللّٰھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان۔ اول "الاسلام" (فاحیہ علی الاسلام) اور دوسری جگہ "الایمان" (ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان) کہا۔ اس لئے کہ اگرچہ اسلام اور ایمان دونوں ایک (ہی) ہیں مگر اسلام اطاعت وتسلیم کی اطلاع ہے تو گویا وہ زندگی میں ایمان و اطاعت کی دعا ہے۔ اور انتقال کے وقت وفات علی الایمان کی دعا، وہ تصدیق اور اقرار ہے اور "الانقیاد" (اطاعت) وہ عمل کا نام ہے جو وفات کے وقت اور بعد وفات موجود نہیں ہوتا (کیونکہ وہ حالت حیات کے ساتھ مخصوص ہے اور رشتہ حیات منقطع ہونے کے ساتھ وہ بھی باقی نہیں رہتا)

تشریح و توضیح ویثنی الخ یعنی سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک وجل ثناؤک ولا الٰہ غیرک پڑھے۔

ویدعو۔ اور میت کے لئے، اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا کرے۔ ماثور اور احادیث میں منقول طریقہ سے دعا کرے تو زیادہ اچھا ہے۔

ویقول۔ بچہ کے لئے یہ دعا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے "بیہقی" اور دوسری کتب احادیث میں مروی ہے۔

فیمن یتقدم۔ یعنی مسافرین کی جماعت سے آگے جانے والا جو ان کے لئے پانی اور منزل کی سہولت بہم پہونچائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انا فرطکم علی الحوض۔ (میں حوض پر تمہارا پیشرو ہوں) ھذا۔ یعنی بالغ کے لئے یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ میں منقول ہے۔ نیز یہ دعا بھی منقول ہے۔ اللّٰھم اغفرہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وابدلہ داراً خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ وزوجا خیرا من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار۔ فتح القدیر وغیرہ میں دوسری دعائیں بھی منقول ہیں۔

ويقوم المصلي بحذاء صدر الميت والاحق بالامامة السلطان ثم القاضي ثم امام الحي ثم الولي على ترتيب العصبات ولا باس باذنه في الامامة فان صلى غيرهم يعيد الولي ان شاء ولا يصلي غيره بعده ومن لم يصل عليه فدفن صلى على قبره مالم يظن انه تفسخ وقد قدر بثلثة ايام ولم يجز راكبًا استحسانًا الاستحسان هو الدليل الذي يكون في مقابلة القياس الجلي الذي يسبق اليه الافهام فالقياس ههنا ان يجوز راكبا لانه ليس بصلوة لعدم الاركان بل هو دعاء والاستحسان انها صلوة من وجه لوجود التحريمة فلا يترك القيام من غير عذر احتياطا

ترجمہ اور نماز پڑھانے والا میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو اور امامت کیلئے زیادہ بہتر بادشاہ ہے، اس کے بعد (وہ نہ ہو تو) قاضی، پھر (وہ نہ ہو تو) محلہ کی مسجد کا امام پھر ولی میت عصبات کی ترتیب کے اعتبار سے۔ اور ولی کے علاوہ کا ولی سے اجازت لیکر نماز پڑھانا درست ہے پس اگر ولی کے علاوہ دوسرے لوگ نماز پڑھ لیں تو ولی کو نماز دہرانے کا اختیار ہے۔ اور ولی نماز پڑھ لے تو اور لوگ نہ دہرائیں اور جو میت نماز پڑھے بغیر دفن کردی گئی ہو اسکی قبر پر اس وقت تک نماز پڑھی جائے جب تک اس کے پھٹنے کا گمان نہ ہو یعنی تین روز تک۔ اور استحسانًا سواری پر نماز جنازہ جائز نہیں، استحسان سے مراد وہ دلیل ہے جو قیاس جلی کے مقابلہ میں ہو یعنی وہ قیاس جلی جانب افہام مجتہد سبقت کرتی ہیں، پس قیاس کا تقاضہ یہاں (نماز جنازہ میں) یہ ہے کہ سواری پر جائز ہو کیونکہ عدم ارکان کی وجہ سے یہ دعاء ہے نماز نہیں۔ اور استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ تحریمہ کے وجود کی بنا پر یہ من وجہ (اور ایک اعتبار سے) نماز ہے لہذا بلاعذر احتیاطًا قیام ترک نہیں کیا جائے گا۔

تشریح وتوضیح ویقوم الخ میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہونا خواہ میت مرد ہو یا عورت مستحب ہے۔ اور اس کی تعلیل کی گئی ہے کہ سینہ محل ایمان ہے پس مناسب ہے کہ نماز میں اس کے مقابل کھڑے ہوں،

والاحق۔ یعنی نماز جنازہ کی امامت کا حق بادشاہ کو ہے اگر وہ موجود ہو کیونکہ اس اعزاز کا سب سے زیادہ مستحق وہی ہے اور وہ نہ ہو تو قاضی اپنے منصب اور امتیازی حیثیت کی بنا پر اس کا زیادہ مستحق ہے اور وہ بھی نہ ہو تو امام محلہ جو پانچوں وقت کی نماز پڑھاتا ہے وہ اس لائق ہے کہ اسے آگے بڑھایا جائے، ولی میت پر ان تینوں کو مقدم کرنا اس صورت میں ہے کہ یہ تینوں ولی سے افضل ہوں،

ثم الولی - اور ولیٔ میت میں ترتیب عصبات کا خیال رکھا جائے گا اور اقرب کو ابعد پر مقدم کیا جائے گا ،

وكرهت في مسجد جماعة ان كان الميت فيه وان كان خارجه اختلف المشائخ اختلاف المشائخ بناءً على ان علة الكراهية عند البعض توهم تلويث المسجد فان كان الميت خارجه لا تكره عندهم وعند البعض ان المسجد لا يبنى الا للصلوٰة الخمس فالميت وان كان خارجا تكره عندهم ايضا ومن ولد فمات سمي وغسل وصلي عليه ان استهل والا ادرج في خرقة ولم يصل عليه وغسل وهو المختار وفي ظاهر الرواية انه لا يغسل لكن المختار هو الاول صبي سبي فمات ان سبي بلا احد ابويه او مع احدهما فاسلم عاقلا او احدهما صلي عليه فانه ان سبي بلا احد ابويه يكون مسلما تبعا للدار فيصلى عليه وان سبي مع احد ابويه فحينئذ لا يكون تبعا للدار فان اسلم وهو الحال انه عاقل فاسلامه صحيح فيصلى عليه وان اسلم احدهما يكون مسلما تبعا لاحدهما فيصلى عليه والا فلا اي ان سبي مع احد ابويه ولم يسلم هو عاقل لا يصلى عليه فهذا يشتمل ما اذا لم يسلم اصلا او اسلم وهو غير عاقل كافر مات يغسله وليه المسلم غسل النجس اي يصب عليه الماء على الوجه الذي يغسل النجاسات لا كما يغسل المسلم بالبداية بالوضوء وبالميامن ويلفه في خرقة ويحفر حفيرة ويلقيه فيها وسن في حمل الجنازة اربعة وان تضع مقدمها ثم مؤخرها على يمينك ثم مقدمها ثم مؤخرها على يسارك ويسرعون بها لا خببا وكره الجلوس قبل وضعها والمشي خلفها احب ويحفر القبر ويلحد ويدخل فيه مما يلي القبلة ويقول واضعه بسم الله وعلى ملة رسول الله ويوجه الى القبلة ويحل العقدة اي العقدة التي على الكفن خيفة الانتشار ويسوى اللبن والقصب ويسجى قبرها بثوب لا قبره اي يغطى قبرها بثوب عند دفنها ويكره الآجر والخشب ويهال التراب ويسنم القبر ولا يسطح -:

ترجمہ اور اگر مسجد میں میت ہو تو ایسی مسجد میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے جسمیں جماعت ہوتی ہو۔ اور میت مسجد سے باہر ہو اور لوگ اندرونِ مسجد، تو اسمیں مشائخ (فقہاء) کی رائیں مختلف ہیں (بعض کے نزدیک کراہت ہے اور بعض کے نزدیک کراہت نہیں) مشائخ کے اختلاف کی علت یہ ہے کہ بعض کے نزدیک کراہت تلویثِ مسجد کے وہم (وخطرہ) کی بنا پر ہے۔ پس اگر میتِ خارجِ مسجد ہو تو نماز اُن کے نزدیک مکروہ نہ ہوگی ،

اور بعض کے نزدیک مسجد پانچ نمازوں کے لئے بنائی گئی ہے، لہذا اگر میت خارج مسجد ہو تب بھی ان کے نزدیک مکروہ ہوگی، جو لڑکا پیدائش کے بعد مرجائے اگر رو یا اور چلایا ہو جو زندگی کی علامت ہے) تو اس کا نام رکھا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی اور غسل دیا جائے گا ورنہ غسل دے اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر بغیر نماز پڑھے دفن کیا جائے گا۔ مختار وراجح قول کے مطابق (ایسے) مردہ بچہ کو غسل دیں گے اور ظاہر روایت میں ہے کہ غسل نہیں دیا جائے گا، مگر راجح قول پہلا ہے: کوئی بچہ قید ہو کر آئے اور مرجائے تو اگر وہ اپنے والدین کے بغیر تنہا یا ان میں سے ایک کے ساتھ قید ہوا ہو پھر وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے اور وہ خود عاقل (وذی شعور) ہو یا ان دونوں میں سے ایک اسلام قبول کرنے تو اس بچہ پر نماز پڑھی جائے گی۔ اسلئے کہ والدین کے بغیر اس کے قید ہونے پر اسے دار الاسلام کے تابع شمار کر کے مسلمان قرار دیں گے لہذا اسیر نماز پڑھی جائے گی۔ اور اگر والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہوا ہو تو اسوقت وہ دار الاسلام کے تابع شمار نہ ہوگا۔ لہذا اگر بچہ اسلام قبول کرے دراں حالیکہ وہ خود عاقل ہو تو اس کا اسلام صحیح ہے پس اس پر نماز پڑھی جائے گی اور اگر دونوں میں سے ایک نے اسلام قبول کیا ہو تو بچہ کو مسلمان ہونے والے کے تابع قرار دیں گے اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ ورنہ نہیں۔ یعنی اگر بچہ والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہوا ہو اور والدین میں سے کسی نے اسلام قبول نہ کیا ہو اور نہ وہ بچہ خود عاقل وذی شعور ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی پس یہ قول ورنہ نہیں،، اس صورت مسئلہ کو شامل ہے کہ والدین میں سے کوئی اسلام قبول نہ کرے۔ یا بچہ خود اسلام قبول کرے اور وہ غیر عاقل ہو، کوئی کافر مرے دراں حالیکہ اس کا ولی مسلمان ہو تو اس کا مسلمان ولی ناپاک چیز کی طرح اسے غسل دے۔ یعنی (سنت کی رعایت کے بغیر) اسپر پانی اس طرح بہایا جائے گا جسطرح نجاستیں دھوئی جاتی ہیں اس طرح نہیں نہیں جیسے مسلمان کو غسل دیتے ہیں۔ نہ اسے وضو کرائے اور نہ دائیں جانب سے شروع کرے۔ اور ایک کپڑے میں اسے لپیٹ کر اور گڑھا (بلا رعایتِ سنت) کھود کر اسمیں ڈال دیا جائے گا،
اور جنازہ چار آدمیوں کا اٹھانا مسنون ہے اس طرح کہ پہلے اس کے آگے کے پائے اور پھر پیچھے کے پائے کو اپنے دائیں کاندھے پر رکھیں۔ پھر دوسری طرف کے آگے کے پائے کو اور پھر پیچھے کے پائے کو اپنے بائیں کاندھے پر رکھیں اور اچھلے (دوڑے بغیر) جنازہ تیز لے چلیں اور جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے اور جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے، اور قبر (مرد کے نصف قد کے بقدر گہری) لحد کھود کر میت کو قبلہ کی جانب رکھیں گے اور رکھنے والا کہے گا "بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ،، میت کا منھ قبلہ رخ کیا جائے گا اور کفن کی گرہ کھول دی جائے گی۔ یعنی وہ گرہ جو کفن پر اس کے کھل جانے کے خوف سے لگائی گئی ہو۔ اور کچی اینٹ اور بانس قبر پر رکھے، اور دفن کے وقت عورت کی قبر پر کپڑے سے پردہ کیا جائے گا مرد کی قبر پر نہیں یعنی بوقت دفن عورت کی قبر کپڑے سے (پردہ کی خاطر) ڈھانپی جائے گی،،

اور پکی اینٹ اور لکڑی (سوکھی لکڑی) قبر میں لگانا مکروہ ہے اور مٹی ڈالی جائے گی۔ اور قبر کو ہان نما بنائی جائے مربع نہ بنائیں،

تشریح وتوضیح وکرھت الخ۔ یعنی ایسی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جس میں جماعت ہوتی ہو مکروہ تحریمی ہے، علامہ قاسم ابن قطلوبغا نے ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر لکھتے ہوئے اسکی صراحت کی ہے۔ متاخرین فقہاء کا میلان اسی طرف ہے، اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ مسجد نبوی کے شرف کے باوجود اس میں نماز جنازہ پڑھنے کی نہیں تھی۔ بلکہ میدان (یا عیدگاہ) اس کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ یہ کراہت اس صورت میں ہے کہ کوئی عذر نہ ہو اور اگر بارش وغیرہ کا عذر ہو تو مکروہ نہیں،،

فی مسجد جماعۃ:۔ یعنی ایسی مسجد میں جہاں پا جماعت نماز ہوتی ہوں وہاں نماز جنازہ مکروہ ہے یہ کہہ کر اس مسجد (جنازہ گاہ) سے احتراز مقصود ہے جو نماز جنازہ ہی کیلئے بنائی جائے۔

وغسل الخ کیونکہ بچہ دنیا میں بحالت حیات آیا اور بعد میں انتقال ہوا پس اس کیلئے زندوں کا سا حکم ہوگا اور وہ عمل جو زندہ کے مرجانے پر کیا جاتا ہے اس کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ اصل اس بارے میں بچے سے متعلق یہ حدیث ہے کہ،، نہ اسپر نماز پڑھی جائے گی اور نہ وہ وارث ہوگا اور نہ اسکی میراث ملے گی یہاں تک کہ وہ روئے۔ (یہ روایت ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہے) یعنی اگر آثار حیات نمایاں ہوجائیں اور اس کا زندہ ہونا متیقن ہوجائے تو حدیث شریف میں ذکر کردہ احکام اسپر مرتب ہوں گے ورنہ نہیں،،

صحیح الخ۔ یعنی اگر بچہ خود ہی عاقل وذی شعور ہو تو اس کا اسلام قابل قبول اور شرعاً معتبر ہے، اس کا مستدل کتب حدیث وسیر میں ذکر کردہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نابالغی کی حالت میں اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول فرمایا،،

ویلقیہ الخ:۔ یہ حکم بھی اس صورت میں ہے کہ اس کا اور کوئی قریبی کافر عزیز موجود نہ ہو۔ اگر موجود ہو تو اس سے بھی باز آنا اور ترک اولیٰ ہے۔

ویسرعون:۔ اسراع سے۔ یعنی جنازہ تیز لیکر چلو کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جنازہ تیز لیکر چلو پس اگر وہ صالح ہے تو وہ خیر تک جلدی پہونچے گا اور اگر برا ہے تو تم شر کو اپنی گردنوں سے اتاروگے (یہ روایت بخاری شریف وغیرہ میں موجود ہے،

قبل وضعھا۔ جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم جنازہ کے ساتھ چلو تو اس کے زمین پر رکھنے سے پہلے مت بیٹھو (یہ روایت ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے،،

بَابُ الشَّهِيْدِ

هو كل طاهر بالغ قتل بحديدة ظلما ولم يجب به مال او وجد ميتا جريحا في المعركة فالطاهر احتراز عمن وجب عليه الغسل كالجنب والحائض والنفساء والبالغ احتراز عن الصبي وبالحديدة احتراز عن القتل بالمثقل وظلما احتراز عن القتل حدا او قصاصا ولم يجب به مال احتراز عن قتل وجب به مال والمراد ان المال لا يجب بنفس هذا القتل فان الاب اذا قتل ابنه بحديدة ظلما يكون الابن شهيدا لان المال وان وجب فانه لم يجب بنفس هذا القتل بل يجب القصاص الا انه يسقط بحرمة الابوة ووجبت الدية وقوله او وجد ميتا فان من وجد ميتا جريحا في المعركة فهو شهيد لان الظاهر ان اهل الحرب قتلوه ومقتولهم شهيد باي شئ قتلوه وانما شرط الجراحة فيمن وجد في المعركة ليدل على انه قتيل لا ميت حتف انفه فالحاصل ان الشهيد من قتل بحديدة ظلما ولم يجب به مال او من وجد ميتا جريحا في المعركة سواء قتل بحديدة او لا لكن في هذا التعريف نظر وهو انه لا يشمل ما اذا قتله المشركون او اهل البغي او قطاع الطريق بغير الحديدة فان قتيلهم شهيد باي آلة قتلوه فالتعريف الحسن الوجيز ما قلت في المختصر وهو مسلم طاهر بالغ قتل ظلما ولم يجب به مال ولم يرتث من غير ذكر الحديدة والوجدان في المعركة فيشمل قتيل المشركين واهل البغي وقطاع الطريق باي آلة قتلوه ويشمل الميت الجريح في المعركة لانه مسلم مقتول ظلما ولم يجب بقتله مال واما مقتول غير هؤلاء وهو مسلم قتله غير باغ وغير قاطع الطريق ومسلم قتله ذمي فانه انما يكون شهيدا عند ابي حنيفة اذا قتل بحديدة ظلما فلما قال ولم يجب به مال علم انه مقتول بحديدة لانه لو قتل بغير حديدة لوجب المال عنده لان الدية واجبة عنده في القتل بالمثقل واما عندهما فلا احتياج الى ذكر الحديد لان المقتول بالمثقل عندهما شهيد ولم يجب بقتله مال بل الواجب قصاص عندهما واما قوله ولم يرتث فسيجئ فائدته۔

ترجمہ: جو شخص طاہر (پاک) بالغ زخمی کرنے والا آلہ (یا دھار دار آلہ سے) ظلماً مارا جائے اور قاتل پر اس قتل کے بدلہ مال دینا واجب نہ ہو یا (طاہر بالغ) میدان قتال میں مردہ زخمی پایا جائے تو وہ (شرعاً

شہید ہے، پس طاہر کہہ کر اس سے احتراز مقصود ہے جس پر غسل واجب ہو مثلاً جنبی اور وہ عورت جو حیض و نفاس میں مبتلا ہو اور بالغ کہہ کر احتراز مقصود ہے بچہ (نابالغ) سے۔ اور زخمی کرنے والے آلہ (دھار دار) کی قید سے احتراز مقصود ہے، بھاری چیز کے ذریعہ قتل سے (مثلاً بڑے پتھر سے دبا دیا) اور ظلماً کی قید لگا کر اس سے احتراز ہے جو قتل حد یا قصاص کی بنا پر ہو اور "لم یجب بہ مال" کی قید لگا کر اس سے احتراز ہے جس کے قتل سے دیت (خونبہا) واجب ہو، (کہ یہ لوگ شہیدوں میں شمار نہیں) اور مراد "لم یجب" سے وہ مال ہے جو اس قتل کی وجہ سے واجب نہ ہو۔ اسلئے کہ باپ اگر اپنے بیٹے کو دھار دار آلہ سے ظلماً مار ڈالے تو وہ بیٹا (حکماً) شہید ہوگا، اسلئے کہ مال اگرچہ واجب ہوتا ہے پس وہ اس قتل پر واجب نہیں ہوا (بلکہ قصاص واجب تھا مگر وہ حرمتِ ابوت کی وجہ سے ساقط ہوگیا) اور مصنف کا قول "او وجد میتاً" تو جو شخص میدانِ کارزار میں مردہ زخمی حالت میں پایا جائے وہ شہید ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اسے اہل حرب (کفار) نے قتل کیا ہے اور ان کا قتل کیا ہوا خواہ کسی چیز سے قتل ہو شہید ہے اور میدان کارزار میں زخمی ہونے کی شرط اسلئے لگائی تاکہ اسکی نشان دہی ہو کہ وہ قتل کیا گیا ہے، ایسا مردہ نہیں۔ جسے گلا گھونٹ کر مارا ہو۔ پس حاصل یہ ہے کہ شہید وہ کہلاتا ہے جو زخمی کرنے والے (اور دھار دار) آلہ سے ظلماً قتل کیا جائے دراں حالیکہ اسکے قتل سے دیت واجب نہ ہو یا میدانِ کارزار میں زخمی حالت میں مردہ پایا جائے خواہ زخمی کرنے والے دھار دار آلہ سے قتل کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، مگر متن کی یہ تعریف محل نظر ہے اور وہ یہ کہ (اس تعریف کی رو سے) ان کا شمار شہیدوں میں نہ ہوگا جنہیں مشرکین یا باغیوں نے یا ڈاکوؤں نے تیز و دھار دار آلہ کے علاوہ سے قتل کیا ہو جبکہ ان کا قتل کیا ہوا شہید ہے چاہے کسی آلہ سے قتل کیا گیا ہو (پس مختصر و عمدہ تعریف وہ ہے جو میں نے "مختصر" میں بیان کی ہے وہ یہ کہ شہید وہ ہے جو مسلمان طاہر بالغ ہو (اور) ظلماً مارا گیا ہو اور اس کے قتل کی وجہ سے مال واجب نہ ہوتا ہو اور پرانا نہ ہوا ہو (یعنی میدانِ کارزار سے زندہ نہ لایا گیا ہو) "مختصر" میں "الحدیدة" (تیز و زخمی کرنے والے دھار دار آلہ) کی اور میدانِ قتال میں پائے جانے کی قید نہیں لگائی۔ پس یہ (مختصر کی عبارت) شامل ہے مشرکین اور باغی اور ڈاکوؤں کے ذریعہ قتل شدہ کو خواہ کسی بھی آلہ کے ذریعہ قتل کیا گیا ہو، اور اسکو بھی شامل ہے جو میدانِ کارزار میں مجروح مردہ پایا جائے۔ کیونکہ وہ مسلمان ظلماً قتل کیا گیا ہے اور اس کے قتل سے مال (دیت) واجب نہیں ہوئی اور ان کے علاوہ قتل شدہ وہ مسلمان ہے جسے باغی اور ڈاکو کے علاوہ کوئی قتل کر دے۔ اور مسلمان جسے ذمی (دار الاسلام۔ کا غیر مسلم باشندہ) قتل کر دے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ شہید ہوگا جبکہ اسے ظلماً زخمی کرنے والے (دھار دار) آلہ سے قتل کیا گیا ہو، اور "مختصر" میں جو یہ کہا "لم یجب بہ مال"، اس سے معلوم ہوا کہ وہ مجروح کرنے والے

دھار دار آلہ سے قتل شدہ ہو اسلئے کہ اگر زخمی کرنے والے دھار دار آلہ کے علاوہ سے قتل کیا گیا ہو تو
امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسپر مال واجب ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک بھاری وزنی چیز (مثلاً پتھر) سے
قتل کرنے کی صورت میں دیت واجب ہو گی، اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک "الحدیدۃ"
کے ذکر کی احتیاج نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وزنی و بھاری چیز سے قتل شدہ بھی شہید ہے اور
اسکے قتل سے مال واجب نہ ہوگا بلکہ ان دونوں کے نزدیک قصاص کا وجوب ہوگا اور مصنف
کا قول "ولم یرتث" پس عنقریب (متن میں) اسکا فائدہ آئے گا"

تشریح و توضیح الشہید، فعیل کے وزن پر بمعنی مفعول شہادۃ یا شہود سے مشتق ہے، شہید
کو شہید اسلئے کہتے ہیں کہ اس کیلئے جنت کی شہادت دی گئی یا یہ کہ رحمت کے
فرشتے حاضر ہوتے ہیں یا فعیل بمعنی فاعل ہے کیونکہ وہ عند اللہ حیات ہے پس وہ شاہد ہے۔
"الدر المختار" وغیرہ میں اسیطرح ہے۔ پھر شہید کی دو قسمیں ہیں (۱) محض باعتبار آخرت شہید جیسے
مبطون وغیرہ (۲) دنیوی اعتبار سے بھی شہید۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اسے بغیر غسل دیئے انھیں کپڑوں
میں دفن کیا جائے گا،

جریحا :- میدان قتال میں مجروح پایا جانا یہ اسکی علامت ہے کہ دشمن سے لڑکر مجروح اور خلعت
شہادت سے سرفراز ہوا،

عن القتل حدًا :- کیونکہ جو شخص حد زنا میں قتل کیا جائے یا بطور قصاص قتل ہو وہ شہید نہیں
اسے غسل اور کفن دیا جائے گا،

ومقتول لہم :- یعنی اہل حرب (کفار) جسے قتل کریں۔ خواہ کسی بھی آلہ کے ذریعہ کریں مثلاً اس پر
دیوار گرادیں یا آگ میں جلا دیں وغیرہ وہ بہر صورت شہید ہے "صحیح بخاری اور سنن اربعہ"
میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کو ان کے خون آلود کپڑوں میں غسل دیئے
بغیر دفن فرمایا اور یہ معلوم ہے کہ ان میں سب کے سب تلوار اور دھار دار آلہ سے قتل نہیں کئے
گئے بلکہ بعض پتھر اور بعض عصا وغیرہ سے قتل کئے گئے "بنایہ" میں اسی طرح ہے،

فینزع عنہ غیر ثوبہ ای غیر ثوب یختص بالمیت کالفرو والحشو والقلنسوۃ والسلاح والخف
ویزاد وینقص لیتم کفنہ ای لو لم یکن معہ ما یکون من جنس الکفن کالازار ونحوہ یزاد ولو
کان ما لبس من جنسہ ینقص ولا یغسل ویصلی علیہ ویدفن بدمہ وغسل صبی وجنب
وحائض ونفساء ومن وجد قتیلا فی مصر لا یعلم قاتلہ فانہ اذا لم یعلم قاتلہ یغسل
سواء علم ان قتلہ وقع بالحدیدۃ او بالعصا الکبیر والصغیر لان الواجب فیہ الدیۃ والقسامۃ

هكذا ذكر في الذخيرة ولم يذكر انه وجد في موضع تجب القسامة اولا اقول ان المراد به انه وجد في موضع تجب القسامة اما اذا وجد في موضع لا تجب القسامة كالشارع والجامع فان علم ان القتل بالحديدة لا يغسل لانه شهيد وان علم انه قتل بالعصا الكبير ينبغي ان يغسل عند ابي حنيفة اذ ليس شهيدا عنده خلافا لهما وان علم انه قتل بالعصا الصغير ينبغي ان يغسل اتفاقا لان نفس القتل اوجب الدية فعدم وجوبها بعارض جهل القاتل لا يجعله شهيدا اما اذا علم القاتل فان علم ان القتل بالحديدة لم يغسل لانه شهيد وان علم انه قتل بالعصا الكبير ينبغي ان يغسل عند ابي حنيفة خلافا لهما وان علم انه قتل بالعصا الصغير يغسل اتفاقا وقد قال في الهداية ومن وجد قتيلا في المصر غسل لان الواجب فيه الدية والقسامة فخف اثر الظلم الا اذا علم انه قتل بحديدة ظلما اقول هذه الرواية مخالفة لما ذكر في الذخيرة لان رواية الهداية فيما اذا لم يعلم قاتله لانه علق بوجوب القسامة ولا قسامة الا اذا لم يعلم القاتل ففي صورة عدم العلم بالقاتل اذا علم ان القتل بالحديدة ففي رواية الهداية لا يغسل لان نفس هذا القتل اوجب القصاص واما وجوب الدية والقسامة فلعارض العجز عن اقامة القصاص فلا يخرجه هذا العارض عن ان يكون شهيدا واما على رواية الذخيرة فيغسل وعبارة الذخيرة هذه وان حصل القتل بحديدة فان لم يعلم قاتله تجب الدية والقسامة على اهل المحلة فيغسل وان علم القاتل لم يغسل عندنا ففي الذخيرة لم يعتبر نفس القتل فوجوب الدية وان كان بالعارض اخرجه عن الشهادة وفي المتن اخذ بهذه الرواية هذا اذا علم انه باي آلة قتل اما اذا لم يعلم فاقول يجب ان يغسل لانه لم يعلم ان موجب نفس هذا القتل ما هو فلم يمكن اعتباره فلابد ان يعتبر ما هو الواجب في مثل هذا القتل سواء كان اصليا او عارضيا فالواجب الدية فلا يكون شهيدا ۔

ترجمہ اور کپڑوں کے علاوہ دوسری چیز یعنی ان کپڑوں کے علاوہ جو مردہ کے ساتھ مخصوص ہوں مثلاً پوستین اور قبا (روئی سے تیار شدہ) اور ٹوپی اور ہتھیار اور موزے اتاری جائیں گی اور جو چیز کفن میں زیادہ ہو وہ کم کریں اور جو کم ہو اسے کفن پورا کرنے کیلئے بڑھالیں۔ یعنی اگر مقتول کے کپڑوں میں کفن کی جنس کی کوئی چیز نہ ہو مثلاً ازار (تہبند) اور (قمیص وغیرہ) تو (عدد مسنون پورا کرنے کیلئے) اس کا اضافہ کریں اور اگر کفن کی جنس سے نہ ہو زائد کو اتار لیں۔ اور شہید کو غسل نہ دیا جائے اور اس پر نماز پڑھ کر خون آلود حالت میں دفن کر دیا جائے اور نابالغ لڑکے جنبی (جیسے غسل کی ضرورت ہو) اور حیض و نفاس

والی عورت کو غسل دیا جائے۔ اور جو شخص اندرونِ شہر مقتول پایا جائے اور اس کا قاتل معلوم نہ ہو۔ یعنی جب قاتل معلوم نہ ہو تو اسے غسل دیا جائے خواہ وہ تیز اور زخمی کرنے والے (دھار دار) آلہ سے قتل ہوا ہو یا بڑی یا چھوٹی لاٹھی سے کیونکہ اسمیں دیت اور قسامت واجب ہوتی ہے۔ "ذخیرہ" میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے اور یہ بیان نہیں کیا کہ قتل ایسی جگہ میں پایا جائے تو قسامت واجب ہوگی، لیکن اگر ایسی جگہ قتل پایا گیا ہو جہاں قسامت واجب نہ ہو وہ ہو مثلاً سڑک اور جامع مسجد، پس اگر معلوم ہو کہ تیز اور دھار دار آلہ سے قتل ہوا ہے تو اسے شہید ہونے کی بنا پر غسل نہیں دیا جائیگا اور اگر بڑی لاٹھی سے مقتول ہونے کا علم ہو تو مناسب ہے کہ اسے غسل دیا جائے کیونکہ وہ شہید نہیں امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وہ شہید ہے اور اسے غسل نہیں دیں گے) اور اگر چھوٹی لاٹھی سے قتل ہونے کا علم ہو تو بالاتفاق تینوں کے نزدیک غسل دیا جائے گا اسلئے کہ چھوٹی لاٹھی سے قتل واجب الدیت ہے۔ پس قاتل کے معلوم نہ ہونے کے عذر کی بنا پر عدم وجوب دیت سے وہ شہید شمار نہ ہوگا اگر قتل کرنے والے کا علم ہو اور اسے تیز و دھار دار آلہ سے قتل کیا ہو تو شہید ہونے کی بنا پر غسل نہ دیں گے اور اگر پتہ چلے کہ بڑی لاٹھی سے مارا گیا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مناسب ہے کہ اسے غسل دیا جائے۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وہ شہید قرار دیا جائے گا۔ اور چھوٹی لاٹھی سے قتل کئے جانے کے علم کی صورت میں بالاتفاق تینوں غسل کا حکم فرماتے ہیں۔ اور "ہدایہ" میں ہے، اور جو شخص اندرونِ شہر مقتول ملے غسل دیا جائے کیونکہ اسمیں دیت اور قسامت واجب ہوتی ہے پس ظلم کا اثر ماند و مضمحل پڑ گیا البتہ اگر اس کا تیز و دھار دار آلہ سے ظلماً قتل کیا جانا معلوم ہو تو وہ شہید ہے میں کہتا ہوں کہ یہ روایت "ذخیرہ" میں ذکر کردہ حکم سے مختلف و الگ ہے، کیونکہ "ہدایہ" کی روایت اس کے بارے میں ہے جس کا قاتل معلوم نہ ہو اسلئے کہ صاحب ہدایہ نے یہ تعلیل کی ہے کہ اس میں قسامت واجب ہوتی ہے۔ اور قاتل معلوم نہ ہونے کی صورت میں قسامت واجب نہیں ہوتی پس قاتل کے عدمِ علم کی شکل میں اگر معلوم ہو کہ قتل تیز و دھار آلہ سے ہوا ہے تو "ہدایہ" کی روایت میں ہے کہ غسل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس قتل کی بنا پر قصاص واجب ہوگا۔ اور رہا دیت اور قسامت کا وجوب تو قصاص قائم نہ ہونے کے عذر و عجز کی بنا پر اس مقتول کو شہید کے زمرہ سے خارج قرار نہ دیں گے اور "ذخیرہ" کی روایت کی رو سے اسے غسل دیا جائے گا۔ اور "ذخیرہ" کی عبارت یہ ہے "اور اگر تیز و دھار دار آلہ سے قتل ہوا ہو اور قاتل کا علم نہ ہو تو دیت اور قسامت اہلِ محلہ پر واجب ہوگی اور غسل دیا جائے گا۔ اور قاتل معلوم ہو تو ہمارے نزدیک غسل نہیں دیا جائے گا، پس "ذخیرہ" کی عبارت کے اعتبار سے نفسِ قتل کا اعتبار نہ ہوگا لہٰذا وجوبِ دیت خواہ عارض و عذر کی بنا پر ہو مقتول کو شہادت کے زمرہ سے نکال دے گا اور "متن" میں یہی روایت لیگئی ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ یہ پتہ ہو کہ وہ کس آلہ سے قتل کیا گیا ہے،

(اور) اگر یہ چیز نہ ہو تو میں کہتا ہوں کہ اس پر غسل واجب ہوگا اسلئے کہ یہ معلوم نہیں کہ اس قتل کا سبب کیا ہے پس اس کا اعتبار ممکن نہ ہوا پس لازم ہے کہ واجب شدہ چیز اس جیسے قتل میں قابل اعتبار ہو۔ خواہ یہ چیز اصل کے اعتبار سے واجب ہو یا عارض وعذر کے باعث واجب ہو پس واجب الدیت شہید شمار نہ ہوگا (جس قتل کی وجہ سے دیت واجب ہو وہ مقتول شہید قرار نہیں دیا جائے گا)

تشریح و توضیح غیر ثوبہ الخ: اسکی طرف اشارہ ہے کہ ثوبہ میں ضمیر شہید کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حاصل یہ کہ شہید کے بدن سے وہ اشیاء جو کفن میت کی جنس سے نہ ہوں مثلاً ہتھیار وغیرہ اتار لینی چاہئیں،

کالفرو۔ فا کے فتحہ کے ساتھ۔ پوستین، کپڑے کی ایک نوع جو دوسری دور کرنے کی خاطر پہنی جاتی ہے۔

ولا یغسل۔ یعنی شہید کو غسل دیئے بغیر اسکے خون آلود کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے گا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے ساتھ یہی کیا رہی ان پر نماز تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ابن ماجہ، مسند حاکم، دارقطنی، طبرانی، بیہقی، ابوداؤد میں اسکی صراحت ہے،

بالحدیدة: ایسا آلہ جسمیں دھار ہو، خواہ وہ ہتھیار ہو مثلاً چھری اور تلوار۔ یا اسکے علاوہ ہو مثلاً لکڑی جو دھار دار ہو یا کوئی دھار دار پتھر ہو۔

او بالعصا الکبیر:۔ وہ شخص جسے بڑی لاٹھی کی ضرب سے مار دیا ہو، القسامة الخ: قاف کے فتحہ کے ساتھ۔ اس سے مراد وہ قسم ہے جو وہ اہل محلہ یا اہلِ دار کھاتے ہیں جہاں کہ مقتول مجروح حالت میں ملے پس پچاس اہل محلہ قسم کھائیں گے کہ بخدا نہ ہم نے اسے قتل کیا اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے ان کے قسم کھانے پر اہلِ محلہ پر مقتول کی دیت (جان کے بدلہ مالی تاوان) کا فیصلہ کیا جاتا ہے،

لعارض۔ یعنی قاتل کے معلوم نہ ہونے کا عذر۔

او قتل بحد او قصاص لان هذا القتل ليس بظلم او جرح وارتث بان نام او اكل او شرب او عولج او اواه خيمة او نقل عن المعركة حيا او بقى عاقلا وقت صلوٰة او اوصى بشئ غسل وصلى عليهم ارتث الخ ای حمل من المعركة وبه رمق والارتثاث فى الشرع ان يرتفق بشئ من مرافق الحيوٰة او يثبت له من احكام الاحياء فاذا بقى عاقلا وقت صلوٰة وجب عليه الصلوٰة وهذا من احكام الاحياء والايصاء ارتثاث عند ابى حنيفة وابى يوسف خلافا لمحمد وان قتل لبغى او قطع طريق يغسل ولا يصلى عليه "

ترجمہ یا حد یا قصاص میں قتل کیا گیا ہو (تو غسل دیا جائے گا) کیونکہ یہ قتل ظلماً نہیں ہوا یا میدان کارزار میں

زخمی کیا گیا ہو اور پرانا ہو جائے یعنی سو جائے یا کھالے یا پی لے یا اس کا علاج کیا جائے یا خیمہ تک بقید حیات جائے یا میدانِ قتال سے زندہ اٹھایا جائے یا ایک نماز کے وقت تک عاقل (وباہوش) رہے یا کسی چیز کی وصیت کرے تو غسل دیا جائے گا اور اسپر نماز پڑھی جائے گی۔ زخمی پرانا ہو جائے یعنی میدانِ کارزار سے کچھ زندگی کی حالت میں اٹھایا گیا ہو اور شرعاً "ارتثاث" یہ ہے کہ وہ زندگی کے منافع میں سے کوئی نفع وفائدہ اٹھائے (مثلاً کھالے یا پی لے) یا اس کیلئے زندوں کے احکام میں سے کوئی حکم ثابت ہو، پس جب وہ ایک نماز کے وقت تک عاقل (وباہوش) رہا تو اسپر نماز واجب ہوگئی اور یہ نماز کا وجوب زندوں کے احکام میں سے ہے، اور امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک وصیت کرنا (بھی) ارتثاث (میں داخل) ہے امام محمدؒ کے نزدیک یہ ارتثاث نہیں، اور اگر باغی (خلیفۃ المسلمین سے بغاوت کرنے والا) یا ڈاکو مارا جائے تو اسے غسل دیا جائے گا۔ اور اسپر نماز نہیں پڑھی جائے گی "۔

تشریح وتوضیح او قتل بحد الخ یعنی زنا کے ارتکاب کی بنا پر جسے سنگسار کیا گیا ہو اسے غسل دیا جائے گا اور اسے شہید قرار نہ دیں گے کیونکہ یہ قتل ظلماً نہیں بلکہ برائی کی جزا ہے، اسی طرح قصاص میں قتل کئے جانے والے کو غسل دیا جائے گا اور اسے شہید شمار نہ کریں گے کیونکہ اسکی جان جان کے بدلہ لیگئی اور یہ ظلم نہیں بلکہ معاوضہ ہے،

او نقل الخ یعنی اگر اس حالت میں منتقل کیا گیا ہو کہ وہ باہوش وحواس ہو تب تو غسل دیا جائے گا، ورنہ غسل نہ دیں گے خواہ بے ہوشی کی حالت میں ایک دن اور ایک رات سے زیادہ کیوں نہ گذر جائے

وصلی علیھم ۱۔ یعنی ذکر کردہ سب لوگوں، بچہ، جنبی، وہ مقتول جس میں قسامت واجب ہو اور مرتث اور حدود قصاص میں قتل کیا جانے والا ان تمام پر نماز پڑھی جائے گی، جنبی الخ یعنی منافعِ حیات میں سے کوئی نفع اٹھایا ہو تو اسے غسل دیا جائے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ جو شہید ہوئے انھیں غسل دیا گیا اور انھیں شہدائے احد کی طرح بلا غسل خون آلود کپڑوں دفن نہیں کیا،

خلافاً لمحمد۔ اختلاف اسمیں ہے کہ وصیت ارتثاث ہے یا نہیں۔ صدر الشہید نے "شرح جامع صغیر" میں بیان کیا ہے کہ اگر امورِ آخرت میں سے کسی امر کی وصیت کرے تو وصیت کے ارتثاث ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن اگر وہ دنیوی امور میں سے کسی امر کی وصیت کرے تو اسے بالاجماع ارتثاث قرار دیں گے "۔

باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ

صح فیها الفرض والنفل المذکور فی الهدایة خلافاً للشافعیؒ فیهما والمذکور فی کتب الشافعی الجواز اذا توجه الی جدار الکعبة حتی اذا توجه الی الباب وهو مفتوح ولا یکون ارتفاع العتبة بقدر مؤخرة الرحل لا یجوز وفی کتبه ایضا انه ان انهدمت الکعبة والعیاذ بالله یجوز الصلوٰة خارجها متوجها الیها ولا یجوز فیها الا اذا کان بین یدیه سترة او بقیة جدار وهذا حکم عجیب لان جواز الصلوٰة خارجها علی تقدیر الانهدام یدل علی ان القبلة اما ارض الکعبة او هواؤها فیجب ان یجوز فیها من غیر اشتراط ان یکون بین یدیه شیٔ مرتفع مثل مؤخرة الرحل ولو ظهره الی ظهر امامه لا لمن ظهره الی وجهه لان هذا تقدم وکره فوقها تعظیماً لکعبة وفی الهدایة انه لا یجوز عند الشافعیؒ وفی کتبه انه لا یجوز الا ان یکون بین یدیه شیٔ مرتفع قدر ما تقدم وان تحلقوا حولها بعضهم اقرب من امامه الیها جاز لمن لیس فی جانبه اعلم ان للکعبة اربعة جوانب بحسب جدرانها الاربعة فالواقف فی الجانب الذی یکون الامام فیه اذا کان اقرب الیها من الامام یکون متقدما علی الامام بخلاف الواقف فی الجوانب الثلثة الاخر فان من هو اقرب الیها من الامام لا یکون متقدما علی الامام ۔

ترجمہ کعبہ میں فرض اور نفل پڑھنا درست ہے۔ "ہدایہ" میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک درست نہیں۔ اور کتب شوافع میں ہے کہ جائز ہے جبکہ دیوارِ کعبہ کی طرف متوجہ ہو حتی کہ اگر دروازہ کی طرف منہ کرے درانحالیکہ وہ کھلا ہوا ہو اور چوکھٹ اونٹ کے پالان کے بقدر بلند نہ ہو تو جائز نہیں اور انکی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ اگر (خدا نخواستہ) کعبہ منہدم کیا جائے تو نماز اسکے باہر اس کی جانب منہ کر کے درست ہے اور اسکے اندر جائز نہیں البتہ اگر اس کے سامنے سُترہ ہو یا دیوار کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہو تو درست ہے۔ اور یہ حکم عجیب ہے اسلئے کہ انہدام کی صورت میں نماز کعبہ سے باہر اسکی طرف منہ کرکے جائز ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ قبلہ یا تو زمینِ کعبہ

. . . . ہے یا ہوا۔ پس لازم ہے کہ نماز اندرونِ کعبہ جائز ہو (سُترہ) پالان کی لکڑی کے مانند ابھری ہوئی شے کے بغیر ۔

اور اندرونِ کعبہ نماز جائز ہے اگرچہ مقتدی کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو مگر جسکی پشت امام کے منھ کی طرف ہو اسکی نماز درست نہ ہوگی کیونکہ وہ امام سے آگے بڑھ گیا۔ اور کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ ہے کعبہ کی تعظیم کی بنا پر۔ اور ''ہدایہ'' میں ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں اور ان کی کتابوں میں ہے کہ جائز نہیں۔ البتہ اگر آگے سترہ کھڑا کرلے تو درست ہے،

اگر کعبہ کے گرد حلقہ باندھ کر لوگ امام کی اقتدیٰ کریں اور کوئی شخص کعبہ کی اسطرف جدھر امام ہے اس سے زیادہ نزدیک نہ ہو (بلکہ نسبتاً فاصلہ پر ہو) تو نماز درست ہو جائے گی، واضح رہے کہ کعبہ کی چار جانبیں ہیں، چہار دیواری کے اعتبار سے تو وہ شخص جو اسطرف کھڑا ہو جدھر امام ہے، اگر وہ کعبہ کی طرف امام سے زیادہ نزدیک ہو تو وہ امام سے آگے ہو جائے گا۔ اسکے برعکس دوسری تین جانبوں میں کھڑے ہوتے والے۔ اسلئے کہ ان میں سے جو شخص امام سے زیادہ قریب کھڑا ہوگا وہ امام سے آگے نہیں ہوگا (لہذا اسکی نماز درست ہوگی)

تشریح وتوضیح صح فیہا الخ روایات سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ (۸ھ) کے موقعہ پر کعبہ میں داخل ہوئے اور اندرونِ کعبہ دو رکعت نفل پڑھیں (یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے) یہ معلوم ہے کہ استقبالِ کعبہ کے سلسلہ میں خواہ نماز فرض ہو یا نفل دونوں کا حکم یکساں ہے لہذا جب اندرونِ کعبہ نماز نفل جائز ہے تو بلاشبہ نماز فرض بھی جائز ہوگی،

اقتدوا الخ۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ انھوں نے خارج کعبہ نماز با جماعت ادا کی اور امام کعبہ کی ایک جہت میں کھڑا ہوا اور مقتدی حلقہ بنا کر کعبہ کے ارد گرد کھڑے ہوئے تو سب کی نماز درست ہوگی۔ البتہ جو شخص جہتِ امام میں امام سے قریب ترین ہو اسکی نماز امام سے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں عبد الغنی النابلسی کا رسالہ ''نقض الجمعۃ فی الاقتداء من جوف الکعبہ'' مفید ہے۔ انھوں نے متعلقہ موضوع پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔

کتاب الزکوٰۃ

هی لا تجب الا فی نصاب حولی فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ اعلم ان الزکوۃ لا تجب الا فی نصاب نام والحول هو المسکن من الاستنماء لاشتماله علی الفصول الاربعة والغالب فیها تفاوت الاسعار فاقیم مقام النماء فادیر الحکم علیه هذا هو المذکور فی الهدایہ

وفیہ نظر لان هذا یقتضی انہ اذا حال الحولُ علی النصاب تجب الزکوٰۃ سواء وجد النماء او لم یوجد کما فی السفر فانہ اقیم مقام المشقۃ فیدار الرخصۃ علیہ سواء وجدت المشقۃ ام لا لکن لیس کذالک بل لابُدّ مع الحول من شیئٍ آخر وهو الثمنیۃ کما فی الثمنین ای الذهب والفضۃ او السَّومُ کما فی الانعام او نیۃ التجارۃ فی غیر ما ذکرنا حتی لو کان لہ عبد لا للخدمۃ او دار لا للسکنی ولم ینو التجارۃ لا تجب فیہما الزکوٰۃ وان حال علیہما الحولُ ولا بد ان یکون فاضلا عن حاجۃ الاصلیۃ کالاطعمۃ والثیاب واثاث المنزل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ ودور السکنی وسلاح یستعملها والآلات المحترفۃ والکتب لاهلها

ترجمہ | زکوٰۃ محض اس نصاب میں واجب ہوتی ہے جس پر سال بھر گذر جائے اور حاجت اصلیہ سے زائد ہو۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ محض بڑھنے والے نصاب میں واجب ہوگی (خواہ یہ بڑھنا تحقیقاً ہو یا تقدیراً ہو) اور ،،حول،، وہ قدرت ہے مال کی بڑھوتری پر تاکہ شامل ہو چار فصلوں (ربیع: خریف، گرمی و سردی) پر اور غالب اسمیں غلہ کے نرخ کا فرق ہے، پس حول ،،نمو (بڑھوتری) کے قائم مقام ہو کر وجوب زکوٰۃ حولانِ حول پر منحصر کیا گیا، یہ وہ تفصیل ہے جو ہدایہ میں مذکور ہے اور یہ تعریف محل نظر ہے کیونکہ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نصاب پر حولانِ حول کے ساتھ زکوٰۃ واجب ہو جائے خواہ حقیقتاً مو ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، جیسا کہ سفر میں کہ سفر کو مشقت کے قائم مقام قرار دے کر رخصت (در رعایت) مثلاً نماز میں قصر اور روزہ افطار کرنے کی اجازت عطا کی گئی خواہ مشقت (دورانِ سفر) پائی جائے یا نہ پائی جائے، لیکن وجوب زکوٰۃ کیلئے صرف حولانِ حول کافی نہیں بلکہ حولانِ حول کے ساتھ دوسری چیز یعنی ثمنیت بھی ضروری ہے، جیسے ثمنین یعنی سونے اور چاندی میں ہے یا چراگاہ میں چرنا جیسے چوپاؤں میں یا تجارت کی نیت ان (تین چیزوں) کے علاوہ میں جو ہم نے بیان کیں، حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس غلام ہو اور وہ خدمت کیلئے نہ ہو یا دار (بڑا گھر) ہو اور وہ رہائش کیلئے نہ ہو اور اسکی نیت تجارت کی نہ ہو تو ان دونوں پر اگرچہ حولانِ حول ہو جائے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور ضروری ہے کہ مال حاجت اصلیہ سے زائد ہو (اور حاجت اصلیہ میں داخل اشیاء، مثلاً کھانا اور کپڑے اور گھر کا سامان اور سواری کے چوپائے اور خدمت گار غلام اور رہائشی مکانات اور استعمال کئے جانے والے ہتھیار اور پیشہ (صنعت) کے آلات اور کتابوں کے ضرورت مندوں (مدرسین و طلباء وغیرہ) کیلئے کتابیں (ان میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں)

تشریح و توضیح :— الزکوٰۃ الخ اسلام کے ایک رکن نماز سے فراغت کے بعد زکوٰۃ کا بیان

21/2

شروع کیا۔ دونوں کو متصلاً بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خود قرآن کریم میں ان دونوں رکنوں کو متصلاً بیان کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز (عبادت بدنی) اور زکوٰۃ (عبادت مالی) میں ایک خاص ربط ہے، مثلاً ارشاد باری ہے،، اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ،، (الآیۃ) اور نماز کو زکوٰۃ پر مقدم کیا کہ وہ ارکان اسلام میں سب سے افضل و اہم رکن ہے۔ زکوٰۃ،، اصل میں بڑھوتری اور اضافہ کو کہتے ہیں زکوٰۃ کیونکہ ذخیرۂ آخرت اور ثواب آخرت میں اضافہ کا سبب ہے اور دنیوی اعتبار سے بھی زکوٰۃ کی پابندی مال میں ترقی کا سبب بنتی ہے اسلئے زکوٰۃ کا نام زکوٰۃ رکھا گیا،

ھی لا تجب الخ۔ وجوب سے مراد یہاں اصطلاحی وجوب نہیں بلکہ افتراض ہے کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے، ارشاد باری ہے، وآتوا الزکوٰۃ اور ارشاد ربانی ہے خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا،، (الآیۃ) نصاب الخ اس سے مراد ایک مخصوص ومعین مقدار جس کے پائے جانے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اس مقدار سے کم پر زکوٰۃ کا وجوب نہیں ہوتا، حولی۔ یعنی ایسے نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوگی جس پر پورا سال گزر چکا ہے۔ اور جس پر پورا سال نہ گذرا ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ تاوقتیکہ حولان حول نہ ہو جائے مال میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، (یہ روایت قریب ایک سے الفاظ کے ساتھ ابوداؤد، احمد، دارقطنی بیہقی ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے)

حاجۃ الاصلیۃ الخ یعنی وہ چیزیں جن سے آدمی اپنے کو ہلاکت ونقصان سے بچاتا ہے مثلاً کھانا پینا، رہائش کیلئے مکان، جنگ کے آلات اور سردی وگرمی سے بچاؤ کیلئے حسب ضرورت کپڑے یا یہ ضرورت تقدیراً وپوشیدہ ہو مثلاً قرض کیونکہ مقروض جو اسکے ہاتھ میں ہو اسکے قرض کی ادائیگی کرتا ہے۔ قرض کی اس قید سے نجات کیلئے جو اس کیلئے ہلاکت کے مانند ہے۔ لہذا جب یہ مال ان ضرورتوں میں صرف ہوگا تو وہ نہ ہونے کے برابر ہوگا اور زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جیسے پیاسے کے پاس اگر اتنا ہی پانی ہو کہ وہ پیاس بجھا سکے تو وہ معدوم کے حکم میں ہے اور اسکیلئے اس پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا جائز ہے

نام الخ۔ یعنی ایسے مال پر زکوٰۃ واجب ہے جو بڑھنے والا ہو شرعاً اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اگر یہ قید نہ لگائی جاتی تو بتدریج سارا مال ختم ہو جاتا۔ اور یہ بات باعث حرج وتنگی ہوتی اور شریعت میں حرج وتنگی نہیں،

کالاطعمۃ الخ:۔ یعنی یہ چیزیں جن کا شمار حوائج اصلیہ میں ہے خواہ ان کی قیمت بقدر نصاب ہی کیوں نہ ہو جائے ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی،

مملوک ملکا تاما ای رقبۃ و یدا علی حر مکلف ای عاقل بالغ مسلم فلا تجب علی مکاتب لعدم الملک التام فان لہ ملک الید لا ملک الرقبۃ ومدیون مطالب من عبد بقدر دینہ لان ملکہ غیر فاضل عن الحاجۃ الاصلیۃ وھی قضاء الدین وانما قید بکونہ مطالبا من عبد حتی لو کان مطالبا من اللہ تعالیٰ لا یمنع وجوب الزکوٰۃ کمن ملک نصابا بعضہ مشغول بدین اللہ کالنذر والکفارۃ او الزکوٰۃ ولا یشترط لوجوب الزکوٰۃ فراغہ عن ھذا الدین وقولہ بقدر دینہ متعلق بقولہ فلا تجب ای لا تجب علی المدیون بقدر ما یکون مالہ مشغولا بالدین :-

ترجمہ مملوک ہو ملک تام کے ساتھ یعنی ذاتی طور پر وہ اس کا مالک ہو اور ہر طرح کے تصرف کا اسے اختیار ہو (اور زکوٰۃ واجب ہے) آزاد عاقل بالغ مسلمان پر۔ پس زکوٰۃ مکاتب پر واجب نہ ہوگی ملک تام حاصل نہ ہونے کی بنا پر کیونکہ اسے ملکیت ید تو حاصل ہے (کہ اپنے مال وپیسہ میں تصرف کا اختیار ہے) مگر ملکیت رقبہ حاصل نہیں (کیونکہ وہ بدل کتابت ادا کرنے سے قبل حلقہ غلامی سے آزاد نہیں) اور اس مقروض پر زکوٰۃ واجب نہیں جس کی ملکیت کے بقدر کوئی شخص اس سے اپنے قرض کا طلبگار ہو کیونکہ حاجت اصلیہ یعنی بقدر ادائیگی قرض سے زیادہ کا مالک نہیں اسلئے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور مصنف نے "مطالبا من عبد" (لوگوں میں سے کوئی طلبگار ہو) کی قید اسلئے لگائی کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا مقروض ہو (مثلاً نذر کی ادائیگی واجب ہو) تو یہ قرض وجوب زکوٰۃ میں مانع نہ ہوگا۔ جیسے کوئی شخص صاحب نصاب ہو اور اس کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے قرض میں مشغول (قابل صرف) ہو مثلاً نذر کفارہ یا زکوٰۃ تو اسپر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اسپر وجوب زکوٰۃ کیلئے اس قرض سے فارغ ہوجانا اور ادا کردینا شرط نہیں۔ اور مصنف کا قول "بقدر دین" متعلق ہے، مصنف کے قول "فلا تجب" سے یعنی مقروض کو مال کا جتنا حصہ ادائیگی قرض کیلئے مطلوب ہو (کہ اس سے قرض ادا کرے) اتنے حصۂ مال پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی "

تشریح وتوضیح مملوک الخ پس اگر مملوک نہ ہو تو زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا مثلاً چھپا ہوا مال اور چوری کردہ مال۔

ای رقبۃ ویدا :- یعنی وجوب زکوٰۃ اس صورت میں ہوگا جبکہ ملکیت تام حاصل ہو اور ہر طرح تصرف کا حق واختیار حاصل ہو۔

ای عاقل :- زکوٰۃ کافر، پاگل مسلم اور بچہ پر واجب نہ ہوگی، **علی مکاتب** :- مکاتب وہ غلام کہلاتا ہے جسے اسکے آقا نے یہ کہدیا ہو کہ اگر اتنا مال ادا کردے تو تو حلقۂ غلامی سے آزاد ہے، اسپر بھی ملک رقبہ حاصل نہ ہونے اور تا ادائے بدل کتابت نعمت آزادی سے ہم کنار نہ ہونے کی بنا پر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا

مطالب الخ یعنی اگر بقدر قرض رقم یا مال نکالنے کے بعد نصاب پورا نہ ہوتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی عورت کا مہر معجل بھی مانع زکوٰۃ ہے کیونکہ یہ بھی اس قرض میں شمار ہے جسکی فوری ادائیگی واجب ہوتی ہے بقدر دینہ الخ یعنی مقدارِ قرض نکالنے کے بعد اگر بقدر نصاب پھر بھی بچے تو باقی ماندہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ولا فی مال مفقود وساقط فی بحر ومغصوب لا بینة علیه ومدفون فی برية نسی مكانه ودین جحده المديون سنين ثم اقر بعدها عند قوم وما اخذ مصادرة ثم وصل اليه بعد سنين هذه الاشياء امثلة المال الضمار وعندنا لا تجب الزكوٰة فی المال الضمار خلافا للشافعی بناء علی اشتراط الملك التام فهو مملوك رقبة لا يدا والخلاف فيما اذا وصل المال الضمار الی مالكه هل تجب عليه زكوٰة السنين التی كان المال فيما ضمارا ام لا بخلاف دین علی مقر ملیٍ او معسر او مفلس او جاحد علیه بینة او علم به قاض فانه اذا وصل هذه الاموال الی مالكها تجب زكوٰة الايام الماضية ولا يبقی للتجارة ما اشتراه لها فنوی خدمته ثم لا يصير للتجارة وان نواه لها ما لم يبعه وما اشتراه لها كان لها لا ما ورثه ونوی لها وما ملكه بهبة او وصية او نكاح او خلع او صلح من قود ونواه لها عند ابی یوسف لا عند محمد وقيل الخلاف علی عكسه فالحاصل ان ما عدا الحجرين والسوائم انما تجب فيه الزكوٰة بنية التجارة ثم هذه النية انما تعتبر اذا وجدت زمان حدوث سبب الملك حتی لو نوی التجارة بعد حدوث سبب الملك لا تجب فيه الزكوٰة بنية وهذا معنی قوله ثم لا يصير للتجارة وان نواه لها ثم لا بد ان يكون سبب الملك سببا اختياريا حتی لو نوی التجارة زمان تملكه بالارث لا تجب فيها الزكوٰة ثم ذلك السبب الاختياری هل يجب ان يكون شراء لا فعند ابی یوسف لا وعند محمد تجب وقيل الخلاف علی العكس فعند ابی یوسف لا بد ان يكون شراء وعند محمد لا ولا اداء الا بنية قرنت به او بعزل قدر ما وجب وتصدقه بكل ماله بلا نية مسقط وببعضه لا عند ابی یوسف ای اذا تصدق بجميع ماله بلا نية الزكوٰة تسقط الزكوٰة وان تصدق ببعض ماله سقط زكوٰة المؤدی عند محمد خلافا لابی یوسف حتی لو كان له مائتا درهم فتصدق بمائة درهم تسقط عند محمد زكوٰة المائة المؤداة وعند ابی یوسف لا تسقط عنه زكوٰة شیء اصلا۔

ترجمہ اور نہ مالِ ضمار یعنی اس مال میں زکوٰۃ واجب ہے جو مالک کے پاس سے (کئی برس سے) گم ہو چکا ہو اور نہ اس میں جو سمندر میں گر گیا ہو اور نہ اسمیں زکوٰۃ واجب ہے جو مالک سے کوئی شخص چھین لے اور اس پر گواہ نہ ہوں، اور نہ اسپر جو جنگل میں گاڑا ہو اور پھر گاڑنے والا دفن کرنے کی جگہ بھول گیا ہو اور نہ ایسے قرض مال پر جس کا مقروض چند برس انکار کرے، پھر لوگوں کے سامنے اقرار کرے (تو گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی) یا وہ مال جو ظالم کیلئے پھر برسوں بعد مالک کو ملے (تو گزری ہوئی مدت کی زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا) یہ مثالیں مالِ ضمار کی مثالیں ہیں اور ہمارے (احناف کے) نزدیک مالِ ضمار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ عدم وجوب زکوٰۃ اس بنیاد پر ہے کہ وجوب زکوٰۃ کیلئے ملکِ تام شرط ہے اور مالِ ضمار میں رقبۃً ملکیت ثابت ہے یداً ثابت نہیں، (یعنی اسوقت حسب منشاء تصرف کا اختیار حاصل نہیں) اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب مالِ ضمار مالک کو مل جائے تو کیا گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ جس میں مال مالِ ضمار ہوگیا واجب ہوگی یا نہیں، اس کے برعکس وہ قرض جو مالدار یا مفلس پر ہو اور وہ اقرار کرتا ہو یا مقروض انکار کرے مگر اسکے خلاف گواہ موجود ہوں یا قاضی اس سے آگاہ ہو، پس یہ مال مالک کو ملیگا تو گذشتہ دنوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اسمیں مثلاً غلام میں)، زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جو اول تجارت کی نیت سے خریدے پھر اس سے خدمت لینے کی نیت کرے۔ پھر وہ تجارت کیلئے نہ ہوگا خواہ اسکی تجارت کی نیت ہی کیوں نہ کرلے تاوقتیکہ اسے فروخت نہ کردے۔ اور جو تجارت کی نیت سے خریدے اسے تجارت کیلئے قرار دیں گے (اور اسپر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا) البتہ وہ چیز جو ورثہ میں ملے تجارت کے لئے نہ ہوگی تاوقتیکہ اسے بیچ نہ ڈالے اور جو شخص کسی چیز کا ہبہ یا وصیت یا نکاح یا خلع یا دیت (جان کے بدلہ مال)، کے ذریعہ مالک ہوجائے اور بوقت ملک تجارت کی نیت کرے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اسے تجارت کے واسطے قرار دیں گے (اور زکوٰۃ واجب ہوگی) امام محمدؒ کے نزدیک واجب نہ ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ امام محمدؒ کے نزدیک واجب ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واجب نہ ہوگی پس حاصل یہ ہے کہ سونے چاندی اور جنگل میں چرنے والے جانوروں کے علاوہ زکوٰۃ اسوقت واجب ہوگی کہ تجارت کی نیت کی۔ پھر یہ تجارت کی نیت اسوقت معتبر ہوگی جبکہ سبب ملک کے پیش آنے کے وقت نیت کی گئی ہو حتیٰ کہ اگر سبب ملک کے وقوع و پیش آنے کے بعد تجارت کی نیت کی ہو (مثلاً غلام میں اول خدمت کی نیت کرے پھر تجارت کی) تو اسکی نیت کی بنا پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور یہی معنیٰ ہیں مصنف کے قول "ثم لا یصیر للتجارۃ" کے اگرچہ تجارت ہی کی نیت کیوں نہ کی ہو۔ پھر ضروری ہے کہ ملک کا سبب اختیاری ہو یہاں تک کہ اگر ورثہ میں تجارت کی نیت کرے تو اسمیں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ پھر یہ سبب اختیاری کیا محض خریدنے سے حاصل ہو جائے گا یا نہیں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حاصل نہ ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک حاصل ہوگا اور بعض کے نزدیک اختلاف اسکے برعکس ہے

تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خریداری لازمی طور پر سبب ملک ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک نہ ہوگی ، اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت یا مال علیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت ہونی چاہیئے اور بلانیت زکوٰۃ سارا مال (اللہ کی راہ میں) صدقہ کردے تو زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی اور کچھ دیا ہو تو اس کی زکوٰۃ امام محمدؒ کے نزدیک ساقط ہوگی ۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ساقط نہ ہوگی ۔ یعنی اگر سارا مال بلانیت زکوٰۃ صدقہ کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی اور اگر مال کا کچھ حصہ صدقہ کیا ہو تو صدقہ کردہ کی زکوٰۃ امام محمدؒ کے نزدیک ساقط ہوجائے گی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ساقط نہ ہوگی حتیٰ کہ اگر اس کے پاس دوسو دراہم ہوں اور وہ سو دراہم صدقہ کرے تو امام محمدؒ کے نزدیک صدقہ کردہ سو دراہم کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس سے کچھ بھی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی بلکہ سو دراہم کی واجب ہوگی "

تشریح و توضیح ولا فی مال مفقود الخ یعنی وہ مال جو عرصہ تک مالک کے پاس سے گم رہا ہو اور برسوں کے بعد مالک تک واپس پہونچا ہو تو کیونکہ وہ مال حکماً معدوم ہی رہا اسلئے ان گذشتہ برسوں کی زکوٰۃ مالک مال پر واجب نہ ہوگی ، اسی طرح وہ مال جو برسوں سمندر میں غرق رہا ہو اور پھر سالوں بعد مالک تک واپس پہونچا ہو اسکی بھی غرق کے عرصہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ، ایسے ہی وہ مال جو جنگل میں کہیں دفن کر دیا اور پھر یہ یاد نہ رہا کہ کہاں چھپایا تھا اسی طرح بھولے ہوئے کئی سال گذر گئے اور پھر کئی سال بعد یاد آیا تو بھولے ہوئے برسوں کی زکوٰۃ مالک مال پر واجب ہوگی المال الضمار ضاد کے زیر کے ساتھ ۔ وہ مال جسکی بازیابی کی (بظاہر کوئی) توقع نہ رہی ہو اصل اسکی اضمار اور تغیب ہے ۔ کہا جاتا ہے ۔ " اضمر فی قلبہ شیئاً " (اسکے دل میں کوئی بات پوشیدہ ہے) مال ضمار میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ، " مصنف ابن ابی شیبہ " میں حضرت عمر بن میمون سے منقول ہے کہ ولید بن عبدالملک نے " اہل رقہ " میں سے ابو عائشہ نامی ایک شخص سے بیس لاکھ درہم (جبراً) لیکر بیت المال میں ڈال دیئے ۔ پھر حضرت عمر بن العزیزؒ خلیفہ ہوئے تو اس کا لڑکا حاضر ہوکر ولید کے ظلم کا فریادی ہوا تو حضرت عمر بن العزیز نے میمون کو لکھا کہ اسے اس کا مال دے دو اور اس سال کی زکوٰۃ اس سے لیلو ۔ کیونکہ اگر مال ضمار نہ ہوتا تو ہم اس سے گذشتہ مدت کی زکوٰۃ لیتے ،

قود ۔ قاف اور واو کے زبر کے ساتھ قصاص ۔ قرنت بہ الخ ۔ یعنی خواہ یہ اقتران حکماً ہو تب بھی کافی ہے ۔ مثلاً کوئی شخص بلانیت زکوٰۃ فقیر وغیر صاحب نصاب کو دیدے ۔ پھر اگر مال فقیر کے پاس موجود ہوکر زکوٰۃ کی نیت کرے یا وکیل کو دیتے ہوئے زکوٰۃ کی نیت کرے پھر وکیل بلانیت دیدے بحر الرائق میں اسی طرح ہے ، خلافاً لابی یوسفؒ صاحب ہدایہ " ملتقی الابحر " اور قاضی خاں نے اپنے فتاویٰ میں امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے ،،

باب زکوٰۃ الاموال

نصاب الابل خمس والبقر ثلثون والغنم اربعون سائمۃ ففی کل خمس من الابل
عنت اوعراب شاۃ ثم فی خمس عشرین بنت مخاض ثم فی ست وثلثین بنت
لبون ثم فی ست واربعین حقۃ ثم فی احدی وستین جذعۃ ثم فی ست وسبعین
بنتالبون ثم فی احدی وتسعین حقتان الی مائۃ وعشرین ثم فی کل خمس شاۃ ثم
فی مائۃ وخمس واربعین بنت مخاض وحقتان ثم فی مائۃ وخمسین ثلث حقاق
ثم تستانف ففی کل خمس شاۃ ثم فی خمس وعشرین بنت مخاض ثم فی ست
وثلثین بنت لبون ثم فی مائۃ وست وتسعین اربع حقاق الی مائتین ثم تستانف
ابدا کما فی خمسین التی بعد المائۃ والخمسین اعلم انہ قد ذکر استینافین احدہما
بعد المائۃ والعشرین والاخر بعد المائۃ والخمسین فبعد المائتین یستانف
استینافا مثل ما ذکر بعد المائۃ والخمسین حتی تجب فی کل خمسین حقۃ ۔

ترجمہ۔ اونٹ کا نصاب پانچ اونٹ ہیں (کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہوتی ہے) اور گائے
کا نصاب تیس گائے اور بکری کا چالیس جنگل میں چرنے والی بکریاں ہیں پس ہر پانچ میں ایک بکری (بطور زکوٰۃ)
واجب ہے چاہے وہ اونٹ بختی ہوں یا عربی پھر پچیس اونٹ ہوجائیں تو ایک بنت مخاض (ایک
برس کی اونٹنی) واجب ہے۔ پھر چھتیس میں ایک بنت لبون (دو برس کا بچہ) پھر چھیالیس میں ایک حقہ
(تین برس کا بچہ جسے چوتھا سال لگ چکا ہو) واجب ہے پھر چھہتر میں دو بنت لبون، اسکے بعد
اکانوے ۹۱ میں دو حقے ایک سو بیس تک واجب ہیں پھر ہر پانچ میں ایک بکری، اسکے بعد ایک سو پینتالیس
میں ایک بنت مخاض اور دو حقے۔ پھر ایک سو پچاس میں تین حقے واجب ہوں گے پھر فریضہ (نصاب)
لوٹے گا اور ہر پانچ میں ایک بکری تین حقوں کے ساتھ اور پچیس میں ایک بنت مخاض (تین حقوں کے
ساتھ) اسکے بعد چھتیس میں ایک بنت لبون (مع تین حقوں کے) پھر ایک سو چھیانوے ۱۹۶ میں چار حقے دو سو
تک پھر دو سو کے بعد ہمیشہ اسی طرح ہر پانچ کے بعد سے شروع کیا جائے گا جسطرح ڈیڑھ سو کے
بعد شروع کیا گیا تھا،
واضح رہے کہ دو استیناف (نصاب) میں بیان کئے گئے ایک ان میں سے ایک سو بیس ۱۲۰ کے بعد
اور دوسرا ڈیڑھ سو کے بعد پس دو سو کے بعد نصاب میں استیناف ایسا ہی ہوگا جیسا ڈیڑھ سو

۴۵ پھر ۶۱ میں ایک جذعہ (چار برس کا بچہ جسے پانچواں سال لگ چکا ہو)

کے بعد بیان کیا گیا حتی کہ واجب ہوگا ہر پچاس میں ایک حقہ۔

تشریح و توضیح خمس الخ یعنی کم سے کم پانچ اونٹ ہوں تو ایک بکری واجب ہوگی اور پانچ سے کم ہوں تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ پانچ اونٹوں سے کم ہوں میں صدقہ (زکوٰۃ) نہیں (بخاری و مسلم میں اسکی صراحت ہے) والبقر گائے کم از کم تیس ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے متعلق حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن روانہ فرمایا تو حکم دیا کہ ہر تیس گائے میں ایک تبیع یا تبیعہ (ایک سال کا بچہ نر یا مادہ) وصول کریں یہ روایت اصحاب سنن وغیرہ نے روایت کی ہے) الغنم۔ اور چالیس میں ایک بکری ہے، پس اگر انتالیس سے زیادہ تیرے پاس نہ ہوں تو تجھ پر ان میں کچھ واجب نہیں (یہ روایت ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے)

بخت - باکے پیش کے ساتھ بختی کی جمع - وہ اونٹ جو خالص عربی نہ ہو بلکہ کچھ عجم کی بھی آمیزش ہو مثلاً اونٹ عربی ہو اور اونٹنی عجمی بختی بخت نصر کی طرف منسوب ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے اس مخلوط نسل کی جانب توجہ کی تھی۔

عِراب: عین کے زیر کے ساتھ عربی کی جمع یہ بختی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ ان دونوں کا ذکر اسلئے کیا کہ اونٹ کی قسموں میں یہ دو بہت مشہور و معروف ہیں اور حکم کی عمومیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ حکم ان دو قسموں کے ساتھ مخصوص نہیں اسی طرح شاۃ (بکری) اور بقر (گائے) کا حکم اسکی ساری اقسام کو شامل ہے،

بنت مخاض: وہ اونٹنی جو ایک سال کی پوری ہو چکی ہو اور دوسرے سال کا آغاز ہو چکا ہو

بنت لبون وہ بچہ جس کے دو سال پورے ہو چکے ہوں اور اسے تیسرا سال لگ چکا ہو۔ اس کے یہ نام اسلئے رکھا گیا کہ اکثر اسکی ماں اتنی مدت میں دوسرا بچہ جن کر دوسرے دودھ والی ہو جاتی ہے

حِقہ، حا کے زیر کے ساتھ اور بہ تشدید قاف - وہ بچہ جو تین سال کا پورا ہو کر چوتھے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ کیونکہ وہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ اسپر سواری کیجا سکے اسلئے اسے حقہ کہتے ہیں۔

جذعہ :- وہ بچہ جو چار سال کا پورا ہو کر پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو کیونکہ اسکے دودھ کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں اسلئے اسے جذعہ کہا جاتا ہے،

وفی ثلثین بقرًا او جاموسًا تبیعٌ او تبیعۃ ثم فی اربعین مسن او مسنۃ التبیع الذی لہ تم علیہ الحول والتبیعۃ انثاہ والمسن الذی تم علیہ الحولان والمسنۃ انثاہ د

وفیما زاد یحسب الی ستین وفیها ضعف ما فی ثلثین ثم فی کل ثلثین تبیع وفی کل اربعین مسنة ای فی ستین تبیعان الی تسع وستین ثم فی سبعین تبیع ومسنة ثم فی ثمانین مسنتان ثم فی تسعین ثلثة اتبعة ثم فی مائة تبیعان ومسنة ثم فی مائة وعشرة تبیع ومسنتان ثم فی مائة وعشرین اربعة اتبعة او ثلث مسنات وهکذا الی غیر النهایة وفی اربعین ضانا او معزا شاة ثم فی مائة واحدی وعشرین شاتان ثم فی مائتین وواحدة ثلث شیاه ثم فی اربعمائة اربع شیاه ثم فی کل مائة شاة ولا شیٔ فی بغل وحمار لیسا للتجارة ولا فی عوامل وحوامل وعلوفة العوامل التی اعدت للعمل کاثارة الارض والحوامل التی اعدت لحمل الاثقال والعلوفة التی تعطی العلف وهی ضد السائمة

ترجمہ اور تیس گائے یا بھینس میں ایک تبیع یا تبیعہ (سال بھر کا بچہ نر یا مادہ) واجب ہے پھر چالیس میں ایک مسن یا مسنہ (دو برس کا بچہ نر یا مادہ) ہے۔ تبیع سے وہ بچہ مراد ہے جو پورے سال کا ہوگیا ہو اور "تبیعہ" اسی کے مؤنث (مادہ) کو کہتے ہیں۔ اور "مسن" وہ جو پورے دو سال کا ہوگیا ہو اور "مسنہ" اسی کے مؤنث کا نام ہے اور ساٹھ تک جو زائد ہو اس کا حساب لگاکر دے اور ساٹھ ہوجائیں تو دو تبیع دے، پھر ہر تیس میں ایک تبیع اور ہر چالیس میں ایک مسنہ ہے یعنی ساٹھ میں دو تبیع ہیں انہتر تک پھر ستر میں ایک تبیع اور ایک مسنہ ہے،

پھر اسی میں دو مسنے ہیں پھر نوے میں تین تبیع پھر سو میں دو تبیع اور ایک مسنہ پھر ایک سو دس میں ایک تبیع اور دو مسنے پھر ایک سو بیس میں چار تبیع یا تین مسنے۔ اس طرح ہر تیس میں ایک تبیعہ اور ہر چالیس میں ایک مسنہ دے گا اور چالیس بھیڑیں یا بکریاں ہوں تو ان میں ایک بکری واجب ہے۔ پھر ایک سو اکیس میں دو بکریاں، اس کے بعد دو سو ایک میں تین بکریاں، پھر چار سو میں چار بکریاں اسی طرح ہر سیکڑہ میں ایک بکری دے اور وہ خچر یا گدھے جو بغرض تجارت نہ ہوں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں (البتہ تجارت کیلئے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے) اور جو جانور کام کرنے اور بوجھ لادنے کیلئے اور وہ جانور جنہیں گھر سے کھلایا جاتا اور (اور چارہ دیا جاتا ہو) ان میں زکوٰۃ واجب نہیں "العوامل" سے مراد وہ جانور جو زمین جوتنے کیلئے ہوں اور "حوامل" سے مراد وہ جانور جو بوجھ اٹھانے کے واسطے ہوں اور "العلوفہ" ایسے جانور جنہیں گھر سے چارہ دیا جاتا ہے۔ "العلوفہ" "السائمہ" (جنگل میں چرنے والے) کی ضد ہے "

تشریح و توضیح: تبیع۔ یعنی دینے والے کو اس کا اختیار حاصل ہے کہ تبیع (مذکر) دے یا تبیعہ (مؤنث)۔ اسمیں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں۔ مُسِنّ الخ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسی طرح ہے (اصحاب سنن نے یہ روایت بیان کی ہے) التبیع الخ فعیل کے وزن پر کیونکہ یہ اپنی ماں کے ساتھ چلتا اور ساتھ رہتا ہے اسلئے اسے تبیع کہتے ہیں۔ المسن الخ میم کے ضمہ اور سین کے کسرہ کے ساتھ اسنان سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ دانتوں کے نکلنے کا زمانہ ہے اور اکثر دانت اس عمر میں نکل آتے ہیں اسلئے اسے مسن کہتے ہیں۔ ثم فی مائۃ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے۔ (یہ روایت بخاری اور ترمذی میں موجود ہے)

ولا شئ:۔ خچر اور گدھے میں زکوٰۃ نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ گدھوں کے بارے میں (جو غیر تجارتی ہوں) وجوب زکوٰۃ کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ (یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے)
لیسا الخ:۔ یعنی اگر خچر یا گدھے تجارت کیلئے ہو تو اس صورت میں ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
الاثقال:۔ ثقل کی جمع۔ بوجھ۔ العلف۔ گیاہ۔ گھاس۔

ولا فی حمل وفصیل وعجیل الا تبعاً للکبیرۃ ولا فی ذکور الخیل منفردۃ وکذا فی اناثها فی روایۃ وفی کل فرس من المختلط بہ الذکور والاناث سائمۃ دینار او ربع عشر قیمتہ نصابا وجاز دفع القیم فی الزکوۃ والکفارۃ والعشر والنذر ولا یاخذ المصدق

الا ـ ـ ـ الوسط وان لم یجد المسن الواجب یاخذ الادنی مع الفضل او الاعلی ویرد الفضل ویضم المستفاد فی وسط الحول فی حکمہ الی نصاب من جنسہ ای اذا کان لہ مائتا درهم وحال علیہ الحول وقد حصل فی وسط الحول مائۃ درہم یضم المائۃ الی المائتین وقولہ فی حکمہ ای فی حکم المستفاد وهو وجوب الزکوۃ یعنی یعتبر فی المستفاد الحول الذی مر علی الاصل ویمکن ان یرجع ضمیر حکمہ الی الحول والزکوۃ فی النصاب لا العفو فانہ اذا ملکت خمسا وثلثین من الابل فالواجب وهو بنت مخاض انما هو فی خمس وعشرین لا فی المجموع حتی لو هلکت عشرۃ بعد الحول کان الواجب علی حالہ

ترجمہ: بکری کے اور اونٹ کے اور گائے کے بچوں میں (خواہ کتنے ہی ہوں) زکوٰۃ نہیں مگر بڑے کے ساتھ (مثلاً چالیس بکری کے بچوں میں اگر ایک بکری بھی بڑی ہوگی تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی) اور صرف اگر گھوڑے (نر) ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں اور اسی طرح اگر صرف مادہ ہوں تو ایک

روایت کی رو سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اور گھوڑے میں اگر نر و مادہ مخلوط اور جنگل میں چرنے والے ہوں تو ایک دینار یا ان کی قیمت لگا کر اگر نصاب تک پہونچتی ہو تو چالیسواں حصہ لازم آئیگا زکوٰۃ، کفارہ اور عشر و نذر میں قیمت کا دینا بھی جائز ہے، اور حاکم کی طرف سے صدقہ وصول کرنے والا اوسط درجہ کا مال لیگا، اگر واجب شدہ سن اوسط درجہ کا نہ ملے تو ادنیٰ لیکر کمی کے بقدر قیمت لیلے یا اعلیٰ درجہ کا لیکر اضافہ شدہ لوٹا دے۔ اور جو مال کہ وسط سال میں اصل نصاب سے بڑھ جائے تو وہ اپنی جنس کے نصاب میں مل جائے گا۔ مثلاً اسکے پاس دو سو دراہم ہوں اور ان پر سال گذر جائے اور درمیان سال میں سو دراہم اور بڑھ جائیں تو یہ سو بھی دو سو میں شامل کئے جائینگے (اور تین سو کی زکوٰۃ واجب ہوگی) اور مصنفؒ کا قول فی حکمہ، یعنی درمیان سال میں اضافہ شدہ میں اصل پر جو سال گذر گیا اس کا اعتبار ہوگا (اور کل پر زکوٰۃ واجب ہوگی) اور ممکن یہ کہ حکمہ کی ضمیر حول کی طرف لوٹائی جائے اور زکوٰۃ نصاب سے متعلق ہوتی ہے معاف شدہ کا حساب نہیں ہوتا پس جب کوئی پینتیس اونٹوں کا مالک ہو تو ایک بنت مخاض واجب ہے، سب میں نہیں (یعنی زائد مقدار معاف ہے) یہاں تک کہ اگر سال گذرنے کے بعد پچیس میں دس اونٹ ہلاک ہو جائیں تب بھی وجوب زکوٰۃ بدستور رہے گا۔

تشریح و توضیح ولا فی ذکور الخیل الخ: یعنی اگر صرف گھوڑے ہی گھوڑے ہوں تو راجح قول کے مطابق زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا۔

نصاباً الخ یعنی اسکی قیمت نصاب تک پہونچتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، المصدق الخ باب تفعیل سے مصدق وہ شخص کہلاتا ہے جسے خلیفۃ المسلمین صدقات کی وصول یابی کیلئے مقرر کیا ہو۔

الا الوسط: یعنی اوسط درجہ سے زیادہ کا نہ لینا چاہیئے کیونکہ سنن بیہقی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسط کے علاوہ لینے سے منع فرمایا۔

یضم الخ واضح رہے کہ اضافہ شدہ کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ یہ اضافہ موجود نصاب کی جنس سے ہو اگر اس جنس سے ہو تو یہ اضافہ اصل نصاب میں ضم ہو جائے گا ورنہ بالاتفاق ضم نہ ہوگا بلکہ اس کا دوسرا حساب ہوگا۔

وهلاك النصاب بعد الحول يسقط الواجب وهلاك البعض حصته ويصرف الهلاك[9]
الى العفو اولاً ثم الى نصاب يليه ثم وثم الى ان ينتهي فبقي شاة لو هلك بعد الحول
عشرون من ستين شاة او واحدة من ست من الابل وتجب بنت مخاض لو هلك
خمسة عشر من اربعين بعيراً اي يصرف الهلاك الى العفو اولاً فان لم يجاوز الهلاك[4]

العفو فالواجب علی حالہ کالمثالین الاولین وھما ھلاک عشرین من ستین شاۃ وواحد
من ست من الابل وان جاوز الھلاک العفو یصرف الھلاک الی النصاب الذی یلی
العفو کما اذا ھلک خمسۃ عشر من اربعین بعیرا فالاربعۃ تصرف الی العفو ثم
احد عشر یصرف الی النصاب الذی یلی العفو وھو ما بین خمس وعشرین الی ست
وثلثین حتی یجب بنت مخاض ولا نقول الھلاک یصرف الی النصاب والعفو حتی نقول
الواجب فی اربعین بنت لبون وقد ھلک خمسۃ عشر من اربعین وبقی خمسۃ و
عشرون فیجب نصف وثمن من بنت لبون ولا نقول ایضا ان الھلاک الذی جاوز
العفو یصرف الی مجموع النصب حتی نقول تصرف اربعۃ الی العفو ثم یصرف احد
عشر الی المجموع ستۃ وثلثین ای کان الواجب فی ستۃ وثلثین بنت لبون وقد ھلک
احد عشر وبقی خمسۃ وعشرون فالواجب ثلثا بنت لبون وربع تسع بنت لبون
واما قولہ ثم وثم الی ان ینتھی فلم یذکر لہ فی المتن مثالا فنقول لو ھلک من اربعین
بعیرا عشرون فاربعۃ تصرف الی العفو واحد عشر الی نصاب یلی العفو وخمسۃ الی
نصاب یلی ھذا النصاب حتی یبقی اربع شیاہ وقس علی ھذا اذا ھلک خمسۃ
وعشرون او ثلثون او خمسۃ وثلثون ا ۔

ترجمہ اور اگر ایک سال کے بعد سارا نصاب ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر کچھ حصہ ہلاک ہو جائے تو جتنا ہلاک ہوا ہے اسکی زکوٰۃ ساقط ہونے کا حکم ہوگا اور پہلے جو کچھ نصاب میں سے ہلاک ہوا ہے عفو میں شمار کریں گے پھر اس نصاب میں جو عفو سے متصل ہو، پھر اس نصاب میں جو اس سے متصل ہو پس ایک بکری کی ادائیگی واجب ہوگی اگر ایک سال کے بعد ساٹھ بکریوں میں سے بیس بکریاں ہلاک ہو جائیں یا چھ اونٹوں میں سے ایک اونٹ سال بھر کے بعد ہلاک ہو جائے اور ایک بنت مخاض واجب ہوگی اگر چالیس اونٹوں میں سے پندرہ اونٹ ہلاک ہو جائیں۔ یعنی ہلاک شدہ کو اول عفو میں صرف (و شمار) کریں گے پس اگر ہلاک شدہ کی تعداد عفو سے نہ بڑھے تو واجب بدستور اپنے حال پر رہے گا۔ جیسے پہلی دو مثالوں میں اور وہ دونوں صورتیں یہ کہ ساٹھ بکریوں میں سے بیس ہلاک ہوں تو ایک بکری واجب ہوگی یا چھ اونٹوں میں سے ایک ہلاک ہو جائے تو ایک بکری واجب ہوگی۔ اور اگر ہلاک شدہ، کی مقدار عفو سے بڑھ گئی تو ہلاک شدہ اس نصاب میں صرف (شمار) کریں گے جو عفو سے متصل ہو۔ جیسے چالیس اونٹوں میں سے پندرہ ہلاک ہو جائیں تو چار کو عفو میں صرف کریں گے اور گیارہ کو اس نصاب میں جو عفو سے

متصل ہوں اور وہ پچیس اونٹوں کے درمیان ہیں چھتیس تک اور ان میں ایک بنت مخاض واجب ہوگی اور ہم نہیں کہتے کہ ہلاک شدہ کو نصاب اور عفو میں صرف کریں گے یہاں تک کہ ہم کہینگے کہ چالیس اونٹوں میں ایک بنت لبون ہے اور چالیس میں سے پندرہ ہلاک ہوکر پچیس رہ گئے پس بنت لبون کا نصف اور ثمن واجب ہوگا ۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہینگے کہ ہلاک شدہ عفو سے بڑھ جانے کی صورت میں نصابوں کے مجموعہ کی طرف صرف (وشمار) کریں گے ۔ حتیٰ کہ ہم کہیں کہ چار کو عفو میں صرف کریں پھر گیارہ کو چھتیس کے مجموعہ کی طرف (کہ اس سے متصل ہے) یعنی چھتیس میں ایک بنت لبون واجب ہوگا اور گیارہ ہلاک ہوجائیں اور پچیس باقی رہ جائیں تو تین بنت لبون اور نو بنت لبون کا چوتھائی واجب ہوگا اور مصنف کا قول ”ثم وثم الی ان ینتھی“، تو مصنف نے متن میں اسکی مثال بیان نہیں کی ۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اگر چالیس اونٹوں میں سے پندرہ ہلاک ہوجائیں تو چار عفو میں صرف (وشمار) کئے جائینگے اور گیارہ کو اس میں جو اس سے متصل ہو (یعنی چھتیس کا نصاب) اور پانچ کو اس نصاب میں جو اس سے متصل ہو (پچیس کا نصاب) حتیٰ کہ (بیس اونٹوں میں) چار بکریاں باقی رہ جائیں گی ، اور اسی پر قیاس کرلو کہ جب پچیس یا تیس یا پینتیس ہلاک ہوجائیں ۔

تشریح وتوضیح :- وھلاک النصاب الخ یعنی اگر سال پورا ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہوچکی ہو اور پھر مال ہلاک ہوجائے تو وجوب زکوٰۃ ساقط ہوجائے گا ۔ وھلاک البعض یعنی بعض حصہ ہلاک ہوجائے اور بعض موجود رہے تو ہلاک شدہ کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی ۔ مثلاً اگر کسی کے پاس چار سو دراہم ہوں اور ان میں سے دو سو ہلاک ہوجائیں تو دو سو کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی اور صرف دو سو کی زکوٰۃ کا وجوب ہوگا ۔

وتجب الخ :- کیونکہ اس صورت میں بھی اونٹوں کا نصاب باقی رہ گیا لہٰذا ایک بنت مخاض کا وجوب ہوگا ۔

والسائمۃ ھی المکتفیۃ بالرعی فی اکثر الحول الرعی بالکسر الکلأ اخذ البغاۃ زکوٰۃ السوائم والعشر والخراج یفتی ان یعید واحقیۃ ان لم تصرف فی حقہ لا الخراج اعلم ان ولایۃ اخذ الخراج للامام وکذا اخذ الزکوٰۃ فی الاموال الظاھرۃ وھی عشر الخارج وزکوٰۃ السوائم وزکوٰۃ اموال التجارۃ ما دامت تحت حمایۃ العاشر فان اخذ البغاۃ او سلاطین زماننا الخراج فلا اعادۃ علی المالک لان مصرف الخراج المقاتلۃ وھم من المقاتلۃ لانھم یحاربون الکفار وان اخذوا الزکوٰۃ المذکورۃ فان صرفوا الی مصارفھا وھی مصارف الزکوٰۃ

فلا اعادة على الملاك وان لم يصرفوا الى مصارفها فعليهم الاعادة خفية اى يؤدونها الى مستحقيها فيما بينهم وبين الله تعالى وانما قال يفتى ان يعيد واخفيه احترازا عن قول بعض المشايخ انه لا اعادة عليهم لانهم لما تسلطوا على المسلمين فحكمهم حكم الامام ضرورة ولهذا يصح منهم تفويض القضاء واقامة الجمع والاعياد ونحو ذلك وجواب عن هذا ان ما ثبت بالضرورة يتقدر بقدرها يعني نصب القضا واقامة ماهو من شعائر الاسلام ضرورة بخلاف الزكوٰة فان الاصل فيه الاداء خفية قال الله تعالى وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم وعن قول بعض المشايخ انه اذا نوى بالدفع اليهم التصدق عليهم سقط عنهم فهو بما عليهم من التبعات فقراء والشيخ الامام ابو منصور الماتريدي زيف هذا فانه قال لابد من اعلام المتصدق عليه وايضا لا خفاء فى ان الزكوٰة عبادة محضة كالصلوٰة فلا يتادى الا بالنية الخالصة لله تعالى ولم توجد اعلم ان العبارة المذكورة فى الهداية هذه والزكوٰة مصرفها الفقراء ولا يصرفونها اليهم وقيل اذا نوى بالدفع التصدق عليهم سقط عنه وكذا الدفع الى كل سلطان جائر لانهم بما عليهم من التبعات فقراء والاول احوط فعليك ان تتامل فى هذه الرواية انه هل يفهم منها الا سقوط الزكوٰة عن المظلوم نظرا له ودفعا للحرج عنه وهل لهذه الرواية دلالة على انه يجوز للخوارج واهل الجور ان ياخذوا الزكوٰة ويصرفونها الى حوائجهم ولا يصرفونها الى الفقراء بتاويل انهم فقراء فانظر الى هذا الذي ادرج فى الايمان ركنا آخر انه كيف يتمسك بهذه الرواية تسويغ لولاة هراة اخذ العشور والزكوٰة بالصفة المعلومة بل فرض عليهم ذلك وحكم بكفر من انكره والصفة المعلومة ان يخرص الاعونة فى اخذ الخارج عن الارض اضعافا مضاعفة فيضعوا على الملاك القيم وياخذونها جبرا وقهرا ويصرفونها كما هو عادة اهل الاسراف والاتراف۔

ترجمہ اور جانوروں کا چرنا سال کے اکثر حصہ میں (وجوب زکوٰۃ کیلئے) کافی ہے الدعی راکے زیرکے ساتھ گھاس، باغیوں نے چرنے والے جانوروں اور عشر اور خراج وصول کر لیا تو مفتی بہ قول یہ ہے کہ پوشیدہ طور پر دوبارہ دیدے اگر ان کی جگہ پر انھیں خرچ نہ کیا ہو۔ لیکن خراج کا یہ حکم نہیں (کہ دوبارہ ادا کرے) واضح رہے کہ خراج کی وصول یابی کا حق امام کو پہونچتا ہے۔ اسی طرح اموال غلہ بردہ کے خارج کا دسواں حصہ خارج کا اور جنگل چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ اور تجارت

کے مالوں کی زکوٰۃ عشر وصول کرنے واسکی حفاظت کے تحت - پس اگر باغی یا بادشاہ ہمارے زمانہ کے خراج وصول کرلیں تو مالکین سے دوبارہ وصول نہیں کیجائے گی - کیونکہ خراج کا مصرف مقاتلہ ہے اور وہ مقاتلہ ہے اسلئے کہ وہ کافروں سے جہاد کرتے ہیں - اور اگر زکوٰۃ مذکورہ (چرنے والے جانوروں، عشر اور اموالِ تجارت کی زکوٰۃ) پس اگر وہ ان مصارف یعنی مصارفِ زکوٰۃ پر صرف کردیں تو مالکین سے دوبارہ وصول نہیں کی جائے گی، اگر (باغی یا ظالم) زکوٰۃ کے مصارف پر صرف نہ کریں تو پھر پوشیدہ طور سے زکوٰۃ کے مستحقین تک عنداللہ واجب ہوگی،

اور مصنف کا یہ کہنا یفتی ان یعید واخفیۃ ،، بعض مشائخ (فقہاء) کے اس قول سے احتراز ہے کہ ان پر دوبارہ دینا واجب نہیں اسلئے کہ جب ان باغیوں کا مسلمانوں پر تسلط ہوگیا تو ضرورتاً ان کا حکم امام (خلیفہ) کا سا ہوا لہذا ان کی جانب سے منصبِ قضاء کی تفویض (سپردگی) اور جمعہ وعیدین وغیرہ کا قائم کرنا صحیح ہے اسکا جواب یہ ہے کہ جبکی ضرورت ثابت ہو تو ضرورتاً اسے یعنی قاضیوں کے تقرر اور امامتِ جمعہ وعیدین کو کہ اسلامی شعار میں سے ہے تسلیم کریں گے - بخلاف زکوٰۃ کے کہ اہل زکوٰۃ میں خفیہ و پوشیدہ طور پر ادا کرنا ہے - ارشاد ربانی ہے ،، ان تخفوھا وتوتوھا الفقراء فھو خیرلکم ، (الآیۃ) (اگر تم چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) اور ان بعض مشائخ فقہا کے قول سے احتراز ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان باغیوں اور ظالموں کو دیتے وقت صدقہ کی نیت کریں تو زکوٰۃ ان سے ساقط ہو جائے گی لہذا انھیں فقراء کے تابع قرار دے کر حکماً فقراء سے قرار دیں گے اور شیخ ابو منصور ماتریدیؒ کے نزدیک یہ قول ناقابل قبول ہے اسلئے کہ وہ کہتے ہیں کہ صدقہ کردہ شئے مطلع کرنا (لینے والے کو) ضروری ہے (یعنی مثلاً یہ بتانا کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے) اور نیز یہ واضح ہے کہ زکوٰۃ نماز کی طرح عبادت محضہ (خالص عبادت) ہے پس جس وقت تک خالص اللہ تعالیٰ کیلئے نیت نہ ہو ادا نہ ہوگی اور باغیوں یا ظالموں کو دینے میں یہ نہیں پائی جاتی پھر واضح رہے کہ مذکورہ عبارت ہدایہ کی یہ ہے - اور زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں اور (اس صورت میں) زکوٰۃ ان پر صرف نہیں کریں گے اور بعض کے نزدیک جب ان کو دیتے ہوئے صدقہ کی نیت کریں تو ان کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی - اسی طرح ظالم بادشاہ کو دینے کی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ یہ (ظالم بادشاہ یا باغی) فقراء کے حکم میں ہیں اور پہلا قول (عدم ادائیگی کا) احوط ہے - تو مجھے اس روایت میں غور کرنا چاہیئے کہ کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ مظلوم سے زکوٰۃ اسکی مظلومیت کو اور دفع حرج وتنگی کو دیکھتے ہوئے (اس طرح دینے سے) ساقط ہو جائے گی ؟ اور کیا اس روایت سے اسکی نشان دہی تو نہیں ہوتی کہ خوارج اور ظالموں کیلئے زکوٰۃ وصول کرکے اپنی ضرورتوں پر صرف کرنا اور فقراء پر صرف نہ کرنا اس تاویل سے کہ وہ فقراء (حکماً) ہیں جائز ہے ،

پس اس قول مجتہد کے قول کو دیکھو کہ جو ایمان میں (تعریف ایمان میں) ایک اور اضافہ ہے پس وہ کیسے اس روایت سے تمسک کرے گا۔ لہٰذا براۃ کے حاکم کیلئے جائز قرار دیا گیا عشر اور زکوٰۃ معلوم صفت کے ساتھ وصول کرنا بلکہ ان پر اس کا لینا فرض ہے اور اسی لئے جواز کے منکر کیلئے کفر کا حکم ہوا اور صفت معلوم یہ ہے کہ ابھارتے ہیں مددگاروں (عمال و امراء) کو مقرر کرکے وہ مالکین سے جبراً اور قہراً وصول کرکے صرف کریں جیسا کہ مسرفین و فضول خرچوں کی عادت ہوتی ہے،

تشریح و توضیح فی اکثر الحول الخ یعنی سال کے اکثر حصہ میں جنگل میں چرے تو زکوٰۃ واجب ورنہ اگر نصف سال (چھ ماہ) بھی چرے تب بھی زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا۔

الکلاء - ہر دو خشک اور تر گھاس جو چوپائے کھاتے ہیں۔ لغت کی معروف کتاب "مغرب" میں اسی طرح ہے۔ البغاۃ - باء کے پیش کے ساتھ باغی کی جمع۔ وہ مسلمانوں کی ایسی جماعت کہلاتی ہے جو خلیفۂ برحق کی اطاعت سے انحراف کرے۔ خفیۃ - یعنی دوبارہ زکوٰۃ دیں تو پوشیدہ طور پر دینی چاہیے کیونکہ اس کا اندیشہ ہے کہ دوسری مرتبہ بھی یہی لوگ وصول نہ کرلیں۔ العاشر - یہ وہ شخص جسے خلیفۃ المسلمین زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کی وصول یابی کیلئے مقرر کرے۔

المقاتلۃ :- یعنی وہ لوگ جو کفار سے جہاد کرتے ہیں اور اخراج کی رقم جہاد کی تیاری اور اہتمام میں صرف کرتے ہیں۔ وہی مصارف الزکوٰۃ :- زکوٰۃ کے مصارف قرآن کریم میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں "انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ (الآیۃ)" فلا اعادۃ - کیونکہ اس صورت میں مقصود حاصل ہوگیا لہٰذا دوبارہ انہیں زکوٰۃ دینے کی احتیاج نہیں رہی۔

ولا شیٔ فی مال الصبی التغلبی وعلی المرأۃ ما علی الرجل منہم تغلب بکسر اللام ابو قبیلۃ والنسبۃ الیہا تغلبی بفتح اللام استیحاشاً لتوالی الکسرتین وربما قالوا بالکسر ھکذا فی الصحاح وبنو تغلب قوم من مشرکی العرب طالبہم عمرؓ بالجزیۃ فابوا وقالوا نعطی الصدقۃ مضاعفۃ فصولحوا علی ذلک فقال عمرؓ ھذہ جزیتکم فسموھا ما شئتم فلما جری الصلح علی ضعف زکوٰۃ المسلمین لا تؤخذ من صبیانہم ولکن تؤخذ من نسوانہم کالمسلمین مع ان الجزیۃ لا توضع علی النساء وجاز تقدیمہا لحول ولاکثر منہ ولنصب لذی نصاب الاصل فی ھذا ان المال النامی سبب لوجوب الزکوٰۃ والحول شرط لوجوب الاداء فاذا وجد السبب یصح الاداء مع انہ لم یجب فاذا وجد النصاب یصح الاداء قبل الحول وکذا اذا کان لہ نصاب واحد کمأتی درہم مثلاً فیؤدی الاکثر من نصاب واحد جاز حتی اذا ملک الاکثر بعد الاداء اجزاہ ما ادی من قبل اما ان لم یملک نصاباً اصلاً

لم یصح الاداء وهو للذهب عشرون مثقالا وللفضة مائتا درهم كل عشرة منها سبعة مثاقيل اعلم ان هذا الوزن يسمى وزن سبعة وهو ان يكون الدرهم سبعة اجزاء من الاجزاء التي يكون المثقال عشرة منها اي يكون الدرهم نصف مثقال وخمس مثقال فيكون عشرة دراهم بوزن سبعة مثاقيل والمثقال عشرون قيراطا والدرهم اربعة عشر قيراطا والقيراط خمس شعيرات ۔

ترجمہ ۔ اور لڑکا تغلبی ہو تو اس کے مال سے جزیہ نہ لیں گے اور تغلبی عورت سے مرد کے برابر جزیہ لیا جائے گا ۔ تغلب لام کے زیر کے ساتھ قبیلہ کا بڑا جسکی طرف قبیلہ منسوب ہو اتغلبی لام کے زبر کے ساتھ پے درپے دو کسروں سے وحشت محسوس کرتے ہوئے پڑھتے ہیں اور اتفاقاً کبھی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں صحاح میں اسی طرح ہے اور بنو تغلب ایک مقدم ہے مشرکین عرب میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے جزیہ طلب کیا تو انھوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہم دوگنا صدقہ (زکوٰۃ) دینگے ۔ تو ۔ تو پھر صلح ہو گئی پس حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا جزیہ ہم اس کا جو چاہے نام رکھ لو ۔ جب ان سے زکوٰۃ کے دوگنے پر صلح ہو گئی تو ان کے لڑکوں سے نہیں لینگے اور ان کی عورتوں سے لینگے مسلمانوں کی طرح باوجودیکہ عورتوں سے نہیں لیا جاتا ۔ اور صاحب نصاب کیلئے جائز ہے کہ ایک سال یا اس سے زیادہ پہلے زکوٰۃ ادا کردے ۔ اور اس کے کئی نصاب ہوں تو اسے کئی نصابوں کی زکوٰۃ کا دے دینا درست ہے ۔ اصل اس بارے میں یہ ہے کہ بڑھنے والا مال وجوب زکوٰۃ کا سبب ہے اور پورا سال گذرتا ادائیگی کے وجوب کی شرط ہے ، تو جب سبب (مال) پایا جائے گا ادائیگی صحیح ہوگی خواہ (ابھی) زکوٰۃ (سال پورا نہ ہونے کی وجہ سے) واجب ہو ۔ پس نصاب پائے جانے کی صورت میں سال سے پہلے ادائیگی درست ہو گی ۔ اسی طرح جب کسی کا ایک نصاب ہو ۔ جیسے مثلاً دو سو دراہم ۔ اور وہ ایک نصاب سے زیادہ کی (مثلاً دو نصابوں کی) زکوٰۃ ادا کردے ۔ حتیٰ کہ وہ (بعد میں) ایک سے زیادہ نصاب کا ادائیگی کے بعد مالک ہو جائے تو پہلا ادا کردہ اس کیلئے کافی ہو جائے گا لیکن اگر وہ بالکل نصاب کا مالک نہیں ہوا تو سبب وجوب کے فقدان کے باعث ادائیگی صحیح نہ ہو گی ۔

سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا دوسو درہم ہیں کہ ہر دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں ۔ واضح رہے کہ اس وزن کو وزن سبعہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک درہم کے سات اجزا ہوں ان اجزاء میں سے کہ ایک مثقال اس کا دسواں حصہ ہو یعنی ایک درہم آدھا اور پانچواں حصہ مثقال کا ہوگا تو دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں گے اور ایک مثقال بیس قیراط کا ہوتا ہے اور ایک درہم

چودہ قیراط کا اور ایک قیراط پانچ جو کا ہوتا ہے ،

تشریح و توضیح قوم من مشرکی العرب :- یہاں پر شارح سے تسامح ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ عرب کے عیسائیوں میں سے ایک قوم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان کے ساتھ صلح کا واقعہ۔ عبدالرزاق نے۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ میں اور ابوعبید قاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں بیان کیا ہے۔ وجاز الخ :- یعنی صاحب نصاب کیلئے یہ جائز ہے کہ زکوٰۃ سال پورا ہونے سے قبل ادا کردے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ دو سال یا دو سال سے زیادہ کی زکوٰۃ پہلے ادا کردے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایسے نصاب کی زکوٰۃ پیشگی ادا کردے جس کا ابھی مالک نہیں ہوا اور بعد میں مالک ہوا ہو اصل اس باب میں وہ روایت ہے جو "بزار" اور طبرانی" سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کے مال کی زکوٰۃ دو سال کی پیشگی ادا فرمادی اور "ترمذی" و "ابوداؤد" کی روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پیشگی ادائیگی زکوٰۃ کی اجازت طلب کی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمادی مثقال :- ایک مثقال کی مقدار تین ماشہ اور ایک رتی ہے۔

وفی معموله وتبره وعرض تجارة قيمته نصاب من احدهما مقوما بالانفع للفقراء ربع عشر اى ان كان التقويم بالدراهم انفع للفقير قوّم عروض التجارة بالدراهم وان كان بالدنانير انفع قومت بها ثم في كل خمس زاد على النصاب بحسابه اعلم ان الزكوٰة لا تجب في الكسور عندنا الا اذا بلغ خُمُسَ النصاب فاذا زاد على مائتى درهم اربعون درهما زاد في الزكوٰة درهم واذا زاد ثمانون درهما زاد درهمان ولاشئ في الاقل وورق غلب فضته فضة وما غلب غشه يقوّم ونقصان النصاب في الحول هدر اى لو كان له في اول الحول عشرون دينارا ثم نقص في اثناء الحول ثم تم في آخر الحول تجب الزكوٰة ويضم الذهب الى الفضة والعروض اليهما بالقيمة هذا عند ابى حنيفةؒ واما عندهما فيضم الذهب الى الفضة بالاجزاء حتى لو كان له عشرةُ دنانير وتسعون درهما قيمتها عشرة دنانير تجب عنده ... لا عندهما واما اذا كان له عشرةُ دنانير ومائة تجب بالاتفاق اما عندهما فللضم بالاجزاء واما عند ابى حنيفةؒ فلانه ان كان قيمة عشرة دنانير فظاهر وان كانت اكثر فكذلك الوجود نصاب الذهب من حيث القيمة فتجب الزكوٰة وان كانت اقل فتكون قيمة عشرة دنانير اكثر من قيمة مائة درهم ضرورةً

فتجب باعتبار وجود نصاب الفضۃ من حیث القیمۃ :-

ترجمہ اور سونا وچاندی ڈھلا ہوا (مثلاً دینار ودرہم) ہو یا بغیر ڈھلا اور تجارت کا سامان جسکی قیمت نصاب کو پہونچتی ہو سونے یا چاندی میں سے اور فقراء کیلئے زیادہ سودمند ہو تو ربع عشر (یعنی چالیسواں حصہ) ادا کریں گے یعنی اگر دراہم کے ساتھ قیمت لگانا فقیر کیلئے نفع بخش ہو تو تجارت کے سامان کی قیمت دراہم سے لگائی جائے گی اور اگر دیناروں سے قیمت لگانا نفع بخش ہو تو دیناروں سے (یعنی سونے کے سکّہ سے) لگائینگے۔ پھر جب نصاب پر پانچواں حصہ بڑھ جائے گا تو اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کسور (یعنی نصابوں کے درمیان عدد) پر واجب نہیں ہوتی البتہ جب نصاب کے پانچویں حصہ کے بقدر بڑھ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ پس اگر دوسو دراہم میں چالیس دراہم کا اور اضافہ ہو جائے تو زکوٰۃ میں ایک درہم اور دینا پڑے گا اور اگر اسی درہم بڑھ جائیں تو دو درہم واجب ہوں گے اور نصاب کے پانچویں حصہ سے کم بڑھنے پر کچھ واجب نہ ہوگا اور وہ چاندی (یا درہم) جسمیں غالب چاندی ہو (اور کھوٹ کم) تو وہ (ساری) چاندی ہے اور کھوٹ غالب ہو (مثلاً درہم میں تانبا زیادہ ہو) تو قیمت لگائی جائے گی۔ اور وہ نقصان وکمی جو سال کے درمیان نصاب میں واقع ہو وہ معاف (و ناقابلِ اعتبار) ہے یعنی اگر اسکے پاس شروع سال میں بیس دینار ہوں پھر سال کے درمیان کم ہو جائیں اور سال کے آخر میں پھر بیس پورے ہو جائیں تو پورے بیس دینار کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور سونے کو چاندی سے ملا ئینگے اور سامان دونوں کے ساتھ باعتبار قیمت ملایا جائے گا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی سے باعتبار اجزاء ملائینگے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس دس دینار اور ننانوے درہم ہوں جن کی قیمت دس دینار ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی لیکن اگر اسکے پاس دس دینار اور سو دراہم ہوں تو تینوں کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب ہوگا لیکن امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک اجزاء کو ضم کرنے کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر سو دراہم کی قیمت دس دینار ہوں تو حکم ظاہر ہے (کہ زکوٰۃ واجب ہوگی) اور اگر دس دینار سے زیادہ ہو تب بھی زکوٰۃ کا وجوب ظاہر ہے کیونکہ سونے کا نصاب باعتبار قیمت پایا گیا لہٰذا زکوٰۃ کا وجوب ہوگا اور اگر سو دراہم کی قیمت دس دینار سے کم ہو تو دس دینار کی قیمت ضرورتاً سو دراہم کی قیمت سے زیادہ ہوگی پس چاندی کا نصاب باعتبار قیمت پائے جانے کی بنا پر زکوٰۃ واجب ہوگی "

تشریح وتوضیح معمول۔ ڈھلا ہوا۔ خواہ سونا یا چاندی سکہ کی شکل میں ڈھلا ہوا ہو یا برتنوں وغیرہ کی شکل میں ڈھالا گیا ہو۔ ڈھلے ہوئے کو معمول اور بغیر ڈھلے

ہونے کو تبرر (پترا) کہتے ہیں ۔ الکسور ۔ یعنی نصابوں کے درمیانی عدد پر کچھ واجب نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تو اسی کی ہدایت فرمائی ۔ ابوبکر جصاص رازی نے "شرح مختصر الطحاوی" میں اسکی صراحت کی ہے ، فضۃ الخ یعنی اگر چاندی کا غلبہ ہو اور کھوٹ کم تو وہ ناقابل اعتبار ہوگا اور کل کا حکم چاندی کا ہوگا ۔

ونقصان النصاب الخ ۔ وجوب زکوٰۃ کیلئے سال کے اول وآخر میں کمالِ نصاب شرط ہے ابتداء میں انعقاد کیلئے اور انتہاء میں وجوب کیلئے

بَابُ العَاشِر

هو من نصب على الطريق لاخذ صدقة التجار و صُدِّقَ مع اليمين من انكر منهم تمام الحول او الفراغ عن الدين او ادعى انه اداها الى فقير فى مصر فى غير السوائم حتى اذا ادعى الاداء الى فقير فى مصر فى السوائم لا يصدق اذ ليس له فى السوائم الاداء الى الفقير بل ياخذ منه السلطان ويصرفه او عاشر آخر ان وُجد فى السنة اى اذا ادعى اداءه الى عاشر آخر والحال ان عاشرًا آخر موجود فى هذه السنة بلا اخراج البراءة اى لا يشترط ان يخرج البراءة من الآخر بل يصدق مع اليمين وما صدق فيه المسلم صُدِّق فيه الذمى لا الحربى الا فى قوله لامته هى ام ولدى اى اذا ادعى الحربى ان هذه الامة ام ولدى يصدق ولا ياخذ منه شيئا واُخذ من المسلم رُبع عشر و من الذمى ضعفه ومن الحربى العشر ان بلغ ماله نصابا ولم يعلم قدر ما اخذ منا اى ان لم يعلم قدر ما اخذ منا اهل الحرب اذا مر تاجرنا عليهم وان علم اخذ مثله ان كان بعضا لا كلا اى ان علم قدر ما اَخَذه منا اهل الحرب فعاشرنا ياخذ من الحربى مثل ذلك ان كان بعضا حتى انهم لو اخذوا كل اموالنا فعاشرنا لا ياخذ كل اموال الحربى المار :۔۔۔

ترجمہ عاشر وہ شخص کہلاتا ہے جسے بادشاہ نے رہ گذر پر تاجروں سے صدقہ وصول کرنے کیلئے مقرر کیا ہو اور عشر وصول کرنے والا بحلف اسکی تصدیق کرے جو کہ سال پورا ہونے کا انکار کرتا ہو یا کہتا ہو کہ میں ابھی (اپنے) قرض سے فارغ نہیں ہوا یا دعوی کرے کہ میں چوپاؤں کے علاوہ شہر میں فقیر کو ادا کرچکا ہوں ۔ حتی کہ اگر کوئی دعوی کرے کہ فقیر کو شہر میں ادا کرچکا ہوں تو اسکی تصدیق

نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ سوائم (چوپاؤں) میں چوپاؤں کا صدقہ فقیر کو دینا درست نہیں۔ بلکہ بادشاہ (یا اس کا نائب) اس سے وصول کرے اس کو اس کے مصرف میں صرف کرے گا یا وہ دعویٰ کرے کہ اس سال کی زکوٰۃ وہ دوسرے عاشر (عشر وصول کرنے والے) کو ادا کر چکا ہے (تو اس کا قول مانا جائے گا) بشرطیکہ دوسرا عاشر اس سال موجود ہو یعنی اگر مال والا دعویٰ کرے کہ وہ دوسرے عاشر کو ادا کر چکا ہے درآں حالیکہ دوسرا عاشر اس سال موجود ہو اور عاشر کے وصول کرنے کی تحریری تصدیق ضروری نہ ہوگی یعنی یہ شرط نہیں کہ دوسرا عاشر اس کے بری الذمہ ہونے کی تصدیق کرے بلکہ صاحب مال کا قول مع الحلف معتبر ہوگا اور جن بارے میں مسلمان کا قول معتبر ہوگا ذمی (دارالاسلام کے غیر مسلم باشندہ) کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن حربی کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر حربی اپنی باندی کے بارے میں کہے کہ یہ میری ام ولد ہے تو اس کا اعتبار کریں گے۔ یعنی اگر حربی دعویٰ کرے کہ یہ باندی میری ام ولد ہے تو تصدیق کی جائے گی اور اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔

اور مسلمان سے عشر وصول کرنے والا چالیسواں حصہ لے اور ذمی سے بیسواں حصہ لے اور حربی سے دسواں حصہ اگر مال اس کا نصاب کو پہونچ جائے درآنحالیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ (اہل حرب) ہم (مسلمانوں) سے کتنا لیتے ہیں۔ یعنی یہ خبر نہ ہو کہ جب مسلمان تاجر دارالحرب سے گذرتے ہیں تو حربی کس قدر وصول کرتے ہیں، اور اگر معلوم ہو جائے تو اتنا ہی ہم بھی ان سے لیں گے بشرطیکہ وہ کل مال نہ لیتے ہوں، بلکہ بعض لیتے ہوں۔ یعنی اگر معلوم ہو کہ ہم (مسلمانوں) سے اہل حرب کتنا لیتے ہیں تو ہمارا عاشر حربی کے اسکے مانند وصول کرے گا، بشرطیکہ وہ کچھ حصہ لیتا ہو۔ حتیٰ کہ اگر وہ (حربی) ہمارا کل مال لے لیں تو ہمارا عاشر دارالاسلام سے گذرنے والے حربی کا کل مال نہ لے گا۔

تشریح و توضیح من نصب الخ یعنی وہ شخص جو عشر کی وصولیابی کیلئے بادشاہ کی طرف سے مقرر ہو۔ عاشر کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ آزاد ہو غلام نہ ہو، دوسرے یہ کہ وہ مسلمان ہو کافر نہ ہو اور وہ چوروں سے بچاؤ و حفاظت اموال پر قادر ہو تاکہ وصول کردہ مال کا پوری طرح تحفظ کر سکے۔ (بحر الرائق وغیرہ میں اسی طرح ہے) بل یاخذ الخ۔ کیونکہ خاص طور پر اسکی وصولیابی کا حق بادشاہ یا اسکے نائب کو ہے اسلئے اس کی سابقہ ادائیگی باطل ہو جائے گی۔

او عاشر آخر، یعنی صاحب مال، یہ کہے کہ میں دوسرے عاشر کو زکوٰۃ دے چکا ہوں تو بحلف اس کا قول معتبر مانا جائے گا۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ دوسرا عاشر جس نے اسے زکوٰۃ دی ہو وہ اہل عدل میں سے ہو اور بادشاہ کا مقرر کردہ ہو اگر یہ معلوم ہو کہ وہ کسی فرقہ باطلہ کا مثلاً خوارج کا مقرر کردہ ہے تو اس سے دوبارہ وصول کی جائے گی اور دوسرے عاشر کو دیگئی زکوٰۃ کالعدم شمار ہوگی۔

المار :- ہمارے بلاد (مسلمانوں کے شہروں) سے گزرنے والا حربی

ولا من قليلة وان اقربا في النصاب في بيته القليل ما لا يبلغ النصاب ولا يا خذ شيئا منه
ان لم يا خذ وا منا شيئا منا الضمير في لم ياخذ واير اجع الى اهل الحرب وان لم يذكر هذا
اللفظ ولو عشر ثم مر قبل الحول ان جاء من دارہ عشر ثانيا والا فلا اى ان اخذ من الحربي
العشر ثم مر قبل الحول ان كان في المرة الثانية جاء من دارہ عشر ثانيا وان كان راجعا
من دارنا الى دارہ لا يوخذ منه شئ وعشر خمر ذمي لا خنزيرہ مر بهما او باحدهما هذا
عند ابي حنيفة واما عند الشافعي لا يعشرهما وعند زفر يعشر كل واحد وعند ابي يوسف
ان مر بهما يعشرهما فجعل الخنزير تبعا للخمر وان مر بالخمر منفردا يعشرها وان مر
بالخنزير منفردا لا والفرق عندنا ان الخنزير من ذوات القيم فاخذ قيمته كاخذه
والخمر من ذوات الامثال فاخذ القيمة لا يكون كاخذ العين ولا بضاعة ولا مضاربة
اى اى مر المضارب بمال المضاربة لا يوخذ منه شئ وكسب ماذون الا غير مديون معه
مولاه اى ان مر عبد ماذون فان كان مديونا لا يوخذ منه شئ وان لم يكن مديونا فكسبه
ملك مولاه فان كان المولى معه توخذ منه الزكوة وان لم يكن المولى معه لا توخذ :-

ترجمہ اور اگر نصاب سے کم ہو تو اس سے نہ لیں گے خواہ وہ یہ اقرار کیوں نہ کرتا ہو کہ نصاب کا باقی ماندہ حصہ گھر میں ہے۔ قلیل سے مراد وہ ہے جو حد نصاب کو نہ پہونچے۔ اور اگر حربی ہم لوگوں سے کچھ نہ لیں تو ہم بھی ان سے کچھ نہ لیں گے۔ لم یاخذوا ، کی ضمیر اہل حرب کی طرف لوٹ رہی ہے اگرچہ لفظوں میں صراحتًا اس کا ذکر نہیں۔ اگر حربی سے وصول کر لیا جائے اور پھر وہ دار الحرب سے سال کے اختتام سے قبل (دار الاسلام) آئے۔ (اور عاشر کے پاس سے گزرے) تو اس سے دوبارہ دسواں حصہ لیا جائے گا۔ ورنہ نہیں۔ یعنی اگر حربی سے عشر وصول کر لیا ہو پھر وہ عاشر کے پاس سے سال پورا ہونے سے پہلے دوبارہ گذرے اور دار الحرب سے آیا ہو تو دوبارہ عشر لیا جائے گا اور اگر دار الاسلام سے دار الحرب لوٹ رہا ہو تو اس سے کچھ وصول نہ کرینگے۔ اور ذمی کی شراب سے عشر (بیسواں حصہ) لیا جائے گا اور خنزیر (سور) میں کچھ نہیں لیا جائے گا۔ یعنی اس کافر تاجر سے جو ان دونوں کو یا ان دونوں میں سے ایک کو لیکر گذرے یہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں میں سے کسی کا بیسواں حصہ نہیں لیا جائے امام زفرؒ کے نزدیک دونوں کا بیسواں حصہ لینگے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر دونوں کو لیکر گذرے تو دونوں کا عشر لیا جائے گا اور خنزیر کو خمر (شراب) کے تابع قرار دیں گے اور اگر صرف شراب

لیکر گذرے تو شراب کا بیسواں حصہ وصول کریں گے اور اگر محض خنزیر لیکر گذرا ہو تو کچھ وصول نہ کریں گے
اور فرق ہمارے نزدیک (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق) یہ ہے کہ خنزیر قیمت والی
اشیاء میں سے ہے پس اسکی قیمت کا لینا گویا اس کا لینا ہے اور خمر (شراب) ذوات الامثال میں سے
ہے پس اسکی قیمت لینا عین اس شئے کا لینا نہ ہوگا اور اگر کوئی شخص مال بضاعت لیکر گذرے تو عاشر اس میں سے کچھ
نہ لے گا۔ اور تجارت کی اجازت دیا گیا غلام اگر غیر مقروض ہوا اور اس کا آقا اسکے ساتھ ہو تو اس سے وصول کرے
یعنی اگر عاشر کے پاس سے کوئی ایسا غلام گذرے جسکو آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہو۔ پس اگر وہ مدیون
ومقروض ہو تو اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا اور اگر مدیون نہ ہو تو اسکی کمائی اسکے آقا کی ملکیت ہے۔ پس
اگر اس کا آقا اسکے ہمراہ ہو تو اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اگر اس کا آقا ساتھ نہ ہو تو اس سے
زکوٰۃ نہیں لی جائے گی

تشریح وتوضیح ولا من قلیلہ الخ: یعنی اگر حربی تاجر گذرے اور اسکے پاس نصاب سے کم مال ہو تو ہمارا عاشر
اس سے کچھ نہیں لے گا۔

وان لم یذکر: یعنی اگرچہ عبارت میں صراحتاً اس کا ذکر نہیں مگر ضمیر اسکی طرف لوٹ رہی ہے اور اتنا
ہی کافی ہے وعشر الخ مراد اس سے نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

عند الشافعیؒ: حاصل یہ ہے کہ اگر کافر محض شراب لیکر گذرے تو امام شافعیؒ کے نزدیک ہمارا عاشر اس سے
کچھ وصول نہ کرے گا کیونکہ شراب اور خنزیر اگرچہ کفار کے حق میں مال متقوم ہیں اور خمر (شراب) ان
کیلئے سرکہ کی طرح اور ان کیلئے خنزیر ہماری بکری کی طرح ہے اور انہیں انکی بیع و شراء سے
روکا نہیں جاتا مگر شرعاً مسلمانوں کے حق میں انکی کوئی قیمت نہیں اور یہ دونوں مسلمانوں کے حق میں
مال متقوم نہیں۔ امام زفرؒ کے نزدیک دونوں میں عشر لیا جائے گا کیونکہ اگرچہ وہ دونوں مال متقوم
نہیں لیکن انکی قیمت کا لینا عین شئے اور اصل شئے کا لینا نہیں اور سبب اخذ موجود ہے یعنی ان کی حفاظت
اور وہ چیز جو ان کے نزدیک متقوم ہے ہمارے لئے اسکی حفاظت واجب ہے۔ بضاعۃ الخ:
بضاعۃ لغت میں مال کے ٹکڑے وحصہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ مال کہلاتا ہے جو مالک مال کسی
شخص کو فروخت کرنے اور حصول نفع کیلئے دے اور مضاربت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو تجارت کا مال اس
شرط کے ساتھ دے کر فروخت کرنے والا اور وہ دونوں نفع میں شریک رہیں گے۔
پس ان دونوں صورتوں میں یہ مال امانت ہے تاجر کے ہاتھ میں اور اسکی ملکیت نہیں۔ لہذا اس سے
عشر نہیں لیا جائے گا لایؤخذ منہ الخ: کیونکہ غلام کا مال آقا کا ہے خود غلام کی ملکیت نہیں لہذا اس سے
کچھ وصول نہ کریں گے۔

باب الرّکاز

الرکاز ھو المال المرکوز فی الارض مخلوقا کان او موضوعا والمعدن ما کان مخلوقا والکنز کان موضوعا معدن ذھب او نحوہ وجد فی ارض خراج او عشر خمس وباقیہ للواجد ان لم تملک ارضہ والا فمالکہا ولا شیٔ فیہ ان وجد فی دارہ وفی ارضہ روایتان ولا فی لؤلؤ وعنبر و فیروزج وجد فی جبل وکنز فیہ سمۃ الاسلام کا للقطۃ ومافیہ سمۃ الکفر خمس وباقیہ للواجد ان لم تملک ارضہ والا فللمختط لہ ای للمالک اول الفتح و رکاز صحراء دار الحرب کلہ لمستامن وجدہ ای اذا دخل تاجرنا دار الحرب بامان فوجد فی صحرائہا رکازا فکلہ لہ وان وجد فی دار منہا ردہ الی مالکہا وان وجد رکاز متاعہم فی الارض منہا لم تملک خمس وباقیہ لہ۔

ترجمہ رکاز اس مال کو کہتے ہیں جو زمین میں گڑا ہوا ہو خواہ وہ زمین کے نیچے پیدا ہوا ہو یا رکھا گیا ہو اور معدن (کان) وہ کہلاتا ہے جو زمین کے نیچے پیدا ہوا ہو اور کنز (خزانہ) وہ کہا جاتا ہے جو رکھا گیا ہو زمین میں پائی جانے والی سونے وغیرہ کی کان میں اگر زمین خراجی یا عشری ہو تو پانچواں حصہ واجب ہوگا۔ اور باقی میں اگر زمین کا کوئی مالک نہ ہو تو سارا پانے والے کا ہے۔ اور اگر زمین کا کوئی مالک ہو تو پانچویں حصہ کے بعد باقی مالک کا ہے۔ اور کسی کے گھر میں کچھ نکلے تو اسمیں کچھ واجب نہیں ہوتا۔ اور اپنی زمین میں نکلے تو اسکے متعلق دو روایتیں ہیں ایک روایت کی رو سے واجب ہوتا ہے اور ایک روایت کے تحت کچھ واجب نہیں ہوتا۔ اور پہاڑ میں اگر موتی عنبر اور فیروزے ملیں تو ان میں پانچواں حصہ واجب نہیں ہوتا اور وہ خزانہ جس میں اسلامی سکہ ہو تو اس کا حکم لقطہ اگری پڑی چیز کا سا ہے۔ اور جس میں کفر کا سکہ (و علامت) ہو تو اسمیں پانچواں حصہ واجب ہوگا اور باقی پانے والے کا ہوگا۔ بشرطیکہ وہ زمین اسکی ملک نہ ہو ورنہ جو شہر فتح کرنے کے وقت اول مالک ہو اس کا ہے اور دار الحرب کے صحراء کے رکاز کا حکم سارا پانے والے مستامن کا ہے یعنی اگر ہمارا تاجر مسلمان دار الحرب میں امان لیکر داخل ہو اور وہ صحراء میں رکاز پائے تو سارا اسی کا ہوگا۔ اور اگر اسے کسی حربی کے گھر میں ملے تو پانے والا مالک کو لوٹا دے گا۔ اور اگر دار الحرب کی ایسی زمین میں پائے جس کا کوئی مالک نہ ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی پانے والے کا ہوگا۔

تشریح و توضیح۔ المرکوز الخ گڑا ہوا، وہ مال جو زمین میں گاڑا گیا ہو یا قدرتی طور پر زمین

سے نکلا ہو مثلاً سونے وغیرہ کی کان۔

الکنز کہلاتا ہے جو گاڑا گیا اور بالقصد رکھا گیا ہو قدرتی طور پر زمین سے نکلا ہو۔ خواہ یہ مال اہل اسلام نے رکھا ہو یا کفار نے رکھا ہو۔

ولاشئ۔ اگر کسی کے اپنے گھر میں کچھ مال نکلے تو کسی کی ملکیت کو اسمیں کوئی دخل نہیں لہذا مالک مکان ہی اس مال کا مالک ہوگا اور اسکی ملکیت میں دوسرا دخیل و شریک نہ ہوگا۔

سمۃ الاسلام الخ سین کے زیر اور میم کے زبر کے ساتھ بمعنی علامت۔ مثلاً کلمۂ شہادت لکھا ہو یا اور کوئی ایسی علامت ہو جس سے اسکے مسلمانوں کے ہونے کی نشانی دبی ہوتی ہو۔ اسی طرح اس میں کوئی ایسی علامت ہو جس سے کافروں کا ہونے کی تصدیق ہوتی ہو۔

لمستامن یعنی وہ شخص پروانۂ امن و تحفظ لیکر داخل ہوا ہو۔

باب زکوٰۃ الخارج

فی عسل ارض عشریۃ او جبل وثمرہ وما خرج من الارض وان لم یبلغ خمسۃ اوسق ولم یبق سنۃ وسقاہ سیح او مطر عشر عشر مبتدأ وقولہ فی عسل ارض خبرہ وھذا عند ابی حنیفۃ واما عندھما وعند الشافعی لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ والوسق ستون صاعا والصاع ثمانیۃ ارطال وایضا لیس عندھم فی الخضراوات صدقۃ ولا فیما لم یبق سنۃ صدقۃ واعلم ان عند ابی حنیفۃ یجب فی الخضراوات صدقۃ یؤدیھا المالک الی الفقیر لانہ یاخذھا السلطان ھکذا فی الاسرار للقاضی الامام ابی زید نالہ یوسیٰ الا فی نحو حطب کالقصب والحشیش وفیما سقی بغرب او دالیۃ نصف عشر بلا رفع مؤن الزرع ای تجب الوظیفۃ وھی عشر الکل او نصفہ لانہ یرفع مؤن الزرع کاجر الحصاد ونحوہ ثم یعطی الوظیفۃ وھی عشر الباقی او نصفہ وضعف تغلبی لہ ارض عشریۃ رجلہ وطفلہ وانثاہ سواء وان اسلم او شراھا مسلم او ذمی اعلم ان العشر یؤخذ من اراضی اطفالنا فیؤخذ ضعف ذلک من اراضی اطفالھم ولا یسقط عنھم العشر المضاعف بالاسلام عند ابی حنیفۃ وکذا عند محمد اما عند ابی یوسف فیؤخذ عشر واحد واخذ الخراج من ذمی اشتری عشریۃ من مسلم وعشر مسلم اخذھا منہ شفعۃ او ردت علیہ لفساد البیع ای ان اخذھا من ذمی شفعۃ او اشتری

الذمی من المسلم العشریۃ ثم ردت علی المسلم لفساد البیع عادت عشریۃ کما کانت
وفی دار جعلت بستانا خراج ان کانت الذمی او لمسلم سقاها بمائه ای بماء الخراج وان
سقاها بماء العشر عشر وماء السماء والبیر والعین عشری وماء انهار حفرها الاعاجم
خراجی کنهر یزدجرد ونحوه وکذا سیحون وجیحون ودجلۃ والفرات عند ابی یوسف
وعشری عند محمد ولا شیٔ فی عین قیر ونفط فی ارض عشر وفی ارض خراج فی حریمها
الصالح للزراعۃ خراج لا فیها ای ان کان حریم العین صالحا للزراعۃ یجب فیه الخراج لا فی العین

ترجمہ: عشری زمین اور پہاڑ اور میوے اور زمین سے نکلنے والی زمین میں اگرچہ یہ زمین سے نکلنے والی چیز پانچ وسق تک نہ پہونچے اور پورے سال بھی باقی نہ رہے اور اسے جاری پانی (یعنی دریا اور نہر کے پانی) یا بارش کے پانی سے سینچا ہوا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دسواں حصہ واجب ہوگا۔ "عشر" مبتدا ہے۔ اور مصنفؒ کا قول "فی عسل ارض" اسکی خبر ہے۔ اور امام ابو یوسف و امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں کچھ واجب نہ ہوگا اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع آٹھ رطل (چار سیر) کا ہوتا ہے۔ نیز ان کے نزدیک سبزیوں میں اور ان چیزوں میں جو سال بھر تک باقی نہیں رہتیں صدقہ نہیں ہے۔ اور واضح رہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سبزیوں کا صدقہ مالک فقیر کو دیدے یہ نہیں کہ بادشاہ وصول کرے۔ قاضی ابو زید الدبوسیؒ کی "اسرار" نامی کتاب میں اسطرح ہے اور لکڑی وغیرہ جیسے نرکل اور گھاس میں صدقہ واجب نہیں اور ڈول یا چرس سے پانی دیا جائے تو اسمیں سے بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا۔ اول صدقہ دے کر پھر زراعت (وغیرہ) کی مزدوری یعنی کاٹنے وغیرہ کی اجرت سے پہلے نکالا جائے گا اسکے بعد عشر یا نصف عشر نکال کر باقی میں اجرت دے جائے گی۔ اور تغلبی کی عشری زمین میں جو نکلے اس میں سے پانچواں حصہ واجب ہوگا۔ اس حکم میں تغلبی مرد اور لڑکا اور عورت برابر ہیں۔ اگرچہ وہ مسلمان ہو جائے یا وہ زمین مسلمان یا ذمی خرید لے۔ واضح رہے کہ عشر مسلمان بچوں (لڑکوں) کی زمینوں سے لیا جاتا ہے لہذا ان کا دوگنا تغلبی لڑکوں سے لیا جائے گا اور ان سے یہ دوگنا عشر ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اسلام قبول کرنے کی صورت میں دسواں حصہ لازم ہوگا۔ کسی مسلمان کی عشری زمین کو ذمی نے خرید لیا تو اس سے خراج وصول کیا جائے گا۔ اور مسلمان نے جو زمین بطور شفعہ لی ہو یا بیع فاسد ہونے کی وجہ سے اسے لوٹا دی گئی ہو اسمیں مسلمان سے عشر لیا جائے گا۔ یعنی اگر مسلمان نے ذمی سے شفعہ کے طور پر لی یا ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی پھر بیع فاسد ہونے کی وجہ سے

اسے لوٹا دی گئی ہو اسیں مسلمان سے عشر لیا جائے گا یعنی اگر مسلمان نے ذمی سے شفعہ کے طور پر لی یا ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی پھر بیع فاسد ہونے کی بنا پر مسلمان کو واپس کر دی تو وہ زمین پہلے کی طرح عشری ہو جائے گی اور ذمی گھر کی زمین میں باغ لگائے تو اس سے خراج لیا جائے گا۔ یا مسلمان لگائے اور اسے خراجی پانی سے سینچے تو خراج ہی لازم ہوگا اور اگر عشری پانی سے سینچتا ہو تو عشر واجب ہوگا آسمان کا پانی (بارش کا پانی) اور کنویں اور چشمہ کا پانی عشری ہے (کہ ان سے سینچنے پر عشر واجب ہوگا) اور ان نہروں کا پانی جو عجمیوں نے کھودی ہوں مثلاً نہر یزدجرد وغیرہ خراجی ہے اور اسی طرح دریائے سیحون، جیحون، دجلہ اور فرات کا پانی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خراجی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک عشری ہے اور قیر اور نفط کے چشمہ میں عشری زمین میں ہوں تو کچھ واجب نہیں اور خراجی زمین میں ہو اور چشمہ کے ارد گرد کھیتی ہو سکتی ہو تو اس زمین میں خراج واجب ہوگا چشمہ پر نہ ہوگا یعنی اگر چشمہ کے ارد گرد کھیتی ہو سکتی ہو تو اس زمین میں خراج واجب ہوگا چشمہ پر نہ ہوگا یعنی اگر چشمہ کی ارد گرد کی زمین میں زراعت کی صلاحیت ہو تو اسی میں خراج واجب ہوگا۔ چشمہ پر کوئی خراج واجب نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح

فی عسل الخ اسکے اطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں سے عشر نکالا جائے گا اگرچہ کم ہو۔ امام ابو یوسفؒ کے ایک قول کے مطابق اگر اسکی قیمت دس دستی تک پہونچتی ہو تو عشر نکالا جائے گا ورنہ نہیں قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ شہد میں عشری نہ نکالا جائے کیونکہ یہ حیوان (شہد کی مکھی) سے متولد ہوتا ہے زمین سے پیدا نہیں ہوتا پس یہ ریشم کی طرح ہو گیا لیکن اس قیاس کو اس وجہ سے ترک کیا جاتا ہے کہ سنن ابو داؤد و نسائی اور ترمذی، معجم طبرانی وغیرہ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے عشر لیا۔

سیح الخ: اس سے مراد نہروں کا پانی ہے۔

نصف عشر کیونکہ کنووں سے سینچنے اور سیراب کرنے میں مشقت و کلفت زیادہ ہے لہٰذا شریعت میں کلفت کا لحاظ رکھتے ہوئے تخفیف کر دی اور بجائے عشر کے نصف عشر واجب کیا۔

وحنس تغلبی:۔ یعنی تغلبی سے بہر صورت مسلمان سے دوگنا لیا جائے گا بنی تغلب عرب کے عیسائیوں کی ایک قوم ہے جس نے جزیہ کی ادائیگی سے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ان سے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے مسلمان کے مقابلہ میں دوگنا لیا جائے گا۔

وجلہ الخ:۔ یعنی اس سے حکم میں کوئی فرق نہ پڑے گا کہ تغلبی مرد (بالغ شخص) ہے یا لڑکا (نابالغ) یا عورت ان سب کیلئے حکم برابر ہے کہ مسلمان کی بہ نسبت دوگنا ادا کریں گے۔

الاعاجم: یعنی عجم (عرب ملک کے علاوہ) کے کفار مثلاً یزدجرد یا یزدگرد (ایرانی سلطنت

کا آخری بادشاہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قتل کیا گیا پس وہ چھوٹی نہریں جو عجم کے شہروں میں ہیں اور انہیں کفار نے کھودا اور ان پر مسلمان قابض اور مالک ہوگئے یہ خراجی شمار ہوتی ہیں اور ان سے سیراب کردہ زمینوں پر خراج واجب ہوتا ہے۔

باب المصارف

منهم الفقير وهو من له ادنى شئ والمسكين من لا شئ له وعامل الصدقة فيعطى بقدر عمله والمكاتب فيعان فى فك رقبته ومديون لا يملك نصابا فاضلا عن دينه وفى سبيل الله تعالى وهو منقطع الغزاة عند ابى يوسفؒ ومنقطع الحاج عند محمدؒ وابن السبيل وهو من له مال لا معه وللمزكى صرفها الى كلهم او الى بعضهم احتراز عن قول الشافعى اذ عنده لابد ان يصرف الى جميع الاصناف فيعطى من كل صنف ثلثة لان اقل الجمع ثلثة . . . . . . ونحن نقول اذا دخل اللام على الجمع ولا يمكن حملها على المعهود ولا على الاستغراق يراد بها الجنس وتبطل الجمعية كما فى قوله تعالى لا يحل لك النساء من بعد فههنا لا يراد العهد ولا الاستغراق لانه ان اريد هذا فلا بد ان يراد ان جميع الصدقات التى فى الدنيا لجميع الفقراء الى آخره فلا يجوز ان يحرم واحد وليس هذا فى وسع واحد على انه ان اريد جميع الصدقات لجميع هؤلاء لا يجب ان يعطى كل صدقة جميع الاصناف ولا ان يعطى ثلثة من كل صنف فصار كقوله الصدقة للفقير والمسكين الى آخره ولا يراد ان الصدقة مقسومة على هؤلاء لانها ان قسمت على الاصناف فما اصاب الفقير لاشك انه يطلق عليه اسم الصدقة فيجب ان يكون مقسوما فيلزم التسلسل ايضا بخلاف ما اذا قال ثلث مالى للفقراء والمساكين فعلم ان المراد بيان المصرف لا القسمة .

ترجمہ: مصارف زکوٰۃ یہ ہیں (۱) وہ فقیر جو صاحب نصاب نہ ہو (۲) مسکین جس کے پاس کچھ نہ ہو (۳) صدقہ کا عامل کہ اسکو اسکے عمل کے مطابق دیا جائے گا۔ (۴) مکاتب تو اسکی آزادی میں زکوٰۃ کے مال سے اعانت کی جائے گی (۵) مقروض جو اپنے قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو (۶) مجاہد فی سبیل اللہ وہ شخص جو کہ خرچ نہ ہونے کے باعث جہاد سے رک گیا ہو۔ یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے

اور وہ شخص کہ حج سے رک جائے امام محمدؒ کے نزدیک۔ (۷) اور مسافر کہ اسکے پاس مال ہو مگر اسکے ساتھ نہ ہو اور زکوٰۃ دینے والے کیلئے درست ہے کہ ان سب مصارفِ زکوٰۃ کو دے یا ان میں سے بعض کو دے اسمیں امام شافعیؒ کے قول سے احتراز ہے کیونکہ ان کے نزدیک سارے مصارف پر صرف کرنا ضروری ہے اور ہر مصرف میں تین آدمیوں کو عطا کرے کیونکہ جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ جب لام جمع پر داخل ہو اور اس کا حمل معہود خارجی اور استغراق پر ممکن نہ ہو تو اس سے جنس مراد لینگے اور جمعیت باطل ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ لا یحل لک النساء من بعد۔ (یہاں جنسِ نساء مراد ہے) پس اس جگہ (آیتِ مصارف میں) نہ عہد مراد ہے اور نہ استغراق اسلئے کہ اگر استغراق مراد لیں تو اس سے وہ تمام صدقات مراد ہوں گے جو دنیا میں سارے فقراء کیلئے ہو۔ پس جائز نہیں کہ ان میں سے کوئی محروم ہو اور یہ کسی کے بس میں نہیں۔ علاوہ ازیں اگر سارے صدقات کا ان سب فقراء کیلئے ارادہ کیا جائے یعنی لام استغراق کا ہو تو یہ واجب نہیں کہ ہر صدقہ ساری اصنافِ فقراء کو دیا جائے اور نہ یہ کہ ہر صنف (قسم) میں سے تین کو دیا جائے تو اس قول کی طرح ہے کہ یہ صدقہ فقیر اور مسکین کیلئے ہے (مگر اسمیں تخصیص نہیں) اور یہ مراد نہیں کہ صدقہ ان سب مذکورین فی الآیۃ پر صدقہ کیا جائے۔ اسلئے کہ اگر اصناف پر تقسیم کیا جائے تو جو فقیر کو ملے گا بلاشبہ اس پر صدقہ کا اطلاق ہوگا پس واجب ہے کہ وہ بھی مقسوم (تقسیم کیا گیا) ہو۔ (لہٰذا تسلسل لازم آئے گا) اسکے برعکس اگر کوئی کہے کہ میرا تہائی مال فقراء اور مساکین کیلئے ہے پس معلوم ہوا کہ آیت میں مصرف کا بیان مراد ہے تقسیم مراد نہیں ہے۔

تشریح وتوضیح باب المصارف الخ یعنی زکوٰۃ اور عشر کے مصارف۔ یہی مصارف صدقہ وفطر کفارہ اور نذر وغیرہ صدقاتِ واجبہ کے ہیں اور اصل اسمیں یہ ارشاد ربانی ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ۔ - - - - - - پس یہ آٹھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے المؤلفۃ قلوبہم، ساقط ہوگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضعیف الاسلام لوگوں کو تالیف قلوب اور استحکام علی الاسلام کیلئے کچھ عطا فرما دیا کرتے تھے اسی طرح بعض شریروں کی شرارت سے حفاظت کی خاطر بھی ایسا کیا جاتا تھا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پھر حضرت عمرؓ کے پاس آئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں مائل علی الاسلام کرنے کیلئے عطا فرما دیا کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کردیا پس اب ہمارے اور تمہارے درمیان اسلام ہے یا تلوار۔ یہ لوگ لوٹ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور بولے کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمرؓ حضرت ابوبکرؓ نے ۔ ۔ ۔ حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق

کرتے ہوئے ان کا حصہ صحابۂ کرامؓ کی موجودگی میں باطل قرار دیا لہٰذا اس پر صحابہؓ کا اجماع ہوگیا
وللمزکی الخ۔ یعنی زکوٰۃ دینے والے کیلئے جائز ہے کہ تمام ذکر کردہ اصناف پر صرف کرے یا بعض پر
اور اگر ان میں سے صرف ایک صنف پر صرف کرے تب بھی درست ہے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ
عنہ سے منقول ہے کہ آپ فرض صدقہ وصول فرما کر ایک صنف میں صرف کرتے تھے اور حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تم جس صنف میں چاہے صرف کرو تمہارے لئے کافی ہے (تفسیر
طبری میں حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد منقول ہے۔
کمافی قولہ تعالیٰ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نو ازواج مطہراتؓ کے بعد مزید نکاح کی ممانعت کردی گئی
یہاں آیت کریمہ میں جنس نساء مراد ہے۔

لا الی بناء مسجد وکفن میت وقضاء دینہ وثمن ما یعتق لانہ لابد ان یملک احد المستحقین فلهذا قال فی المختصر فیصرف الی الکل او البعض تملیکا ولا الی من بینهما ولاد او زوجیۃ ای لا یعطی اصلہ وان علا وفرعہ وان سفل ولا یعطی الزوج زوجتہ ولا الزوجۃ زوجها ومملوکہ ای مملوک المزکی وعبد عتق بعضہ وغنی ومملوکہ ای مملوک الغنی والمراد غیر المکاتب اذ یجوز ان یؤدی الی مکاتب الغنی وطفلہ ای طفل الرجل الغنی وبنی هاشم وهم آل علیؓ وعباسؓ وجعفر وعقیل والحارث بن عبد المطلبؓ وموالیهم ای معتقی هؤلاء ولا الی ذمی وجاز غیرها الیہ ای جاز ان یصرف الی الذمی صدقۃ غیر الزکوٰۃ دفع الی من ظن انہ مصرف فبان انہ عبدہ او مکاتبہ یعیدها وان بان غناہ او کفرہ او انہ ابوہ او ابنہ او هاشمی لم یعد خلافا لابی یوسفؒ وحُبّب دفع ما یغنیہ عن السؤال یوم وکرہ دفع مائتی درهم الی فقیر غیر مدیون ونقلها الی بلد آخر الا الی قریبہ او الی احوج من اهل بلدہ

ترجمہ اور زکوٰۃ کے مال سے مسجد کی تعمیر اور میت کا کفن اور میت کے قرض کی ادائیگی اور غلام خرید کرا سے آزاد کرنا درست نہیں اسلئے کہ مال زکوٰۃ میں مستحقین میں سے کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا ضروری ہے۔ پس اسلئے "مختصر" میں کہا کہ زکوٰۃ دینے والا سارے مستحقین (مصارف زکوٰۃ) یا بعض کو مالک بنائے گا اور زکوٰۃ دینا اسے درست نہیں کہ زکوٰۃ دینے اور لینے والے کے درمیان ولادت یا زوجیت کا علاقہ ہو۔ یعنی زکوٰۃ دینا اصل (باپ دادا پر دادا) میں سے کسی کو اوپر تک اور فرع (بیٹا، بیٹی اور ان کی اولاد) کو نیچے تک دینا درست نہیں اور خوہر کا بیوی کو اور بیوی کا شوہر کو

زکوٰۃ دینا درست نہیں اور نہ زکوٰۃ دینے والے کے غلام کو اور نہ اس کے ایسے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جس کا بعض حصہ آزاد ہو چکا ہو۔ اور نہ مالدار اور نہ اسکے غلام کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ اور مملوک (غلام) سے مراد مکاتب کے علاوہ ہے اسلئے کہ مالدار کے مکاتب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور مالدار کے نابالغ بچے اور بنی ہاشم یعنی آل علی رضؓ و عباس رضؓ و جعفر رضؓ و عقیل رضؓ و حارث بن عبدالمطلب اور انکے آزاد کردہ غلاموں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور ذمی کو زکوٰۃ دینا درست نہیں اور اسکے علاوہ دوسرا صدقہ دینا جائز ہے :

اگر مالک نصاب مصرف سمجھ کر کسی کو زکوٰۃ دیدے پھر معلوم ہو کہ وہ اسی کا غلام یا اسی کا مکاتب ہے تو دوبارہ ادا کرے۔ اور اگر اس کا مالدار یا کافر ہونا یا اس کا باپ یا اس کا بیٹا یا ہاشمی ہونا معلوم ہو تو از سر نو ادا نہ کرے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک از سر نو ادا کرے۔ اور ایک فقیر کو اتنی زکوٰۃ دینی مستحب ہے کہ اسے ایک دن کے سوال سے بے نیاز کردے اور یہ مکروہ ہے کہ ایک غیر مقروض فقیر کو دو سو درہم دیدے (یعنی نصاب کے بقدر عطا کردے) اور یہ مکروہ ہے کہ ایک شہر کا مال زکوٰۃ (بلا ضرورت) دوسرے شہر میں بھیجا جائے البتہ اگر اپنے عزیز یا اپنے شہر سے زیادہ ضرورت مند کو بھیجے تو مضائقہ نہیں ،

تشریح و توضیح لا الی بناء المسجد الخ زکوٰۃ کا صرف کرنا وہاں جائز نہیں جہاں کسی مستحق کی تملیک نہ ہو مثلاً مسجدوں کی تعمیر اور پلوں وغیرہ کی تعمیر اسی طرح میت کی تجہیز و تکفین و تدفین کا خرچ ، اسلئے کہ میت مالک نہیں ہو سکتی ، اسی طرح میت کے قرض کی ادائیگی

ولا الی الخ : کیونکہ املاک کے منافع ان کے درمیان مشترک اور متصل ہیں اسلئے تملیک علیٰ وجہ الکمال حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ایسے رشتہ دار کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ،

وطفلہ الخ۔ اور مالدار کے لڑکے (نابالغ) کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں۔ کیونکہ مالدار کا لڑکا جبکہ چھوٹا (نابالغ ہو تو وہ بھی باپ کی مالداری سے مالدار شمار ہوگا اور منافع دونوں کے درمیان مشترک ہونگے اصل اس بارے میں یہ حدیث ہے کہ مالدار کیلئے صدقہ حلال نہیں ،، (یہ روایت ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے)

وھم آل علی الخ :۔ حضرت عباسؓ اور حضرت حارث دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں حضرت حضرت عباسؓ اسلام لائے اور اجلہ صحابہؓ میں ان کا شمار ہے حضرت جعفرؓ و حضرت عقیل حضرت علیؓ کے بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں اور یہ سب بنو ہاشم میں داخل ہیں۔

وموالیھم۔ بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام ابو رافعؓ کو صدقہ کھانے سے منع فرمایا اور ارشاد ہوا

قوم کا مولیٰ (غلام) بھی انھیں میں شمار ہوتا ہے اور ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے (یہ روایت ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے)

ولا الی ذمی: ذمی کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں حضرت معاذؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ ان کے مالداروں سے وصول کرو اور ان کے فقراء کو دو۔

الا الی قریبہ یعنی اگر دوسرے شہر میں زکوٰۃ دینے والے کا کوئی قریبی رشتہ دار موجود ہے تو اس کیلئے صلہ رحمی کے پیش نظر وہاں زکوٰۃ کی رقم اسکو بھیجنا اور اپنے فرض کی ادائیگی کے ساتھ اس کا مالی تعاون کرنا شرعاً مستحسن و محمود ہے، "طبرانی" میں اس سے ملتے جلتے مفہوم کی روایت موجود ہے:-

باب صدقة الفطر

وهي من برّ او دقيقه او سويقه او زبيب نصف صاع ومن تمر او شعير صاعٌ مما يسع فيه ثمانية ارطال من مجّ او عدس الصاع كيل يسع فيه ثمانية ارطال فقدّر بثمانية ارطال من المج وهو الماش او من العدس وانما قدر بهما لقلّة التفاوت بين حبّاتهما عظما وصغرا و تخلخلا واكتنازا بخلاف غيرهما من الحبوب فان التفاوت فيها كثير غاية الكثرة واني قد وزنتُ الماش والحنطة الجيدة المكتنزة والشعير وجعلتها في المكيال فالماش اثقل من الحنطة والحنطةُ الجيدة من الشعير فالمكيال الذي يملأ بثمانية ارطال من المج يملأ باقلّ من ثمانية ارطال من الحنطة الجيدة المكتنزة فالاحوط فيه ان يقدر الصاع بثمانية ارطال من الحنطة الجيدة لانه ان قدّر بالحنطة المكتنزة فكلما يُحصل فيه ثمانية ارطال من مثل تلك الحنطة يملأ بها وان كان يملأ باقلّ من تلك الحنطة اذا كانت الحنطة متخلخلة لكن ان قدر بالمج يكون اصغر من الاول ولا يسع فيه ثمانية ارطال من انواع الحنطة فيكون الاول احوط ثم اعلم انّ هذا الصاع هو الصاع العراقي واما الحجازي فهو خمسة ارطال وثلث رطل فالواجب عند الشافعيّ من الحنطة نصف صاع من الحجازي وعندنا نصف صاع من العراقي وهو منوان على ان المن اربعون استارًا والاستار اربعة مثاقيل ونصف مثقال فالمن مائة وثمانون مثقالاً ومنوان سبزجار خلافا لمحمدٌ فان عنده لا بد ان يقدر بالكيل :-

ترجمہ صدقہ فطر واجب ہے گندم یا اس کے آٹے یا اس کے ستو یا خشک انگور سے نصف صاع اور خرما یا جو سے ایک صاع یعنی وہ صاع جسمیں آٹھ رطل ماش یا مسور سما جائے۔ صاع ایک پیمانہ ہے جسمیں آٹھ رطل سما جاتے ہیں پس صاع کا اندازہ آٹھ رطل ماش یا مسور سے لگایا گیا اور ان دونوں سے اسواسطے لگایا گیا کہ دونوں کے دانوں کے درمیان بڑے اور چھوٹے اور خالی اور بھرے ہوئے ہونے کے اعتبار سے بہت معمولی فرق ہے اسکے برعکس ان دونوں کے علاوہ دانوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اور میں نے ماش اور عمدہ بھرے ہوئے گندم اور جو کو تولا اور انھیں پیمانہ میں رکھا تو ماش گندم سے زیادہ بھاری نکلی اور گندم جو سے بھاری نکلے پس وہ پیمانہ جو آٹھ رطل ماش سے بھر جاتا ہے وہ آٹھ رطل سے کم عمدہ بھرے ہوئے گندم سے لبریز ہو جائے گا۔ لہٰذا زیادہ احتیاط اسمیں ہے کہ صاع کا اندازہ آٹھ رطل عمدہ گندم سے لگایا جائے اسلئے کہ اگر عمدہ بھرے ہوئے گندم سے اندازہ لگایا گیا تو جب پیمانہ میں آٹھ رطل اس گندم سے بھرینگے تو وہ لبریز ہو جائے گا اگرچہ وہ اس گندم کی مقدار سے کم میں بھر جائے گا جبکہ گندم کمزور نہ ہوں لیکن اگر ماش سے اندازہ لگایا جائے تو وہ پیمانہ اول سے کم ہوگا اور اسمیں گندم کی انواع میں سے آٹھ رطل نہ سمائینگے پس پہلا صاع لینا احوط ہوگا پھر واضح رہے کہ اس صاع سے مراد عراقی صاع ہے۔ اور صاع حجازی وہ پانچ رطل اور تین رطل کا ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک گندم میں نصف صاع حجازی واجب ہے اور ہمارے نزدیک نصف صاع عراقی واجب ہے اور وہ دو من ہے ایک من چالیس استار کا اور ایک استار ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے لہٰذا من ایک سو اسی مثقال کا ہوا۔ اور صدقۂ فطر میں دو من گندم دیدے تو جائز ہے امام محمدؒ کے نزدیک پیمانہ سے ناپنا ضروری ہے بغیر ناپے درست نہیں (یہاں دو من سے مراد وہی ہے جو چالیس استار کا ہوتا ہے۔ استار ساڑھے چار مثقال کا اور مثقال ساڑھے چار ماشہ کا اور ماشہ آٹھ رتی کا ہو پس مروجہ وزن کے اعتبار سے نصف صاع ایک کلو ۶۳۳ گرام کا ہوا)

تشریح و توضیح نصف صاع الخ گندم میں یہ مقدار حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ثابت ہے اور رہی خرما یا جو میں ایک صاع کی مقدار یہ بھی متعدد احادیث سے جو اصحاب سنن نے روایت کی ہیں ثابت ہے،

فالکیال الخ ۔ حاصل یہ ہے کہ کیال ایسا ہو جو ناپ اور وزن دونوں کے اعتبار سے مساوی ہو اسی لئے اسکے اندازہ کی خاطر ماش اور مسور کی دال کو منتخب کیا گیا کیونکہ ان دونوں کے دانے وزن اور بڑے ہونے کے اعتبار سے تقریباً مساوی ہوتے ہیں اور ان کے درمیان بہت معمولی فرق ہوتا ہے جس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

3/2

العراقی: یعنی وہ صاع جو بلادِ عراق مثلاً کوفہ، بصرہ وغیرہ میں مستعمل ہے، من الحجازی: یعنی وہ صاع جو بلادِ حجاز مکہ مدینہ اور ان کے اطراف میں مستعمل ہو یہ وہ صاع ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مدینہ میں استعمال ہوتا تھا۔ ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں اسکا ذکر کیا ہے۔ امام شافعی نے اسی لئے اسے اختیار کیا ہے اور صاع عراقی وہ صاع ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں استعمال کیا جاتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ نے احتیاطاً اسی کو اختیار کیا تاکہ وجوب کی ادائیگی کامل طور سے یقینی ہو جائے اور کمی کا کوئی احتمال باقی نہ رہے۔

واداء البر فی موضع یشتری به الاشیاء احب وعند ابی یوسفؒ اداء الدراهم احب وتجب علی حر مسلم له نصاب الزکوٰة وان لم ینم وقد ذکرنا فی اول کتاب الزکوٰة ان النماء بالحول مع الثمنیة او السوم او نیة التجارة فمن کان له نصاب الزکوٰة نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة فان کان من احد الثمنین او السائم او مال التجارة تجب علیه الصدقة وان لم یحل علیه الحول وان کان من غیر هذه الاموال کدار لا یکون للسکنیٰ ولا للتجارة وقیمتها تبلغ النصاب تجب بها صدقة الفطر مع انه لا تجب بها الزکوٰة وبه تحرم الصدقة ای فهذا النصاب نصاب حرمان الزکوٰة ولا یشترط فیه النماء بخلاف نصاب وجوب الزکوٰة لنفسه وطفله فقیرا وخادمه ملکا ولو مدبرا او ام ولد اولا فرعا لا لزوجته وولده الکبیر وطفله الغنی بل من ماله ومکاتبه وعبده للتجارة وعبد له ابق الا بعد عوده ولا لعبد او عبید بین اثنین علی احدهما هذا عند ابی حنیفةؒ اما عندهما تجب علیهما ولو بیع بخیار احدهما فعلی من یصیر له بطلوع فجر الفطر فتجب لمن اسلم او ولد قبله ای قبل الطلوع هذا عندنا واما عند الشافعیؒ فتجب بغروب الشمس لیلة العید فمن اسلم فی اللیلة او ولد فیها لا تجب عنده لا لمن مات فی لیلة خلافا للشافعیؒ فانه یجب علیه لانه ادرک وقت الغروب او اسلم او ولد بعده ای بعد طلوع الفجر فانه لا تجب علیهما اجماعا اما عندنا فلانه لم یدرک وقت الطلوع واما عنده فلانه لم یدرک وقت الغروب ولو قدمت جاز بلا فصل بین مدة ومدة وندب تعجیلها ولو اخرت لا تسقط ∴

ترجمہ اور ایسی جگہ صدقۂ فطر میں گندم دینا مستحب ہے جہاں کہ لوگ اور چیزیں گندم سے خریدتے ہوں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر جگہ دراہم (نقد رقم) کا دینا مستحب ہے (تاکہ لینے والا اپنی کسی بھی ضرورت میں کام میں لا سکے) اور صدقۂ فطر ہر مسلمان آزاد صاحبِ نصاب زکوٰۃ پر واجب ہے خواہ وہ مال نامی (بڑھنے والا نہ ہو اور ہم "کتاب الزکوٰۃ" کے شروع میں بیان کر چکے کہ سال پورا گذرنے کے ساتھ نامی ہونے کی قید ثمنیت (نقد میں) یا جنگل میں چرنے والے جانور یا ان دونوں کے علاوہ میں نیت تجارت کے ساتھ ہے پس جس کے پاس زکوٰۃ کا نصاب موجود ہو یعنی نصاب حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو، اگر نصاب ثمنین (سونے یا چاندی) میں سے ایک ہو یا جنگل میں چرنے والے جانوروں یا مالِ تجارت ہو تو خواہ اس پر پورا سال نہ گذرا ہو صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ اور اگر ان مالوں کے علاوہ ہوں مثلاً ایسا گھر جو نہ رہائش کیلئے ہو اور نہ تجارت کیلئے اور اسکی قیمت نصاب تک پہونچی کر

تو اگرچہ اسمیں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی مگر صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ اور ایسے شخص کے واسطے صدقہ لینا حرام ہوگا۔ پس یہ نصاب زکوٰۃ سے محروم کرنے والا نصاب ہے اوراسمیں نامی ہونے کی شرط نہیں۔ اسکے برعکس زکوٰۃ کے وجوب کا نصاب ہے کہ اسمیں نامی ہونے کی بھی قید ہے،،

صدقۂ فطر اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے نابالغ لڑکے غیر صاحب نصاب کی جانب سے اور اپنے خادم کی طرف سے جس کا وہ مالک ہو خواہ ام ولد یا کافر ہی کیوں نہ ہو ادا کرے اور اپنی بیوی اور اپنے بڑے (بالغ) لڑکے اور مالدار چھوٹے لڑکے کی طرف سے دینا واجب نہیں بلکہ اس کے مال سے صدقۂ فطر دے اور اپنے مکاتب غلام اور اپنے اس غلام کی طرف سے جو تجارت کیلئے ہو نہ دے اور اپنے اس غلام کی طرف سے جو بھاگ گیا ہو نہ دے البتہ اسکے لوٹ آنے کے بعد صدقۂ فطر ادا کرے اور وہ غلام یا چند غلام جو دو کے درمیان مشترک ہوں ان کا دونوں میں سے صدقۂ فطر کسی پر واجب نہ ہوگا امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابویوسف وامام محمدؒ کے نزدیک دونوں شریکوں پر صدقۂ فطر واجب ہوگا،

اور اگر دونوں میں سے ایک کے اختیار سے مزاحمت کیا گیا تو عید کی صبح کے وقت وہ جس کا مملوک ہو اسپر اسکا صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ جو شخص عید کی صبح سے پہلے اسلام قبول کرے یا وہ بچہ جو عید کی صبح سے پہلے پیدا ہو یعنی طلوع صبح صادق سے پہلے تو اس کا صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ یہ حکم ہمارے نزدیک ہے امام شافعیؒ کے نزدیک غروب آفتاب کے ساتھ واجب ہوگا۔ پس جو شخص عید الفطر کی رات میں اسلام قبول کرے یا پیدا ہو تو ان کے نزدیک اس کا صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا جو شخص عید کی رات میں مرجائے احناف کے نزدیک اسپر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک اس نے غروب کا وقت پالیا لہٰذا وجوب بھی ہوگیا اور طلوع فجر کے بعد اسلام قبول کرے یا پیدا ہو تو بالاتفاق ان دونوں پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا (یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک بھی واجب نہ ہوگا) ہمارے (احناف) نزدیک تو اسوجہ سے کہ اس نے طلوع کا وقت نہیں پایا اور امام شافعیؒ کے نزدیک اسوجہ سے کہ اسے غروب کا وقت نہیں ملا۔ اور صدقۂ فطر کو مقدم کرنا دن اور مدت کی تعیین کے بغیر جائز ہے۔ اور صبح صادق کے بعد صدقۂ فطر جلد ادا کرنا مستحب ہے۔ اور اگر دینے میں تاخیر کرے تو اسکی وجہ سے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا بلکہ ادائیگی واجب رہے گی

تشریح وتوضیح وادار البرالخ حاصل یہ ہے کہ اگر گندم دینے میں فقیر ومحتاج کا نفع ہو تو وہ دے اور اگر نقد دینا اسکے واسطے زیادہ سودمند ہو تو وہی دینا بہتر ہے مثلاً دوران قحط گندم دینا زیادہ مفید ہوتا ہے،،

تجب بها الخ یعنی ایسا مکان جس کی قیمت نصاب تک پہونچتی ہو اس میں صدقۂ فطر واجب ہوگا حدیث شریف میں ہے۔ لا صدقۃ الا عن ظهر غنی " (مسند احمد) اور مالداری شرعاً یہ ہے کہ حاجتِ اصلیہ سے زائد مال بقدر نصاب کا مالک ہو۔ رہا زکوٰۃ میں نمو اور بڑھوتری کا حکم تو وہ سہولت عطا کرنے کی بنیاد پر ہے۔

لنفسہ الخ اسکے اطلاق میں اسکی طرف اشارہ ہے کہ صدقۂ فطر واجب ہے خواہ کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزے نہ رکھے ہوں۔ " بدائع " وغیرہ میں اسی طرح ہے اور اصل اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر مقرر فرمایا جَو یا خرما میں ایک صاع ہر آزاد یا غلام پر مذکر ہو یا مؤنث مسلمانوں میں سے (یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے) اور " دار قطنی " میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کا حکم فرمایا نابالغ اور آزاد و غلام مسلمانوں کی جانب سے،

او کافر الخ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے، کہ وہ صدقۂ فطر ہر عیال میں سے ہر ایک کا نکالتے تھے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا آزاد ہو یا غلام۔ لو قدمت الخ یعنی اگر وہ مالکِ نصاب ہو اور وہ عید الفطر سے قبل صدقۂ فطر ادا کر دے تو جائز ہے

و ندب الخ یعنی صدقۂ فطر جلد ادا کرنا مستحب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ فطر نماز عید کیلئے روانہ ہونے سے قبل دیتے تھے (یہ روایت مسند حاکم میں موجود ہے)

لا تسقط الخ یعنی تاخیر کی وجہ سے صدقۂ فطر ساقط نہ ہوگا اسکا مقصود کیونکہ فقیر و ضرورت مند کی ضرورت رفع کرنا اور سوال سے روکنا ہے لہذا اسمیں کسی مقرر وقت کی قید نہیں اور بہرصورت اسکی ادائیگی واجب ہے،

كتاب الصوم

وهو ترك الاكل والشرب والوطی من الصبح الى الغروب مع النية وصوم رمضان فرض على كل مسلم مكلف اداء وقضاء وصوم النذر والكفارة واجب وغيرها نفل ذكر فى النهاية ان صوم رمضان فريضة لقوله تعالى كتب عليكم الصيام وعلى فرضيته انعقد الاجماع ولهذا يكفر جاحده والمنذور واجب لقوله تعالى وليوفوا نذورهم وقيل فى الحواشي ان قوله تعالى وليوفوا نذورهم عام خص منه البعض وهو النذر بالمعصية والطهارة وعيادة المريض وصلوة الجنازة فلا يكون قطعيا فيكون واجبا

اقول المنذور اذا کان من العبادات المقصودۃ کالصلوٰۃ والصوم والحج ونحو ذٰلک فلزومہ ثابت بالاجماع فیکون قطعیّ الثبوت وان کان سند الاجماع ظنیا وھو العام المخصوص البعض فینبغی ان یکون فرضا وکذا صوم الکفارۃ لان ثبوتہ بنصّ قطعی مؤیّد بالاجماع فقول صاحب الھدایۃ ان المنذور واجب یمکن انہ اراد بالواجب الفرض کما قال فی افتتاح کتاب الصوم الصوم ضربان واجب نفل ویصح صوم رمضان والنذر المعین بنیۃ من اللیل الی الضحوۃ الکبرٰی لاعندھا فی الاصح اعلم ان النھار الشرعی من الصبح الی الغروب فالمراد بالضحوۃ الکبرٰی منتصفہ ثم لابد ان تکون النیۃ موجودۃ فی اکثر النھار فیشترط ان تکون قبل الضحوۃ الکبرٰی وفی الجامع الصغیر بنیۃ قبل نصف النھار الشرعی وفی مختصر القدوری الی الزوال والاول اصح۔

ترجمہ روزہ نام ہے کھانے پینے اور ہمبستری صبح صادق سے غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ ترک کرنا۔ اور رمضان شریف کا روزہ ہر مسلمان عاقل بالغ پر ادا اً اور قضاءً فرض ہے۔ اور نذر و کفارہ کا روزہ واجب ہے اور ان دونوں کے علاوہ باقی نفل ہیں

ہدایہ" میں بیان کیا گیا ہے کہ رمضان شریف کا روزہ فرض ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے "کتب علیکم الصیام" (تم پر روزے فرض کئے گئے) اور رمضان شریف کا روزہ فرض ہونے پر اجماع ہے۔ اور اسی طرح بالاجماع اسکی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے اور نذر کا روزہ واجب ہے "ولیوفوا نذورھم" (اپنی نذر پوری کریں) اور "ہدایہ" کے حواشی میں کہا گیا ہے کہ ارشاد ربانی "ولیوفوا نذورھم" عام ہے اسمیں سے بعض کو خاص کر لیا گیا اور وہ نذر بالمعصیۃ (کسی گناہ کی نذر) ہے اور طہارۃ (پاکی) کی اور مریض کی عیادت کی اور نمازِ جنازہ کی نذر ہے۔ پس یہ قول قطعی نہ ہوگا۔ لہٰذا روزہ کی نذر واجب ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ نذر کردہ شے اگر عباداتِ مقصودہ میں سے ہو مثلاً نماز اور روزہ اور حج وغیرہ پس اسکا لزوم بالاجماع ثابت ہونے کی بنا پر قطعی الثبوت ہوگا۔ اور اگر اجماع کی سند (اہل اجماع نے جس سے استناد کیا ہو) اور وہ عام ہے جسمیں سے بعض کو خاص کر لیا۔ تو موزوں یہ ہے کہ نذر کا روزہ فرض ہو اور اسی طرح کفارہ کا فرض ہو کیونکہ اس کا ثبوت نص قطعی سے ہے جو اجماع کی تائید کرتا ہے تو صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ نذر کردہ شے واجب ہے ممکن ہے کہ انھوں نے واجب سے فرض کا ارادہ کیا ہو جیسا کہ "صاحب ہدایہ" نے کتاب الصوم کے شروع میں کہا ہے کہ روزہ کی دو قسمیں ہیں۔ واجب اور نفل۔ اور صحیح ہے رمضان کے روزے اور نذرِ معین کے روزہ کی نیت رات سے نصف دن سے پہلے تک۔ نصف دن کو درست نہیں زیادہ صحیح قول کے مطابق۔ واضح رہے

کہ شرعاً معتبر دن صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے پس مراد "الضحوۃ الکبریٰ" سے نصف دن ہے - پھر نیت کا ہونا ضروری ہے دن کے اکثر حصہ میں لہٰذا "ضحوۃ کبریٰ" سے پہلے نیت ہونی شرط ہے اور "جامع صغیر" میں ہے کہ نیت شرعی نصف النہار سے قبل ہونی چاہیئے اور "مختصر القدوری" میں ہے کہ زوال تک درست ہے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح وتوضیح کتاب الصوم الخ یہ اسلام کا تیسرا رکن ہے - موزوں یہ تھا کہ اس کا بیان نماز کے بعد ہوتا مگر کیونکہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کا ذکر نماز کے ساتھ ساتھ کیا گیا ہے لہٰذا نماز کے بعد زکوٰۃ کے احکام بتلائے اور زکوٰۃ کے بعد روزہ کے احکام بیان کئے جا رہے ہیں حج پر روزہ کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ روزہ تو ہر سال فرض ہے اور حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے ھو الخ یہ تو روزہ کی شرعاً معتبر تعریف ہے اور لغت میں اسکے معنی مطلقاً رک جانے کے ہیں "

رمضان الخ یہ شعبان اور شوال کے درمیانی مہینہ کا نام ہے، اس کا یہ نام اسلئے رکھا گیا ہے کہ اسمیں گناہ محو اور کم ہو جاتے ہیں،

نفل، اس سے وہ مراد ہے جو فرض اور واجب کے مقابلہ میں ہو پس یہ مستحب اور سنت مؤکدہ کو شامل ہے۔

الزوال - یعنی زوال آفتاب اور عرفاً یہ نصف النہار کہلاتا ہے، اصح - یعنی یہ کہ نیت دن کے اکثر حصہ میں ضروری ہے،

وبنیۃ مطلقۃ او بنیۃ نفل وأداء رمضان بنیۃ واجب آخر الا فی مرض او سفر بل عما نوی والنذر المعین عن واجب آخر نواہ ای اداء رمضان یصح بنیۃ واجب آخر الا فی المرض او السفر فانہ یقع عن ذلک الواجب واذا نذر صوم یوم معین فنوی فی ذلک الیوم واجبا آخر یقع عن ذلک الواجب سواء کان مسافرا ومقیما صحیحا او مریضا او عبارۃ المختصر ھذا ویصح اداء رمضان بنیۃ قبل نصف النہار الشرعی وبنیۃ نفل وبنیۃ مطلقۃ وبنیۃ واجب آخر الا فی سفر او مرض وکذا النفل والنذر المعین الا فی الاخیر ای حکم النفل والنذر المعین حکم اداء رمضان الا فی الاخیر وھو الواجب الآخر

ترجمہ اور رمضان کا روزہ مطلق نیت (کہ میں کل روزہ رکھوں گا) یا نفل کی نیت سے بھی درست ہو جائے گا - اور رمضان کے مہینہ میں دوسرے واجب کی نیت سے بھی رمضان کا روزہ صحیح ہو جائیگا لیکن اگر مریض یا مسافر رمضان میں دوسرے واجب کی نیت کرے تو جس واجب کی نیت کی وہی

ادا ہوگا۔ اور معین (دن) کی نذر میں اگر دوسرے واجب کی نیت کرلی تو نیت کردہ واجب ہی ادا ہوگا یعنی رمضان کا روزہ دوسرے واجب کی نیت سے بھی ادا ہو جائے گا مگر مرض یا سفر نیت کردہ واجب ہی ادا ہوگا۔ (کیونکہ سفر اور مرض میں رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور اگر معین دن کے روزہ کی نذر کرے پھر اس دن کسی دوسرے واجب کی نیت کرلے تو وہ دوسرا واجب ہی ادا ہوگا) خواہ نذر کرنے والا مسافر ہو یا مقیم تندرست ہو یا بیمار۔ اور مختصر کی عبارت یہ ہے۔ اور رمضان کے روزہ کی ادائیگی کی نیت شرعی نصف النہار سے قبل درست ہے، اور نفل کی نیت اور مطلق نیت اور دوسرے واجب کی نیت سے بھی درست ہے لیکن سفر یا بیماری میں درست نہیں۔ (بلکہ خاص طور پر اسکی نیت ضروری ہے) اور اسی طرح نفل اور نذر معین میں مطلق روزہ کی نیت صحیح ہے لیکن دوسرے واجب کی نیت بس یہ دونوں اس سے الگ ہیں،

تشریح وتوضیح وبنية الصوم الخ رمضان کے روزہ میں مطلق نیت کافی ہے مثلاً کہدے کہ میں روزہ کی نیت کرتا ہوں فرض یا نفل کا اظہار نہ کرے۔ اسی طرح اگر نفل روزہ یا دوسرے واجب کی نیت کرے جیسے کفارہ کا روزہ تو کیونکہ رمضان فرض روزے کیلئے متعین ہے اور اسکی فرضیت من جانب اللہ ہے اور یہ بہر صورت تعیین عبد سے فوقیت رکھتا ہے لہٰذا مطلق نیت کافی ہو جائے گی

الا فی مرض : یعنی رمضان شریف میں جب مریض یا مسافر نے کوئی اور واجب روزہ رکھا تو کیونکہ بوجہ اجازتِ انطار اس کیلئے رمضان شعبان کی طرح ہے،
لہٰذا جس واجب کی نیت کرے گا وہی ادا ہوگا۔

والنفل بنيته و بنية مطلقة قبل الزوال لا بعده وشرط للقضاء والكفارة والنذر المطلق التبييت والتعيين اى المراد بالتبييت ان ينوى من الليل وان غم ليلة الشك اى ليلة الثلثين من شعبان لا يصام الا نفلا ولو صامه لواجب آخر كره و يقع عنه فى الاصح اى يقع عن الواجب الآخر فى الاصح وقيل يقع تطوعا لان غيره منهى عنه فلا يتأدى به الواجب ان لم يظهر رمضانيته والا فعنه اى عن رمضان فان صوم رمضان يتأدى بنية واجب آخر والتنفل فيه اى فى يوم الشك احب اجماعا ان وافق صوما يعتاده والا يصوم الخواص كالمفتى والقاضى ويفطر غيرهم بعد الزوال ولا صوم لو نوى ان كان الغد من رمضان فانا صائم عنه والا فلا وكره لو نوى ان كان الغد من رمضان فانا صائم عنه والا فعن واجب آخر والا فعن نفل اى لو نوى ان كان الغد

من رمضان فانا صائم عنه والا فعن نفل فان ظهر رمضانيته كان عنه لوجود مطلق النية والا فنفل فيهما اى فيما قال والا فعن واجب آخر وفيما قال والا فعن نفل اما فى الصورة الاولى فلانه متردد فى الواجب الآخر فلا يقع عنه فبقى مطلق النية فيقع عن النفل وفى الثانية لوجود مطلق النية ايضاً :-

ترجمہ اور نفلی روزہ زوال سے قبل نفل کی نیت سے اور مطلق نیت سے صحیح ہو جاتا ہے۔ زوال کے بعد نہیں (زوال کے بعد نیت سے درست نہیں ہوتا) اور قضاء اور کفارہ اور مطلق نذر کے روزہ میں رات سے نیت کرنا اور روزہ کی تعیین شرط ہے۔ تبییت ،، سے مراد رات سے روزہ کی نیت کرنا ہے، اور اگر شک کی رات میں ابر ہو یعنی شعبان کے تیسویں رات میں۔ اسکے دن میں روزہ نہیں رکھا جائے گا مگر نفل روزہ جائز ہے اور یوم الشک میں کوئی اور واجب روزہ رکھنا مکروہ ہے اور زیادہ صحیح قول کے مطابق رکھے گا تو ادا ہو جائے گا یعنی زیادہ صحیح قول کے مطابق دوسرا واجب روزہ ادا ہو جائے گا۔ اور بعض کے نزدیک روزہ نفل ہوگا واجب ادا نہ ہوگا کیونکہ[م] بشرطیکہ اس دن کا رمضان کا دن ہونا ظاہر نہ ہو ورنہ وہ روزہ رمضان کا قرار دیا جائے گا، اسلئے کہ رمضان کا روزہ دوسرے واجب کی نیت سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور شک کے دن نفل روزہ رکھنا سب کے نزدیک مستحب ہے بشرطیکہ وہ اس دن روزہ رکھنے کا عادی ہو ورنہ خاص لوگ اس دن روزہ رکھیں مثلاً مفتی اور قاضی۔ اور عام لوگ زوال کے بعد افطار کرلیں اور اس طرح روزہ رکھنا صحیح نہ ہوگا یہ نیت کرے کہ اگر کل رمضان ہو تو میرا روزہ رمضان کا ہے اور رمضان نہ ہو تو دوسرے واجب کا ہے ورنہ نفل کا ہے۔ پس اگر اگلے دن رمضان ہو تو اس کا روزہ رمضان کا ہو جائے گا کیونکہ مطلق نیت (مقید کے ضمن میں) پائی گئی ورنہ دونوں صورتوں میں یہ روزہ نفل ہوگا یعنی وہ صورت جس میں کہا والا فعن واجب ،، اور یہ کہا ،، والا فعن نفل ،، پہلی صورت میں (یعنی جب اس نے کہا ،، والا فعن واجب آخر) وہ دوسرے واجب کے بارے میں متردد و مذبذب ہے لہذا دوسرا واجب ادا نہ ہوگا۔ پس مطلق نیت باقی رہ گئی تو اس کا روزہ نفلی ہو جائے گا۔ اور دوسری صورت میں (مقید کے ضمن میں) مطلق نیت بھی پائی گئی۔ (لہذا رمضان نہ ہونے کی صورت میں یہ روزہ نفلی ہو جائے گی ،،

تشریح و توضیح قبل الزوال الخ۔ یعنی نصف النہار شرعی مراد ہے ، والتعیین الخ تعیین کی شرط اسلئے ہے کہ قضاء کا روزہ یا کفارہ کا روزہ یا نذر مطلق کا روزہ کیونکہ اسے مزاحم ہر روزہ ہے اسلئے تعیین کی ضرورت پیش آئی۔ اس کے برعکس رمضان اور نذر

م نفل روزہ کے علاوہ کوئی اور اس روز منع ہوگا یہ ہے لہذا واجب ادا نہیں ہوگی

معین کا روزہ کہ اسمیں منجانب اللہ تعیین ہے یا منجانب العبد تعیین ہے، پس مطلق نیت بھی کافی ہے، "الا نفلاً" الخ یعنی نہ رمضان کے روزہ کی نیت کرے اور نہ دوسرے واجب کی مثلاً نذر اور قضاء وکفارہ کا روزہ۔ کیونکہ اول مکروہ تحریمی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ "رمضان سے قبل روزہ نہ رکھو۔ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور عید کا چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اور اگر تمہارے اور چاند کے درمیان بادل حائل ہو جائے تو تیس کا عدد پورا کرو۔ (یہ روایت ترمذی میں موجود ہے) اور دوسرا (یعنی دوسرے واجب کا روزہ یوم الشک میں) مکروہ تنزیہی وخلاف اولیٰ) ہے "ہدایہ" اور "نہایہ" میں اسی طرح ہے،

"لوجود مطلق النیۃ"، اسلئے کہ جب فرض اور نفل کے درمیان تردد ہو اور دونوں میں سے کوئی متعین نہ ہو تو تعیین لغو ہو کر اطلاق باقی رہ جائے گا"

ومن رأى هلال صوم او فطر وحده يصوم وان رُدَّ قوله وان افطر قضى ذكر القضاء فقط البيان انه لا كفارة عليه خلافا للشافعيؒ وقبل بلا دعوىٰ ولفظ اشهدُ للصوم مع غيم خبرُ فردٍ بشرط انه عدلٌ ولو قنا او امرأة او محدودًا في قذف تائبا وشرط للفطر رجلان او رجل وامرأتان ولفظ اشهد لا الدعوى وبلا غيم شرط جمعٌ عظيمٌ فيهما الجمع العظيم جمع يقع العلم بخبرهم ويحكم العقل بعدم تواطئهم على الكذب وبعد صوم ثلثين بقول عدلين حل الفطر وبقول عدل لا اى اذا شهد واحدٌ عدلٌ بهلال رمضان وفي السماء علة فصاموا ثلثين يومًا لا يحل الفطر لان الفطر لا يثبت بقولِ واحدٍ خلافا لمحمدؒ فان الفطر عنده يثبت بتبعية الصوم وكم من شئ يثبت ضمنا ولا يثبت قصدًا والاضحىٰ كالفطر اى في الاحكام المذكورة

ترجمہ اور جو شخص تنہا رمضان یا عید کا چاند دیکھے تو وہ روزہ رکھے گا اگرچہ اسکی شہادت قبول نہ کی جائے، اگر وہ اس دن افطار کرلے تو قضاء کرے محض قضاء کو اسلئے بیان کیا کہ اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا۔ اگر آسمان پر ابر ہو یا غبار ہو تو رمضان کیلئے ایک عادل شخص کی خبر کافی ہے اگرچہ وہ شخص غلام ہو یا عورت ہو یا اس نے کسی کو زنا سے متہم کیا ہو اور اسے دُرے لگائے گئے ہو اور پھر وہ توبہ کرچکا ہو۔ اسے لفظ دعوی یا شہادت کہنا ضروری نہیں۔ اور مطلع صاف ہو تو رمضان اور شوال کے چاند کیلئے ایک بڑے مجمع (بہت سے لوگوں) کی شرط ہے "الجمع العظیم" سے مراد اتنے افراد ہیں کہ اتنے افراد

ں شہادت سے یقینی علم حاصل ہوجائے اور عقل اتنے لوگوں کے جھوٹ پر اتفاق کو محال سمجھے اور تیس روزے پورے ہونے کے بعد دو عادل شخص شوال کے چاند کی گواہی دیں، تو افطار کرنا جائز ہے اور ایک عادل شخص شہادت دے تو افطار جائز نہیں یعنی اگر ایک شخص رمضان کے چاند کی (۲۹ کو) شہادت دے۔ اور آسمان ابر آلود (یا غبار آلود) ہو تو لوگ تیس روزے رکھیں گے اور ان کیلئے افطار کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ افطار محض ایک شخص کے قول سے ثابت (اور درست) نہیں ہوتا۔ امام محمدؒ کے نزدیک ایک شخص کی گواہی سے بھی افطار درست ہے اسلئے کہ افطار ان کے نزدیک بہ تبعیت صوم ثابت ہوجاتا ہے اور بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوجاتی ہیں اگرچہ قصداً (اور علیحدہ سے) ثابت نہ ہوتی ہوں اور ذکر کردہ احکام میں عید الاضحیٰ کا حکم عید الفطر کا سا ہے ،،

تشریح و توضیح ومن رای الخ ۔ یعنی اگر کوئی عاقل بالغ مسلمان تنہا رمضان کے چاند کی شہادت دے اور اسکی گواہی ناقابلِ قبول قرار دی جائے، خواہ کسی بھی وجہ سے ہو تو اسے پھر بھی روزہ رکھنا لازم ہے، ارشادِ ربانی ہے ۔ فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ ،، اور اسکے نزدیک رمضان شریف کی آمد اسکی روایت کے باعث متحقق ہوگئی اسی طرح اگر شوال کا چاند دیکھے اور اسکی شہادت رد کردی جائے تو وہ احتیاطاً روزہ رکھے گا۔

خلافاً للشافعیؒ :- امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اسپر کفارہ واجب ہوگا بلا دعوی یعنی اس کیلئے یہ کہنا شرط نہیں کہ میں دعوی کرتا ہوں یا میں شہادت دیتا ہوں کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے نہیں جس کیلئے دعوے اور شہادت کی ضرورت ہو۔

فرد الخ: یعنی ایک عادل (غیر فاسق) کی شہادت بھی رمضان کیلئے کافی ہے اور ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کیلئے ایک شخص کی گواہی قبول فرمائی (یہ روایت اصحاب سنن نے روایت کی ہے) تائباً الخ ۔ یعنی توبہ کرلے تو وہ دائرہ فسق سے نکل جائے گا اور توبہ نہ کرے تو اسکا شمار فاسقوں میں ہوگا اور اسکی شہادت ارشاد ربانی ،، ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا ،، (الآیۃ) کے تحت ناقابلِ اعتبار اور ناقابل قبول ہوگی ،،

و بعد صوم ثلثین ۔ یعنی تیس روزے پورے ہونے کے بعد اگر دو آدمی روایت کی شہادت دیں تو ان کی گواہی پر افطار درست ہوگا کیونکہ مہینہ تیس سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔

علۃ الخ: یعنی روایت سے روکنے والی کوئی چیز ہو مثلاً ابر یا غبار حائل ہوجائے ۔

باب موجب الافساد

بفتح الجیم ما یوجبہ الافساد کالقضاء والکفارۃ من جامع او جومع احد السبیلین او اکل او شرب غذاءً او دواءً عمداً او احتجم فظن انہ فطرہ فاکل عمداً قضی وکفر کالمظاہر ای کفارتہ مثل کفارۃ الظہار وھو ای التکفیر بافساد صوم رمضان لا غیرہ بافساد اداء صوم رمضان عمداً وان افطر خطأً وھو ان یکون ذاکراً للصوم فافطر من غیر قصد کما اذا مضمض فدخل الماء فی حلقہ او مکرہاً او احتقن او استعط ای صب الدواء فی الانف فوصل الی قصبۃ الانف او اقطر فی اذنہ او داوی جائفۃ او امۃ فوصل الی جوفہ او دماغہ الجائفۃ الجراحۃ التی بلغت الجوف والامۃ الشجۃ التی بلغت امّ الدماغ او ابتلع حصاۃ او استقاء ملأ فمہ او تسحر او افطر یظنہ لیلا وھو یوم او اکل ناسیا وظن انہ فطرہ فاکل عمداً او جومعت نائمۃ او لم ینو فی رمضان کلہ لا صوما ولا فطرا او اصبح غیر ناو للصوم فاکل قضی فقط ولو اکل او شرب او جامع ناسیا ای غیر ذاکر للصوم او نام فاحتلم او نظر فانزل او دھن او اکتحل او اغتاب او غلبہ القیٔ او تقیأ قلیلا او اصبح جنباً او صبّ فی احلیلہ دھن او فی اذنہ ماء او دخل غبار او دخان او ذباب فی حلقہ لم یفطر والمطر والثلج یفسدان فی الاصح

ترجمہ جیم کے زیر کے ساتھ وہ چیز جس سے روزہ فاسد ہو جائے اور اسکی قضا وکفارہ کا بیان جو شخص کہ قصداً صحبت کرے یا اس سے ہمبستری کی جائے اگے یا پیچھے کے راستوں میں سے کسی راستہ میں یا قصداً کھالے یا پی لے غذاءً یا دواءً یا پچھنے لگوائے پھر بدگمانی کرکے کہ اس کا روزہ باقی نہیں رہا عمداً کھالے تو روزہ کی قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہونگے۔ اسکا کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح ہوگا اور کفارہ محض رمضان کا روزہ قصداً توڑنے کی صورت میں ہے۔ اسکے علاوہ میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ یعنی کفارہ محض اس شکل میں ہے کہ رمضان کا روزہ عمداً فاسد کردے۔ اور اگر غلطی سے روزہ افطار کرے۔ وہ یہ کہ اسے روزہ یاد تھا مگر بلا ارادہ افطار ہوگیا جیسے کلی کرتے ہوئے پانی حلق میں چلا جائے۔ یا کوئی اسے زبردستی افطار کرادے۔ یا حقنہ لے یا ناک میں دوا ڈالے۔ یعنی ناک میں دوا ڈالے اور وہ ناک کی ہڈی تک (اندرونی حصہ تک) پہونچ جائے۔ یا کان میں دوا ڈالے یا

جو پیٹ یا سر کے زخم پر دوا لگائے - اور وہ پیٹ یا دماغ تک پہونچ جائے - الجائفۃ وہ زخم پیٹ کے اندرونی حصہ تک ہو اور "الا مۃ" وہ زخم جو ام الدماغ تک پہونچ گیا ہو یا گٹھی نگل لے یا منہ بھر کر (ارادتاً) قے کرے یا سحری کھائی یا افطار کیا رات کا گمان کرتے ہوئے حالانکہ وہ دن تھا یا بھول کر کھا لیا اور یہ خیال کرے کہ روزہ باقی نہیں رہا قصداً کھا لیا یا کسی سوتی ہوئی عورت سے صحبت کی گئی یا پورے رمضان میں نہ روزہ رکھنے کی نیت کی اور نہ افطار کی یا صبح تک روزہ کی نیت نہیں کی اور پھر کھا لیا تو ان سب صورتوں میں صرف قضاء لازم ہوگی - اور اگر بھول کر کھا لیا یا پی لیا یا ہمبستری کی یعنی روزہ یاد ہی نہ رہا یا سویا اور اسے احتلام ہوا یا کسی کی جانب (شہوت سے) دیکھا اور انزال ہو گیا یا تیل ملا یا سرمہ لگایا یا کسی کی غیبت کی یا اس پر قے غالب ہوئی اور بے اختیار نکل گئی) یا اس نے قے کی تھوڑی سی (یعنی منہ بھر کر نہیں کی) یا بحالت جنابت صبح ہوگئی (اور غسل نہیں کیا) یا اس نے آلۂ تناسل کے سوراخ میں تیل ڈالا یا اپنے کان میں پانی ٹپکایا یا حلق میں غبار یا دھواں یا مکھی داخل ہوگئی تو ان سب صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا اور بارش یا برف کا پانی منھ میں چلا جائے تو زیادہ صحیح قول کے مطابق روزہ فاسد ہو جائے گا۔

تشریح و توضیح

او ادھن الخ :- یعنی سر یا ڈاڑھی میں تیل استعمال کرے، اغتاب الخ :- غیبۃ سے مشتق ہے پس پشت کسی کی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ شخص سنے تو ناپسند کرے - اور اگر ایسی برائی بیان کرے جو واقعتاً اس شخص میں نہ ہو تو وہ بہتان ہے جو غیبت سے بھی بڑھ کر ہے - او اصبح الخ : یعنی کوئی شخص اس حال میں صبح کرے کہ وہ ہمبستری یا احتلام کی وجہ سے ناپاک ہوا اور اسکے اوپر غسل واجب ہو - لم یفطر الخ یعنی ان صورتوں میں روزہ فاسد نہ ہوگا - کیونکہ مروی ہے کہ ایک شخص نے بھول کر کھا اور پی لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا روزہ باقی ہے - اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا اور پلایا - (یہ روایت صحاح ستہ دارقطنی اور ابن حبان وغیرہ میں قریب قریب ایک سے الفاظ کے ساتھ موجود ہے) یہ حکم جو بھول کر کھانے پینے کا ہے یہی بھول کر ہمبستری کا بھی ہے رہی احتلام (خواب میں مادۂ منویہ نکل جانا) کی صورت تو حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزوں سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹتا (۱) پچھنے لگوانا (۲) قے (۳) احتلام -

---

ولو وطی میتۃ او بہیمۃ او فی غیر فرج وھو التفخیذ او قبل او لمس ان انزل قضی والا فلا ولو اکل لحما بین اسنانہ مثل حمصۃ قضی فقط وفی اقل منہا لا الا اذا اخرجہ واخذہ بیدہ ثم اکل التقیید بالاخذ بالید وقع اتفاقا ولو بدأ باکل سمسمۃ فسد

الا اذا مضغ فانه یتلاشی فی فمه بالمضغ و قیٔ کثیر عاد او اعید یفسد لا القلیل فی الحالین وعند محمد یفسد باعادة القلیل لا عود الکثیر اذا عاد القیٔ فالمعتبر عند ابو یوسف الکثرة ای ملٔ الفم وعند محمد یعتبر الصنع ای الاعادة ففی اعادة الکثیر یفسد اتفاقا وفی عود القلیل لا یفسد اتفاقا وفی اعادة القلیل لا یفسد عند ابی یوسف خلافا لمحمد و فی عود الکثیر یفسد عند ابی یوسف لا عند محمد وکره له الذوق ومضغ شیٔ لا طعام الصبی ضرورة والقبلة ان لم یامن لا الکحل ودهن الشارب والسواک ولو عشیا احتراز عن قول الشافعی اذ عنده یکره عشیا لانه یزیل الخلوف وشیخ فان عجز عن الصوم یفطر و یطعم لکل یوم مسکینا کالفطرة ویقضی ان قدر وحامل او مرضع خافت علی نفسها او ولدها ومریض خاف زیادة مرضه او المسافر افطر واو قضوا بلا فدیة قیل حل الافطار مختص بمرضعة آجرت نفسها للارضاع ولا یحل للوالدة اذ لا یجب علیه الارضاع اقول لو کان حل الافطار بناء علی وجوب الارضاع فعقد الاجارة لو کان قبل رمضان یحل لها الافطار لکن لو لم یکن قبل رمضان بل توجر نفسها فی رمضان ینبغی ان لا یحل لها الافطار اذ لا یجب علیها الاجارة الا اذا دعت الفرض الیها اما الوالدة فلا یحل لها الافطار الا اذا تعینت فحینئذ یجب علیها الارضاع فیحل لها الافطار ؛ ـــــ

ترجمہ اور اگر مردہ یا چوپائے سے صحبت کرے یا شرمگاہ کے علاوہ میں اور وہ ران ہے اس میں صحبت کرے یا بوسہ دے یا چھوئے ان تمام شکلوں میں اگر انزال ہو تو قضاء کرے اور انزال نہ ہو تو قضاء نہ کرے۔ اور اگر وہ گوشت کھائے جو دانتوں کے درمیان ہو اور وہ چنے کے برابر ہو تو محض قضاء کرے اور چنے سے کم ہو تو قضاء لازم نہ ہوگی۔ البتہ اگر وہ گوشت ہاتھ سے نکال کر پھر کھالے (تو قضاء لازم ہوگی) ہاتھ سے نکال کر کھانے کی یہ قید اتفاقی ہے (یہ قید عادت کے مطابق ہے ورنہ منھ سے نکال کر جس طرح بھی کھائے اگرچہ قلیل ہو روزہ فاسد ہونے کا حکم ہوگا) اگر کوئی شخص ایک تل نگل لے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ البتہ اگر اسے چبالے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اسلئے کہ چبانے سے وہ منھ ہی میں ختم ہو جائے گا (اور حلق تک نہیں پہونچے گا) اور منھ بھر کر قے ہو اور وہ لوٹ جائے یا لوٹائی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور قے تھوڑی ہو (منھ بھر کر نہ ہو) تو دونوں صورتوں میں روزہ فاسد نہ ہوگا ـــــ امام محمدؒ کے نزدیک خواہ قے تھوڑی ہو لوٹانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور خود لوٹنے میں اگرچہ قے کثیر ہو (منھ بھر کر ہو) روزہ فاسد نہ ہوگا

جب قے ہونے تو معتبر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کثرت یعنی منہ بھر کر ہونا ہے (کہ منہ بھر کر ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا) اور امام محمدؒ کے نزدیک روزہ دار کا فعل قابل اعتبار ہوگا یعنی قے کا لوٹانا پس اگر لوٹائی جانے والی قے کثیر (منہ بھر کر) ہو تو بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا اور قے قلیل خود بخود لوٹ جائے تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اور تھوڑی مقدار میں قے ہو تو اسے لوٹانے سے امام محمدؒ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گا اور کثیر (منہ بھر کر) قے خود بخود لوٹے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا، امام محمدؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگا روزہ دار کو کسی چیز کا چکھنا اور چبانا مکروہ ہے۔ البتہ ضرورتاً بچہ کو کھانا چبا کر اور نرم کر کے دینا مکروہ نہیں۔ اور بوسہ لینا مکروہ ہے اگر جماع وصحبت کے اندیشہ سے مامون نہ ہو۔ سرمہ لگانا اور مونچھ پر تیل لگانا اور مسواک کرنا اگرچہ زوال کے بعد ہو مکروہ نہیں اسمیں امام شافعیؒ کے قول سے احتراز ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے اسلئے کہ اس سے روزہ دار کے منہ کی بو زائل ہوتی ہے (جو عند اللہ محمود ہے) اور شیخ فانی جو روزہ رکھنے سے عاجز و مجبور ہو روزہ نہ رکھے اور (ایسا شخص) ہر دن (ایک روزہ کے بدلے) صدقہ فطر کے بقدر (موجودہ وزن سے ایک کلو ۶۳۳ گرام) دے اور بوڑھا (شیخ فانی) اگر روزہ رکھنے پر قادر ہو جائے تو قضاء کرے اور حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو اگر اپنی یا بچہ کی طرف سے ہلاکت کا اندیشہ ہو یا بیمار ہو اور مرض میں زیادتی کا اندیشہ ہو یا مسافر ہو تو یہ افطار کریں اور عذر ختم ہونے کے بعد بغیر فدیہ کے قضاء کریں کہتے ہیں کہ افطار کرنا اس دودھ پلانے والی کیلئے جائز ہے جو اجرت پر دودھ پلائے والدہ کیلئے افطار کرنا جائز نہیں کیونکہ اسپر دودھ پلانا واجب نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ اگر افطار دودھ پلانا واجب ہونے کی بنیاد پر حلال وجائز ہو پس عقد اجارہ (اجرت پر دودھ پلانا) اگر رمضان سے قبل ہو تو اس کیلئے افطار کرنا جائز ہے لیکن اگر رمضان سے پہلے نہ ہو بلکہ عین رمضان میں دودھ پلانے والی کو اجرت پر مقرر کیا تو مناسب یہ ہے کہ اسکے واسطے افطار کرنا جائز نہ ہو اسلئے کہ اسپر اجارہ واجب نہیں البتہ اگر اس اجارہ کی رمضان میں ضرورت ہی ہو تو اور بات ہے اور رہی والدہ تو اس کے لئے وہ متعین ہو جائے تو اسوقت اسپر دودھ پلانا واجب ہوگا پس اسکے واسطے افطار حلال ہوگا۔

تشریح وتوضیح

ان انزل الخ اگر شرمگاہ کے علاوہ میں صحبت کی بنا پر انزال ہو تو محض قضاء لازم آئے گی کیونکہ یہ حقیقتاً جماع وصحبت نہیں بلکہ اصطلاح میں اس کا نام ایلاج ہے۔

جبلا شیئ الخ۔ کیونکہ چبانے کی بنا پر وہ تھوک میں ملنے کے باعث فنا ہو جائے گا اور اس کا عدم اور وجود برابر ہوگا لہذا اسکی وجہ سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

والقبلۃ الخ: قاف کے پیش کے ساتھ یعنی ایسے شخص کیلئے جسے یہ اندیشہ ہو کہ شہوت زیادہ ہو کر ہمبستری پر مائل کرے گی اور روزہ باقی رکھنا دشوار ہو جائے گا اسکیلئے بوسہ لینا مکروہ ہے اسی طرح چھونے کا حکم ہے لیکن اگر اسطرح کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو اسمیں مضائقہ نہیں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ تقبیل فرماتے تھے۔

بلافدیۃ: اصل اس بارے میں یہ ارشاد ربانی ہے "ومن کان منکم مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام اخر" (الایۃ) یعنی اگر افطار کرے تو اسپر جتنے روزے فوت ہوئے ہوں بعدہ والی بقدر قضا لازم ہے۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی کو بھی مریض کے حکم میں داخل کیا گیا اور ان پر روزہ کی صرف قضاء لازم ہوئی اسکی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کو روزہ نہ رکھنے (اور بعد میں قضاء) کی رخصت عطا فرمائی (اصحاب سنن نے یہ روایت نقل کی ہے،)۔

وصوم مسافر لا یضرہ احب ولا قضاء ان مات فی سفرہ او مرضہ ای لا تجب الفدیۃ وان صح واقام ثم مات فدی عنہ ولیہ بقدر ما فات عنہ ان عاش بعدہ بقدرہ والا فبقدرھما ای بقدر الصحۃ والاقامۃ فانہ اذا فاتت عشرۃ ایام فاقام بعد رمضان خمسۃ ایام ثم مات او صح بعد رمضان خمسۃ ایام ثم مات فعلیہ فدیۃ خمسۃ ایام وشرط لھا الایصاء ویصح من الثلث وفدیۃ کل صلوٰۃ کصوم یوم وھو الصحیح وعند البعض فدیۃ صلوٰۃ یوم واحد کفدیۃ صوم یوم واحد ویقضی رمضان وصلا وفصلا فان جاء آخر صامہ ثم قضی الاول بلا فدیۃ وعند الشافعیؒ تجب الفدیۃ ولا یصوم ولا یصلی عنہ ولیہ ویلزم صوم نفل شرع فیہ اداء وقضاء ای یجب علیہ اتمامہ فان افسد فعلیہ القضاء الا فی الایام المنھیۃ وھی خمسۃ ایام عید الفطر وعید الاضحی مع ثلثۃ ایام بعدہ ولا یفطر بلا عذر فی روایۃ ای اذا شرع فی صوم التطوع لا یجوز لہ الافطار بلا عذر لانہ ابطال العمل وفی روایۃ اخریٰ یجوز لان القضاء خلفہ:۔

ترجمہ اور وہ مسافر جسے روزہ سے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو (اور روزہ اس کیلئے تکلیف دہ نہ ہو) تو اس کیلئے مستحب ہے کہ دوران سفر روزہ رکھے اگر مسافر دوران سفر مر جائے یا مریض کا بیماری کے دوران انتقال ہو جائے تو صدقہ دینا واجب نہ ہوگا! اور اگر بیمار کا تندرست ہونے کے بعد انتقال ہو یا مسافر مقیم ہونے کے بعد مرے تو اس کا ولی اسکی طرف سے سب روزوں کا صدقہ دے گا۔ بشرطیکہ

جتنے روزے اسکے فوت ہوئے ہوں اتنے اور وہ تندرست یا مقیم ہونے کے بعد زندہ رہا ہو۔ اور اگر اتنے دن زندہ نہیں رہا تو جتنے دن تندرست اور مقیم رہا ہو اتنے دنوں کا صدقہ دے گا، مثلاً اسکے دس روزے فوت ہوئے پھر وہ رمضان کے بعد پانچ دن مقیم یا تندرست رہا پھر انتقال ہوگیا تو اسپر پانچ دن کا صدقہ ہے (جو اس کا ولی اسکی طرف سے دے گا) اور صدقہ واجب ہونے کیلئے مرتے وقت وصیت شرط ہے۔ اور وصیت تہائی ترکہ میں صحیح (ونافذ) ہوگی اور صحیح قول کے مطابق ایک وقت کی نماز کا فدیہ ایک روزہ کے فدیہ کے برابر ہے۔ اور بعض کے نزدیک ایک دن کی نماز کا فدیہ ایک دن کے روزہ کے بقدر ہے اور رمضان کے روزوں کی خواہ لگاتار قضاء کرے اور خواہ فصل سے (تھوڑے تھوڑے کرکے) اور دوسرا رمضان آجائے تو اسی رمضان کے روزے رکھے اسکے بعد پھر قضاء کے روزے رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ فدیہ نہ دے (بلکہ صرف روزہ رکھنا کافی ہے) امام شافعیؒ کے نزدیک فدیہ بھی واجب ہوگا اور مرنے والے کا ولی اسکی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے۔ اور نفل کا روزہ شروع کرنے کے بعد اداء اور قضاء لازم ہوجاتا ہے۔ یعنی اس پر روزہ پورا کرنا واجب ہے پس اگر فاسد کردے گا (توڑ دے گا) تو اسپر قضاء واجب ہوگی مگر ایام منہیہ میں روزہ پورا کرنا لازم نہیں اور وہ پانچ دن ہیں۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ایک روایت کی رو سے تشریق کے تین دنوں سمیت (یعنی گیارہ بارہ تیرہ ذی الحجہ) اور بلا عذر نفلی روزہ نہ توڑے۔ یعنی نفل روزہ شروع کرنے کے بعد اس کیلئے افطار کرنا بلا عذر جائز نہیں کیونکہ یہ ابطال عمل ہے اور ایک دوسری روایت کی رو سے جائز ہے اسلئے کہ قضاء اسکے قائم مقام ہے۔

تشریح وتوضیح لایضرہ الخ یعنی اگر روزہ مسافر کیلئے ضرر رساں ہو تو اس کا حکم مریض کا سا ہوگا اور اس کے واسطے افضل یہ ہوگا کہ افطار کردے۔ اس حدیث کہ دوران سفر روزہ نیکی نہیں۔ کا محمل یہی ہے کہ جب مسافر اسکی وجہ سے انتہائی مشقت میں مبتلا ہو اور اذیت محسوس کرے تو اسکے لیے نہ رکھنا ہی بہتر ہے۔

احب الخ اذیت کی صورت میں نہ رکھنا بہتر ہے کیونکہ مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت یسر و سہولت اور پریشانی وضرر سے بچانے کی خاطر دی گئی ہے۔ اور اگر اذیت ودشواری نہ ہو تو پھر رکھنا افضل واولیٰ ہے۔ اسکی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد نے روزہ رکھا۔ (بخاری) اور اگر مطلقاً ترک کرنا افضل ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ دوران سفر روزہ نہ رکھتے،

ولا قضاء الخ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ عذر اور مرض کے دوران ہی اس کا انتقال ہوجائے اور اسے تندرستی یا اقامت کے ایام میسر نہ ہوئے ہوں۔ اگر میسر ہوں تو اسکے ولی پر فدیہ واجب ہوگا

فدی عنہ : اگر مرنے والا تندرست ہونے یا مسافر مقیم ہونے کے بعد مرا ہو تو اسکے ولی پر فدیہ کا وجوب ہوگا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مر جائے اور اسپر روزے واجب ہوں تو اس کا ولی اسکی طرف سے ہر روزہ کے بدلہ مسکین کو شکم سیر کھانا کھلائے (یہ روایت بیہقی، دارقطنی اور ترمذی میں موجود ہے)

وصلاً الخ یعنی لگاتار اور فصل کے ساتھ دونوں طرح روزے رکھنے جائز ہیں ارشادِ ربانی ہے، فعدۃ من ایام اخر " (الآیۃ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکے بارے میں دریافت کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ اگر چاہیے مسلسل روزے رکھے اور اگر چاہے فصل سے روزے رکھ لے۔ (دارقطنی اور بیہقی میں یہ روایت موجود ہے)

اتمامہ :- نفلی روزہ شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنا لازم ہے۔ ارشادِ ربانی ہے " ولا تبطلوا اعمالکم " (الآیۃ)

فعلیہ القضاء جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے نفلی روزہ رکھا ان دونوں کیلئے ہدیتاً کھانا آیا تو دونوں نے افطار کر لیا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسکی قضاء کرنا (یہ روایت مؤطا امام مالکؒ، نسائی اور ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔

ویباح بعذ رضیانۃ هذا الحکم یشمل مضیف والضیف ویمسك بقیۃ یومہ صبی بلغ وکافر

اسلم وحائض طهرت ومسافر قدم ولا یقضی الاولان یومهما وان اکلا فیه بعد النیۃ

ای اذا حدث هذه الامور فی نهار رمضان یجب امساك بقیۃ الیوم لحرمۃ رمضان لکن لا قضاء علی الصبی الذی بلغ والکافر الذی اسلم لعدم الاهلیۃ فی اول الیوم فلم یجب الاداء فلا یجب القضاء وان کان البلوغ والاسلام قبل نصف النهار فنویا الصوم ثم اکلا نوی المسافر الفطر ثم قدم فنوی الصوم فی وقتها صح وفی رمضان یجب علیه الضمیر

فی وقتها یرجع الی النیۃ وفی صح یرجع الی الصوم کما یجب الاتمام علی مقیم سافر فی

یوم منه لکن لو افطر لا کفارۃ فیهما ای فی قدوم المسافر وسفر المقیم وقضی ایاما

اغمی علیه فیها الا یوما حدث فیه او فی لیلته لانه اذا اغمی ایاما لم یوجد منه النیۃ فیما عدا الیوم الاول واما الیوم الاول فالظاهر انه قد نوی الصوم فیه اقول هذا اذا لم یذکر انه نوی ام لا اما اذا علم انه نوی فلا شك فی الصحۃ وان علم انه لم ینو فلا شك

فی عدم الصحۃ ولو جن کله لم یقض وان افاق بعضه قضی ما مضی سواء بلغ مجنونا او

عاقلا ثم جن فی ظاهر الروایۃ الجنون اذا استغرق شهر رمضان سقط الصوم وان لم

یستغرق لابل یجب علیہ القضاء ولافرق فی ھذا بین ما اذا بلغ مجنونا او بلغ عاقلا ثم جن وعند محمد اذا بلغ مجنونا لایجب علیہ الصوم مع انہ لایکون مستغرقا فان الجنون اذا اتصل بالصبا لم یجب الصوم فھذا الجنون یکون مانعا فیکفی للمنع الجنون الضعیف وھو غیر المستغرق اما اذا جن البالغ فانہ رافع للصوم الواجب فلابد ان یکون جنونا قویا وھو المستغرق

ترجمہ اور ضیافت کے عذر کی بنا پر نفل روزہ توڑ دینا جائز ہے یہ حکم میزبان اور مہمان دونوں کیلئے ہے ۔ اگر رمضان میں دن میں لڑکا بالغ ہو یا کافر دائرۂ اسلام میں داخل ہو یا حائضہ پاک ہو یا مسافر اپنے گھر آئے تو دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے سے رکا رہے ۔ اور بالغ ہونے والا لڑکا اور اسلام قبول کرنے والا کافر اس دن کے روزہ کی قضاء نہ کریں ۔ (اور مسافر اور حائضہ اس دن کے روزہ کی قضاء کریں) اگرچہ بالغ لڑکا اور اسلام قبول کرنے والا کافر روزہ کی نیت کے بعد کھالیں ۔ یعنی اگر یہ امور رمضان کے دن میں پیش آئیں تو دن کے باقی حصہ میں احترام رمضان کی خاطر دن کے باقی حصہ میں رکنا واجب ہے ۔

لیکن اس بچہ پر جو بالغ ہوگیا ہو اور وہ کافر جو اسلام قبول کرلے ان پر دن کے اول حصہ میں عدم اہلیت کی بنا پر قضاء لازم نہ ہوگی پس ادا واجب نہیں ہوگی لہٰذا ان پر قضاء کا وجوب نہ ہوگا ۔ اور اگر ان کا بلوغ و اسلام نصف النہار سے پہلے ہو اور دونوں روزے کی نیت کرلیں پھر دونوں کھالیں تو قضاء واجب نہ ہوگی ۔ ایک مسافر صبح سے افطار کی نیت کرے پھر اپنے گھر آئے پھر زوال سے قبل نفل روزہ کی نیت کرے تو روزہ درست ہوگیا اور وہ مہینہ رمضان کا ہو تو اسپر اس روزہ کا پورا کرنا واجب ہوگا ۔ فی وقتہا ۔ میں ضمیر نیت کی طرف اور صح میں ضمیر صوم (روزہ) کی طرف لوٹتی ہے یا مقیم اس دن سفر کرے تو اسپر اس دن کے روزہ کا اتمام واجب ہوگا لیکن اگر یہ دونوں افطار کرلیں تو دونوں یعنی گھر آنے والے مسافر اور سفر کرنے والے مقیم پر کفارہ کا وجوب نہ ہوگا ۔ جن دنوں میں بے ہوش رہا ان دونوں کی قضاء کرے ۔ البتہ وہ دن جس میں بے ہوشی طاری رہی ہو (نیت روزہ کی کرچکا ہو) یا اس دن کی رات میں بے ہوش رہا ہو تو ان کی قضاء نہ کرے (بلکہ روزہ درست ہوجائے گا) اسلئے کہ جب کچھ دنوں بے ہوشی طاری رہی اور ان دنوں میں پہلے دن کے علاوہ نیت نہیں پائی گئی اور رہا پہلا دن پس ظاہر ہے کہ وہ اسمیں روزہ کی نیت کرچکا تھا ۔ میں کہتا ہوں یہ حکم اس صورت میں ہے کہ یہ پتہ نہ چلے کہ اس نے نیت کی یا نہیں ۔ لیکن اگر نیت کا علم ہو تو بلاشبہ روزہ صحیح ہے اور اگر نیت نہ ہونا معلوم ہو تو روزہ صحیح نہ ہونے میں شک نہیں اور اگر پورے رمضان پاگل رہے تو قضاء نہ کرے اور اگر رمضان کے بعض دنوں میں افاقہ رہے تو

دیوانگی کے دنوں کی قضاء کرے خواہ بحالتِ جنون بالغ ہوا ہو یا عاقل ہو اور پھر جنون طاری ہوگیا ہو ظاہر روایت کے مطابق پاگل پن اگر پورے رمضان طاری رہے تو روزے ساقط ہوجائینگے اور اگر پورے رمضان طاری نہ رہے تو روزے ساقط نہ ہوں گے بلکہ قضاء واجب ہوگی اور ظاہر روایت کے مطابق اس میں کوئی فرق نہیں کہ بالغ پاگل ہوجائے یا بالغ عاقل ہو پھر پاگل ہوجائے اور امام محمدؒ کے نزدیک جب بحالتِ دیوانگی بلوغ ہو تو اسپر پورے رمضان جنون نہ رہنے کے باوجود پاگل پن کے دنوں کی قضاء واجب نہ ہوگی کیونکہ دیوانگی کا اتصال جب بچپن (زمانہ بالغی کے زمانہ) سے ہو تو روزہ واجب نہیں ہوتا پس یہ دیوانگی وجوبِ صوم میں مانع ہوگی پس روزہ کے وجوب کو روکنے کیلئے یہ غیر مستغرق ضعیف جنون کافی ہوگا اور اگر بالغ شخص پاگل ہو تو وہ جنون واجب روزہ کا وجوب ختم کرنے والا ہے پس ضروری ہے کہ جنون قوی ہو اور وہ قوی جنون مستغرق (پورے ماہ رہنے والا جنون) ہے۔

تشریح و توضیح

بعذر الخ: یعنی ضیافت کے عذر سے افطار کرنا مباح ہے بعض کے نزدیک اگر دعوت کرنے والا محض حاضر ہونے پر راضی ہوجائے اور اسے نہ کھانے سے تکلیف نہ ہو تو افطار نہ کرے اور اگر اسے اس سے تکلیف ہو تو افطار کرلے اور روزہ کی قضاء کرے۔ یہ ساری تفصیل قبل الزوال افطار کی صورت میں ہے لیکن زوال کے بعد افطار کرنا درست نہیں۔

المضیف: میم کے پیش کے ساتھ میزبان۔ ”ابوداؤد“ نے اپنے مسند میں روایت کی ہے کہ ایک شخص نے کھانا تیار کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کو مدعو کیا تو ایک شخص نے اس سے کہا میرا روزہ ہے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بھائیؓ نے تکلف کیا اور تمہارے واسطے کھانا تیار کیا اور تمہیں بلایا۔ افطار کرو اور کسی دن اسکی قضاء کرلو اور منقول ہے کہ حضرت سلمانؓ حضرت ابوالدرداءؓ کی ملاقات کیلئے آئے تو حضرت ابوالدرداء نے ان کیلئے کھانا تیار کرایا اور بولے کھاؤ میرا تو روزہ ہے حضرت سلمانؓ بولے کہ جب تک تم نہیں کھاؤگے میں بھی نہیں کھاؤنگا۔ یہ سنکر حضرت ابودرداءؓ نے (ان کے ساتھ) کھایا۔ (یہ روایت بخاری شریف میں موجود ہے)

لحرمۃ رمضان الخ: یعنی رمضان کے احترام و عظمت کی خاطر اور روزہ داروں سے مشابہت پیدا کرنے کیلئے باقی دن روزہ سے رکا رہے اصل اسکی وہ روایت ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ عاشورہ کا روزہ فرض تھا کھانے والوں کو امساک اور رکنے کا حکم فرمایا۔

ولو جن الخ: جیم کے ضمہ اور نون کی تشدید کے ساتھ جنون سے مشتق ہے۔

نذر بصوم یومی العید وایام التشریق او بصوم السنۃ صح وافطر ھذہ الایام وقضاھا ولا عھدۃ ان صامھا فرقوا بین النذر والشروع فی ھذہ الایام فلا یلزم بالشروع لانہ معصیۃ ویلزم بالنذر اذلا معصیۃ فی النذر ثم ان لم ینو شیئا او نوی النذر

لا غیر او نوی النذر ونوی ان لا یکون یمینا کان نذرا فقط وان نوی الیمین ونوی ان لا یکون نذرا کان یمینا وعلیہ کفارۃ یمین ان افطر وان نواھما او نوی الیمین ای من غیر ان ینفی النذر کان نذرا او یمینا حتی لو افطر یجب علیہ القضاء للنذر و الکفارۃ للیمین وعند ابی یوسف نذر فی الاول ویمین فی الثانی المراد بالاول ما اذا نواھما وبالثانی ما اذا نوی الیمین واعلم ان الاقسام ستۃ ما اذا لم ینو شیئا او نوی کلیھما او نوی النذر بلا نفی الیمین او مع نفیہ او نوی الیمین بلا نفی النذر او مع نفیہ ففی الھدایۃ جعل الیمین معنی مجازیا والعلاقۃ بین النذر والیمین ان النذر ایجاب المباح فیدل علی تحریم ضدہ وتحریم الحلال یمین لقولہ تعالی لم تحرم ما احل اللہ لک الی قولہ قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم فاذا کان الیمین معنی مجازیا یرد علیہ انہ یلزم الجمع بین الحقیقۃ والمجاز فلدفع ھذا قیل فی کتب اصولنا لیس الیمین معنی مجازیا بل ھذا الکلام نذر بصیغتہ یمین بموجبہ والمراد بالموجب اللازم کما ان شراء القریب شراء بصیغتہ اعتاق بموجبہ فیخطر ببالی ان الیمین لو کانت موجبۃ لثبت بلا نیۃ کشراء القریب بل ھی معنی مجازی فالجواب عن الجمع بین الحقیقۃ والمجاز ان الجمع بینھما فی الارادۃ لا یجوز وھھنا لیس کذلک فان النذر لا یثبت بارادتہ بل بصیغتہ فان صیغتہ انشاء للنذر فیثبت النذر سواء اراد ولم یرد مالم ینو انہ لیس بنذر اما اذا نوی انہ لیس بنذر یصدق فیما بینہ وبین اللہ تعالی فان ھذا امر لا مدخل فیہ لقضاء القاضی والمعنی المجازی یثبت بارادتہ فلا جمع بینھما فی الارادۃ وتفریق صوم الستۃ فی شوال ابعد عن الکراھیۃ والتشبہ بالنصاری —:

ترجمہ: کوئی شخص ان پانچ دنوں میں سے جن میں روزہ رکھنا حرام ہے یعنی عید الفطر اور اور عید الاضحیٰ کا دن اور ایام تشریق میں سے کسی دن روزہ رکھنے کی نذر کرے یا پورے

سال کے روزے رکھنے کی نیت کرے تو درست ہے اور ان دنوں میں افطار کرکے دوسرے دنوں میں انکی قضا کرے گا۔ اور اگر (مخالفت کے باوجود) روزہ رکھے گا تو پھر قضا نہیں کرے گا (اور نذر ادا ہو جائیگی) ان دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر اور ان دنوں میں روزہ شروع کرنے میں فقہاء نے فرق کیا ہے۔ پس شروع کرنے سے معصیت ہونے کی بنا پر لازم نہ ہوگا اور نذر کی صورت میں لازم ہوگا کیونکہ نذر میں معصیت نہیں پھر اگر کوئی نیت نہیں کی یا محض نذر کی نیت کی یا نذر کی نیت کرے اور یہ نیت کرے کہ اس کا یہ کلام قسم نہیں ہے۔ تو ان صورتوں میں محض نذر منعقد ہوگی اور اگر قسم کی نیت کرے اور یہ نیت کرے کہ یہ نذر نہیں تو یہ قسم ہوگی اور افطار کرے گا تو اس پر تو قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔ اور اگر نذر اور قسم دونوں کی نیت کرے یا قسم کی نیت کرے اور نذر کی نفی نہ کرے تو اس صورت میں نذر اور قسم دونوں منعقد ہونگی۔ حتی کہ اگر افطار کرے تو اس پر نذر کی قضاء لازم ہوگی اور قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔
اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں کی نیت کی صورت میں نذر منعقد ہوگی اور محض قسم کی نیت کی شکل میں قسم ہوگی اول سے مراد یہ ہے کہ نذر اور یمین (قسم) دونوں کی نذر کرے اور ثانی سے مراد کہ قسم کی نیت کرے واضح رہے کہ قسمیں چھ (نوع کی) ہیں (۱) یہ کہ کوئی نیت نہ کرے (۲) یا نذر اور قسم دونوں کی نیت کرے (۳) یا نذر کی نیت قسم کی نفی کے بغیر کرے (۴) یا نذر کی نیت قسم کی نفی کے ساتھ کرے (۵) یا قسم کی نیت نذر کی نفی کے بغیر کرے۔ (۶) یا قسم کی نیت نذر کی نفی کے ساتھ کر
پس ہدایہ میں یمین کے معنی مجازی مراد لئے ہیں اور ربط (علاقہ) نذر اور یمین کے درمیان یہ ہے کہ نذر مباح وجائز چیز کو اپنے اوپر واجب کرنا ہے جو شان وہی کرتا ہے اسکی ضد اور عکس کے حرام ہونے پر اور حرام کو حلال کرنا قسم ہے ارشاد ربانی ہے۔ لم تحرم ما احل اللہ لک (الی قولہ) قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم ،، (الآیۃ) پس جب یمین (قسم) کے معنی مجازی ثابت ہوئے تو اس سے حقیقت اور مجاز کا جمع (اکٹھا) ہونا لازم آتا ہے لہذا اس اشکال کو دور کرنے کیلئے احناف کی اصول کی کتابوں میں کہا گیا کہ یمین کے معنی (یہاں) مجازی نہیں بلکہ اس کلام سے یمین (قسم) کے صیغہ سے نذر لازم کی گئی۔ اور مراد موجب سے ،، لازم ،، ہے۔ جیسے کسی شخص کا اپنے ذی رحم محرم (مثلاً اور بیٹے) کو خریدنا ،، اشتراء ،، کے صیغہ سے خریدنا ہے جس سے آزادی لازم آتی ہے تو (اس جواب سے) میرے دل میں خیال آتا ہے کہ قسم اگر لازم ہوتی تو بلا نیت ثابت ہو جاتی جیسے ذی رحم محرم کی خریداری (کہ قصدو بلا قصد بہر صورت موجب آزادی ہے) بلکہ (دراصل) وہ (یمین کے) مجازی معنی ہیں پس جواب حقیقی اور مجازی معنی کے جمع ہونے کا یہ ہے کہ دونوں معنی کا ارادتًا اجتماع ناجائز ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے (کہ ارادتًا جمع ہوئے ہوں) کیونکہ نذر (صرف) ارادہ سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ نذر کے صیغہ سے ثابت ہوتی ہے اسلئے کہ اس کا صیغہ انشاء

(وضع شدہ) ہے نذر کے لئے پس (اس صیغہ کے ساتھ) نذر ثابت ہو جائے گی خواہ ارادہ ہو یا نہ ہوتا وقتیکہ یہ نیت ہی نہ کرلے کہ وہ نذر کیلئے نہیں (بلکہ کچھ اور مقصد اس کا تکلم سے ہے) بہرحال اگر وہ نیت کرے کہ یہ نذر کیلئے نہیں تو دیانتاً اسکی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ ایسا امر ہے جس میں قضائے قاضی کو دخل نہیں۔ اور مجازی معنی ارادتاً ثابت، پس حقیقی اور مجازی معنی ارادتاً جمع نہیں ہوئے۔ اور شوال کے چھ روزے تو ان کے اور عید کے درمیان فصل رکھے تاکہ کراہت اور نصاریٰ کی مشابہت سے دور رہے۔

تشریح و توضیح | نذر الخ "شرح ملتقی" میں ہے کہ نذر زبان کا عمل ہے اور اسکی صحت کی شرط یہ ہے کہ معصیت کی نذر نہ ہو مثلاً شراب پینے کی نذر۔

وانطر الخ: یعنی ایام منہیہ میں روزہ رکھنے کی نذر کی تو افطار کرنا واجب ہے۔ "نہایہ" میں اسی طرح ہے۔

ولا عصیٰ الخ یعنی اگر مخالفت کے باوجود کوئی شخص ان ایام منہیہ میں روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار ہوگا مگر پھر اسکے ذمہ اس روزہ کی قضاء لازم نہ ہوگی۔

قولہ تعالیٰ۔ یہ اس پر استدلال ہے کہ یمین کے معنی حلال کو حرام کرنا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین میں سے کسی کے یہاں شہد نوش فرمایا۔ اسپر امہات المومنین میں سے کسی کو غیرت آئی تو آپ نے انکی دلجوئی کی خاطر شہد نوش فرمانا خود پر حرام کرلیا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے سے منع کیا گیا۔ "بخاری شریف" وغیرہ میں تفصیل موجود ہے۔

لقضاء القاضی الخ یعنی اسکا تعلق قضائے قاضی سے نہیں۔ لہذا دیانتاً اس کا قول قابل تسلیم ہوگا۔ بخلاف طلاق اور عتاق کے اسلئے اگر کوئی شخص ان کے تکلم کے بعد کہے کہ میں نے ان کے مجازی معنی مراد لئے ہیں تو قضاءً اس کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

وتفریق الخ۔ حاصل یہ ہے کہ شوال کے چھ روزے عید کے بعد لگاتار اور بغیر فصل کے رکھنے بھی جائز ہیں اور متفرق طور پر رکھنے بھی درست ہیں کیونکہ حدیث مطلق ہے کہ جس نے رمضان کے روزے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے پورے سال کے روزے (باعتبار ثواب) رکھے (یہ روایت مسلم ترمذی، طحاوی اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے)

بعد الخ اسمیں اسکی طرف اشارہ ہے کہ پے در پے رکھنا بھی بلاکراہت درست ہے۔ ابو اللیث نے "نوازل" میں اسکی صراحت کی ہے۔

بَابُ الاِعْتِکَاف

ھو سنۃ مؤکدۃ وھو لبث صائم فی مسجد جماعۃ بنیۃ واقلہ یوم فیقضی من قطعہ فیہ ای اذا شرع فی الاعتکاف فقطعہ قبل تمام یوم ولیلۃ فعلیہ القضاء خلافا لمحمد فان اقلہ ساعۃ عندہ وقد حصلت ولا یخرج منہ الا لحاجۃ الانسان او الجمعۃ وقت الزوال ومن بعد منزلہ عنہ فوقتا یدرکھا ویصلی السنن علی الخلاف وھو ان یصلی قبلھا اربعا وفی روایۃ ستا رکعتین تحیۃ واربعا سنۃ وبعدھا اربعا عند ابی حنیفۃ وستۃ عندھما ولا یفسد بمکثہ اکثر منہ فلو خرج ساعۃ بلا عذر فسد ویاکل ویشرب وینام ویبیع ویشتری فیہ بلا احضار مبیع الا غیرہ ای لا یفعل غیر المعتکف ھذہ الافعال فی المسجد ولا یصمت ولا یتکلم الا بخیر ویبطلہ الوطی ولو لیلا او ناسیا ووطیہ فی غیر فرج او قبلۃ او لمس ان انزل والا فلا وان حرم والمرأۃ تعتکف فی بیتھا نذر اعتکاف ایام لزمہ بلیالیھا ولاء بلا شرطہ وفی یومین بلیلتھا وصح نیۃ النھر خاصۃ

ترجمہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہے اعتکاف کے معنی ہیں روزہ دار کا نیتِ اعتکاف جماعت والی مسجد میں (یعنی جہاں امام ومؤذن مقرر ہو) ٹھہرنا اور اعتکاف (شرعی اعتکاف) کی کم سے کم مدت ایک دن ہے۔ پس ایک دن ایک رات پورے ہونے سے قبل اعتکاف چھوڑ دینے پر قضاء لازم ہوگی۔ یعنی اگر اعتکاف شروع کرکے ایک دن رات کے تمام اسے پہلے اعتکاف باطل کردے تو اس پر مع روزہ کے اسکی قضاء واجب ہوگی امام محمدؒ کے اس بارے میں اختلاف ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک ساعت (ایک گھڑی) ہے اور وہ حاصل (پوری) ہوگئی (لہذا قضاء لازم نہ ہوگی) اور معتکف مسجد سے باہر انسانی ضرورت (پیشاب یا پاخانہ) کیلئے یا جمعہ کے واسطے آفتاب ڈھلنے پر نکلے گا۔ (ان کے علاوہ نکلنے پر اعتکاف فاسد ہوجائے گا) اور جس کے اعتکاف کی جگہ جامع مسجد سے دور ہو تو وہ ایسے وقت نکلے کہ جمعہ مل جائے اور سنتیں پڑھے علی اختلاف الروایۃ۔ اور وہ یہ کہ (ایک روایت کے مطابق) چار رکعات نماز جمعہ سے پہلے اور ایک روایت کی رو سے چھ رکعات پڑھے گا دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی اور چار سنتیں اور نماز جمعہ کے بعد چار رکعات۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک نماز جمعہ کے بعد چھ رکعات پڑھے گا اور اس سے زیادہ (بھی)، اگر معتکف کو جامع مسجد میں دیر لگ جائے تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا پس اگر مسجد سے

ایک ساعت بھی بلا عذر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اور معتکف مسجد میں کھانے پینے اور سونے اور مبیع (خریدی جانے والی چیز) کے مسجد میں لائے بغیر خرید وفروخت کرے گا۔ اور معتکف کے علاوہ کسی کیلئے مسجد میں یہ امور درست نہیں۔ یعنی معتکف کے علاوہ مسجد میں یہ افعال اور کوئی نہ کرے گا۔ اور معتکف خاموش نہ رہے بلکہ خیر وبھلائی کی گفتگو کرے۔ اور ہمبستری سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے خواہ رات ہی کو کیوں نہ ہو یا بھول کر ہی کیوں نہ ہو اور اگر شرمگاہ کے علاوہ میں صحبت کرے یا بوسہ لے یا چھوئے تو انزال کی صورت میں اعتکاف باطل ہوگا ورنہ نہ ہوگا اگرچہ یہ امور اندورن اعتکاف حرام ہیں اور عورت اپنے گھر میں اعتکاف کرے اگر کچھ روز کے اعتکاف کی نذر کرے تو ان دنوں کی راتیں بھی لگاتار اسمیں داخل ہونگی خواہ اس نے یہ نیت وشرط نہ کی ہو اور دو دن کی نذر کرے تو دو راتیں بھی اسمیں شامل ہونگی۔ اور خاص طور پر صرف دو دنوں کی نیت کرے تو وہ (بھی) صحیح ہو جائے گی۔

تشریح وتوضیح الاعتکاف الخ۔ کیونکہ اعتکاف میں روزہ کی شرط ہے اسلئے روزہ کے بیان کے بعد اس سے متصل اور اسکے بعد میں اعتکاف کے احکام بیان کئے گئے

اعتکاف،، کے لغوی معنی حبس اور روکنے کے ہیں۔

سنۃ مؤکدۃ ؛ رمضان شریف کے اخیر عشرہ میں اعتکاف سنت مؤکدہ ہے ،،صحاح ستہ،، اور سنن ،، میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف پر مواظبت فرمائی (اور احیاناً بھی ترک فرمایا) اور اگر نذر کر لی جاوے مؤکدہ کفایہ ہے اگر رمضان کے اخیر عشرہ میں بعض لوگوں نے اعتکاف کرلیا تو باقی کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور کسی نے بھی نہ کیا تو سب گنہگار ہونگے۔

الا لحاجۃ الانسان الخ۔ یعنی معتکف کیلئے انسانی ضرورت کے واسطے نکلنا جائز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تو گھر میں صرف انسانی ضرورت (پیشاب یا خانہ وغیرہ) کیلئے تشریف لیجاتے تھے۔

فلو خرج الخ۔ یعنی اگر حاجت طبعیہ یا شرعیہ کے بغیر (جو عذر میں داخل ہے) مسجد سے معتکف باہر نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

ویاکل الخ۔ یعنی معتکف کیلئے مباح امور مسجد میں جائز ہیں مثلاً کھانا پینا اور سونا۔

كتاب الحج

اعلم ان الحج فريضة يكفر جاحده لكن اطلق عليه لفظ الوجوب واراد به الفريضة حيث قال يجب على كل حر مسلم مكلف صحيح بصير له زاد وراحلة فضلا عما لابد منه

وعن نفقة عياله الى حين عوده مع امن الطريق والزوج او المحرم للمرأة ان كان بينها وبين مكة مسيرة سفر في العمر مرة على الفور هذا عند ابي يوسف واما عند محمد فعلى التراخي وزعم بعض المتأخرين ان هذا الخلاف بينهما مبني على ان الامر المطلق عند ابي يوسف للفور وعند محمد لا وهذا غير صحيح لان الامر المطلق لا يوجب الفور باتفاق بينهما فهو مسألة مبتدأة فقال ابو يوسف وجوبه بالفور احترازا عن الفوت حتى اذا اتى به بعد العام الاول كان اداء عنده وعند محمد وجوبه على التراخي بشرط ان لا يفوت حتى لو لم يؤد في العام الاول وادى في الثاني والثالث يكون اداء اتفاقا ولو لم يؤد ومات يكون آثما اتفاقا اما عند ابي يوسف فظاهر واما عند محمد فلانه فات عن العام الاول وعدم فوته العمر مشكوك فيكون آثما موتونا فان ادى بعد ذلك يرتفع الاثم للتاخير فثمرة الخلاف انه ان اداه بعد العام الاول يأثم بالتاخير عند ابي يوسف خلافا لمحمد

ترجمہ: واضح رہے کہ حج فرض ہے اور اسکا انکار کرنے والا کافر ہے۔ مگر مصنفؒ نے لفظ وجوب کا اطلاق کرکے اس سے مراد فرض لیا (اور) اسطرح کہا کہ حج ہر آزاد مسلمان مکلف (عاقل بالغ) تندرست آنکھوں والے بینا پر واجب ہے۔ بشرطیکہ اسکے پاس توشہ اور سواری ہو جو کہ حوائج اصلیہ سے زیادہ ہو اور عیال (گھر والوں) کے نفقہ سے زائد ہو گھر لوٹنے تک اس شرط کے ساتھ کہ راستہ (بھی) مامون ہو۔ اگر عورت کے سفر کے آغاز کی جگہ اور مکہ کے درمیان سفر شرعی کی مسافت ہو تو اسکو شوہر یا محرم کے ساتھ ہوئے بغیر حج درست نہیں۔ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے قدرت ہونے پر علی الفور فرض ہوجاتا ہے۔ امام ابو یوسف یہی فرماتے ہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک علی الفور واجب نہیں (بلکہ تاخیر کے ساتھ بھی ادائیگی درست ہے) اور بعض متاخرین کا خیال ہے کہ امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے درمیان یہ اختلاف اسپر مبنی ہے کہ مطلق امر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک علی الفور کا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک علی الفور کا نہیں۔ اور یہ صحیح نہیں کیونکہ دونوں کے نزدیک امر مطلق سے علی الفور حج واجب نہیں ہوتا۔ پس حج کا مسئلہ امر مطلق میں اختلاف پر مبنی نہیں ہے پس امام ابو یوسفؒ علی الفور اسے واجب قرار دیتے ہیں حج فوت ہونے کے

اندیشہ سے احتراز کی بنا پر (کیونکہ حج ایک بار فرض ہے اور زندگی کی خبر نہیں کہ کتنی باقی ہے آئندہ سال تک تاخیر میں مرجانے کا اور فرض ذمہ باقی رہ جانے کا اندیشہ ہے) اور امام محمدؒ کے نزدیک فی الفور واجب نہیں ہوتا اس شرط کے ساتھ کہ اسکا حج (تاخیر کی وجہ سے) فوت نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر پہلے سال میں (واجب ہونے کے بعد) ادا نہ کرے اور دوسرے یا تیسرے سال میں ادا کرے تو سب کے نزدیک بالاتفاق حج ادا ہوگا۔ اور ادا کئے بغیر اگر مرجائے تو بالاتفاق سب کے نزدیک گنہگار ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو اسکا گنہگار ہونا ظاہر ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر اس نے پہلے سال حج نہیں کیا اور زندگی میں اسکا حج نہ کرنا مشکوک ہے تو اس کا گنہگار ہونا موقوف ہوگا پس اگر اس نے اسکے بعد حج کر لیا تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کا گناہ ختم ہو جائے گا (کیونکہ اس نے تاخیر ہی سے سہی مگر حج کر لیا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تاخیر کے باعث اس کا گناہ مرتفع نہ ہوگا۔ لہٰذا امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے اس اختلاف کا ثمرہ و نتیجہ یہ ہے کہ وہ اگر پہلے سال کے بعد حج کرے گا تو تاخیر کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک گناہ گار ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک گناہ گار نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح کتاب الحج الخ تین رکنوں سے فارغ ہو کر اب چوتھا رکن در کن اسلام اختر دع کیا۔ الحج ،، حا کے زبر اور جیم کی تشدید اور حا کے زیر کے ساتھ۔ لغت میں اسکے قصد اور شرعاً مخصوص جگہ کی مخصوص وقت میں زیارت کو کہتے ہیں۔ یجب الخ، عمر میں ایک مرتبہ حج کرنا بشرط استطاعت، فرض ہے اور ایک سے زیادہ مرتبہ نفل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسی طرح ہے (ابو داؤد میں یہ روایت موجود ہے)

علی کل حر الخ آزاد مسلمان مکلف تندرست و بینا پر حج فرض ہے، پس غلام پر واجب نہیں خواہ مدبر ہو یا مکاتب یا خالص غلام اور کافر پر واجب نہیں کیونکہ کافر بحق اداۓ عبادات غیر مخاطب ہیں اور اسی طرح غیر مکلف (پاگل و بچہ) پر واجب نہیں،

فضلاً الخ: یعنی حوائج اصلیہ سے زائد ہو اور اہل و عیال کے نفقہ سے زائد ہو مع امن الطریق الخ یعنی راستہ کا مامون ہونا بھی شرط ہے اور عورت ہو تو سفر شرعی کے بقدر مسافت کی صورت میں اسکے ساتھ شوہر یا محرم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کوئی عورت محرم کے بغیر حج نہ کرے (یہ روایت مسند بزار میں موجود ہے) اور بخاری و مسلم،، کی روایت میں ہے کہ کوئی عورت بلا محرم کے سفر نہ کرے۔ اور ایک روایت میں ہے مگر اسکے ساتھ اسکا شوہر یا محرم ہو،، اور عورت پر محرم کا نفقہ واجب ہے،

علی الفور: یعنی جس سال حج واجب ہوا ہو اسی سال بلا تاخیر حج کرے اور دوسرے سال تک حج کو مؤخر نہ کرے۔!

وجوبه على التراخي الخ. یعنی جس سال حج واجب ہوا ہو اس سے اگلے سال بھی حج ادا کرنا درست ہے کیونکہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سنہ ۶ھ یا سنہ ۹ھ میں حج فرض ہوا اور آپ نے ادائے حج کو سنہ ۱۰ھ تک مؤخر فرمایا۔ اگر علی الفور ادائیگی واجب ہوتی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مؤخر نہ فرماتے

فلو احرم صبيّ فبلغ او عبد فعتق فمضى لم يؤد فرضه فلو جدد الصبي احرامه للفرض ثم وقف جاز عنه بخلاف العبد لان احرام الصبي لم يكن لازما لعدم الاهلية واحرام العبد لازم فلا يمكنه الخروج عنه بالشروع في غيره وفرضه الاحرام والوقوف بعرفة وطواف الزيارة وواجبه وقوف جمع وهو المزدلفة والسعي بين الصفا والمروة ورمي الجمار وطواف الصدر للآفاقي والحلق وغيرها سنن وآداب واشهره شوال وذو القعدة وعشر ذي الحجة وكره احرامه له قبلها والعمرة سنة وهي طواف وسعي ولا وقوف لها وجازت في كل السنة وكرهت في يوم عرفة واربعة بعدها وميقات المدني ذو الحليفة والعراقي ذات عرق والشامي جحفة والنجدي قرن واليمني يلملم وحرم تاخير الاحرام عنها لمن قصد دخول مكة لا التقديم وحل لاهل داخلها دخول مكة غير محرم فميقاته الحل اي من هو داخل المواقيت لكنه خارج مكة فميقاته الحل اي خارج الحرم ولمن سكن بمكة للحج الحرم وللعمرة الحل لان الحج في عرفات وهي في الحل فاحرامه من الحرم والعمرة في الحرم فاحرامه من الحل ليتحقق نوع سفر :-

ترجمہ: اگر لڑکا احرام باندھے اور بالغ ہو جائے یا غلام ہو اور آزاد ہو جائے اور حج کرے تو ان کا فرض ادا نہ ہوگا۔ پس اگر لڑکا از سر نو احرام باندھے فرض کیلئے پھر وقوفِ عرفہ کرے تو اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا۔ اور غلام کا ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ نابالغ لڑکے کا احرام عدم اہلیت کی وجہ سے لازم نہیں تھا اور غلام کا احرام لازم تھا پس وہ دوسری بار کے شروع کرنے کی بنا پر پہلے احرام سے خارج نہ ہوگا (بلکہ پہلا ہی احرام بدستور برقرار رہے گا) حج میں تین چیزیں فرض ہیں احرام، وقوف عرفہ اور طواف زیارۃ۔ اور واجب پانچ چیزیں ہیں (۱) وقوف مزدلفہ (۲) صفا و مروہ کے درمیان سعی (۳) کنکریاں پھینکنا۔ (۴) طوافِ صدر (اخیر کا طواف) آفاقی (غیر مکی) کیلئے (۵) اور سر منڈوانا۔ اور ان کے علاوہ باقی سنتیں ہیں اور مستحبات ہیں،
حج کے مہینے شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ اور ان مہینوں سے پہلے احرام باندھنا مکروہ (مکروہ تحریمی) ہے عمرہ سنت ہے اور عمرہ طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کا نام ہے،

اور عمرہ میں وقوفِ عرفہ نہیں ہے عمرہ سال کے ہر حصہ میں درست ہے اور عرفہ کے دن اور عرفہ کے چار دن بعد تک مکروہ ہے۔ مدینہ کے رہنے والے کا میقات ذوالحلیفہ، اور اہلِ عراق کا۔ ذات عرق اور شام والوں کا جحفہ اور اہلِ نجد کا قرن، اور یمن والوں کا یلملم ہے۔ جس شخص کا مکہ مکرمہ میں داخل کا ارادہ ہو اسے ان مقامات سے احرام باندھے بغیر گزرنا حرام ہے ان مقامات پر پہونچنے سے قبل احرام باندھ لینا جائز ہے اور ان مقامات کے رہنے والوں کو مکہ مکرمہ میں بلا احرام کے داخل ہونا درست ہے پس ان کا میقات حِل ہے۔ یعنی وہ شخص جو ان میقاتوں میں داخل ہو (وہاں کے باشندہ ہو) مگر مکہ سے خارج ہو تو اس کا میقات حل یعنی خارج حرم ہے (حرم سے خارج حصہ) ہے اور مکہ کا رہنے والا حج کا احرام حرم سے باندھے اور عمرہ کا حل سے۔ کیونکہ حج عرفات میں ہے اور وہ حِل (خارج حرم) ہے، پس اس کا احرام حرم سے باندھے گا اور عمرہ حرم میں ہے تو اس کا احرام حِل سے باندھا جائے گا تاکہ سفر کی ایک نوع متحقق (وثابت) ہوجائے

تشریح وتوضیح الاحرام الخ حج کی نیت قلب سے مع تلبیہ کرنے کا نام ہے والوقوف الخ وقوفِ عرفہ رکنِ حج ہے کہ اسکے بغیر حج ہی ادا نہیں ہوگا۔ طوافِ صدر الخ یعنی مکہ مکرمہ سے اپنے وطن لوٹتے وقت کا طواف جسے طوافِ وداع بھی کہتے ہیں،

واشھرہ:۔ یعنی حج کے مہینے ارشادِ ربانی ہے الحج اشھر معلومات فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔ (الآیۃ)

ولا وقوف الخ، یعنی عمرہ میں نہ وقوفِ عرفہ ہے اور نہ وقوفِ مزدلفہ ہے وار بعۃ بعدھا یعنی دس گیارہ بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو عمرہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ دن افعالِ حج کے ہیں تو اسمیں عمرہ کے افعال داخل نہیں کئے جائینگے وحرم الخ یعنی میقات سے احرام باندھے بغیر بڑھ جانا حرام ہے،

حدیث شریف میں ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر ہی آگے بڑھو۔ (یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے)

ومن شاء احرامہ توضأ وغسلہ احب ولبس ازارًا ورداءً طاھرین وتطیب وصلی شفعا و قال المفرد بالحج اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی ثم لبی ینوی بھا الحج وھی لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لک لا شریک لک ولا ینقص منھا وان زاد جاز واذا لبی ناویا فقد احرم فیتقی الرفث والفسوق والجدال الرفث الجماع او الکلام الفاحش او ذکر الجماع بحضرۃ النساء فقد روی

عن ابن عباسؓ لما انشد قوله شعر وھن یمشین بنا ھمیسا ٭ ان یصدق الطیر ننك
قیل له اترفث وانت محرم فقال انما الرفث ما خوطب به النساء والضمیر فی ھن یرجع
الی الابل والھمیس صوت نعل اخفافھا ولمیس اسم جاریة والمعنی نفعل بھا ما نرید ان
یصدق الفال والفسوق ھی المعاصی والجدال ان یجادل رفیقه وقیل مجادلة المشرکین
فی تقدیم وقت الحج وتاخیرہ وقتل صید البر لا البحر والاشارۃ الیه والدلالة علیه
والتطیب وقلم الاظفار وستر الوجه والراس وغسل راسه ولحیته بالخطمی وقصھا
وحلق راسه وشعر بدنه ولبس قمیص وسراویل وقباء وعمامة وقلنسوۃ وخفین وثوب
صبغ بما له طیب الا بعد زوال طیبه لا الاستحمام والاستظلال ببیت ومحمل بفتح
المیم الاول وکسر الثانی وعلی العکس الھودج الکبیر :—

ترجمہ اور جو شخص احرام کا ارادہ کرے وہ وضو کرے اور غسل کرے تو مستحب و بہتر ہے اور پاک ازار اور پاک چادر پہنے اور خوشبو لگائے اور دو رکعات نفل پڑھے اور مفرد (فقط حج کرنے والا) کہے۔ اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لئے آسان بنا دے اور میری جانب سے قبول کرلے۔ پھر نماز کے بعد لبیک کہے اور حج کی نیت کرے اور وہ یہ ہے۔ لبیک اللھم لبیک لاشریک لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لك لاشریك لك۔ اور اس سے کم نہ کرے اور اگر زیادہ کرے تو جائز ہے، اور جب حج کی نیت کرکے لبیک کہا تو اسکا احرام بندھ گیا (اور محرم ہوگیا) پس جماع (صحبت) اور فحش کلام اور لڑنے سے اجتناب کرے۔ "الرفث" سے مراد ہمبستری یا فحش کلام یا عورتوں کی موجودگی میں جماع و ہمبستری کا ذکر ہے۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا۔

شعر وھن یمشین بنا ھمیسا ٭ ان یصدق الطیر ننك لمیسا

یعنی اونٹ چلتے ہیں ہمارے ساتھ درآنحالیکہ ان کے موزوں کے نعل سے آواز آتی ہے۔ اگر فال سچ ہو تو ہم لمیس نامی عورت سے جو ہمارا جی چاہے گا کریں گے لوگوں نے کہا کہ آپ بحالت احرام رفث کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ رفث وہ ہے جس میں عورتیں مخاطب ہوں۔ اور ز یہاں "ھن" کی ضمیر اونٹ کی طرف لوٹ رہی ہے اور ہمیس اونٹ کے موزوں کے نعل کی آواز ہے اور لمیس مملوک باندی کا نام ہے اور معنی "نفعل بھا ما نرید" کے یہ ہیں کہ اگر فال سچ ہو اور فسوق سے مراد گناہ ہیں اور "جدال" یہ ہے کہ اپنے رفیق سے لڑے۔ اور کہا گیا ہے کہ جدال یہ ہے کہ مشرکین سے وقت حج کی تقدیم و تاخیر میں لڑے۔ اور بحالت احرام خشکی کا شکار نہ کرے دریا کا شکار

ممنوع نہیں۔ اور شکار کے جانور کی طرف نہ اشارہ کرے اور نہ کسی کو بتلائے۔ اور خوشبو لگانے اور اور ناخن کاٹنے سے اجتناب کرے اور منہ و سر ڈھانپنے اور سر و داڑھی خطمی سے دھونے اور داڑھی کترنا اور سر منڈانے اور جسم کے بال مونڈنے سے احتراز کرے اور قمیص (کرتہ) اور پاجامہ اور قبا و عمامہ اور ٹوپی اور موزوں اور خوشبو دار رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے سے پرہیز کرے البتہ اگر اسکی خوشبو زائل ہونے کے بعد استعمال کرے تو درست ہے حمام میں جانا (غسل کرنا) اور گھر و کجاوے کے سائے میں بیٹھنا درست ہے محمل پہلے میم کے زبر اور دوسرے میم کے زیر کے ساتھ اور اسکے عکس یعنی پہلے میم کے زیر اور دوسرے میم کے زبر کے ساتھ اس سے مراد بڑا ہودج ہے۔

تشریح و توضیح احب الخ :- یعنی بوقتِ احرام غسل کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً اور فعلاً ثابت ہے۔ (ترمذی شریف میں روایت موجود ہے)

یہ غسل طہارت کیلئے نہیں بلکہ صرف نظافت کی خاطر کیا جاتا ہے اسلئے عورتوں اور بچوں کیلئے بھی یہ غسل مستحب ہے۔

ازار و رداء یہ اصل اور افضل کا بیان ہے لیکن اگر ایک پر اکتفاء کرلے یا دو سے زیادہ نہیں تب بھی جائز ہے البتہ سِلا نہ ہونا شرط ہے، شفعا الخ یعنی احرام کے موقع پر دو رکعات پڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ذی الحلیفہ سے احرام باندھا تو دو رکعات پڑھی تھیں،

بحضرة الخ یعنی عورتوں کی موجودگی میں بحالتِ احرام اس قسم کی گفتگو ممنوع ہے کیونکہ اس سے جماع کی جانب رغبت پیدا ہوتی ہے اور عورتیں سامنے نہ ہوں تو یہ حکم نہیں۔

وقتل صید البر الخ یعنی خشکی کے جانوروں کا شکار محرم کے واسطے ممنوع ہے۔ ارشادِ ربانی ہے لا تقتلوا الصید وانتم حرم" (الآیۃ) لا البحر - بحری و سمندری شکار محرم کیلئے ممنوع نہیں۔ ارشادِ باری ہے احل لکم صید البحر وطعامه متاعاً لکم وللسیارة وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما الآیۃ

لا الاستحمام :- یعنی محرم کیلئے غسل کرنا ممنوع نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے بحالت احرام غسل فرمانا ثابت ہے :-

والاستظلال : دیوار وغیرہ کے سائے میں بیٹھنا محرم کیلئے درست ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے خیمہ لگایا جاتا تھا حالانکہ وہ محرم ہوتے تھے۔

وشدّ همیان فی وسطه یعنی الهمیان مع انه مخیط لا باس بشده علی حقوه واکثر التلبیة

متی صلی او علا شرفاً او هبط وادیاً او لقی رکباً او اسحر واذا دخل مکة بدأ بالمسجد وحین

رأی البیت کبّر وهلّل ثم استقبل الحجر وکبّر وهلّل ویرفع یدیه کالصلوٰة واستلمه ای

تناوله بالید او بالقبلة او مسحه بالکف من السلمة بفتح السین وکسر اللام وهی الحجر

ان قدر غیر موذٍ ای من غیر ان یوذی مسلماً ویزاحمه والا یمس شیئا فی یده ثم قبله وان عجز عنهما استقبله وکبّر وهلل وحمد الله تعالیٰ وصلی علی النبی علیه السلام و طاف طواف القدوم وسُنّ للآفاقی واخذ عن یمینه فیبتدئ مما یلی الباب الضمیر فی یمینه یرجع الی الطائف فالطائف المستقبل للحجر یکون یمینه الی جانب الباب فیبتدی من الحجر ذاهبا الی هذا الجانب وهو الملتزم ای ما بین الحجر الی الباب جاعلا رداءه تحت ابطه الیمنیٰ ملقیا طرفه علی کتفه الیسریٰ وفی المختصر قلت مضطبعاً ومعنی الاضطباع هذا وراء الحطیم سبعة اشواط الحطیم وهو الکسر وهو موضع فیه المیزاب سمی بهذا لانه حطیم من البیت ای کسر روی عن عائشة انها نذرت ان فتح الله تعالیٰ مکة علی رسول الله علیه السلام ان تصلی فی البیت رکعتین فلما فتحت مکة اخذ رسول الله علیه السلام بیدها وادخلها الحطیم وقال صلی ههنا فان الحطیم من البیت الا ان قومک قد قصرت بهم النفقة فاخرجوه من البیت ولولا حدثان عهد قومک بالجاهلیة لنقضت بناء الکعبة واظهرت قواعد الخلیل وادخلت الحطیم فی البیت والصقت العتبة علی الارض وجعلت له بابین بابا شرقیا وبابا غربیا ولئن عشت الی قابل لافعلن ذلک فلم یعش ولم یتفرغ لذلک الخلفاء الراشدون حتی کان زمن عبد الله بن الزبیر وکان سمع الحدیث منها ففعل ذلک واظهر قواعد الخلیل وبنی البیت علی قواعد الخلیل بمحضر من الناس وادخل الحطیم فی البیت فلما قتل کره الحجاج ان یکون بناء البیت علی ما فعله ابن الزبیر فنقض بناء الکعبة واعادة علی ما کان فی الجاهلیة فلما کان الحطیم من البیت یطاف وراء الحطیم حتی لو دخل الفرجة لا یجوز لکن ان استقبل المصلی الحطیم وحده لا یجوز لان فرضیة التوجه ثبت بنص الکتاب فلا یتأدیٰ بما ثبت بخبر الواحد احتیاطاً والاحتیاط فی الطواف ان یکون وراء الحطیم

ترجمہ: اور ہمیانی کمر میں باندھنا جائز ہے،، یعنی ہمیانی سلی ہوئی ہونے کے باوجود تہبند کے اوپر (ضرورتاً) باندھنا درست ہے۔ اور نماز پڑھنے کے بعد یا اونچی جگہ پر چڑھتے ہوئے یا نیچی جگہ میں اترتے ہوئے یا سواروں سے ملاقات کے وقت یا صبح کے وقت لبیک زیادہ کہے۔ اور مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے مسجد حرام میں جائے اور بیت اللہ شریف کو دیکھ کر تکبیر (اللہ اکبر) اور تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) کہے اسکے بعد حجر اسود کے سامنے جا کر تکبیر و تہلیل کہے اور دونوں ہاتھ نماز کی

طرح اٹھائے اور اسے چومے۔ یعنی پکڑے اور چومے ہاتھ سے یا چومے یا اسے سلامتی کے ساتھ چھوئے، سین کے زبر اور لام کے زیر کے ساتھ اس سے مراد حجر اسود ہے۔ اگر ایذاء پہونچائے بغیر قادر ہو۔ یعنی کسی مسلمان کو تکلیف پہونچائے اور مزاحمت کے بغیر اسپر قدرت ہو ورنہ ہاتھ میں کوئی چیز (مثلاً لکڑی الیکر اس سے چھوئے اور اس لکڑی کو چوم لے۔ اور اگر اس سے بھی (بوجہ ہجوم کے) عاجز ہو تو حجر اسود کے سامنے جاکر تکبیر وتہلیل کہے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور نبی علیہ السلام پر درود بھیجے۔ اور بیت اللہ کا طواف طوافِ قدوم کرے۔ اور یہ طواف آفاقی (خارجِ میقات سے آئے ہوئے) کیلئے مسنون ہے۔ اور دائیں جانب سے شروع کرے۔ پس اس جہت سے شروع کرے جو باب کعبہ سے متصل وقریب ہو۔ یمینہ کی ضمیر طواف کرنے والے کی طرف لوٹ رہی ہے لہٰذا طواف کرنے والا جو حجر اسود کا استقبال کرے گا اسکی دائیں جانب باب کعبہ کی طرف ہوگی پس وہ حجر اسود سے آغاز کرکے ملتزم تک جائے گا جو حجر اسود اور باب خانۂ کعبہ کے درمیان ہے چادر کو داہنی بغل کے نیچے کرکے اسکے کنارے اپنے بائیں کاندھے پر ڈالے، "مختصر" میں میں نے۔ "مضطبعاً" کہا اور اضطباع کے معنی یہ ہیں (جو مصنف نے بیان کئے اور ح حطیم کے سات بار طواف۔ الحطیم حطم سے مشتق ہے۔ "الحطم" کے معنی ہیں ٹوٹا ہوا، اور وہ اس جگہ نام ہے جہاں میزابِ کعبہ ہے۔ حطیم کو حطیم اسلئے کہتے ہیں کہ اسے (قریش نے) بیت اللہ سے نکال دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ پر رسول علیہ السلام کو فتح عطا فرمائی تو بیت اللہ میں دو رکعات پڑھینگی تو جب مکہ مکرمہ فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضہ کا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں پہونچایا اور ارشاد ہوا یہاں نماز پڑھ لو۔ کیونکہ حطیم بھی بیت اللہ میں داخل ہے، تمہاری قوم (قریش) کو مالی پریشانی (خرچ کی وقت) ہوئی تو اتنا حصہ بیت اللہ سے نکال دیا اور اگر تمہاری قوم کا زمانۂ کفر قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کی بنیاد منہدم کرکے حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام کی بنیاد پر ظاہر کرکے حطیم کو بیت اللہ میں داخل کرتا اور کعبہ کی چوکھٹ کو زمین سے ملا دیتا اور بیت اللہ کے دو دروازے بناتا ایک مشرقی دروازہ اور ایک غربی دروازہ اور اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو میں ضرور ایسا کروں گا مگر آپ آئندہ سال تک حیات نہ رہے (اور وصال ہو گیا) اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اسکا موقعہ نہ ملا یہاں تک کہ عبد اللہ ابن زبیرؓ کا زمانۂ خلافت آگیا اور حضرت عبد اللہؓ حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سن چکے تھے تو انھوں نے ایسا ہی کیا جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی) اور حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام کی بنیادوں پر بیت اللہ شریف کی تعمیر لوگوں (صحابہؓ) کی موجودگی میں فرمائی اور حطیم کو بیت اللہ میں داخل کرادیا پھر حضرت عبد اللہؓ شہید کردیئے گئے تو حجاج نے اسے ناپسند کیا کہ بیت اللہ کی بنیاد حضرت

عبداللہ کی قائم کردہ بنیاد کے مطابق باقی رہے تو اس نے کعبہ کی عمارت منہدم کرکے پھر دورِ جاہلیت کی
بنیادوں پر تعمیر کردی ۔ جب حطیم خانۂ کعبہ میں سے قرار پایا تو اس صورت میں طواف حطیم سمیت کیا
جائے گا ۔ حتیٰ کہ اگر خالی جگہ (جو حطیم اور کعبہ کے درمیان ہے) میں داخل ہوکر طواف میں حطیم کو چھوڑ دے
تو جائز نہ ہوگا ۔ لیکن اگر کوئی نماز پڑھنے والا صرف حطیم کی طرف منھ کرکے نماز پڑھے گا تو جائز نہ ہوگی
کیونکہ کعبہ کی طرف منھ کرنا قرآن شریف (وجهك شطر المسجد الحرام) سے ثابت ہے تو احتیاطاً
خبر واحد سے ثابت شدہ کے ساتھ نماز ادا نہ ہوگی ۔ (یعنی یہ کہ حطیم داخل کعبہ ہے حدیث سے ثابت ہے)
اور طواف میں احتیاط یہ ہے کہ حطیم کو طواف میں داخل کیا جائے گا ،

تشریح و توضیح همیان الخ ہا کے زیر اور میم کے سکون کے ساتھ وہ چیز جو پاجامہ کے
کمر بند سے وسط کمر میں باندھی جائے اور اس میں دراہم (اور روپے) رکھے
جائیں ضرورتاً اسکی اجازت صحابۂ کرامؓ اور تابعین سے ثابت ہے ،

واکثر التلبیة الخ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ سلف ان حالات میں اور ان مواقع میں تلبیہ
کی کثرت کو پسند فرماتے تھے ،

یمسّ الخ یا کے پیش اور میم کے زیر کے ساتھ مضارع ہے مساس سے ۔ یعنی اگر منھ سے چومنا ممکن
نہ ہو یا ہاتھ سے چھونا ممکن نہ رہے تو مثلاً عصا وغیرہ سے چھوکر اسے چوم لے اور ثابت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کا عصا سے استلام کیا (یہ روایت بخاری شریف وغیرہ میں موجود ہے)

جاعلاً الخ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح اضطباع ثابت ہے (سنن ابی داؤد
میں روایت موجود ہے)

الخلفاء الراشدون الخ یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم کا
دورِ خلافت ۔ ان کا زمانۂ خلافت ۴۰ھ میں ختم ہوا پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انھوں
نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت فرمالی ۔ حضرت معاویہؓ کا ۶۰ھ میں انتقال ہوا اور ان کے بعد یزید
کا تسلط ہوا اسی کے زمانہ میں شہادتِ حسینؓ کا حادثۂ عظیمہ پیش آیا پھر یزید کا دورِ تسلط ختم ہو
کر مروان کا دورِ اقتدار آیا اور پھر عبدالملک برسرِ اقتدار آیا ۔ اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
نے اہل حجاز سے اپنی خلافت کی بیعت لی ۔ جب حجاز پر انکی خلافت مستحکم ہوگئی تو انھوں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو کے مطابق جسکے بارے میں وہ اپنی خالہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا سے سن چکے تھے خانۂ کعبہ کی تعمیر فرمائی پھر جب جمادی الاولیٰ ۷۳ھ میں حضرت
عبداللہ ابن زبیرؓ شہید ہوگئے تو حجاج نے خانۂ کعبہ کی تعمیر عہد جاہلیت کے مطابق کردی ،

لکن الخ یعنی اگر کسی شخص نے صرف حطیم کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی اور اجزائے کعبہ میں سے

کسی جزکی طرف رخ نہیں کیا تو اسکی نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ حطیم کا بیت اللہ میں شامل ہونا اخبار احاد سے ثابت ہے اور اسے تواتر کا درجہ حاصل نہیں ہوا اور قبلہ کی طرف توجہ و رخ کرنا نص قطعی یعنی قرآن کریم سے ثابت ہے پس صرف حطیم کی طرف توجہ کافی نہ ہوگی۔

ورمل فی الثلثة الاول فقط من الحجر الی الحجر وهو ان یمشی سریعًا ویهز فی مشیه الكتفین كالمبارز بین الصفین وذلك مع الاضطباع وكان سببه اظهار الجلادة للمشركین حیث قالوا اضناهم حمی یثرب ثم بقی الحكم بعد زوال السبب فی زمن النبی علیه السلام وبعده وكلما مر بالحجر فعل ما ذكر ویستلم الركن الیمانی وهو حسن وختم الطواف باستلام الحجر ثم صلی شفعًا یجب بعد كل اسبوع عند المقام او غیره من المسجد ثم عاد واستلم الحجر وخرج فصعد الصفا واستقبل البیت وكبر وهلل وصلی علی النبی علیه السلام ورفع یدیه ودعا بما شاء ثم مشی نحو المروة ساعیًا بین المیلین الاخضرین وصعد علیها وفعل ما فعله علی الصفا یفعل هكذا سبعًا یبدء بالصفا ویختم بالمروة ای السعی من الصفا الی المروة شوط ثم من المروة الی الصفا شوط آخر فیكون بدایة السعی من الصفا وختمه وهو السابع علی المروة وفی روایة الطحاوی السعی من الصفا الی المروة ثم منها الی الصفا شوط واحد فیكون اربعة عشر شوطًا علی الروایة الثانیة ویقع الختم علی الصفا والصحیح هو الاول ثم سكن بمكة محرمًا وطاف بالبیت نفلًا ما شاء وخطب الامام سابع ذی الحجة وعلم فیها المناسك وهی الخروج الی منی والصلوة والوقوف بعرفات والافاضة ثم التاسع بعرفات ثم الحادی عشر بمنی یفصل بین كل خطبتین بیوم ثم خرج غداة التروية وهی الیوم الثامن من ذی الحجة سمی بذلك لانهم یروون الابل فی هذا الیوم الی منی ومكث فیها الی فجر یوم عرفة ثم منها الی عرفات وكلها موقف الا بطن عرنة واذا زالت الشمس منه خطب الامام خطبتین كالجمعة وعلم فیها المناسك وهی الوقوف بعرفة والمزدلفة ورمی الجمار والنحر والحلق وطواف الزیارة ۔

ترجمہ اور محض پہلے تین شوط میں رمل کرے اور ایک شوط حجر اسود سے حجر اسود تک پورا ہوتا ہے اور رمل یہ ہے کہ اپنے کاندھوں کو ہلاتے ہوئے تیزی کے ساتھ سپاہی کے لڑائی کی صفوں کے درمیان چلنے کے مانند چلے اور یہ رمل اضطباع کے ساتھ ہو۔ اور اس کا سبب ان مشرکین کے سامنے اظہار

شجاعت کرنا تھا جو کہتے تھے کہ مدینہ کے بخار (وتپش) اسنے ان لوگوں کو کمزور کردیا پھر رمل کا حکم
اس سبب کے ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اسکے بعد بھی باقی رہا (کہ یہ
یادگار عنداللہ مقبول ہو کر ہمیشہ کیلئے اطاعت وشجاعت کا نمونہ بن گئی) اور جب بھی حجر اسود سے گذرے
کرے جو ذکر کیا گیا (یعنی بوسہ دے) اور رکن یمانی کو بوسہ دے اور یہ استیلام وچومنا مستحب ہے
پھر حجر اسود کے بوسہ کے ساتھ طواف ختم کرے۔ اسکے بعد دو رکعات پڑھے (اور سات شوط کے بعد یہ
دو رکعات مقام ابراہیم یا اسکے علاوہ مسجد کے کسی حصہ میں پڑھنا واجب ہے) پھر لوٹ کر حجر اسود کو چومے
اور نکل کر صفا (کوہ صفا) پر چڑھے اور بیت اللہ کی طرف منھ کرے اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے اور نبی
علیہ السلام پر درود بھیجے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر جو بھی چاہے دعاء مانگے پھر مروہ (کوہ مروہ) کی طرف
چلے دو سبز میلوں کے درمیان دوڑتا ہوا اور مروہ پر چڑھکر وہ کرے جو صفا پر کر چکا تھا اسی طرح
سات بار کرے شروع کرے صفا سے اور مروہ پر ختم کرے یعنی صفا سے مروہ تک ایک شوط پھر مروہ
سے صفا تک دوسرا شوط ہوتا ہے تو صفا شروع کرے دوڑنا اور ختم کرے مروہ پر اور ساتویں دفعہ میں
مروہ پر ختم کرے اور طحاوی کی ایک روایت میں ہے کہ سعی صفا سے مروہ تک پھر مروہ سے صفا تک
ایک شوط ہے تو روایت ثانیہ کے مطابق چودہ شوط ہوں گے اور اختتام صفا پر ہوگا۔ اور صحیح
اول ہے (یعنی سات شوط والی روایت) پھر بحالت احرام مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور بیت اللہ کا
نفل طواف جسقدر چاہے کرے اور ساتویں ذی الحجہ کو امام خطبہ دے اور اسمیں حج کے احکام بتائے
اور وہ ہے (مثلاً) منیٰ کی جانب نکلنا اور نماز اور وقوف عرفات اور افاضہ (یعنی عرفات سے لوٹنا)
اور دوسرا خطبہ نویں تاریخ کو عرفات میں پھر تیسرا خطبہ گیارہ تاریخ کو منیٰ میں دے۔ تو ہر خطبہ میں
ایک دن کا فصل رکھے پھر آٹھویں تاریخ کو بوقت صبح منیٰ کی طرف نکلے "الترویہ" وہ ذی الحجہ
کی آٹھ تاریخ ہے۔ اسکا یہ نام اسلئے رکھا گیا کیونکہ اونٹوں والے اس دن اونٹوں کو سیراب کرتے ہیں
پھر منیٰ میں یوم عرفہ کی فجر تک ٹھہرے۔ اسکے بعد وہاں سے عرفات جائے اور عرفات میں جہاں
چاہے ٹھہرے سوائے بطن عرفہ (کہ وہاں ٹھہرنے کی ممانعت ہے) اور سورج ڈھلنے (زوال) کے بعد
امام جمعہ کی طرح دو خطبے دے اور اسمیں حج کے احکام بتلائے (مثلاً) وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، کنکریاں
پھینکنا نحر حلق اور طواف زیارت (کے احکام) :-

تشریح وتوضیح الی الحجر الخ :- اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رض کا عمل رہا اور وہ
ابتداء میں حجر اسود سے رکن یمانی تک رمل کرتے تھے اور ان کے درمیان اپنی اصلی
رفتار پر چلتے تھے۔ وکان سببہ الخ "صحاح" کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سنہ میں فتح مکہ سے قبل بغرض عمرہ مکہ تشریف لے گئے مگر مشرکین آڑے آئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو حرم میں داخل ہونے سے روک دیا۔ تو آنحضورؐ اور صحابۂ کرامؓ نے حدیبیہ نامی مقام پر احرام کھول دیئے اور اس بات پر صلح ہوگئی کہ آئندہ سال مکہ آئیں گے اور مکہ مکرمہ میں صرف تین روز قیام رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ اسکے بعد مدینہ طیبہ لوٹ گئے پھر ۷ھ میں عمرۃ القضا کیلئے مکہ پہونچے کفار نے حسب وعدہ تین روز کیلئے مکہ خالی کردیا اور پہاڑوں پر چڑھ گئے اور چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ یہ کمزور لاغر دستہ انہیں پریشانیوں اور مدینہ کے بخار نے کمزور کردیا ہے اس وقت مدینہ کی آب و ہوا زیادہ بخار لانے والی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اس گفتگو کا علم ہوا تو طواف میں تیزی اور رمل کا حکم فرمایا تھا کہ کفار انکی جلالت وہیبت و قوت کا مشاہدہ کریں، اور مسلمانوں کے بارے میں ان کا خیال غلط ثابت ہوجائے یہ رمل کی مشروعیت کا اصل سبب تھا مگر بعد میں بھی یہ سنت باقی رہی
یجب الخ یعنی طواف سے فارغ ہوکر دو رکعات پڑھے اور یہ سات شوط اور طواف مکمل ہونے کے بعد واجب ہے،
الصفا الخ یعنی ابتداء اس سے کرے جس سے اللہ نے ابتداء کی، ارشاد ربانی ہے "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما" (الآیۃ)
یہ روایت نسائی میں موجود ہے)
ومکث الخ۔ منیٰ میں اس دن اور نویں تاریخ کی رات میں ٹھہرے، "مسلم شریف" میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الترویہ میں صبح کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی پھر آفتاب طلوع ہونے پر منیٰ کی طرف کوچ فرمایا اور وہاں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء اور یوم عرفہ کی فجر کی نماز پڑھی پھر عرفات کی طرف تشریف لیگئے۔

وصلی بھم الظھر والعصر ای فی وقت الظھر باذان واقامتین وشرط الامام والاحرام فیھما

فلا یجوز العصر للمنفرد فی احدھما ولا لمن صلی الظھر بجماعۃ ثم احرم الا فی وقتہ ھذا استثناء من قولہ فلا یجوز العصر وانما خص العصر بھذا الحکم لان الظھر جائز لو قوعہ فی وقتہ اما العصر فلا یجوز قبل الوقت الا بشرط الجماعۃ فی صلوۃ الظھر والعصر وکونہ محرما فی کل واحد من الصلاتین ثم ذھب الی الموقف بغسل سن ووقف

الامام علی ناقتہ بقرب جبل الرحمۃ مستقبلا ودعا بجھد وعلم المناسک ووقف الناس

خلفہ بقربہ مستقبلین سامعین مقولہ واذا غربت اتی مزدلفۃ وکلھا موقف الا وادی

محسر ونزل عند جبل قزح وصلی العشائین باذان واقامۃ ھھنا جمع المغرب والعشاء

فی وقت العشاء واعاد مغربا من اداہ فی الطریق او بعرفات مالم یطلع الفجر لا بعدہ

فانہ ان صلی المغرب قبل وقت العشاء لا یجوز عند ابی حنیفۃ ومحمد فیجب الاعادۃ مالم یطلع الفجر فان الحکم بعدم الجواز لادراک فضیلۃ الجمع وذا الی طلوع الفجر فاذا فات امکان الجمع سقط القضاء لانہ ان وجب القضاء فاما ان وجب قضاء فضیلۃ الجمع وذا لا یمکن اذ لا مثل لہ وان وجب قضاء نفس الصلوٰۃ فقد اداھا فی الوقت فکیف یجب قضاؤھا :-

ترجمہ اور ان کے ساتھ ظہر اور عصر ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھے اور دونوں نمازوں کے جمع کرنے کے واسطے شرط ہے کہ امام ہو اور وہ احرام کی حالت میں ہو پس جس نے ظہر اور عصر کی نماز منفرد و بلا جماعت پڑھی اس کیلئے عصر کی نماز امام کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں اور نہ اس شخص کیلئے جائز ہے جس نے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد احرام باندھا ہو بلکہ وہ نماز عصر اپنے وقت (وقت عصر) میں پڑھے (وقت ظہر میں نہ پڑھے) یہ (یعنی الافی وقتہ) استثناء ہے مصنفؒ کے قول ,,فلا یجوز العصر،، سے اور نماز عصر کو اس حکم کے ساتھ مخصوص کرنا (کہ جائز نہیں ہے مگر اپنے وقت میں) کہ ظہر اپنے وقت میں واقع ہونے کی وجہ سے جائز ہے رہی عصر کی نماز تو وہ وقت سے پہلے (عصر کے وقت سے قبل) نماز ظہر وعصر باجماعت پڑھنے کے شرط کے ساتھ جائز ہے اور یہ کہ نماز پڑھنے والا دونوں نمازوں کے وقت محرم ہو - پھر موقف ، کی طرف جائے - اسوقت غسل کرنا مسنون ہے اور امام اونٹ پر کھڑا ہو جبل رحمت کے قریب قبلہ رخ ہو کر اور (پھر) تضرع وزاری اور خوب کوشش سے دعا مانگے اور حج کے احکام بتائے - اور لوگ امام کے پیچھے اسکے قریب کھڑے ہوں سب قبلہ رخ ہوں امام کے کلام کو سن رہے ہوں - اور آفتاب غروب ہونے کے بعد مزدلفہ آئیں اور وادی محسر کے علاوہ جہاں چاہے وقوف کرے - اور جبل قزح کے قریب اترے اور مغرب وعشاء اذان اور اقامت کے ساتھ پڑھے یہاں مغرب اور عشاء (دونوں) وقت عشاء میں پڑھی جائینگی - اور جس نے مغرب کی نماز راستہ میں ادا کرلی ہو یا عرفات میں پڑھ لی ہو وہ طلوع فجر سے پہلے اس کا اعادہ کرے بعد میں اعادہ نہ کرے کیونکہ اگر وہ مغرب کی نماز عشاء کے وقت سے پہلے پڑھے تو جائز نہیں امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک پس تا وقتیکہ طلوع فجر نہ ہو اسکا اعادہ واجب ہوگا - اسلئے کہ عدم جواز کا حکم دونوں نمازوں کی جمع کی فضیلت پانے کیلئے ہے اور یہ طلوع فجر تک ممکن ہے پس جب امکان جمع (وقت فوت کی بنا پر) ختم ہوگیا تو مغرب کی قضاء (بھی) ساقط ہوگئی کیونکہ اگر قضاء فضیلت جمع پانے کیلئے ہو تو اسکا مثل موجود نہ ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں اور اگر نفس نماز کی قضاء واجب ہو تو اسکو اپنے وقت پر ادا کیا ہے تو پھر اسکی قضاء کیسے واجب ہوگی :-

تشریح وتوضیح فی وقت الظهر :- اسپر اہل علم کا اتفاق ہے۔ متعدد روایات سے اس کا ثبوت ہے اسی طرح مزدلفہ میں جمع تاخیر متعدد روایات سے ثابت ہے اور ظہر کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نماز جمعہ یوم عرفہ میں نہیں پڑھے گا اگرچہ جمعہ کا دن ہو باذان واقامتین الخ "مسلم شریف" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے کیونکہ اذان دخولِ وقت کی اطلاع کے لئے ہے پس ایک بار کافی ہے بخلاف اقامت کے کہ حاضرین کو اطلاع دوبارہ ہونی چاہیئے۔ جبل الرحمۃ :- یہ وادی عرفات کے وسط میں ایک پہاڑ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں وقوف فرمایا تھا۔

عند ابی حنیفۃ :- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمدؒ کے نزدیک اعادہ واجب ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اعادہ واجب نہیں ہوگا بلکہ وہی پڑھی ہوئی نماز کافی ہو جائے گی۔ البتہ سنت کی مخالفت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

وصلّی الفجر بغلس ثم وقف ودعا وهو واجب لا رکن واذا اسفر اتی بمنیٰ ورمی جمرة العقبة من بطن الوادی سبعًا خذفًا وکبّر بکل منها وقطع تلبیة باولها ثم ذبح ان شاء ثم قصّر وحلقه افضل وحل له کل شیٔ الا النساء ثم طاف للزیارة یومًا من ایام النحر سبعة بلا رمل وسعی ان کان سعی قبله والا فعهما واول وقته بعد طلوع فجر یوم النحر وهو فیه افضل ای فی یوم النحر وحل له النساء فان اخره عنها کره ای عن ایام النحر ووجب دم ثم اتی بمنیٰ وبعد زوال ثانی النحر رمی الجمار الثلث یبدأ بما یلی المسجد ای مسجد الخیف ثم بما یلیه ثم بالعقبة سبعًا سبعًا وکبر بکل حصاة ووقف بعد رمی بعده رمی فقط ای یقف بعد الرمی الاول وبعد الثانی لا بعد الثالث ولا بعد رمی یوم النحر ودعا ثم غدًا کذلك ثم بعده کذلك ان مکث وهو احب وان تقدم الرمی فیه ای فی الیوم الرابع علی الزوال جاز وله النفر قبل طلوع فجر الیوم الرابع النفر خروج الحاج من منیٰ لا بعده فانه ان توقف حتی طلع الفجر وجب علیه رمی الجمار وجاز الرمی راکبًا وفی الاولین ماشیًا احب لا العقبة الاولان ما یلی مسجد الخیف ثم ما یلیه ولو تقدم ثقله الی مکة واقام بمنیٰ للرمی کره واذا نفر الی مکة نزل بالمحصب ثم طاف للصدر سبعة اشواط بلا رمل وسعی وهو واجب الا علی اهل مکة ثم شرب من زمزم وقبّل العتبة ووضع صدره ووجهه علی الملتزم وهو ما بین الحجر والباب۔ وتشبث بالاستار ساعة ودعا مجتهدًا ویبکی ویرجع قهقری حتی یخرج من المسجد ویسقط

طواف القدوم عمن وقف بعرفة قبل دخول مكة ولا شئ عليه بتركه اذ لا يجب عليه شئ بترك السنة

ترجمہ اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھے (یعنی روشنی زیادہ پھیلنے سے پہلے پڑھے) پھر وقوف کرے (مزدلفہ میں ٹھہرے) اور دعا کرے۔ اور یہ وقوف ہمارے نزدیک واجب ہے رکن نہیں، (رکنِ حج نہیں) اور جب فجر خوب روشن ہو جائے تو منیٰ میں آکر جمرۂ عقبہ کی رمی بطنِ وادی سے کرے سات بار انگلیوں سے سات کنکریاں پھینکے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور پہلی کنکری پھینکے (رمی) کے ساتھ تلبیہ قطع کرے۔ پھر ذبح کرے اگر چاہے اسکے بعد قصر کرے اور حلق کرانا افضل ہے اور اب اس کیلئے سوائے عورتوں کے اور سب چیزیں حلال ہو جائے گی پھر طوافِ زیارت کرے ایامِ نحر میں سے کسی دن سات مرتبہ رمل اور سعی کے بغیر بشرطیکہ اس سے قبل رمی اور سعی کر چکا ہو ورنہ (اسوقت) رمل اور سعی بھی کرے۔ اور طوافِ زیارت کا اول وقت یومِ نحر کے طلوعِ فجر کے بعد ہے اور اسی دن یہ طواف کرنا افضل ہے۔ اور طواف کے بعد اب عورتیں بھی ہیں (بیبیوں سے صحبت وغیرہ) طواف ایامِ نحر سے مؤخر کرنا (اوران دنوں میں نہ کرنا) مکروہ ہے اور ایامِ نحر سے طواف مؤخر کرنے میں دم واجب ہوگا (یعنی قربانی واجب ہو گی) اسکے بعد منیٰ میں آئے اور ۱۱ ذی الحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمروں کی رمی کرے۔ مسجد خیف کے نزدیک والے جمرہ سے شروع کرے پھر جو اس سے قریب ہو پھر جمرۂ عقبہ کی ہر جمرہ پر سات سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور محض پہلی رمی اور دوسری رمی کے بعد وقوف کرے۔ یعنی پہلی رمی اور دوسری رمی کے بعد وقف کرے تیسری کے بعد اور یوم نحر کی رمی کے بعد نہ کرے۔ اور دعا کرے پھر دوسرے دن اسی طرح کرے۔ اسکے بعد ایسا ہی کرے اگر وہاں ٹھہرے۔ اور یہ تیسرے دن ٹھہرنا اچھا ہے اور اگر چوتھے دن رمی زوال سے پہلے کرے تو جائز ہے اور چوتھے دن طلوعِ فجر سے پہلے وہاں سے چلے جانا درست ہے یعنی حاجی کا طلوعِ فجر سے قبل منیٰ سے جانا درست ہے۔ طلوعِ فجر کے بعد بغیر رمی کے جانا درست نہیں،

اسلئے کہ اگر وہ طلوعِ فجر تک ٹھہرے تو اس پر رمیٔ جمار واجب ہے اور سوار ہو کر رمی کرنا جائز ہے۔ اور جمرۂ اولیٰ کی رمی (جو مسجد خیف کے پاس ہے) اور جمرۂ وسطیٰ کی (جو اسکے بعد ہے) بغیر سواری کے کرنا مستحب (وافضل) ہے نہ کہ جمرۂ عقبہ کی۔ الاولان سے مراد مسجد خیف سے متصل اور اسکے بعد کا جمرہ ہیں،

اور اگر اپنا اسباب مکہ مکرمہ بھیج دے اور منیٰ میں رمی کے واسطے ٹھہرے تو یہ مکروہ ہے۔ اور جب منیٰ سے مکہ لوٹے تو محصب میں اترے پھر طوافِ صدر کرے رمل وسعی کے بغیر سات شوط

اور یہ طواف واجب ہے مگر اہل مکہ پر واجب نہیں ، پھر آب زمزم پئے اور چوکھٹ کو بوسہ دے اور ،، ملتزم ،، پر اپنا سینہ اور منہ رکھے۔ ملتزم وہ ہے جو حجر اسود اور دروازہ کے درمیان ہے اور کچھ دیر کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر تضرع وزاری سے دعا مانگے اور الٹے پاؤں لوٹے (پشت کرکے نہ لوٹے) حتی کہ مسجد حرام سے باہر آجائے اور جس نے مکہ مکرمہ میں جانے سے پہلے وقوف عرفہ کیا ہو تو طوافِ قدوم اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اسکے ترک کے باعث اسپر کوئی دم واجب نہ ہوگا۔ اسپر ترکِ سنت کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا (کیونکہ یہ طواف سنت ہے)

تشریح وتوضیح بغلس الخ یعنی صبح صادق کے طلوع کے بعد کچھ تاریکی باقی رہتے ہوئے نماز پڑھ لے۔ کیونکہ اس میں اسفار مستحب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے۔ (بخاری شریف وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے۔)

ثم وقف الخ مستحب یہ ہے کہ جبل قزح کے قریب وقوف کیا جائے اگر ممکن ہو اور ذکر دعاء اور درود میں مصروف رہے اور تلبیہ کی کثرت رکھے۔ صحاح ،، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ثابت ہے ، وکبر الخ ہر مرتبہ رمی کے ساتھ اللہ اکبر کہے ،

باولها الخ ،، صحاح ستہ ،، میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تلبیہ پڑھتے تھے حتی کہ جمرۂ عقبہ کی رمی فرما لیتے ، ووجب الخ یعنی ترک واجب کے نقصان کی تلافی کیلئے دم واجب ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مناسکِ حج (واجبات) میں سے کچھ بھول جائے یا ترک کرے تو اسے دم دینا چاہئے (موطا امام مالک میں یہ ارشاد موجود ہے) ثم شرب الخ یعنی طواف وغیرہ سے فارغ ہو کر زمزم کے کنویں پر آئے اور تبرکاً قبلہ رخ کھڑے ہو کر پانی پئے۔ ،، مسند احمد ،، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کا عمل ثابت ہے ،

ومن وقف بعرفة ساعة من زوال يومها الى طلوع فجر يوم النحر او اجتاز نائما او مغمى عليه او اهل عنه رفيقه به او جهل انها عرفة صح ومن لم يقف فيها فات حجه فطاف وسعى وتحلل وقضى من قابل هذا لمن احرم ولم يدرك الحج والمرأة كالرجل لكنها لا تكشف رأسها بل وجهها ولو اسدلت شيئا عليه وجافته عنه صح ولا تلبي جهرا ولا تسعى بين الميلين ولا تحلق بل تقصر وتلبس المخيط ولا تقرب الحجر في الزحام وحيضها لا يمنع نسكا الا الطواف فانه في المسجد ولا يجوز للحائض دخوله وهو بعد ركنيه يسقط طواف الصدر اي الحيض بعد الوقوف وطواف الزيارة

يسقط طواف الوداع واعلم ان الاحرام قد يكون بسوق الهدى فاراد ان يبينه فقال من قلد بدنة نفلا او نذرا او جزاء صيد او نحوه كالدماء الواجبة بسبب الجناية فى السنة الماضية يريد الحج او بعث بها لمتعة اى بعث بالبدنة للتمتع وتوجه معها بنية الاحرام فقد احرم المراد بالتقليد ان يربط قلادة على عنق البدنة فيصير به محرما كما بالتلبية ولو اشعرها اى شق سنامها ليعلم انها هدى او جللها اى القى الجل على ظهرها او قلد شاة لا او كما لو بعث بدنة وتوجه حتى يلحقها اى ان لم يتوجه مع البدنة ولم يسقها بل بعثها لا يصير محرما حتى يلحقها فاذا الحقها يصير محرما والبدن من الابل والبقر هذا عندنا واما عند الشافعى فالبدن من الابل

فقط

ترجمہ اور جس شخص نے یوم عرفہ (نویں تاریخ) کے زوالِ آفتاب کے بعد سے یوم النحر (دسویں تاریخ) کے طلوع فجر تک ایک ساعت بھی وقوفِ عرفہ کیا یا سوتے ہوئے عرفات سے گذر گیا یا بیہوشی کی حالت میں گذرا یا (وہ بے ہوش تھا) اور اسکے رفیق نے اسکی طرف سے لبیک کہا اور اسکی طرف سے احرام باندھا یا اسے معلوم نہ ہوا کہ یہ عرفہ ہے تو اسکا وقوف (اور حج) صحیح ہوگیا اور جس نے وقوفِ عرفہ نہیں کیا اس کا حج فوت ہوگیا پس وہ طواف اور سعی کرکے حلال ہو جائے اور آئندہ سال اس کی قضاء کرے یہ اس شخص کیلئے ہے جو احرام باندھ چکا ہو اور حج نہ پائے (یعنی وقوفِ عرفہ فوت ہونے کی وجہ سے حج فوت ہو جائے) اور عورت کا حکم (کل امور میں) مرد کی طرح ہے۔ لیکن وہ اپنا سر نہ کھولے (صرف) چہرہ کھولے۔ اور اگر چہرہ پر کوئی کپڑا اس طرح ڈال لے کہ چہرہ سے الگ رہے تو صحیح ہے۔ اور عورت جہراً تلبیہ نہ پڑھے (لبیک نہ کہے) اور میلین کے درمیان نہ دوڑے اور حلق نہ کرے (سر نہ منڈوائے) بلکہ قصر کرے اور سلے ہوئے کپڑے پہنے اور بھیڑ میں حجرِ اسود کے قریب نہ ہو اور حائضہ ہو جائے تو طواف کے علاوہ کل امورِ حج کرے۔ کیونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ کیلئے مسجد میں جانا جائز نہیں، اور اگر اسے وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارۃ کے بعد حیض آئے تو اس سے طوافِ صدر (طوافِ رخصت) ساقط ہو جائے گا۔ اور واضح رہے کہ احرام ہی (مکہ کو بھیجا جانے والا قربانی کا جانور) سے بھی ہو جاتا ہے تو مصنفؒ نے اسے بیان کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے فرمایا جو بدنہ (اونٹ یا گائے یا بیل) کے گلے میں قلادہ ڈالے خواہ یہ بدنہ بطور نفل ہو یا بطور نذر یا شکار وغیرہ کا بدلہ ہو مثلاً وہ قربانیاں جو گذشتہ سال میں جنایت کے سبب واجب ہوئی ہوں۔ (اور وہ) ارادہ کرتا ہے حج کا یا قربانی تمتع کے قصد سے بھیجے اور اس بدنہ کے ساتھ احرام کی نیت سے مکہ کا ارادہ کرے تو وہ محرم ہوگیا۔ تقلید سے مراد یہ ہے کہ بدنہ کی گردن میں ہار بناکر (جوتہ کا ٹکڑا وغیرہ) لٹکا دے تو جس طرح تلبیہ سے محرم

ہوتا ہے اس سے بھی محرم ہو جائے گا۔ اور اگر اشعار کیا یعنی اونٹ کا کوہان چیرا تا کہ اس کا ہدی ہونا معلوم ہو جائے یا اسکی پیٹھ پر جھول ڈال دی یا بکری کے قلادہ ڈالا تو محرم نہ ہوگا۔ اور اسی طرح اگر بدنہ بھیجے اور مکہ کا ارادہ کرے تو تا وقتیکہ اس سے مل نہ جائے محرم نہ ہوگا۔ یعنی اگر بدنہ خود لیکر مکہ مکرمہ نہ چلے بلکہ (کسی کے ساتھ) بھیج دے تو تا وقتیکہ بدنہ تک نہ پہونچ جائے محرم نہ ہوگا اور جب مل جائے گا محرم ہو جائے گا اور بدنہ اونٹ اور بقر (بیل اور گائے) سے ہوتا ہے یہ ہمارے (احناف کے نزدیک ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بدنہ بعض اونٹ سے ہوتا ہے، (اور اونٹ کے علاوہ درست نہیں)

تشریح وتوضیح ومن وقف الخ: وقوف کا مسنون وقت زوال کے بعد سے غروب تک ہے اور جواز کا وقت یوم نحر کے طلوع صبح صادق تک ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص رات میں طلوع فجر سے قبل عرفہ میں پہونچ گیا اس نے حج کو پالیا "اصحاب سنن" میں یہ روایت نقل کی ہے،

اجتاز، اجتیاز سے مشتق ہے اسکے معنی ہیں مرور، یعنی وادئ عرفات سے بحالتِ نوم گزرے اور بعد میں بیدار ہو اسی طرح بحالت بے ہوشی گذرنے اور اسکا رفیق اس کی طرف سے احرام باندھے تو وقوف صحیح ہو جائے گا "نہایہ" میں اسی طرح ہے "بل وجھھا الخ" یعنی عورت کے لئے سر کھولنا جائز نہیں بلکہ وہ چہرہ کھولے "سنن بیہقی" کی روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے،

ولا تسعیٰ الخ: عورت کو سعی کرنے اور دوڑنے کی ممانعت ہے بلکہ اسے دوڑے بغیر چلنا چاہیئے اسی طرح اسے رمل سے بھی روکا گیا ہے کیونکہ ان دونوں سے ستر اور پردہ پوشی میں خلل واقع ہوتا ہے جو عورت کیلئے شرعاً مطلوب و محمود ہے،

لا یمنع الخ: یعنی عورت اگر حائضہ ہو جائے تو وہ طواف کے علاوہ سارے افعال حج ادا کرے، "مسلم شریف" کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے ایام حج میں حائضہ ہو جانے پر فرمایا کہ بجز طواف کے وہ سارے افعال کرو جو حاجی کرتے ہیں

باب القران والتمتع

القران افضل مطلقا ای افضل من التمتع والافراد وهو ان یهل بحج وعمرة من المیقات معا الاهلال رفع الصوت بالتلبیة ویقول بعد الصلوٰة ای بعد الشفع الذی یصلی مریدا للاحرام اللهم انی ارید الحج والعمرة فیسرهما لی وتقبلهما منی وطاف للعمرة سبعة یرمل فی الثلثة الاول ویسعیٰ بلا حلق ثم یحج کما مر ثم ان ای بطوافین وسعیین لهما

كره اى يطوف اربعة عشر شوطا سبعة للعمرة وسبعة لطواف القدوم للحج ثم يسعى لهما وانما كره لانه اخر سعى العمرة وقدم طواف القدوم للحج ثم يسعى لهما وانما كره لانه اخر سعى العمرة وقدم طواف القدوم وذبح للقران بعد رمى يوم النحر وان عجز صام ثلثة آخرها عرفة وسبعة بعد حجه ان شاء اى بعد ايام التشريق فان فاتت الثلثة تعين الدم فان وقف قبل العمرة بطلت اى العمرة وقضيت ووجب دم الرفض وسقط دم القران والتمتع افضل من الافراد وهو ان يحرم بعمرة من الميقات فى اشهر الحج ويطوف ويسعى ويحلق او يقصر ويقطع التلبية فى اول طوافه اى فى اول طوافه للعمرة ثم احرم بالحج يوم التروية وقبله افضل وحج كالمفرد الا انه يرمل فى طواف الزيارة ويسعى بعده لانه اول طواف للحج بخلاف المفرد لانه قد سعى مرة ولو كان هذا المتمتع بعد ما احرم للحج طاف وسعى قبل ان يروح الى منى لم يرمل فى الطواف الزيارة ولا يسعى بعده لانه قد اتى بذلك مرة ولم تنب الاضحية عنه وان عجز صام كالقران وجاز صوم الثلثة بعد احرامها لا قبله وتاخيره احب اعلم ان اشهر الحج وقت لصوم الثلثة لكن بعد تحقق السبب وهو الاحرام وكذا فى القران لكن التاخير افضل وهو ان يصوم ثلثة متتابعة آخرها عرفة وان شاء السوق وهو افضل احرام وساق هديه وهو اولى من قودها وقلد البدنة وهو اولى من التجليل اى التجليل جائز لكن التقليد اولى منه ولا يدل هذا على انه يصير بالتجليل محرما فانه قد مر فى اول هذا الباب انه لا يصير بالتجليل محرما بل لا بد من التلبية او فعل يقوم مقامها وهو التقليد

ترجمہ قرآن مطلقاً افضل ہے۔ یعنی تمتع اور افراد سے افضل ہے۔ اور قران یہ ہے کہ لبیک کہے حج اور عمرہ کے ساتھ میقات سے بیک وقت (یعنی حج اور عمرہ کا احرام ساتھ ساتھ باندھے)۔ "اہلال" تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرنے کا نام ہے اور نماز کے بعد یعنی ان دو رکعات کے بعد جو احرام کا ارادہ کرنے والا پڑھتا ہے کہے اے اللہ میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں پس دونوں کو میرے لئے آسان بنا دے اور دونوں کو میری جانب سے قبول فرما اور عمرہ کیلئے سات مرتبہ طواف کرے۔ پہلے تین میں رمل کرے اور سعی کرے۔ سر نہ منڈوائے پھر حج کرے جیسا کہ بیان ہوا۔ اگر وہ دوبار طواف کرے اور دوبار سعی کرے (حج اور عمرہ کیلئے) تو یہ مکروہ ہے۔ یعنی طواف کے چودہ شوط ہوں سات عمرہ کے اور سات طواف قدوم کے حج کیلئے پھر دونوں کیلئے سعی کرے اور یہ (ہمارے نزدیک) مکروہ ہے اس وجہ سے مکروہ ہے کہ اس نے عمرہ کی سعی میں تاخیر کی اور طوافِ قدوم کو مقدم کیا اور قران میں یوم النحر کی رمی کے بعد قربانی کرے۔ اور اگر قربانی کرنے سے عاجز (مجبور) ہو تو تین روزے رکھے اور اس کا آخری دن عرفہ کا ہو

اور سات روزے ایامِ تشریق کے بعد جہاں چاہے رکھے (خواہ مکہ مکرمہ میں اور خواہ وطن لوٹ کر)
پس اگر تین روزے فوت ہوگئے تو قربانی متعین ہوگئی اور اگر قارن مکہ میں جانے کے بجائے افعالِ عمرہ
کیلئے پہلے ہی وقوفِ عرفہ کرے تو عمرہ باطل ہوگیا اور اسپر قضاء واجب ہوگی
اور عمرہ کے ترک کی بنا پر اسپر قربانی واجب ہوگی اور دم قران ساقط ہوجائے گا اور تمتع افراد سے افضل
ہے اور وہ یہ ہے کہ عمرہ کا احرام حج کے مہینوں میں میقات سے باندھے اور طواف اور سعی کرے
اور حلق کرے یا قصر کرے اور طوافِ عمرہ کے شروع میں تلبیہ ترک کردے۔ پھر یوم ترویہ (
نویں تاریخ میں) حج کا احرام باندھے اور اس سے پہلے باندھنا افضل ہے۔ اور مفرد کی طرح حج کرے
مگر وہ طوافِ زیارت میں رمل اور اسکے بعد سعی کرے گا کیونکہ یہ اس کا حج کیلئے اول طواف ہے۔ بخلاف
مفرد کے کہ اس نے ایک مرتبہ سعی کی۔ اور اگر یہ تمتع کرنے والا منیٰ جانے سے قبل حج کا احرام باندھنے
کے بعد طواف کرے تو طوافِ زیارت میں نہ رمل کرے گا اور نہ سعی کرے گا۔ کیونکہ وہ سعی اور رمل ایک
مرتبہ کرچکا۔ اور اسپر دمِ تمتع لازم ہوگا۔ اور نحر کے دن قربانی دمِ تمتع کے قائم مقام (اور کافی) نہ ہوگی
اور اگر (مفلسی کی بنا پر) دم تمتع سے عاجز و مجبور ہو تو تین روزے احرام کے بعد رکھے احرام سے قبل نہ
رکھے اور یہ تین روزے تاخیر سے رکھنا (کہ سات سے شروع کرکے نو پر یعنی یوم عرفہ پر ختم کرے) مستحب
ہے واضح رہے کہ حج کے مہینے ان تین روزوں کا وقت ہے مگر سبب کے تحقق یعنی احرام کے بعد
رکھے جائیں اور یہی حکم قران میں ہے مگر تاخیر افضل ہے (کیونکہ شاید ہدی مل جائے) اور وہ یہ کہ
پے در پے تین روزے رکھے اور آخری روزہ یوم عرفہ میں ہو۔ اور اگر چاہے محرم پیچھے سے ہدی کو ہانکے
اور یہ افضل ہے اور نیت و تلبیہ کے ساتھ ہدی چلائے اور یہ آگے سے کھینچنے سے اولیٰ ہے اور بدنہ
کی گردن میں قلادہ ڈالے۔ اور قلادہ ڈالنا جھول سے افضل ہے یعنی جھول ڈالنا جائز ہے مگر قلادہ
ڈالنا اس سے بہتر ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ جھول ڈالنے سے محرم ہوجائے گا کیونکہ یہ اسی باب
سے قبل گذر چکا کہ جھول ڈالنے سے محرم نہ ہوگا بلکہ تلبیہ یا وہ فعل جو اسکے قائم مقام ہو ضروری ہے اور
وہ قلادہ ڈالنا ہے۔

تشریح وتوضیح باب القران الخ۔ جب مفرد بالحج کا ذکر کیا تو مصنفؒ نے ارادہ کیا کہ
باقی دو قسموں قران اور تمتع کا بھی ذکر کیا جائے اور ان کے احکام بھی بیان
کیے جائیں تاکہ ان تینوں قسموں سے کماحقہ واقفیت ہوجائے۔ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف
ہے کہ تینوں قسموں میں سے کون سی قسم افضل ہے۔ اور اختلاف کی بنیاد اسپر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم حجۃ الوداع میں قارن تھے یا متمتع یا مفرد۔ تو کثیر روایات سے جو "بخاری و مسلم" وغیرہ میں
مروی ہیں ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے۔

ابن قیمؒ نے " زاد المعاد " میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسلئے معلوم ہوا کہ قران ان دونوں سے افضل ہے ، من المیقات الخ میقات کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ قارن اور متمتع آفاقی ہی ہوگا مکی کیلئے تمتع اور قران نہیں۔ بلکہ افراد ہے) بعد ایام التشریق الخ یعنی یہ روزے ایام تشریق کے بعد رکھے کیونکہ روزہ یوم نحر اور ایام تشریق میں مطلقاً ممنوع ہے ، وقضیت الخ یعنی اسپر قضائے عمرہ واجب ہوگی کیونکہ وہ شروع کرنے سے واجب ہوگیا تھا - فی اشهر الحج الخ یعنی شوال ، ذیقعدہ اور ذی الحجہ و یحلق الخ یعنی حلق کرے یا قصر کرے پس احرام سے افعالِ عمرہ کرنے کے بعد نکل جائے گا اور مکہ میں (یہ تمتع) بلا احرام ٹھہرے اسکے بعد حج کا احرام باندھے ، و مقلد الخ یعنی بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالے اسکی طرف اس ارشادِ ربانی میں اشارہ ہے ، جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس والشهر الحرام والهدى والقلائد ، الآية)

وكره الاشعار وهو شق سنامها من الايسر وهو الاشبه اى لاشبه بالصواب فان النبي عليه السلام قد طعن في جانب اليسار قصدا او في جانب الايمن اتفاقا وابو حنيفةؒ انما كره هذا الصنع لانه مثلة وانما فعله النبي عليه السلام لان المشركين كانوا لا يمتنعون عن تعرضه الا بهذا وقيل انما كره اشعار اهل زمانه لمبالغتهم فيه حتى يخاف منه السراية قيل انما كره ايثاره على التقليد واعتمر ولا يتحلل منها اى من العمرة وهذا عند سوق الهدى اما اذا لم يكن بسوق الهدى يتحلل من احرام العمرة كما مر ثم احرم للحج كما مر اى يوم التروية وقبله افضل وحلق يوم النحر وحل من احراميه والمكي يفرد فقط اى لا قران له ولا تمتع ومن اعتمر بلا سوق ثم عاد الى بلده فقد الم ومع سوق تمتع اعلم ان التمتع هو الترفق باداء النسكين الصحيحين في سفر واحد من غير ان يلم باهله الماما صحيحا بينهما فالذي اعتمر بلا سوق الهدى لما عاد الى بلده صح المامه فبطل تمتعه فقوله فقد الم ذكر الملزوم وقصد اللازم وهو بطلان التمتع اما اذا ساق الهدى لا يكون المامه صحيحا لانه لا يجوز له التحلل فيكون عوده واجبا فلا يكون المامه صحيحا فاذا عاد واحرم بالحج كان متمتعا فان طاف لها اقل من اربعة قبل اشهر الحج واتمها فيها وحج فقد تمتع ولو طاف اربعة فلا اى لو طاف اربعة قبل اشهر الحج لا يكون متمتعا كوفي حل من عمرته فيها اى في اشهر وسكن بمكة او بصرة وحج فهو متمتع لان السفر الاول لم ينته برجوعه الى بصرة فصار كانه لم يخرج من الميقات ولو افسدها ورجع عن البصرة وقضاها وحج لا لان حكم السفر

الاوّل لمّا بقی بالرجوع الی البصرة فصار کانہ لم یخرج من مکة ولا تمتع للساکن بمکة الا اذا الّمّ باھلہ ثم اتی بھما لانہ لمّا الّمّ باھلہ ثم رجع واتی بالعمرة والحج کان ھذا انشاءُ سفرٍ لانتھاء السفر الاول بالالمام فاجتمع نسکان فی سفرٍ واحد فیکون متمتعا واتی افسد اتمہ بلادم ای من اعتمر فی اشھر الحج وحج من عامہ فایھما افسد مضیٰ فیہ لانہ لایمکنہ الخروج من عھدة الاحرام الا بالافعال وسقط دم التمتع لانہ لم یترفق باداء النسکین الصحیحین فی سفرٍ واحد

ترجمہ:- اور اشعار یعنی اونٹ کے کوہان کو بائیں جانب سے چیرنا مکروہ ہے - اور وہ اگر کرے تو بائیں جانب سے کرنا (عمل رسول) کے زیادہ مشابہ (اور اچھا) ہے، یعنی اشبہ بالصواب (عملِ رسول کے موافق) اور درست ہے؛ کیونکہ نبی علیہ السلام نے اسکی بائیں جانب میں قصداً نیزہ مارا اور دائیں جانب میں اتفاقاً (یعنی بلا قصد وارادہ) اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اشعار مثلہ کے مشابہ ہونے کی بنا پر مکروہ ہے - اور رہا نبی علیہ السلام کا فعل (اشعار کرنا) وہ اسوجہ سے تھا کہ مشرکین ہدی میں اشعار کے اس طریقہ سے ہی آڑے نہ آتے تھے (ورنہ روکتے تھے) اور بعض کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے اشعار کو مکروہ قرار دیا کیونکہ وہ اس میں مبالغہ سے کام لیتے (اور حدِ مسنون سے بڑھ جاتے تھے) حتیٰ کہ اس سے سرایتِ زخم (اور ہدی کی ہلاکت) کا اندیشہ ہوتا تھا، اور بعض کے نزدیک اسے تقلید (قلادہ ڈالنے) پر ترجیح دینا مکروہ ہے - اور عمرہ کرے اور عمرہ کا احرام نہ کھولے - (حتی کہ حج کا احرام باندھ لے) یہ حکم ہدی لے جانے کی صورت میں ہے - اور اگر ہدی ساتھ نہ ہو تو عمرہ کے احرام سے حلال ہو جائے گا جیسا کہ بیان ہو چکا - پھر حج کا احرام باندھے جیسا کہ گذرا یعنی ترویہ کے دن اور اس سے پہلے باندھنا افضل ہے اور نحر کے دن حلق کرے (سر منڈوائے) اور دونوں احراموں (حج اور عمرہ کے احرام) سے حلال ہو جائے اور مکہ کا رہنے والا محض افراد کرے یعنی نہ قران کرے اور نہ تمتع کرے - اور جو شخص عمرہ کرے اور ہدی ساتھ نہ لیجائے پھر اپنے گھر لوٹ آئے تو اس کا المام (احرام ختم کرنا) صحیح ہو جائے گا - اور ہدی لیجانے کی صورت میں اس کا تمتع باقی رہے گا - واضح رہے کہ تمتع حج اور عمرہ دونوں صحیح طور پر ایک سفر میں ادائیگی کے ساتھ طلبِ سہولت وانتفاع کا نام ہے بغیر اسکے کہ دونوں کے درمیان المام صحیح ہو پس وہ شخص جس نے ہدی لیجائے بغیر عمرہ کیا جب اپنے وطن لوٹ آیا تو اس کا المام صحیح اور تمتع باطل ہو گیا پس مصنفؒ کا قول "فقد الم" اس سے ملزوم (المام) کا اور لازم یعنی بطلانِ تمتع کا قصد کیا گیا ہے اور جو عمرہ کے احرام میں ہدی لے گیا تو اس کا المام صحیح نہ ہوگا - اسلئے کہ اس کا احرام سے حلال ہونا صحیح نہ ہوگا اور اسے حج کیلئے مکہ لوٹنا واجب ہوگا پس جب لوٹ کر حج کا احرام باندھے گا تو وہ متمتع

ہو جائے گا (اور اس کا وہ تمتع صحیح ہوگا) پس اگر محرم حج کے مہینوں سے قبل احرام باندھے اور طواف چار شوط سے کم حج کے مہینوں سے پہلے کرے اور حج کے مہینہ میں ان کی تکمیل کرلے اور حج کرے۔ تو اس کا تمتع درست ہوگیا اور اگر حج کے مہینوں سے پہلے چار شوط کرچکا ہو تو متمتع نہ ہوگا۔ ایک کوفہ کا رہنے والا حج کے مہینوں میں عمرہ سے حلال ہو اور مکہ یا بصرہ میں قیام کرے اور حج کرے تو وہ متمتع ہے اسلئے کہ بصرہ جانے سے اس کا پہلا سفر پورا نہیں ہوا پس وہ گویا میقات سے باہر نہیں ہوا۔ اور اگر وہ احرام فاسد کرے پھر بصرہ سے لوٹے اور پھر حج کے مہینوں میں) عمرہ کی قضاء کرے اور حج کرے (اسی سال) تو متمتع نہ ہوگا۔ کیونکہ پہلے سفر کا حکم جب بصرہ سے لوٹنے پر باقی رہا تو گویا وہ مکہ سے نہیں نکلا اور مکہ کے رہنے والے کیلئے تمتع نہیں۔ لیکن اگر لوٹ کر آئے اپنے گھر میں پھر عمرہ اور حج کرے اسلئے کہ وہ جب اپنے گھر جائے پھر لوٹ کر حج اور عمرہ کرے تو امام کے باعث پہلا سفر ختم ہونے کی وجہ سے یہ نیا سفر ہوگا۔ لہٰذا دو نسک (عمرہ و حج) ایک سفر میں اکٹھے ہوئے تو وہ متمتع ہوگا، اور ان میں سے جسے فاسد کرے اسے بلادم کے پورا کرے یعنی جو حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور اسی سال حج کرے تو دونوں میں سے جسے فاسد کرے اسے پورا کرے کیونکہ افعال حج و عمرہ کرکے احرام سے نکلے گا اور دم تمتع ساقط ہو جائے گا کیونکہ دو صحیح نسک (حج و عمرہ) کی ایک سفر میں ادائیگی سے استفاع (ممکن) نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح لا یتحلل منها الخ۔ یعنی حلق وغیرہ سے حلال نہ ہوگا بلکہ محرم برقرار رہے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو البتہ میں حلال ہوجاتا۔

ومن اعتمر الخ۔ یعنی تمتع میں یہ شرط ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کی ادائیگی حج کے مہینوں میں ایک سفر میں ہو۔

الترفق الخ۔ یعنی رفق وسہولت وانتفاع۔

والو افسدها الخ۔ یعنی مثلاً کوفہ کے رہنے والے نے حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا پھر اسے افعال عمرہ کی ادائیگی سے قبل جماع (صحبت) وغیرہ سے فاسد کردیا پھر بصرہ جاکر قیام کیا اس کے بعد وہاں سے مکہ مکرمہ لوٹا اور عمرہ کا احرام میقات سے باندھا یہ فاسد کردہ عمرہ کی قضاء کے طور پر باندھے۔ اور پھر اسی سال حج کرے تو اسے متمتع قرار نہ دیں گے۔

26
1

بَابُ الجنَایَاتِ

ان تطیّب مُحرِمٌ عُضواً او خضب راسہ بالحناء او ادّھن بزیت ای استعمل الدّھن فی عُضو ثم الا دّھان ان کان بزیت خالص او بحلٍ خالص یجب الدم عند ابی حنیفة و عند ھما تجب الصّدقہ و عند الشافعیؒ ان استعملہ فی الشعر یجب الدم و ان استعملہ فی غیرہ فلاشیٔ علیہ اما الدّھن المتطیب کدھن البنفسج و نحوہ فیجب الدم اتفاقا للتطیّب او لبس مخیطا او ستر رأسہ یوما او حلق رُبع راسہ او محاجمہ او احدی ابطیہ او عانتہ او رقبتہ او قصّ اظفار یدیہ او رجلیہ فی مجلسٍ واحد او یدا او رجلٍ او طاف للقدوم او للصدر جنبًا او للفرض محدثا او افاض عن عرفاتٍ قبل الامام او ترک اقل سبع الفرض ای ترک ثلثة اشواط او اقل من طواف الزیارة و یترک اکثرہ بقی محرما حتی یطوف ای ان ترک اربعة اشواط واکثر من طواف الزیارة بقی محرمًا حتی یطوف او طواف الصدر او اربعة منہ او السعی او الوقوف بجمع او الرمی کلہٗ او فی یوم واحد او رمی الاول او اکثرہ وھو رمی جمرة العقبة یوم النحر او حلق فی حِلٍ لحج او عمرة فان الحلق اختص بمنیٰ وھو من الحرم لا فی معتمر رجع من حِلٍ ثم قصّر ای ان خرج المعتمر من الحرم قبل التحلل ثم عاد الیہ وقصّر لاشیٔ علیہ وانما خص بالمعتمر لان الحاج ان خرج من الحرم قبل التحلل ثم عاد الی الحرم یجب علیہ الدم او قبّل او لمس بشھوة انزل او لا اعلمْ ان قولہ او قبّل لیس معطوفاً علی قولہ ثم قصّر بل ھو معطوف علی قولہ او حلق فی حِلٍ او اخّر الحلق او طواف الفرض عن ایام النحر او قدّم نسکا علی آخر کالحلق قبل الرمی او نحر القارن قبل الرمی او الحلق قبل الذبح فعلیہ دم ھذا جواب الشرط وھو قولہ ان تطیب محرم عضوا فیجب دمان علی قارن ان حلق قبل ذبحہ دم للحلق قبل اوانہ و دم التاخیر الذبح عن الحلق و عندھما دم واحد وھو الاول فقط۔

ترجمہ اگر محرم کسی عضو کو خوشبو لگائے یا سر پر مہندی کا خضاب کرے یا روغن زیتون لگائے یعنی کسی عضو پر تیل لگائے پھر تیل اگر خالص زیتون کا یا خالص تلوں کا ہو (کہ اس میں خوشبو ملی ہوئی نہ ہو) تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دم واجب ہوگا۔ (یعنی قربانی واجب ہوگی) اور امام ابویوسف و محمد رحمہم اللہ کے نزدیک اسپر صدقہ واجب ہوگا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر تیل بالوں میں

استعمال کرے تو دَم واجب ہوگا اور بالوں کے علاوہ (دوسرے اعضائے بدن) میں استعمال کرے تو اسپر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور تیل خوشبو دار ہو مثلاً بنفشہ وغیرہ کا تیل تو خوشبو کی وجہ سے بالاتفاق دَم واجب ہوگا۔ یا سلا ہوا کپڑا پہنے یا سر کو ایک دن تک چھپائے یا چوتھائی سر منڈائے یا پچھنے لگوائے یا ایک بغل کے بال مونڈے یا زیر ناف یا گردن کے بال صاف کرے یا اپنے دونوں ہاتھوں یا پاؤں کے ناخن ایک نشست (ایک مجلس میں کاٹے۔ یا ایک ہاتھ یا ایک پیر کے کاٹے یا طوافِ قدوم یا طوافِ صدر بحالت جنابت کرے یا فرض طواف کرے۔ بلا وضو کرے۔ یا امام سے پہلے عرفات سے لوٹے یا فرض طواف کے سات شوط میں سے کم شوط یعنی تین یا تین سے کم شوط طوافِ زیارت کے ترک کرے۔ طوافِ فرض کے اکثر شوط ترک کرے گا تو طواف کرنے تک محرم باقی رہے گا۔ یعنی اگر چار یا چار سے زیادہ شوط طوافِ زیارت کے ترک کرے تو طواف کرنے تک محرم باقی رہے گا۔ یا طوافِ صدر ترک کردے یا اس کے چار شوط ترک کرے یا سعی یا وقوفِ مزدلفہ یا پوری رمی یا ایک دن کی رمی (یعنی یوم نحر کی) یا اسکے اکثر حصہ کو ترک کرے (مثلاً چار کنکریاں پھینکنا ترک کرے اور باقی پھینکے) پہلی رمی سے مراد جمرۂ عقبہ کی یوم نحر میں رمی ہے۔ یا حِل (خارج حرم زمین) میں حج یا عمرہ کے لئے حلق کرے، کیونکہ حلق منیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ حرم میں داخل ہے ان سب پر دَم واجب ہوگا)

دم اس عمرہ کرنے والے پر واجب ہوگا جو خارج حرم (حل کی طرف) حلال ہوئے بغیر چلا جائے پھر لوٹ کر قصر کرے یعنی اگر عمرہ کرنے والا حرم سے حلال ہونے سے قبل نکلے پھر لوٹ کر قصر کرائے تو اسپر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور عمرہ کرنے والے کی تخصیص اسلئے کی گئی کہ اگر حج کرنے والا حرم سے حلال ہونے سے پہلے نکلے پھر حرم لوٹے تو اسپر دم واجب ہوگا۔ یا بوسہ لے یا شہوت سے چھوئے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ واضح رہے کہ مصنفؒ کا قول "القبل" اسکے قول "ثم قصر" پر اس کا عطف نہیں بلکہ وہ اس کے قول "او حلق فی حل" پر معطوف ہے یا حلق۔ مؤخر کرے یا طوافِ فرض ایام نحر سے مؤخر کردے یا ایک فعل کو دوسرے پر مقدم کردے۔ مثلاً حلق رمی سے پہلے کرے یا قارن رمی سے پہلے نحر کرے یا ذبح سے قبل حلق کرے تو ان سب صورتوں میں اسپر دم واجب ہوگا یہ مصنفؒ کے قول "ان تطیب محرم عضواً" یعنی شرط کا جواب ہے پس قارن اگر ذبح سے قبل حلق کرے تو اسپر دو دَم واجب ہوں گے۔ ایک دَم تو وقت سے قبل حلق کا اور ایک دَم حلق سے ذبح کو مؤخر کرنے کا۔ (یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے) اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک حلق قبل وقت کے باعث ایک دَم واجب ہوگا۔

تشریح و توضیح یجب الدم الخ کیونکہ روغنِ زیتون اور تلوں کے تیل میں اصل کے اعتبار سے خوشبو ہوتی ہے اسلئے ان کے استعمال سے دم واجب ہو جائے گا خواہ اور خوشبو ملائی گئی ہو یا نہ ملائی گئی ہو۔

یوم النحر یعنی پورے دن سر ڈھکا رہا تو اس صورت میں دم واجب ہوگا۔ او قبل الخ کیونکہ بوسہ لینا یا چھونا و داعی جماع اور محرک صحبت میں داخل ہے اسلئے خواہ انزال ہو یا نہ ہو بہر صورت دم واجب ہوگا لیکن اگر بغیر شہوت کے چھوئے یا کسی جانور سے صحبت کرے تو تاوقتیکہ انزال نہ ہو دم واجب نہ ہوگا۔ کالحلق الخ رمی سے قبل یوم النحر میں چار چیزیں واجب ہیں (۱) رمی (۲) ذبح (۳) حلق (۴) طواف۔ لیکن ترتیب پہلے تینوں کے درمیان واجب ہے پس ترتیب کے ترک اور خلاف ترتیب کرنے پر دم واجب ہوگا یہ حکم قارن اور متمتع کیلئے ہے اور مفرد تو اس کیلئے ترتیب محض رمی اور حلق کے درمیان واجب ہے اور رہا طواف تو طواف میں رمی و حلق کے درمیان ترتیب واجب نہیں۔ پس اگر رمی اور حلق سے قبل طواف کرے تو اسپر کچھ واجب نہ ہوگا۔

وان تطیب اقل من عضو او ستر رأسه او لبس مخیطا اقل من یوم او حلق اقل من ربع رأسه او قص اقل من خمسة اظفار او خمسة متفرقة او طاف للقدوم او للصدر محدثا او ترک ثلثة من سبع الصدر او احدى جمار الثلث وهی ما یلی مسجد الخیف او ما یلیه او العقبة فی یوم بعد یوم النحر او حلق رأس غیره تصدق بنصف صاع من بر وان تطیب او حلق بعذر ای تطیب عضوا او حلق ربع رأسه ذبح او تصدق بثلثة اصوع طعام على ستة مساکین او صام ثلثة ایام و وطیه ولو ناسیا قبل وقوف فرض یفسد حجه ویمضی ویذبح ویقضی ولم یفترقا ای لیس علیه ان یفارقها فی قضاء ما افسداه وعند مالک یفارقها اذا خرجا من بیتها وعند زفر اذا احرما وعند الشافعی اذا بلغ المکان الذی واقعها فیه وبعد وقوفه لم یفسد وتجب بدنة وبعد الحلق شاة وفی عمرته قبل طوافه اربعة اشواط مفسد لها فمضی وذبح وقضى وبعد اربعة ذبح ولم تفسد ای وطیه فی عمرته قبل ان یطوف اربعة اشواط مفسد للعمرة فیجب المضی فیها والذبح والقضاء وبعد اربعة اشواط یجب به الذبح ولا تفسد به العمرة

ترجمہ۔ اور اگر ایک عضو سے کم خوشبو لگائے یا اپنا سر چھپائے یا سلا ہوا کپڑا ایک دن سے کم پہنے یا چوتھائی سر سے کم مونڈے یا پانچ ناخنوں سے کم کترے یا پانچ متفرق کترے یا طواف قدوم یا طواف صدر بے وضو کرے یا طواف صدر کے سات شوط میں سے تین شوط ترک کردے یا تین جمروں میں سے ایک کی رمی ترک کردے اور وہ وہ جمرہ ہے جو مسجد خیف سے

متصل ہے یا وہ جو اس کے بعد ہے یا جمرۂ عقبہ یا یوم نحر کے بعد کسی دن کی جانے والی رمی سے ایک کی رمی ترک کر دے۔ یا کسی اور شخص کا سر مونڈ دے تو وہ نصف صاع گندم بطور صدقہ دے اور اگر عذر کی بنا پر خوشبو لگائے یا سر مونڈے یعنی کسی عضو پر خوشبو لگائے یا چوتھائی سر مونڈے تو ذبح کرے یا صدقہ کر دے تین صاع طعام (کھانے) کے چھ مسکینوں پر یا تین روزے رکھے اور اگر وہ ہمبستری کرے اگرچہ بھول کر ہو (اور یہ) وقوف عرفہ سے پہلے جو جو فرض ہے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا حج کے باقی افعال پورے کرے اور ذبح کرے اور پھر حج کی (آئندہ سال) قضا کرے اور یہ لازم نہیں کہ حج کی قضاء میں عورت کو ساتھ نہ رکھے یعنی شوہر پر یہ واجب نہیں کہ حج فاسد کی قضاء میں اپنی بیوی کو علیحدہ رکھے (اور وہ اس سے الگ حج ادا کرے) امام مالکؒ کے نزدیک جب دونوں گھر سے نکلیں تو شوہر اس سے الگ رہے اور امام زفرؒ کے نزدیک جب احرام باندھیں تو الگ ہو جائیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک جب اس جگہ پہونچیں جہاں وہ واقعہ پیش آیا ہو علیحدگی اختیار کریں۔ اور اگر ہمبستری وقوف عرفہ کے بعد ہو تو حج فاسد نہ ہوگا اور بدنہ واجب ہوگا۔ اور حلق کے بعد ایسا ہو تو ایک بکری واجب ہوگی۔ اور عمرہ میں اگر چار شوط طواف کے کرنے سے پہلے صحبت کرے تو عمرہ فاسد ہو جائے گا عمرہ پورا کرے، ذبح کرے۔ اور پھر اسکی قضاء کرے۔ اور اگر طواف کے چار شوط کرنے کے بعد صحبت کرے تو عمرہ فاسد نہ ہوگا اور قربانی واجب ہوگی، یعنی اگر عمرہ میں طواف کے چار شوط سے قبل صحبت کرے تو عمرہ فاسد ہو جائے گا پس لازم ہوگا کہ باقی عمرہ پورا کرے اور ذبح کرے اور پھر قضاء (بھی) کرے اور چار شوط کے بعد ہمبستری کی ہو تو عمرہ فاسد نہ ہوگا اور ذبح لازم ہوگا۔

تشریح و توضیح او صام ثلثۃ من ایام الخ اصل اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک" (الآیۃ) اور یہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ ان کے سر میں جوئیں ہو گئی تھیں اور وہ ان کی کثرت کے باعث احرام کی حالت میں اذیت محسوس کرتے تھے۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ ۶ھ کا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حلق کا امر فرمایا اور یہ اختیار دیا کہ خواہ وہ ایک بکری ذبح کریں اور خواہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں ہر مسکین کیلئے نصف صاع ہو یا تین روزے رکھ لیں۔ (یہ روایت "صحاح ستہ" میں موجود ہے)

ویمضی : یعنی اسپر واجب ہے کہ یہ حج پورا کرے اور ہدی قربانی کرے اور آئندہ سال اس حج کی قضاء کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسی طرح ہے (سنن بیہقی اور مراسیل ابو داؤد میں یہ روایت موجود ہے۔)

وعند مالکؒ : اس افتراق کا راز زجر و تنبیہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے

نے احرام کے وقت افتراق کا امر فرمایا۔ (موطا امام مالک میں یہ ارشاد موجود ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے جنایت کے مقام پر پہونچنے کے بعد علیحدگی کا امر فرمایا (مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ ارشاد منقول ہے) امام شافعیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ عند الاحناف یہ احتیاط و اولویت پر محمول ہے وجوب پر محمول نہیں

فان قتل محرم صيدا او دل عليه قاتله بدأ او عودا اى سواء كان اول مرة او لا سهوا او عمدا فعليه جزاؤه ولو سبعا اى لو كان الصيد سبعا او مستأنسا او حماما مسرولا او هو مضطر الى اكله وجزاؤه ما قومه عدلان فى مقتله او اقرب مكان منه اى ان لم تكن قيمته فى مقتله يقوم فى اقرب مكان من مقتله تكون له فيه قيمة لكن فى السبع لا يزيد على شاة ثم له ان يشترى به هديا ويذبحه بمكة او طعاما ويتصدق على كل مسكين نصف صاع من بر او صاعا من تمر او شعير لا اقل منه او صام عن طعام كل مسكين يوما وان فضل عن طعام مسكين تصدق به او صام يوما هذا عند ابى حنيفة وابى يوسف واما عند محمد والشافعى فان كان للصيد مثل صورة يجب ذلك ففى الظبى والضبع شاة وفى الارنب عناق وفى اليربوع جفرة وفى النعامة بدنة وفى الحمار الوحشى بقرة وفى الحمام شاة والمتمسك فى هذا الباب قوله تعالى ومن قتله منكم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم يحكم به ذوا عدل منكم هديا بالغ الكعبة او كفارة طعام مساكين او عدل ذلك صياما ليذوق وبال امره ثم محمد والشافعى يحملان المثل على المثل صورة بدليل تفسير المثل بالنعم ونحن نقول المثل فى الضمانات لم يعهد فى الشرع الا وان يراد به المثل صورة ومعنى فى المثليات او معنى وهو القيمة فى غير المثليات اما البقرة فلم تعهد مثل حمار الوحش وكذا البدنة للنعامة وكذا البواقى فقوله من النعم اى كائن من النعم فالمعنى ان الواجب جزاء مماثل لما قتل وهو القيمة كائن من النعم بان يشترى معا بتلك القيمة بعض النعم ثم قوله يحكم به ذوا عدل منكم يؤيد هذا المعنى فان التقويم يحتاج الى رأى العدول ولولا التقويم مرادا كيف يثبت الاختيار بين النعم والكفارة والصيام وايضا لو لم يكن له نظير من النعم فعند محمد والشافعى يجب عند ابى حنيفة اولا فيحمل المثل على القيمة ولا دلالة للآية على هذا المعنى :—

عفا الله عما سلف ومن عاد فينتقم الله منه والله عزيز ذو انتقام

ترجمہ۔ پس اگر محرم شکار کو قتل کر دے یا قتل کرنے والے کو اس کے بارے میں بتائے پہلی بار یا دوسری بار بھول کر ہو یا قصداً تو خواہ وہ جانور درندہ ہی کیوں نہ ہو اس پر اسکی جزاء واجب ہوگی

یا وہ جانور مانوس (اور گھر میں رہنے والا) ہو یا مسرول (پاؤں پر پروں والا) اور پروں سے نہ اڑنے والا کبوتر ہو یا محرم اس کے کھانے پر مضطر و مجبور ہو تو جزاء واجب ہوگی۔ اور اسکی قتل کی جگہ یا اس سے قریبی جگہ کی قیمت کے اعتبار سے دو عادل شخص جو قیمت مقرر کردیں وہی اس کی جزاء ہے یعنی اگر اس کے قتل کی جگہ اسکی قیمت نہ ہو (اور وہاں شکار فروخت نہ کیا جائے تو اس کے قتل کی جگہ سے قریب تر جگہ میں جو اسکی قیمت ہو وہ قیمت لگائی جائے گی لیکن اگر یہ قتل کردہ جانور درندہ ہے تو اسکی جزا ایک بکری کی قیمت سے زیادہ نہ ہوگی پھر قتل کرنے والے کیلئے جائز ہے کہ اس قیمت سے ہدی خرید کر اسے مکہ میں ذبح کرے یا اس سے طعام خرید کر صدقہ کردے ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو سے دے۔ اس سے کم نہ دے یا ہر مسکین کے طعام کے بدلہ ایک ایک روزہ رکھے اور اگر مسکین کے طعام میں سے کچھ بچ جائے تو اسے صدقہ کردے یا ایک روزہ رکھ لے یہ حکم امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس جانور جیسی شکل والا دوسرا جانور ہو تو وہی واجب ہوگا پس ہرن اور بجو کو قتل کرنے کی صورت میں ایک بکری واجب ہوگی اور خرگوش مارنے پر بکری کا بچہ ایک سال سے کم کا واجب ہے، اور جنگلی چوہا ہلاک کرنے کی صورت میں چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے اور شتر مرغ کو مار ڈالنے پر بدنہ (اونٹ یا گائے) واجب ہے اور حمار وحشی کو مارنے پر گائے واجب ہوگی اور کبوتر مار ڈالنے پر بکری کا وجوب ہوگا اور تمسک اس باب میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کیا ہے ومن قتلہ الخ۔ (اور جو شخص تم میں اسکو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اسپر پاداش واجب ہوگی۔ جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جسکو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کردیں خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہونچائی جائے اور خواہ کفارہ مسکین کو دیدیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جائیں تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے۔

پس امام محمدؒ اور امام شافعیؒ دونوں مثل کو صورت مثلی (اس جیسی صورت) پر محمول کرتے ہیں اس دلیل سے کہ مثل کی تفسیر (آیت مذکورہ میں) النعم (جانور) سے کی گئی ہے۔ اور ہم (احناف) کہتے ہیں کہ مثل کا حکم ضمانات میں شرعاً معتبر نہیں مگر یہ کہ اس سے مثلیات میں صورۃً اور معنیً مثل کا ہی ارادہ کیا جاتا ہے (اور مقصود یہی ہوتا ہے) یا معنیً مثل مراد لیتے ہیں اور غیر مثلیات میں قیمت ہے بہرحال گائے تو وہ حمار وحشی کی مثل نہیں (نہ صورۃً اور نہ معنیً) اور اسی طرح بدنہ (اونٹ یا گائے) شتر مرغ کی مثل نہیں اسی طرح باقی جانور۔ پس مصنفؒ کا قول "من النعم" کا مطلب یہ ہے کہ وہ وحشی جانوروں میں سے ہو لہٰذا معنی یہ ہیں کہ واجب وہ جزاء ہے جو مقتول جانور کے مماثل ہو اور وہ جنس نعم (جانور) کی قیمت ہے بایں طور کہ اس قیمت سے کوئی جانور (مثلاً اونٹ یا بکری) خرید لے۔ پھر مصنف کے

قولہ " یحکم بہ ذوا عدل منکم " سے اس معنی (یعنی مثل) کی تائید ہوتی ہے کیونکہ قیمت میں عادل اشخاص کی رائے کی احتیاج ہوتی ہے اور اگر اولاً اس سے مراد قیمت نہ ہو تو نعم (جانور) اور کفارہ اور روزہ کے درمیان اختیار کیسے ثابت ہوگا اور نیز اگر نعم (جانور) کی نظیر ومثل نہ ہو امام محمدؒ و امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ کی طرح ابتدا سے ہی قیمت واجب قرار دیتے ہیں پس اس صورت میں امام محمدؒ وامام شافعیؒ مثل کو قیمت پر محمول کرتے ہیں اور ذکر کردہ آیت میں اس معنیٰ کی نشان دہی نہیں ہوتی "، (یعنی اسطرح جیسے یہ دونوں حضرات مراد لیتے ہیں،

تشریح وتوضیح سہواً اوعمداً الخ جنایاتِ احرام خواہ عمداً ہوں خواہ عمداً جزاء بہرصورت واجب ہوتی ہے سہو اور نسیان سے حکم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

قتل الخ یعنی جانوروں میں اس جانور کے جوثہ پر دیکھنے اور تخلیق کے اعتبار سے۔

وبال امرہ پوری آیت اس طرح " عفا اللہ عما سلف ومن عاد فینتقم اللہ منہ واللہ عزیز ذو انتقام "، (الآیۃ) فلم تعھد "۔ یعنی معنیً اور صورۃً مشابہ نہ ہو۔

لمعض النعم الخ "۔ مثلاً بکری اور اونٹ "۔

ویجب بجرحہ ونتف شعرہ وقطع عضوہ مانقص وبنتف ریشہ وقطع قوائمہ وکسر بیضہ وکسرہ وخروج فرخ میت وذبح الحلال صید الحرم وحلبہ وقطع حشیشہ وشجرہ غیر مملوک ولا منبت قیمتہ الا ما جف ای یجب بنتف ریشہ الی آخرہ قیمتہ ففی نتف الریش وقطع القوائم یجب قیمۃ الصید لاخراجہ عن حیز الامتناع وفی کسر البیض تجب قیمۃ البیض وفی کسرہ مع خروج فرخ میت تجب قیمۃ الفرخ حیا وفی الحلب قیمۃ اللبن قولہ ولا منبت ای لیس مما ینبتہ الناس ولم ینبتہ احد بل نبت بنفسہ فحینئذ ان لم یکن مملوکا فعلیہ قیمتہ الا ما جف وان کان مملوکا وقد قطعہ غیر المالک فعلیہ مع وجوب تلک القیمۃ اخری للمالک سواء جف اولا وانما قلنا انہ لیس مما ینبتہ الناس ولم ینبتہ احد حتی لو کان مما ینبتہ الناس عادۃ فلا شئ فیہ سواء ابنتہ انسان اولا کونہ مما ینبتہ الناس اقیم مقام الانبات تیسیرا لان مراعاتہ فی کل شجرۃ متعذرۃ فاذا اقیم مقام الانبات والانبات سبب للملک فلم یتعلق بہ حرمۃ الحرم وان کان مما لا ینبتہ الناس عادۃ فان انبتہ انسان فلا شئ فیہ لما ذکرنا وان لم ینبتہ انسان ففیہ القیمۃ فعلم من ھذا ان الاقسام اربعۃ ولا قیمۃ الا فی قسم واحد وعلم ایضا ان التقیید بعدم الانبات ذکر لافادۃ نفی الحکم عما عداہ کما ذکرنا

(۱) قیمۃ اللبن

لکن التقیید بعدم المملوکیۃ لم یذکر لانا دۃ ھذا المعنی اذ فی صورۃ وجوب القیمۃ لو کان مملوکا فتلک القیمۃ واجبۃ مع انہ تجب قیمۃ اخری بل یفید ان ھذا الضمان واجب لا غیر بسبب تعلق حرمۃ الحرم ولا صوم فی الاربعۃ ای لا صوم فی ذبح صید الحرم وحلبہ وقطع حشیشہ وشجرہ

ترجمہ اور کسی جانور کو مجروح کردے یا اس کے بال اکھاڑ لے یا اس کا کوئی عضو کاٹ ڈالے تو بقدر نقصان اسکو دینا واجب ہوگا۔ اور اگر کسی پرند جانور کے پر اکھاڑ لئے یا اس کے پاؤں کاٹ ڈالے یا انڈا توڑ ڈالا اور اسمیں سے مردہ بچہ نکلا (تو زندہ بچہ کی قیمت دینی پڑے گی) اور پاؤں کاٹ ڈالنے اور پر اکھاڑ دینے کی صورت میں پورے جانور کی قیمت لازم ہوگی۔ (کیونکہ اس طرح اسے بیکار کردیا) اور جو شخص محرم نہ ہو وہ بھی اگر حرم کا جانور کا شکار کرے یا اس کا دودھ دوھ لے یا حرم کی گھاس یا درخت کاٹ لے جو نہ کسی کی ملکیت ہوں اور نہ کسی نے انھیں اگایا ہو تب بھی اسکی قیمت لازم ہوگی۔ البتہ اگر خشک شدہ گھاس یا درخت کاٹ ڈالے تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ یعنی جانور کے پر اکھاڑنے پر اسکی قیمت واجب ہوگی۔ پس پر اکھاڑنے اور پاؤں کاٹ دینے کی صورت میں شکار کی قیمت لازم ہوگی کیونکہ اس طرح اسے بچاؤ کا کونہ اختیار کرنے (اور جان کی حفاظت اور دفاع عن الضرر سے) روک دیا۔ اور انڈا توڑنے میں انڈے کی قیمت واجب ہوگی اور انڈا توڑنے پر اس میں سے مردہ بچہ نکلا تو زندہ بچہ کی قیمت کا وجوب ہوگا اور دودھ دوہنے میں دودھ کی قیمت لازم ہوگی۔ مصنف کے قول "ولا منبت" کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان میں سے نہ ہو جسے اگانے کا لوگوں میں رواج ہو اور نہ کسی نے اسے اگایا ہو بلکہ خود رو ہو۔ پس اس صورت میں اگر وہ مملوک نہ ہو تو کاٹنے والے پر اسکی قیمت واجب ہوگی۔ البتہ خشک شدہ ہو تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور اگر وہ مملوک ہو اور اسے مالک کے علاوہ نے کاٹا ہو تو اسپر اس قیمت کے ساتھ مالک کے لئے مزید دوسری قیمت واجب ہوگی خواہ وہ خشک شدہ ہو یا نہ ہو۔ اور ہمارا یہ کہنا "انہ لیس مما ینبتہ الناس ولم ینبتہ احد" یہ اس بنا پر ہے کہ اگر لوگ اس کے اگانے کے عادی ہوں اور ان میں اس کا رواج ہو) تو اسپر کچھ واجب نہ ہوگا خواہ کسی شخص نے اسے اگایا ہو یا نہ اگایا ہو۔ کیونکہ لوگ جسے اگاتے ہوں اسے سہولت کے پیش نظر "انبات" کے قائم مقام قرار دیں گے اسلئے کہ مراعات انبات ہر درخت میں متعذر و دشوار ہے پس جب یہ انبات کے قائم مقام ہوگیا اور انبات سبب ملکیت ہے تو حرمت حرم اس سے متعلق نہ ہوگی اور اگر یہ ان اشیاء میں سے ہوں جنہیں اگانے کا لوگوں میں رواج نہ ہو

پس اگر کوئی شخص اگائے تو بوجہ وجود انبات اس پر کچھ واجب نہ ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور اگر کوئی شخص نہ اگائے بلکہ خود رَو ہو تو اس میں قیمت واجب ہوگی۔ پس (اس مذکورہ تفصیل سے) معلوم ہوا کہ چار قسمیں ہیں اور قیمت صرف ایک میں واجب ہوگی (یعنی خود رو ہو اور لوگوں میں اس کے اگانے کا رواج نہ ہو) اور نیز معلوم ہوا کہ "عدم انبات" کی قید اس قسم کے علاوہ تینوں قسموں سے وجوب قیمت کے حکم کی نفی کی خاطر لگائی گئی جیسا کہ ہم نے بیان کیا لیکن "عدم مملوکیت" کی قید اس معنی (یعنی نفی الحکم عما عداہ) کے افادہ کی خاطر نہیں لگائی۔ کیونکہ وجوب قیمت کی شکل میں اگر مملوک ہو تو یہ قیمت مع دوسری قیمت کے واجب ہوگی بلکہ یہ فائدہ مقصود ہے کہ معلوم (ہو جائے) کہ صرف یہ ضمان حرمتِ حرم سے تعلق کے باعث واجب ہے، اور چار چیزوں میں روزہ نہیں ہے یعنی حرم کا شکار کرنے اور اس کا دودھ دوہنے اور حرم کی گھاس کاٹنے اور اس کا درخت کاٹنے میں روزہ (بطور جزا) نہیں ہے۔

تشریح وتوضیح وذبح الحلال الخ یہ قید اسلئے لگائی کہ محرم کو شکار کرنا مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ وہ جانور جس کا شکار کیا ہو حرام کا ہو یا خارج حرم (حل) کا ہو اور محرم ایسا کریگا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ بخلاف حلال (غیر محرم) کے کہ اس کے لئے خارج حرم کا شکار حلال ہے اور حرم کا شکار حرام ہے۔ حدیث شریف میں اذخر گھاس کے علاوہ کی ممانعت موجود ہے (صحاح ستہ میں یہ روایت ہے) خیز الامتناع الخ حا کے زبر اور یائے مکسور کی تشدید کے ساتھ اصل اسکی حیوز ہے۔ حیوز کے معنی ہیں جانب اور گوشہ۔ حاصل یہ ہے کہ پیر کو نوچنے اور پاؤں کاٹ ڈالنے کے بعد جانور اپنا تحفظ کر سکتا ہے اور نہ وہ کھانی کر پیٹ بھرنے اور غذا بہم پہونچانے پر قادر رہتا ہے تو گویا اسے ہلاک کر دیتا ہے اسلئے پورے جانور کی قیمت لے جائیگی۔
البیض الخ یعنی اگر انڈے میں سے زندہ یا مردہ بچہ نہ نکلے تو صرف انڈے کی قیمت واجب ہوگی حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے "مصنف عبدالرزاق" میں اسی طرح منقول ہے

ولا یرعی الحشیش ولا یقطع الا الاذخر وبقتل قملة او جرادة صدقة وان قلت ولا شئ بقتل غراب وحدأة وعقرب وحية وفارة وكلب عقور وبعوض ونمل وبرغوث وقراد وسلحفاة وسبع صائل وله ذبح الشاة والبقر والبعير والدجاج والبط الاهلى واكل ما صاده حلال وذبحه بلا دلالة محرم اوامره به ومن دخل الحرم بصيد ارسله ورد بيعه ان بقی ای رد البيع الذی اتی به بعد دخوله فی الحرم ان بقی الصيد فی يد المشتری والا جزی كبيع المحرم صيده ای رد بيعه ان بقی والا جزی سواء

باعه من محرم او حلال لا صيدا في بيته او في قفص معه اي ان احرم وفي بيته او قفصه صيد ليس عليه ان يرسله لان الاحرام لا ينافي مالكية الصيد ومحافظته بخلاف من دخل الحرم بصيد فان الصيد صار صيد الحرم فيجب ترك التعرض له ومن ارسل صيدا في يد محرم آخر ان اخذه حلالا ضمن والا فلا فان قتل محرم صيدا مثله فكل يجزي ويرجع آخذه على قاتله وما به دم على المفرد فعلى القارن به دمان دم لحجته ودم لعمرته الا بجواز الوقت غير محرم المراد بالوقت الميقات لان الواجب عليه عند الميقات احرام واحد ويثنى جزاء صيد قتله محرمان ويتحد لو قتل صيد الحرم حلالان فان ذلك جزاء الفعل والفعل متعدد وجزاء صيد الحرم جزاء المحل والمحل واحد وباع المحرم صيدا او شراؤه باطل ولو ذبحه حرم ولو اكل منه غرم قيمته ما اكل لا محرم لم يذبحه اي لو اكل محرم آخر لم يغرم وولدت ظبية اخرجت من الحرم وماتا غرمهما اي الظبية والولد وان ادى جزاءها ثم ولدت لم يجزه آفاقي يريد الحج والعمرة وجاوز وقته اي ميقاته ثم احرم لزمه دم فان عاد فاحرم وانما قال يريد الحج او العمرة حتى انه لو لم يرد شيئا منهما لا يجب عليه شيء بمجاوزة الميقات وقوله ثم احرم لا احتياج الى هذا القيد فانه لو لم يحرم يجب عليه الدم ايضا فحق الكلام ان يقول جاوز وقته لزمه دم ويمكن ان يجاب عنه بانه انما ذكر قوله ثم احرم ليعلم ان هذا الدم لا يسقط بهذا الاحرام بخلاف ما اذا عاد الى الميقات فاحرم فانه يسقط الدم حينئذ لانه تدارك حق الميقات ثم قوله فان عاد فاحرم معناه انه لو لم يحرم من الميقات فعاد الى الميقات فاحرم فانه يسقط الدم اتفاقا

ترجمہ | اور بجز اذخر کے نہ وہاں کی گھاس چرائے اور نہ کاٹے اور جوں یا ٹڈی کے مارنے پر صدقہ دے۔ اگرچہ صدقہ کم ہی ہو۔ اور کوے، چیل، بچھو، چوہا، سانپ، کاٹنے والا کتا ان کو مارنے پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور مچھر، پسو، چیچڑی، کچھوا اور حملہ کرنے والا درندہ انہیں قتل کرے تب بھی کچھ لازم نہ ہوگا۔ اور محرم کیلئے بکری اور گائے اور اونٹ اور پلی ہوئی مرغی و بطخ کا ذبح کرنا جائز ہے اور محرم کو اس جانور کا کھانا حلال ہے جو غیر محرم نے شکار کیا اور ذبح کیا ہو جبکہ محرم نے نہ تبلایا ہو اور نہ اس کے شکار کا حکم کیا ہو اور جو شخص حرم میں اس حال میں داخل ہو کر اس کے پاس شکار ہو (جو خارج حرم سے لایا ہو) اسے چھوڑ دے اور بیع رد کرے اگر وہ جانور باقی ہو۔ یعنی وہ بیع رد کرنے جو حرم میں داخل ہونے کے بعد ہوئی ہو بشرطیکہ شکار خریدار کے پاس موجود ہو

ورنہ اسپر جزأ لازم ہوگی۔ جیسے محرم اپنے شکار کی بیع کو رد کرنا واجب ہے اگر وہ مشتری کے پاس موجود ہو ورنہ اسکی جزاء لازم ہوگی خواہ جسے فروخت کیا وہ محرم ہو یا نہ ہو احرام باندھنے والے کے گھر میں اگر صید (جانور) ہو یا پنجرہ میں اسکے ہمراہ ہو تو اسے چھوڑنا واجب نہیں یعنی اگر وہ احرام باندھے اور اس کے گھر یا پنجرہ میں صید (جانور) ہو تو اسپر اس کا چھوڑنا لازم نہیں اسلئے کہ احرام صید کی ملکیت و محافظت کے منافی نہیں بخلاف اس شخص کے جو حرم میں صید کے ساتھ داخل ہو کر وہ صید حرم کا صید ہو جائے گا اور اسپر اس کا چھوڑنا اور تعرض نہ کرنا واجب ہوگا۔

اور جو شخص (محرم شخص) صید دوسرے محرم کے ہاتھ میں چھوڑ دے اگر اسے غیر محرم پکڑے تو چھوڑنے والے پر ضمان لازم آئے گا ورنہ لازم نہ ہوگا (یعنی محرم پکڑ دے) تو چھوڑنے والے پر ضمان لازم نہ ہوگا پس اگر محرم دوسرے محرم کے بحالت احرام پکڑے ہوئے صید (شکار) کو مار ڈالے تو دونوں پر اسکی جزأ لازم ہوگی اور پکڑنے والا مار ڈالنے والے سے اسکی قیمت لے۔ اور جس جنایت کے باعث حج افراد کرنے والے پر ایک دم واجب ہوتا ہے قارن پر دو دم واجب ہوتے ہیں ایک دم حج کا اور ایک دم عمرہ کا لیکن اگر قارن میقات سے بلا احرام بڑھ جائے تو اسپر ایک ہی دم واجب ہوگا۔ وقت، سے مراد میقات ہے کیونکہ میقات پر پہونچ کر اسکے اوپر ایک ہی دم واجب ہوا اور دو محرم ملکر ایک صید کو قتل کرے تو دونوں میں سے ہر ایک پر پوری جزأ واجب ہوگی۔ اور اگر ایک صید کو حرم میں دو ایسے شخص قتل کریں جنہوں نے احرام نہ باندھ رکھا ہو تو ان پر ایک صید کی جزأ (نصف نصف) واجب ہوگی کیونکہ یہ ان کے فعل کی جزا ہے اور فعل متعدد ہیں اور صید حرم کی جزا محل کی جزا ہے اور محل (شکار) واحد ہے محرم کسی صید کو بیچے یا اسے خریدے تو بیع باطل ہوگی۔ اور اگر محرم اسے ذبح (بطریق شرعی) کرے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور اگر وہ اس میں سے کچھ کھالے تو جتنا کھایا ہو اس کے بقدر دینی واجب ہوگی۔ اور اگر اس ذبح کردہ کو دوسرا محرم کھالے تو کھانے والے پر اس کی قیمت لازم نہ ہوگی یعنی اگر دوسرا محرم کھالے تو اس پر قیمت لازم نہ ہوگی وہ ہرنی جسے حرم سے نکال دیا ہو خارج حرم بچہ جنے اور (پھر) ہرنی اور بچہ دونوں مر جائیں تو نکالنے والے پر دونوں ہرنی و بچہ کی جزا واجب ہوگی اور اگر اس کی جزا دینے کے بعد وہ بچہ کو جنم دے تو اسپر بچہ کی جزأ لازم نہ ہوگی۔

کسی آفاقی کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو اور وہ میقات سے بڑھ جائے اسکے بعد احرام باندھے تو اسپر دم لازم ہوگا اور اگر میقات کی طرف لوٹ کر احرام باندھے تو اس سے دم ساقط ہو جائے گا اور مصنفؒ نے فرمایا " یرید الحج والعمرۃ " حتی کہ اگر وہ دونوں میں سے کسی کا ارادہ نہ کرے تو میقات سے آگے بڑھ جانے پر اسکے اوپر کسی چیز کا وجوب نہ ہوگا، اور مصنفؒ کا قول

" ثم احرم " اس قید کی کوئی احتیاج نہیں اسلئے کہ اگر اس نے احرام نہیں باندھا یعنی میقات سے بڑھ جانے کے بعد بلکہ مکہ مکرمہ میں اسی طرح داخل ہوگیا) تب بھی اسپر دم واجب ہوگا پس مناسب کلام یہ کہنا ہے کہ میقات سے بڑھ جانے پر دم لازم ہوگا اور ممکن ہے اس قید لگانے کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا جائے کہ مصنف نے ثم احرم " کہنا یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ دم (جو آگے بڑھ جانے کی بنا پر واجب ہوا) اس احرام سے ساقط نہ ہوگا۔ اس کے برعکس جب وہ میقات کی طرف لوٹ کر احرام باندھے تو اس وقت دم ساقط ہو جائے گا، کیونکہ اس نے میقات کے حق کی تلافی کر دی، پھر مصنف کے قول " فان عاد فاحرم " کے معنی یہ ہیں کہ اگر میقات پر احرام نہیں باندھا۔ اسکے بعد میقات کی جانب لوٹ کر احرام باندھا تو بالاتفاق (اسکے ذمہ) دم ساقط ہو جائے گا۔

تشریح و توضیح ولا یرعی الخ یہ ممانعت امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چرانا درست ہے،

ولا یقطع الخ یعنی حرم کی گھاس کاٹنا نہ محرم کے لئے جائز ہے نہ غیر محرم کیلئے وان قلت الخ یعنی اگرچہ یہ صدقہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً مٹھی بھر طعام (وحشی) یعنی چیل وغیرہ کے مارنے پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی اصل اس بارے میں یہ روایت ہے کہ محرم چوہے، کوے، چیل، بچھو، سانپ اور کاٹنے والے کتے کو کاٹ سکتا ہے۔ (یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے)

لا صید الخ:- صید اگر گھر میں ہو تو اسکی وجہ سے محرم پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ " مصنف ابن ابی شیبہ " میں حضرت عبداللہ ابن حارث رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم حج کرتے تھے اور اپنے گھر کچھ صید رہنے دیتے تھے

او محرما لم یشرع فی نسك ولیتی سقط دمه والا فلا ای ان احرم بعد المجاوزة ثم عاد الی المیقات قبل ان یشرع فی نسك ملبیا سقط الدم عندنا خلافا لزفر فانه لا یسقط الدم عنده وانما قال لم یشرع فی نسك حتی لو احرم وشرع فی نسك ثم عاد الی المیقات ملبیا لا یسقط الدم اجماعا وانما قال ولبی احترازا عن قولهما فان العود الی المیقات محرما کاف لسقوط الدم عندهما واما عند ابی حنیفة فلابد من ان یعود محرما ملبیا کمکی یرید الحج ومتمتع فرغ من عمرته وخرجا من الحرم واحرما تشبیه بالمسألة المتقدمة فی لزوم الدم فان احرام المکی من الحرم والمتمتع بالعمرة لما دخل مکة واتی بالعمرة صار مکیا واحرامه من الحرم فیجب علیهما دم لمجاوزة المیقات بلا احرام فان دخل کوفی ان البستان لحاجة فله دخول مكة

غیر محرم ووقتہ البستانُ کالبستانی بستانُ بنی عامر موضع داخلُ المیقات خارجُ الحرم فاذا دخلہٗ لحاجۃ لا یجب علیہ الاحرام لکونہ غیر واجب التعظیم فاذا دخلہ التحق باھلہ ویجوز لاھلہ دخول مکۃ غیر محرم لکن ان اراد الحج فوقتہ البستان ای جمیع الحل الذی بین البستان والحرم کالبستانی ولاشیئ علیھما ای لاشیئ علی البستانی وعلی من دخلہ ان احرما من الحل ووقفا بعرفۃ لانھما احرما من میقاتھما ؛-

ترجمہ | یا وہ احرام باندھ چکا ہو اور کوئی عمل حج (ابھی) انجام نہ دیا ہو اور وہ (میقات کی طرف لوٹ کر) لبیک کہے تو اس سے دم ساقط ہو جائے گا ورنہ ساقط نہ ہوگا یعنی اگر میقات سے آگے بڑھ جانے کے بعد احرام باندھے پھر میقات کی جانب حج کا کوئی عمل بجا لانے سے قبل تلبیہ کہتا ہوا لوٹے تو ہمارے نزدیک دم (اس کے ذمہ سے) ساقط ہو جائے گا ۔ امام زفرؒ کے نزدیک ساقط نہ ہوگا اور مصنفؒ نے فرمایا "لم یشرع فی نسک"، حتیٰ کہ اگر احرام باندھے اور حج کا کوئی فعل (مثلاً طواف اور سعی) بجا لائے پھر میقات کی طرف تلبیہ کہتا ہوا لوٹے تو بالاجماع ہمارے سب آئمہ کے نزدیک دم اس سے ساقط نہ ہوگا اور مصنفؒ نے "ولبّیٰ" کہہ کر امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ کے قول سے احتراز کیا ہے کیونکہ امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک بحالتِ احرام میقات کی طرف لوٹنا شرط دم کیلئے کافی ہے، (خواہ تلبیہ نہ کہے) اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک بحالت احرام تلبیہ کہتے ہوئے میقات کی طرف لوٹنا ضروری ہے اسی طرح مکہ کا باشندہ جس کا ارادہ حج کا ہو اور متمتع جو اپنے عمرہ سے فارغ ہو چکا ہو اور وہ دونوں حضرات حرم سے نکل کر احرام باندھیں (تو ان پر دم واجب ہوگا) دم کے لازم ہونے میں یہ مسئلہ متقدمہ (گزرے ہوئے مسئلہ) کے مشابہ ہے۔ اسلئے کہ مکی (مکہ کے رہنے والے) کا احرام حرم سے ہے اور متمتع بالعمرۃ کا احرام حرم سے ہے جبکہ وہ مکہ میں داخل ہو اور عمرہ کے افعال سے فارغ ہو جائے تو وہ مکی ہو گیا اور اس کا احرام حرم سے ہے پس مکی اور متمتع دونوں پر میقات سے بلا احرام آگے بڑھ جانے کے باعث دم واجب ہوگا پس اگر کوئی کوفہ کا رہنے والا بستان (باغ) میں کسی ضرورت سے داخل ہو تو اس کیلئے مکہ میں بلا احرام کے داخل ہونا جائز ہے اور اس کا میقات بستان میں رہنے والے کی طرح بستان ہے ۔بستانِ بنی عامر داخل میقات اور خارجِ حرم ایک مقام ہے پس جب اسمیں کسی ضرورت سے داخل ہو تو اسکے غیر واجب التعظیم (یعنی حِل ہونے) ہونے کی بناء پر اسپر احرام واجب نہ ہوگا ۔ لہٰذا جب بستان میں داخل ہو تو وہ اس کے رہنے والوں میں سے شمار ہوگا اور بستانی کیلئے مکہ مکرمہ میں بلا احرام) داخل ہونا جائز ہے لیکن اگر حج کا ارادہ کرے تو اس کا میقات بستان ہے یعنی وہ تمام حل جو بستان اور حرم کے درمیان

ہے بستانی کی طرح (اس کے لئے بھی میقات ہے) اور بستانی اور بستان میں داخل ہو جانے والے دونوں پر (بستان کے حل سے احرام باندھنے پر) دم واجب نہ ہوگا۔ اگر وہ دونوں حل سے احرام باندھیں اور وقوف عرفہ کریں کیونکہ ان دونوں نے اپنے میقات سے احرام باندھا۔

تشریح وتوضیح لم یبتدیٔ الخ یعنی ابھی افعالِ حج میں سے کچھ ادا نہیں کیا تھا کہ میقات کی طرف تلبیہ کہتا ہوا لوٹ گیا تو اس کے ذمہ سے دم ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی فعلِ حج ادا کرنے کے بعد لوٹا یا بغیر تلبیہ کہے ہوئے لوٹا تو دم اس پر بدستور واجب رہے گا،

موضع :۔ یہ ایک مقام ہے مکہ سے قریب داخلِ میقات اور حدودِ حرم سے باہر۔ اب یہ مقام "نخلۂ محمود" کے نام سے معروف ہے،

ومن دخل مكة بلا احرام لزمه حج او عمرة وصح منه لو حج عما عليه في عامه ذلك لا بعده يجاوز وقته فاحرم بعمرة وافسدها مضى وقضى ولا دم عليه لترك الوقت فانه يصير قاضيا حق الميقات بالاحرام منه في القضاء مكي طاف لعمرته شوطا فاحرم بالحج رفضه وعليه دم وحج وعمرة الدم لاجل الرفض والحج والعمرة لانه فائت الحج وهذا عند ابي حنيفة واما عندهما يرفض العمرة وانما قال طاف شوطا لانه لو طاف اربعة اشوط يرفض احرام الحج اتفاقا فلو اتمهما صح وذبح لانه اتى بافعالهما لكنه منهي عنه والنهي عن الافعال الشرعية يحقق المشروعية لكنه يجب دم للنقصان ومن احرم بالحج وحج ثم احرم يوم النحر باخر فان حلق للاول لزمه الاخر بلا دم والا فمع دم قصر اولا اي احرم بالحج وحج ثم احرم يوم النحر بحجة اخرى في العام القابل فان حلق للاول قبل هذا الاحرام لزمه الأخر بلا دم وان لم يحلق لزمه الأخر مع دم ومن اتى بعمرة الا الحلق فاحرم باخرى ذبح لانه جمع بين احرامي العمرة وهو مكروه فلزمه الدم آفاقي احرم به ثم بها لزماه لان الجمع بينهما مشروع للآفاقي كالقران وتبطل هي بالوقوف قبل افعالها لا بالتوجه اي بالتوجه الى عرفات فان طاف له ثم احرم بها فمضى عليهما ذبح لانه اتى بافعال العمرة على افعال الحج وندب رفضها فان رفض قضى واراق وان حج فاهل بعمرة يوم النحر او في ثلثة تليه لزمته ورفضت وقضيت مع دم وانما لزمته لان الجمع بين احرامي الحج والعمرة صحيح وان مضى عليهما صح ويجب دم فائت الحج اهل به او بها رفض وقضى وذبح اي فائت الحج اذا احرم بحج او عمرة يجب ان يرفض الاحرام ويتحلل بافعال العمرة لان فائت الحج يجب عليه هذا ثم يقضي ما احرم به لصحة الشروع

ویں بہ وانما یرفض احرام الحج لانہ یصیر جامعا بین احرامی لحج فیرفض الثانی وانما یرفض احرام العمرۃ لانہ یجب علیہ عمرۃ لفوات الحج فیصیر بالاحرام جامعا بین العمرتین فیرفض الثانیۃ وانما یجب علیہ دم للتحلل قبل اوانہ بالرفض ۔

ترجمہ اور جو شخص مکہ میں بلا احرام کے داخل ہوا اسپر حج یا عمرہ لازم ہے تو اگر مکہ میں بلا احرام کے داخل ہو پھر اسی سال میقات کی طرف لوٹ کر حج کا احرام کسی اور سبب نذر حج یا منذر عمرہ کے سبب باندھے تو یہ اسکیلئے بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کی بنا پر جو واجب ہوا تھا کافی ہو جائے گا (اور دم واجب نہ ہوگا) جو شخص اپنے میقات سے تجاوز کرے (آگے بڑھ جائے) پھر عمرہ کا احرام باندھ کر اسے فاسد کردے تو وہ اس عمرہ کو پورا کرے اور پھر قضاء کرے اور میقات سے احرام ترک کرنے کی بنا پر اسکے اوپر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ وہ میقات کے حق کو عمرہ کی قضاء میں پورا کرنے والا ہے۔

مکی (مکہ کا باشندہ) عمرہ کیلئے ایک طواف کرے پھر حج کا احرام باندھ لے تو حج ترک کرے اور اسپر حج اور عمرہ کا دم لازم ہوگا۔ دم حج اور عمرہ چھوڑنے کی بنا پر اور حج اور عمرہ واجب ہوگا کیونکہ وہ حج کا فوت کرنے والا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں، امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک وہ عمرہ کو ترک کرے گا (اور صرف حج اسپر واجب ہوگا) اور مصنفؒ نے کہا، "طاف شوطا"، کیونکہ اگر وہ چار شوط طواف کے کر چکا ہو تو بالاتفاق (تینوں ائمہ کے نزدیک) وہ احرام حج ترک کرے گا، پس اگر وہ حج اور عمرہ دونوں پورے کرے تو دونوں صحیح ہو گئے اور ذبح کرے (قربانی کرے) کیونکہ اس نے حج وعمرہ دونوں ادا کئے (قران کیا)، مگر (مکی کو) اس سے (قران سے) روکا گیا ہے۔ اور روکے گئے افعال شرعیہ کرنے پر مشروعیت ثابت ہو جاتی ہے مگر ادائے نسک میں کمی ونقصان کی بنا پر دم لازم ہوگا،

اور جو شخص حج کا احرام باندھ کر حج کرے۔ پھر نحر کے دن دوسرے حج کا احرام باندھے پس اگر اول حج کیلئے حلق (یا قصر) کر چکا ہو تو دوسرا حج بلا دم کے اسپر لازم ہوگا، اور حلق نہ کیا ہو تو دوسرا حج مع دم کے اسپر لازم ہوگا۔ اور حلق نہ کیا ہو تو دوسرا حج مع دم کے واجب ہوگا قصر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یعنی حج کیلئے احرام باندھ کر حج کیا پھر نحر کے دن دوسرے حج کا آئندہ سال میں (کرنے کا) احرام باندھا پس اگر پہلے حج کا حلق اس دوسرے احرام سے قبل کر چکا ہو تو اسپر دوسرا حج بلا دم کے لازم ہوگا۔ اور اگر دوسرے احرام سے قبل حلق نہ کیا ہو تو دوسرا حج مع دم کے لازم ہوگا، اور جو شخص عمرہ کرے مگر حلق نہ کرے پھر دوسرے عمرہ کا احرام باندھے تو ذبح کرے کیونکہ اس نے دو عمروں کے احرام جمع (اکٹھے) کرلئے اور یہ مکروہ (مکروہ تحریمی) ہے پس دم لازم ہوگا،

کوئی آفاقی حج کا احرام باندھے پھر عمرہ کا باندھے تو اسپر دونوں (حج اور عمرہ) لازم ہوں گے۔ کیونکہ ان دونوں

کا جمع کرنا آفاقی کیلئے مشروع ہے۔ جیسے قران (مشروع ہے) اور عمرہ افعالِ عمرہ ادا کرنے سے قبل وقوفِ عرفہ سے باطل ہو جاتا ہے محض عرفات کی طرف توجہ سے باطل نہیں ہوتا۔ پس اگر حج کا طواف کرے، پھر عمرہ کا احرام باندھے تو دونوں کرتا چلا جائے (اور) ذبح کرے۔ کیونکہ افعالِ عمرہ افعالِ حج پر (مقدم) کئے اور عمرہ کا ترک کرنا مستحب ہے۔ پس اگر عمرہ ترک کردے تو قضاء کرے (آئندہ سال) اور اسپر دم لازم ہوگا۔ اور اگر حج کرے پھر یوم نحر میں عمرہ کا اہلال کرے، (احرام باندھے) یا ان تین دنوں میں جو اس سے متصل ہیں (یعنی ایام تشریق) ایسا کرے تو اسپر عمرہ لازم ہوگا اور اسپر چھوڑنا اور مع دم کے قضاء واجب ہوگی۔ اور اسپر عمرہ لازم ہوگا کیونکہ حج اور عمرہ کے احرام کو جمع کرنا صحیح ہے اور اگر وہ حج و عمرہ دونوں کرتا چلا جائے تو صحیح ہے اور اسپر دم لازم ہوگا جسکا حج فوت ہو اور وہ حج یا عمرہ کا احرام باندھے تو وہ اسے ترک کرے اور قضاء کرے اور ذبح (قربانی) کرے۔ یعنی حج کا فوت کرنے والا جب حج یا عمرہ کا احرام باندھے تو واجب ہے کہ دوسرے احرام کو ترک کردے اور عمرہ کے افعال کرکے حلال ہو جائے۔ کیونکہ حج کے فوت کرنے والے پر یہ (ایسا کرنا) لازم ہے پھر اسکی قضاء کرے جسکا احرام (دوسرا احرام باندھا ہو شروع صحیح ہونے کی بناء پر اور ذبح کرے گا اور حج کا احرام ترک کریگا کیونکہ وہ حج کے دو احراموں کو جمع کرنے والا ہو جائے گا پس دوسرا احرام ترک کرے گا اور عمرہ کے احرام (دوسرے احرام) کو اسواسطے ترک کرے گا کہ عمرہ حج کے فوت ہونے کے باعث واجب ہوگا تو یہ دو عمروں کے احرام اکٹھے کرنے والا ہوگا پس دوسرا احرام ترک کردے گا۔ اور اسپر دم حلال ہونے کے وقت سے قبل حلال ہونے کی بناء پر واجب ہوگا،،

تشریح و توضیح | لزمہ الخ یعنی اسپر حج یا عمرہ لازم ہوگا کیونکہ اسپر واجب ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا احرام باندھ کر حرم میں داخل ہو اس خطۂ محترم کی تعظیم کا تقاضا یہی ہے۔

مضی الخ یعنی اسپر واجب ہے کہ عمرہ کے باقی ماندہ افعال بجا لائے اور آئندہ اس عمرہ کی قضاء کرے

اربعۃ اشواط۔ یہ اسطرف اشارہ ہے کہ متن میں شوط کا ذکر اتفاقی ہے اور حکم ایک یا دو یا تین شوط کی بناء پر نہیں بدلے گا۔ حاصل یہ کہ شوط اگر چار سے کم ہوئے ہوں تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک عمرہ چھوڑ کر حج کا احرام باندھے گا۔ لیکن اگر چار یا چار سے زیادہ ہو چکے ہوں تو بالاتفاق وہ حج چھوڑ کر عمرہ کو پورا کرے گا۔

للنقصان الخ کیونکہ مکی کیلئے قران ممنوع ہے۔ اسلئے خلافِ ممانعت عمل سرزد ہونے پر دم لازم ہوگا

ومن اتی بعمرۃ الخ یعنی حلق یا قصر کے علاوہ سارے افعالِ عمرہ کرلئے پھر دوسرے کا احرام باندھا تو اسپر دم واجب ہوگا۔

اَراقَ - "اِراقة" سے ماضی کا صیغہ ہے اراقۃ کے معنی ہیں خون بہانا یعنی ارتکابِ کراہت
اور عمرہ توڑنے کی بنا پر دم واجب ہوگا -

باب الاحصار

ان أُحصِرَ المحرم بعدوٍ او مرضٍ بعث المفرد دما والقارن دمين وعيّن يوما يذبح فيه
ولو قبل يوم النحر هذا عند ابي حنيفة واما عندهما ان كان محصرًا بالعمرة فكذا وان
كان محصرًا بالحج لا يجوز الذبح الا في يوم النحر وفي حلٍّ لا وبذبحه يحل قبل حلق وتقصير
وعليه ان حل من حجٍّ حجٌّ وعمرةٌ ومن عمرةٍ عمرةٌ ومن قرانٍ حجٌّ وعمرتان واذا
زال احصاره وامكنه ادراك الهدي والحج توجه ومع احدهما فقط له ان يحل هذا
عند ابي حنيفة فانه يمكن ادراك الحج بدون ادراك الهدي اذ عنده يجوز الذبح
قبل يوم النحر واما عندهما فيعتبر ادراك الهدي والحج لان الذبح لا يجوز الا في يوم
النحر فكل من ادرك الحج ادرك الهدي ومنعه عن ركني الحج بمكة احصارٌ وعن
احدهما لا ومن عجز فاحج صح ويقع عنه ان دام عجزه الى موته ونوى الحج عنه
ومن حج عن امريه وقع عنه وضمن مالهما ولا يجعله عن احدهما وله ذلك ان حج
عن ابويه اي متبرعٍ يجعل ثوابه عنهما ودم الاحصار على الآمر وفي ماله ميتا ودم
القران والجناية على الحاج اي ان امر غيره ان يقرن والجناية على الحاج اي ان امر
غيره ان يقرن عنه فدم القران على المامور وضمن النفقة ان جامع قبل وقوفه لا
بعده فان مات في الطريق يحج من منزل آمره بثلث ما بقي لا من حيث مات اي اذا
اوصى ان يحج عنه فاحجوا عنه فمات في الطريق فعند ابي حنيفة يحج عنه بثلث
ما بقي فان قسمة الوصي وعزله المال لا يصح الا بالتسليم الى الوجه الذي عينه الموصي
ولم يسلم الى ذلك الوجه لان ذلك المال قد ضاع فينفذ وصيته من ثلث
ما بقي وعند ابي يوسف ينفذ من ثلث الكل وعند محمد ان بقي شيء مما دفع
الى الاول يحج به وان لم يبق بطلت الوصية

ترجمہ اگر محرم کو کوئی شخص روکے یا مرض کے باعث رک جائے تو حج افراد کرنے والا ایک دم (گائے یا اونٹ یا بکری) اور قارن دو دم (دو جانور) ادا کرے اور ذبح کا ایک دن متعین کر دے اگرچہ نحر کے دن سے پہلے ہو۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک اگر اسے عمرہ سے روکا گیا ہو تو یہی حکم ہے اور اگر حج سے روکا گیا ہو تو ذبح نحر کے دن ہی جائز ہے (اس سے قبل نہیں) اور (حِل خارج حرم) میں اسکا ذبح کرنا جائز نہیں اور ذبح کے بعد وہ حلق اور قصر سے پہلے ہی حلال ہو جائے گا۔ اور وہ (محصر) اگر حج سے حلال ہو تو اسپر حج اور عمرہ لازم ہوگا اور عمرہ سے حلال ہو تو عمرہ واجب ہوگا۔ اور جب اس کا احصار (رکاوٹ) دور ہو جائے دراں حالیکہ ہدی اور حج پالینا اس کیلئے ممکن ہو تو جائے۔ اور اگر دونوں میں سے ایک (حج یا ہدی) کے ملنے کا امکان ہو تو اس کے لئے حلال ہو جانا (اور احرام ختم کر دینا) جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔
اسلئے کہ حج کا پانا ہدی کے بغیر ممکن ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یوم نحر سے پہلے ذبح جائز ہے۔ امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک ہدی اور حج دونوں کا پانا معتبر ہے (ایک کا پانا ان کے نزدیک معتبر نہیں) کیونکہ ذبح ان کے نزدیک یوم نحر ہی میں جائز ہے۔ پس جس شخص نے حج پایا یا ہدی (بھی) پالی۔
اور جو شخص مکہ میں حج کے دونوں رکن وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے روکا جائے تو اسکا احصار شرعاً ثابت (ومعتبر) ہے اور دونوں میں سے ایک سے روکا گیا ہو تو اس کا احصار ثابت نہیں۔ اور جو شخص حج کرنے سے عاجز ومجبور ہو جائے پس اسکی طرف سے حج کیا گیا ہو (حج بدل) تو اسکا حج صحیح اور اسکی طرف سے ہوگا، بشرطیکہ اس کا عجز موت تک باقی رہے اور حج میں اسکی نیت کی ہو۔ اور جو شخص دو حج کا حکم کرنے والوں کی طرف (ان کے خرچ پر) حج کرے تو وہ حج حج کرنے والے کی طرف سے ہوگا اور ان دونوں کے مال کا ضمان اسپر لازم آئے گا۔ اور اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ یہ حج ان دو حکم کرنے والوں میں سے ایک کی طرف سے کرے۔ اور وہ اگر اپنے والدین کی طرف سے نفل حج (یعنی ان کے امر کے بغیر) کرکے اسکا ثواب انھیں پہونچا دے تو درست ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کو حج کا حکم کرے (اور وہ اسکی طرف سے حج بدل کرنے چلے) اور اسے احصار پیش آجائے تو دم احصار حج کا حکم کرنے والے پر واجب ہوگا اور حکم کرنے والا مر جائے تو اسکے مال میں سے دم احصار (رکنے کی بنا پر قربانی) واجب ہے۔ اور دم قران اور دم جنابت حج کرنے والے پر واجب ہوگا یعنی اگر کوئی شخص حکم کرے کہ وہ اسکی طرف قران کرے تو دم قران مامور (حکم کردہ) پر ہوگا اور مامور اگر وقوف عرفہ سے قبل صحبت کرے تو نفقہ (مصارف) کا ضمان مامور پر لازم آئے گا (کہ وہ خرچ کردہ رقم وغیرہ کو لوٹائے) اور وقوف عرفہ کے بعد صحبت کرے تو نفقہ کا ضمان لازم نہ ہوگا۔ اگر مامور راستہ میں مر جائے

تو دوسرے شخص کو آمر کے گھر سے روانہ کیا جائے گا اس جگہ سے نہیں جہاں مامور کا انتقال ہوا ہے یہ حج مرنے والے کے تہائی ترکہ کی باقی ماندہ رقم سے کرایا جائے گا۔ یعنی اگر مرنے والے نے وصیت کی ہو کہ اسکی طرف سے حج کرایا جائے پس اسکی جانب سے ورثاء حج کرائیں اور پھر مامور راستہ میں مرجائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تہائی ترکہ کے باقی ماندہ سے حج کرایا جائے گا اسلئے کہ وصی کا تقسیم کرنا اور اتنا حصہ کل مال میں سے نکالنا اسی صورت میں صحیح ہوگا کہ وصیت کے مطابق وصی سپرد کردے (یعنی مرنے والے کی طرف سے حج پورا ہو جائے) اور وہ اس صورت میں سپرد نہیں ہو کیونکہ یہ مال ضائع ہو گیا پس اسکی وصیت تہائی ترکہ کے باقی ماندہ میں نافذ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کل مال میت کے ثلث میں نافذ ہوگی (اور پورے مال کے تہائی سے حج کرایا جائے گا) اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر پہلی مرتبہ دیئے ہوئے مال میں سے کچھ باقی ہو تو اس سے حج کرایا جائے گا اور اگر باقی نہ ہو تو وصیت باطل ہو گی (اور دوبارہ اسکا نفاذ نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح الاحصار الخ لغت میں اسکے معنی روکنے کے ہیں۔ اور شرعاً اس کے معنی یہ ہیں کہ محرم کو حج اور عمرہ سے اس طرح روک دیا جائے گا کہ اسکا ارکان ادا کرنا ممکن نہ رہے۔ کیونکہ اس طرح کی صورتیں احصار کی بہت کم پیش آتی ہیں اسی لئے اس کا ذکر موخر کیا۔ بعدو الخ۔ یعنی دشمن یا مرض کی وجہ سے محرم حج و عمرہ سے رک جائے۔ جیسے ۶ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے اس سال عمرہ سے روک دیا۔ وعین الخ۔ یعنی محرم حرم کی طرف کسی کے ساتھ ہدی بھیجے اور اسکے ذبح کرنے کا ایک دن مقرر کردے اور اسے حکم کرے کہ وہ حرم میں اس معین دن ہدی ذبح کردے تو جب وہ معین دن اور وقت آجائے وہ محصر رکنے کی جگہ اپنے احرام سے حلال ہو جائے گا وفی حل الخ یعنی واجب ہے کہ حرم میں ذبح کرے خارج حرم ذبح نہ کرے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ۔ نیز ارشاد باری ہے "ثم محلھا الی البیت العتیق" الایۃ

باب الهدی

الهدی من ابل وغنم وبقر ولا یجب تعریفه ای الذهاب به الی عرفات مطلقا بل المراد الاعلام کالتقلید ولم یجز فیه الا ما جاز فی الاضحیة وجاز الغنم فی کل شئ الا فی طواف فرض جنبا وطیه بعد الوقوف واکل من هدی تطوع ومتعة وقران فحسب وتعین یوم النحر لهما لا غیرهن وغیرها متی شاء کما تعین الحرم للکل لا فقیره لصدقته ای لا یتعین فقیر الحرم لصدقته وتصدق بجلته وخطامه

ولم يعط اجرة الجزار منه ولا يركب الا ضرورة ولا يحلب لبنه ويقطعه بنضح ضرعه
بماء بارد وما عطب او تعيب بفاحش اي ذهب اكثر من ثلث ذنبه او اذنه او عينه ففي واجبه
ابدله والمعيب له وفي نفله لا شيء عليه ونحر بدنة النفل ان عطبت في الطريق وصبغ نعلها بدمها
وضرب به صفحة سنامها ليأكل منه الفقير لا الغني وان شهدوا بوقوفهم بعد وقته لا تقبل اي اذا
وقف الناس وشهد قوم انهم وقفوا بعد يوم عرفة لا تقبل شهادتهم لان التدارك غير ممكن فيقع
بين الناس فتنة كما اذا شهدوا عشية يوم يعتقد الناس انه يوم التروية برؤية الهلال في ليلة
يصير هذا اليوم باعتبارها يوم عرفة فانه لا تقبل الشهادة لان اجتماع الناس في هذه الليلة متعذر ففي قبول
الشهادة وقوع الفتنة وقبل وقته قبلت لفقد الاعتبار بما اذا وقفوا يوم التروية وقد كتب في الحواشي شهد
قوم ان الناس وقفوا يوم التروية اقول صورة هذه المسألة مشكلة لان هذه الشهادة لا تكون الا بان الهلال
لم ير ليلة كذا وهو ليلة يوم الثلاثين ورئي ليلة بعده وكان شهر ذي القعدة ثلاثين ومثل هذه الشهادة
لا تقبل لاحتمال كون ذي القعدة تسعة وعشرين وصورة المسألة ان الناس وقفوا ثم علموا بعد الوقوف
انهم غلطوا في الحساب وكان الوقوف يوم التروية فان علم هذا المعنى قبل الوقت بحيث يمكن التدارك فالامام
يأمر الناس بالوقوف وان علم ذلك في وقت لا يمكن تداركه فبناء على الدليل الاول وهو تعذر امكان التدارك
ينبغي ان لا يعتبر هذا المعنى ويقال قد تم حج الناس واما بناء على الدليل الثاني وهو ان جواز المقدم لا نظير له
لا يصح الحج رمى في اليوم الثاني لا الاولى فان رمى الكل فحسن وجاز الاولى وحدها اي ان رمى في اليوم الثاني
الجمرة الوسطى والثالثة ولم يرم الاولى فعند القضاء ان رمى الكل فحسن وان قضى الاولى وحدها جاز نذر
حجا ماشيا مشى حتى يطوف الفرض اي بعد طواف الزيارة جاز لمن ان يركب اشترى جارية محرمة بالاذن
له ان يحللها بقص شعر او بقلم ظفر ثم يجامع وهو اولى من ان يحلل بجماع قوله بالاذن متعلق بقوله
محرمة اي احرمت باذن المالك حتى لو احرمت بلا اذنه فلا اعتبار له .

ترجمہ ہدی اونٹ کی ہو یا بکری کی یا گائے کی اور اسے عرفات لیجانا واجب نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے
مراد اعلام وتشہیر ہے قلادہ ڈالنے کی طرح۔ اور ہدی میں اسی قسم کا جانور جائز ہے جیسے نحر کے دن قربانی میں جائز ہے
اور بکری ہر چیز (ہر دم) میں جائز ہے۔ لیکن اگر طوافِ زیارت بحالتِ جنابت کر لیا ہو یا وقوفِ عرفہ کے بعد ہمبستری کر لی ہو
(تو ان دونوں صورتوں میں بدنہ واجب ہوگا) اور نفل ہدی سے اور قران وتمتع کی ہدی سے کھانا درست ہے اور باقی
سے کھانا درست نہیں۔ اور تمتع اور قران کی ہدی نحر کے دن ذبح کرے اور ان دونوں کے علاوہ جب چاہے ذبح
کرے حرم کی جگہ ذبح (ہدی قران تمتع اور نفل) کیلئے متعین ہے۔ حرم کے فقیر صدقہ کیلئے متعین نہیں (اوروں کو بھی
دینا درست ہے) اور ہدی کی جھول اور نکیل (مہار) صدقہ کر دے اور اسمیں سے قصاب کی اجرت نہ دے۔ اور ہدی
پر سوار نہ ہو مگر ضرورتاً اور نہ اسکا دودھ دوہے اور اسکا دودھ تھنوں پر ٹھنڈا پانی ڈال کر ختم کر دے۔ اور جو ہدی

ہلاک ہونے کے قریب ہو جائے یا بہت زیادہ عیب دار ہو جائے (کہ قربانی سے مانع ہو) یعنی اسکی تہائی دم یا تہائی کان یا تہائی آنکھ جاتی رہے تو اگر یہ واجب ہدی ہو (مثلاً دم قران یا دم جنایت کی ہو) تو اسے بدل دے اور عیب دار ہدی دالے کی ہے اور ہدی نفل ہو تو اسپر کچھ واجب نہیں۔ اور نفل ہدی اگر راستہ میں مرنے لگے تو اسے نحر کرے اور اسکا قلادہ اسکے خون سے رنگ دے اور اسے اسکے کوہان پر مارے تاکہ (لوگوں کو معلوم ہو جائے اور (اسمیں سے فقیر کھائے غنی ومالدار نہ کھائے) اور اگر لوگ وقوف عرفہ کریں اور کچھ لوگوں کی یہ شہادت وقت وقوف کے بعد ہو کہ یہ دن نحر کا ہے) تو انکی شہادت قبول نہیں کیجائیگی۔ یعنی جب لوگ وقوفِ عرفات کریں اور ایک قوم (لوگوں کی جماعت) گواہی دے کہ انھوں نے وقوف یوم عرفہ کے بعد کیا ہے تو انکی شہادت قبول نہیں کیجائیگی۔ کیونکہ (اب) تلافی ممکن نہیں اور لوگ قبولِ شہادت کی بنا پر فتنہ میں مبتلا ہونگے جیسے اس دن کی شام کو جسے لوگ تیس کی رات کو چاند دیکھکر اسکے حساب سے یوم ترویہ سمجھ رہے ہوں اور کچھ لوگ اسے آٹھ ذی الحجہ قرار دینے کی شہادت دیں تو انکی شہادت قابل قبول نہ ہوگی اور یہ دن ان لوگوں کے اعتبار سے یوم عرفہ ہی رہیگا۔ اسلئے کہ لوگوں کا اس رات میں عرفات میں جمع ہونا متعذر ودشوار ہے۔ پس قبول شہادت میں فتنہ کا وقوع ہے (اور اس سے احتراز ضروری ہے) اور وقوف کے وقت سے قبل گواہی دیں تو انکی شہادت قبول کیجائیگی ہدایہ کے الفاظ اس اعتبار سے ہیں کہ جب لوگوں نے یوم ترویہ وقوفِ عرفہ کی شہادت دیں میں کہتا ہوں کہ یہ صورتِ مسئلہ مشکل ودشوار ہے۔ کیونکہ اس شہادت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ رویتِ ہلال اس رات یعنی ذی قعدہ کے تیسویں دن کی رات میں نہیں ہوئی بلکہ رویتِ ہلال اسکے بعد ہوئی اور ذیقعدہ کا مہینہ پورے تیس دن کا ہوا۔ اور اس قسم کی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی کیونکہ اسکا احتمال ہیکہ ماہ ذیقعدہ ۲۹ کا ہو اور صورت مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں نے وقوفِ عرفہ کیا پھر وقوف کے بعد معلوم ہوا کہ ان سے حساب میں غلطی سرزد ہوئی اور ان کا وقوف یوم ترویہ میں ہوا۔ پس اگر اسکا علم وقوفِ عرفہ کے وقت سے پہلے ہو گیا ہو کہ تلافی وتدارک ممکن ہو تو امام لوگوں کو نویں دن وقوف کا حکم کرے اور اس کا علم اگر وقوفِ عرفہ کے وقت بعد تدارک وتلافی ممکن نہ ہو تو دلیلِ اول پر بنا کیجائیگی (اور عمل کیا جائیگا) اور وہ یہ کہ تلافی کا امکان متعذر ودشوار تو موزوں یہ ہیکہ اس معنی (غلطی ونسیان) کا اعتبار نہیں کیا جائیگا اور کہا جائے گا کہ لوگوں کا حج پورا ہو گیا۔ اور رہی دوسری دلیل پر بناء اور وہ یہ کہ وقت سے قبل وقوف جائز ہو تو اسکی شرع میں کوئی نظیر نہیں، لہذا حج صحیح نہ ہوگا۔ گیارہویں ذی الحجہ کو جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ ثالثہ (تیسرے جمرہ) کی رمی کی جمرۂ اولیٰ کی نہیں کی اس صورت میں اگر از سر نو سب کی رمی کرے تو بہتر ہے اور اگر بوقتِ قضاء (صرف جمرۂ اولیٰ کی کرے تو یہ بھی جائز ہے، کسی نے پا پیادہ حج کرنیکی نذر کی تو وہ طوافِ زیارت پیدل کرے۔ یعنی طوافِ زیارت کے بعد اس کیلئے سوار ہونا جائز ہے، ایک باندی خریدے جو محرمہ (احرام باندھے ہوئے ہو) اپنے مالک کی اجازت سے تو خریدنے والے کو اسکا احرام ختم کر دینا جائز ہے اسطرح کہ اسکے بال کاٹ کر یا ناخن کتر کر اسے صحبت کرے اور ناخن کتر کر یا بال کاٹ کر اسکا احرام ختم کرنا اس سے بہتر ہے کہ اس سے ہمبستر ہو کر اس کا احرام ختم کرے، پس مصنفؒ کا قول۔ بالاذن، متعلق ہے اسکے قول "محرمۃ" سے۔ یعنی مالک کی اجازت سے احرام باندھے۔ حتی کہ اگر وہ بلا اذن واجازتِ مالک احرام باندھے تو اسکا کوئی اعتبار نہیں (کیونکہ غلام یا باندی کیلئے آقا کی اجازت ضروری ہے) ۔:

تمت :۔ ۱۴۲۳ ہجری مطابق ۲۰۰۲ء